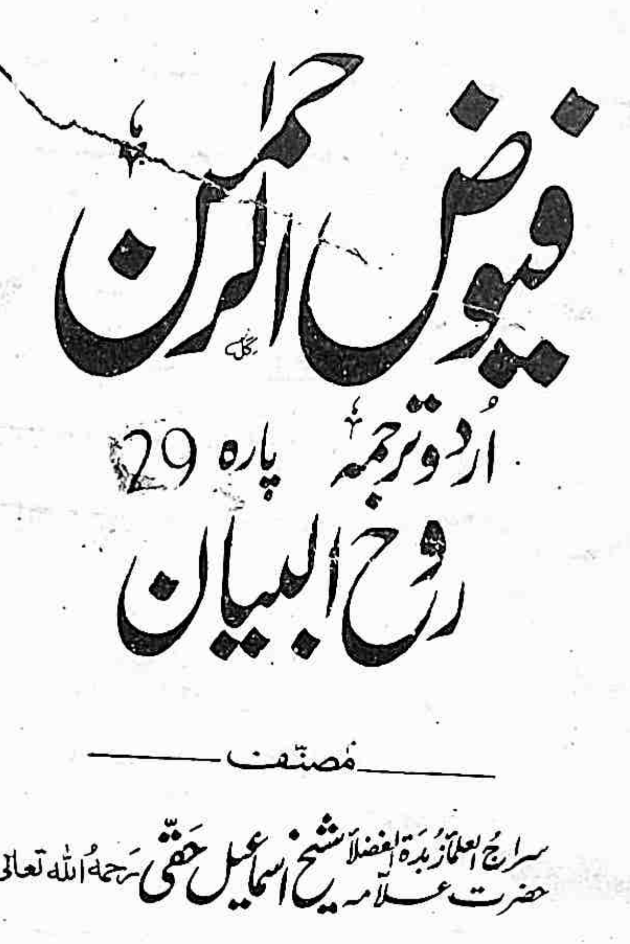


فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ پارہ 29

روح البیان

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث فیض ملت علامہ محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

نام کتاب ——— فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان پ ۲۹
مصنف ——— حضرت علامہ الشیخ حقی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم ——— حضرت شیخ القرآن علامہ محمد فیض احمد اویسی
تصحیح ——— الحاج چوہدری مشتاق محمد خان
سنِ طباعت ——— ۱۹۹۴ء
ناشر ——— مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور
باہتمام ——— صاحبزادہ عطاء الرسول اویسی

فہرست مضامین تفسیر فیوض الرحمٰن پارہ نمبر ۲۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ نمبر ۲۹

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ

اٰیَاتُہَا ۳۰ (۶۷) سُوۡرَۃُ الۡمُلۡکِ مَکِّیَّۃٌ (۷۷) رُکُوۡعَاتُہَا ۲
تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ
خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ
الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا
تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی
مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ
خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾ وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ
وَ جَعَلۡنٰہَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ وَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابَ السَّعِیۡرِ ﴿۵﴾
وَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۶﴾
اِذَاۤ اُلۡقُوۡا فِیۡہَا سَمِعُوۡا لَہَا شَہِیۡقًا وَّ ہِیَ تَفُوۡرُ ۙ﴿۷﴾ تَکَادُ
تَمَیَّزُ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ کُلَّمَاۤ اُلۡقِیَ فِیۡہَا فَوۡجٌ سَاَلَہُمۡ خَزَنَتُہَاۤ اَلَمۡ

يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿٨﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٢﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٣﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٤﴾

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا ملک اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۝١ وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے اور وہی عزت والا بخشش والا ہے۝٢ جس نے سات آسمان بنائے ایک کے اوپر دوسرا تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے تو نگاہ اُٹھا کر دیکھ تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے۝٣ پھر دوبارہ نگاہ اُٹھا نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی۝٤ اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے مار کیا اور ان کے لئے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار فرمایا۝٥ اور جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اور کیا ہی بُرا انجام۝٦ جب اس میں ڈالے جائیں گے اس کا رینگنا سنیں گے کہ جوش مارتی ہے۝٧ معلوم ہوتا ہے کہ شدت غضب میں پھٹ جائے گی جب کبھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا تھا۝٨ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈر سنانے والے تشریف لائے پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا اللہ نے کچھ نہیں اتارا تم تو نہیں مگر بڑی گمراہی میں۝٩ اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۝١٠ اب اپنے گناہ کا اقرار کیا تو پھٹکار ہو دوزخیوں کو۝١١ بے شک وہ جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۝١٢ اور تم اپنی بات آہستہ کہو یا آواز سے وہ تو دلوں کی جانتا ہے۝١٣ کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہی ہے ہر باریکی جانتا خبردار۝١٤

سورۃ الملک مکیۃ اور بالاتفاق اس کی تیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر عالمانہ ① تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ البرکۃ بمعنے نماء وزیادتی حسی ہو یا عقلی جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو معنی ہوگا کہ اس کی ذات وصفات بلند و بالا ہیں کوئی بھی اس کی مانند نہیں ہوسکتا نہ ذات میں نہ صفات میں چونکہ برکت اس زیادتی کو متضمن ہے جو غیر سے بلند و بالا ہو اور یہ شان اللہ تعالیٰ کی ہے کما قال اللہ لیس کمثلہ شئ یعنی اس کی ذات میں اس کی کوئی مثل نہیں کیوں کہ وہ واجب الوجود ہے اور نہ ہی اس کی صفات و افعال میں کوئی شے اس کی مثل ہے کیوں کہ اس کی صفات و افعال با کمال ہیں۔

سوال : تمہاری تقریر تخلقوا باخلاق اللہ "اللہ تعالیٰ کی عادات و اخلاق کو اپناؤ" کے خلاف ہے۔

جواب : یہ حکم باعتبار لوازم و بقدر استعداد کا ہے باعتبار حقیقت کے اسے اس سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ باعتبار حقیقت کے ان صفات سے موصوف ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام مردہ زندہ کرتے تو وہ باعتبار لوازم کے ہے اور اللہ تعالیٰ کا زندہ کرنا باعتبار حقیقت کے ہے کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا اور ان کی دعا کی برکت سے مردہ زندہ ہوتے تھے جیسے ہم باعتبار مظہریت اور استجابت دعا کے انہیں مردہ زندہ کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(ایسے ہی دیگر انبیاء عظام و اولیاء کرام کو سمجھئے)

ہماری اس تقریر سے مفسرین کے قول تزاید فی ذاتہ کا معنی ومفہوم بھی سمجھ آگیا کہ ان کے نزدیک بھی اس کا یہی معنی ہے کہ وہ واجب الوجود ہے اسی لئے وہ جملہ ماسوی اللہ سے بلند و بالا تغیر و استدلال سے منزہ ہے۔

ازالہ وہم چونکہ لفظ تبارك غایۃ کمال اور انتہائے تعظیم پر دلالت کرتا ہے اسی لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس لفظ کے سوا کوئی دوسرا صیغہ اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل ہوگا مثلاً یتبارک وغیرہ نہ کہا جائے گا۔

فائدہ :- اس کا اسناد موصول (الذی) کی طرف اسناد میں مضمون کا تحقق مطلوب ہے اور

اسمائے موصولہ معارف نہیں اور بالخصوص ایسے مضامین سے اہلِ ایمان خوب جانتے ہیں کہ مُلک پر قبضہ صرف اسی کا ہے اور یہ اس معنیٰ میں دلیل قطعی ہے۔

فائدہ یَدَ بمعنیٰ قدرت تامہ واستیلائے کاملہ ہے کیوں کہ عموم قدرت واستیلاء کا اظہار اکثر ہاتھ سے ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے فلاں بیدہ الامر والنہی والحل والعقد یعنی اسے قدرت غالبہ اور تصرف عام اور حکم نافذ حاصل ہے حضرت حکیم سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ؎

۱: ید او قدرت است و وجہ بقاش

ترجمہ: اس کے ہاتھ سے قدرت اور وجہ سے بقا مراد ہے اور فرمایا۔

آمدن حکمش و نزول عطاش

۲: اصبعینش نفاذ حکم قدر

قدمینش جلال وقہر وخطر

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے آنے سے اس کا حکم اور نزول سے عطا اور اس کی دو انگلیوں سے قدر وقضا کا نفاذ حکم اور اس کے دو قدموں سے جلال وقہر وخطر مراد ہے

فائدہ: عین المعانی میں ہے کہ الیَدَ بمعنیٰ صلہ وقدرت مراد ہے لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ بلا تاویل وبلا تکیف۔ ید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ملک بمعنیٰ تصرف وسلطنت ہے اور لام استغراق کی ہے اسی لئے کشف الاسرار میں لکھا کہ اٹھارہ ہزار جہاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ذات وصفات وافعال میں اپنے ماسوا سے بلند وبالا اور معظم ہے اور جملہ امور میں تصرف کلی اس کی قدرت کا قبضہ ہے کسی کو اس کے امور میں ذاتی طور کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں۔ وہی حکم فرماتا ہے وہی نہی کرتا ہے وہی دیتا ہے وہی روکتا ہے وہ زندہ کرتا ہے وہ مارتا ہے وہی عزت دیتا ہے وہی ذلت دیتا ہے وہی فقیر اور غنی کرتا ہے وہ بیمار کرتا اور شفا دیتا ہے وہی قریب اور بعید کرتا ہے وہی آباد اور ویران کرتا ہے وہی جدا کرتا ہے اور واصل فرماتا ہے وہی پردے کھولتا اور حجاب ڈالتا ہے ایسے ہی جملہ شؤن عظیمہ اور آثار قدرت الٰہیہ وسلطنت ازلیہ وابدیہ کو سمجھئے۔

فائدہ: بعض نے کہا "البرکۃ بمعنیٰ کثرت خیر ودوام اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اسی لئے ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کو ہر قسم کی خیر کثیر سے نوازتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس ذات کی خیر کثیر ہے جس کے قبضۂ قدرت میں مُلک ہے اور اس کی نعمت واحسان اَن گِنت ہے کما قال اللہ تعالیٰ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

فائدہ:۔ امام راغب نے فرمایا البرکۃ بمعنیٰ خیر الٰہی کا کسی شئے میں ثابت ہونا اور المبارک وہ ذات جسمیں

خیر ہو اور چونکہ اللہ تعالٰی کی خیر ایسی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا شمار و حصر ہے اسی لئے اس کے لئے یہ لفظ اسی کے لائق ہے بعض نے کہا جس کی برکت کا مشاہدہ تو ہوتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا وہی مبارک کہلانے کا مستحق ہے اسی طرف

حدیث شریف : لاینقص مال من صدقۃ

"صدقہ سے مال کی کمی نہیں آتی" میں یہی اشارہ ہے اور

تبارك الذی جعل فی السماء بروجًا میں تنبیہہ ہے کہ وُہ کریم ان بروج کے ذریعے ہمیں خیر کثیر کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور جہاں بھی لفظ تبارك ہوگا وہاں تنبیہہ ہو گی کہ ان عظیم نعمتوں کا نوازنے والا صرف وہی ہے۔

فائدہ : الکواشی میں لکھا ہے کہ تبارک بمعنی تعظم و تعالٰی یعنی وہ ذات جو محدثین (حادث لوگ) کی صفات سے بلند و بالا ہے ایسے ہی ب۔ ر۔ ک کی ترکیب اسی معنی پر دلالت کرے گی یعنی برک بمعنی اس کے خزانوں میں خیر کا ثبوت ثابت ہے۔

فائدہ : حضرت سہل (تستری) رحمۃ اللہ عنہ نے فرمایا تبارک بمعنی وہ ذات جو اشباہ و اولاد و اضد دو انداد سے منزہ و مقدس ہے اسی کے ہاتھ میں ملک ہے وہ اسے اپنی قوت سے جیسے چاہتا ہے بدلتا ہے اور جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھینتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے نبوت مراد ہے اور معنیٰ یوں کرتے ہیں کہ جو اسکی اتباع کرتا ہے اسے نبوت کے صدقے عزت دیتا ہے اور جو مخالفت کرتا ہے تو نبوت کے ذریعے اسے ذلیل کرتا ہے اور حضرت جعفر نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات جو اس سے اپنا نے یا اس کا ہو جائے تو اسے برکت سے نوازتا ہے یعنی وہی نبی علیہ السلام کا وارث اور نائب ہے۔

فائدہ : حضرت قاشانی نے فرمایا کہ لفظ ملک کا عالم اجسام پر اور ملکوت عالم نفوس پر اطلاق ہوتا ہے اسی لئے اس کی ذات تبارک سے موصوف ہوتی ہے جب اس کے تصرف کا ذکر عالم ملک کے لئے ہو کیوں کہ عالم ملک کی عظمت کا اظہار اسی لفظ سے ہو سکتا ہے اس لئے کہ عظمت کی غایت اور ازدیاد فی العلو و البرکۃ کی انتہا یہی لفظ ہے۔ اور بمقتضائے ارادہ جب اس کی تسخیر کا ذکر عالم ملکوت کے لئے ہوتا ہے تو وہاں لفظ تسبیح آتا ہے بمعنی تنزیہ کما قال تعالٰی فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی خلاصہ یہ کہ ہر لفظ اپنی مناسبت پر ہے کیوں کہ عظمت و ازدیاد و برکت عالم اجسام کو لائق ہے اور تنزہ مجردات عن المادہ کو موزوں ہے۔

سبق : آیت میں اشارہ ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں ملک ہے وہ مالک ہوا اور اس کے ماسوا اس کے

مملوک اور مملوک کو لازم ہے کہ وہ اپنے مالک کی خدمت کرے ؎

خدمت او کن مگر شاہان ترا خدمت کنند
چاکر او باش تا سلطان تر گردد غلام

ترجمہ: اُس کی خدمت کر تاکہ بادشاہ تیری خدمت کریں تو اس کا غلام ہو تاکہ بادشاہ تیرے غلام ہوں۔

قدسی حدیث شریف

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو فرمایا یَا دُنْیَا اَخْدِمِیْ مَنْ خَدَمَنِیْ ؟
اے دنیا تو اس کی خادم ہو جا جو میرا خادم ہے

تفسیر صوفیانہ

کشف الاسرار میں ہے کہ انسانیت کا ملک اور ہے اور قلب کا ملک دیگر ہے اور روح کا ملک مزید دیگر ہے۔ اس لئے کہ انسانیت ملک دنیا کو چاہتی ہے اور دنیوی زندگی لہو ولعب اور زینت ہے اور دل آخرت کا ملک چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یحبہم ویحبونہ (اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اور روح عالم حقیقت کا خواہشمند ہے" وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ قیامت میں بعض چہرے بارونق اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہوں گے وہ عزیز یعنی اللہ تعالیٰ قیامت میں کبریائی کا جھنڈا لہرائے گا اور کہے گا لمن الملک الیوم" آج کس کی شاہی و ملک ہے میں اپنے گوشۂ دل سے اپنے ملک کا دستور کھولتا ہوں اور اس کے درد کا کچھ حصہ باہر لاتا ہوں تاکہ قیامت کا چکر لگائے اور میں کہوں لمن الملک (کس کا ملک ہے اگر کوئی معترض سامنے آئے تو میں اسے کہوں کہ جو دنیا میں ہمارے جیسا ضعیف و مسکین ہو وہ کہہ سکتا ہے لمن الملک۔ الیوم۔ کیوں کہ ہمارے پاس جبار قہار کا ملک ہے تو پھر ہمارا حق ہے ہم کہیں لمن الملک الیوم اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہمارے جیسے بندے ہیں تو ہمارا ملک وہی خود ملک الملک ہے (گویا محبوبان خدا ذات حق تعالیٰ کو ہی اپنا سرمایہ زندگی سمجھتے ہیں جسے دنیا کو شاہان دنیا اپنا سردار سمجھتے ہیں۔ اس معنیٰ پر حضرت بایزید کا ارشاد حق ہے میرا مالک ملک دنیوی سے بڑا ہے

بایزید قدس سرہٗ کے قول الٰہی ملکی اعظم من ملکک کی توجیہ

اس تقریر سے حضرت بایزید قدس سرہ کے قول" الٰہی ملکی اعظم من ملکک" اے اللہ میرا ملک تیرے ملک سے بہت بڑا ہے کیوں کہ بہ تقریر مذکور عبد کا ملک قدیم اور رب تعالیٰ کا ملک حادث ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو اس لئے کہ یہاں بڑوں بڑوں کے پاؤں

ڈگمگا گئے۔

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وُہ ہر شے پہ بہت بڑی قدرت رکھتا ہے اور ہر قدرت کا منتہی وہی ہے وہ ہر شے میں اپنی حکمت کے تقاضا کے مطابق تصرف کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور اس کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں اس کا عطف سابقہ جملہ کے صلہ پہ ہے اس کے مضمون کی تقریر کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ وہ ملک میں جیسے چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے ہر بڑے اور چھوٹے اسی کے حکم کے تابع ہیں۔

مسئلہ امکان کذب کا بہترین حل

اللہ تعالیٰ ہر شے من الاشیاء موجود اور مقدور پہ قدرت رکھتا ہے کہ کسی کو انعام سے نوازے اور کسی نعمت کو جہاں چاہے منتقل کرے لیکن یاد رہے کہ شے سے وہ چیز مراد ہے جس سے مشیتِ الٰہی متعلق ہو یعنے معدومات ممکنہ کہ جن سے مشیتِ الٰہی متعلق ہو کیوں کہ موجود واجب تو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں اور اس کا زوال ازلاً و ابداً ممتنع ہے اور موجود ممکن کا وجود بھی مراد نہیں اس لیئے جب وہ پہلے موجود ہے تو پھر اس کے وجود کا کیا مطلب اگر مراد ہو تو تحصیل حاصل ہوگی اور معدوم ممتنع کا وجود نا ممکن ہے اس سے مشیتِ ایزدی متعلق نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق معدوم کے ایجاد اور موجود کے ابقاء سے ہے اور بس اور موجود کے ابقاء کا معنیٰ یہ ہے کہ ایک شے کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرنا۔

فائدہ، حضرت قاشانی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان ممکنات و پر قادر ہے جو معدوم تو ہیں لیکن ان کی ایجاد اس کی مشیت سے متعلق ہے اسی لئے شئ کا قرینہ بتاتا ہے کہ اس سے خاص وہ ممکن مراد ہے جو وہ چاہے کیوں کہ جب قدرت کو معلل بالشئ کیا گیا تو وہی مقدور مراد ہوگا جو اس کی مشیت سے متعلق ہوگا کیوں کہ وہی ممکن ہے باقی یا واجب ہے یا ممتنع۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ معظم اور بلند و بالا ہے اپنی ذات وصفات و افعال میں اسی کے ہاتھ میں ہے ملک اور اس کا قدرت ہے مطلقہ کا ہاتھ لطف وکرم سے پُر ہے وہ جس طرح چاہتا ہے نوازتا ہے وجود مطلق کی سلطنت کا مالک ہے وہی وجودات مقیدہ پر فیض وکرم فرماتا ہے اور وہی ہلویت مطلقہ کا مستحق ہے اور اس کی ہویت ہر شے میں ظاہر ہے اور وہی ہر شے پہ قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ

(۲) اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ بعض احکام ملک اور آثار قدرت کی تحصیل کا بیان شروع ہے اور الذی پہلے موصول سے بدل ہے اسی لئے قدیرہ

پر وقف نہیں کیا گیا۔

اہلِ سنّت کے نزدیک حیات و موت کا مطلب

اہل سنت و جماعت کے نزدیک موت صفتہ وجودیہ ہے جیسے حرارۃ برودت کی نقیض ہے یہ حیات کی نقیض ہے اور حیاۃ عند اہل السنۃ صفت وجودیہ لنفس ذات سے زائد اور علم و قدرت کی مُغایر اور ذات کا ان دونوں سے موصوف ہونے کی مصحح ہے۔

موت وحیاۃ کی تمثیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موت وحیات کے اپنے اپنے جسم ہیں اللہ تعالیٰ نے موت کو کبش املح (مینڈھا ملیح) کی صورت میں پیدا فرمایا ہے جس پر اس کا گزر ہوتا ہے یا جس شے کو اس کی بُو پہنچتی ہے تو وہ شے مر جاتی ہے اور حیات کو گھوڑی ابلق کی صورت میں پیدا فرمایا اور یہ وہی گھوڑی ہے جس پر جبرئیل اور انبیاء علیہم السلام سوار ہوتے ہیں جس کا ایک قدم وہاں پہنچتا ہے جہاں تک ہماری نگاہ کام کرتی ہے اور گدھے سے قد سے اونچی اور خچر سے قدر کم قامت والی ہے یہ بھی جس پر گزرتی یا جس کو اس کی بُو پہنچتی ہے تو وہ شے زندگی والی ہے یہ وہی گھوڑی ہے جس کے قدموں سے سامری نے مٹی اٹھائی تھی اور پھر اسے بچھڑے کے منہ میں ڈالا تو وہ زندگی پا گیا۔

فائدہ: یہ روایت بطریق تمثیل کے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے یہ دونوں از قبیل صفات ہے اعیان کے قبیل سے نہیں لیکن یہ قول مؤول ہے

موت وحیات کے متعلق تحقیقی قول اور دلائل

تحقیق یہ ہے کہ موت وحیات دونوں صفت وجودیہ ہیں اور ان دونوں کا صورت محسوسہ میں اعیان کی طرح مجسم ہونا ہمارے لئے مضر نہیں کیوں کہ یہ عالم ملکوت کی مخلوق ہیں اور اس عالم میں ان کی مثالی صورتیں ہیں وہ اس عالم میں دیکھی جاتی ہیں اور وہ لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اس ملک سے غائب ہیں۔ یا اس بدن دنیوی سے جدا ہو سکتے ہیں اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت و نار کے درمیان موت کو کبش (دنبے) کی صورت میں لا کر ذبح کیا جائے گا اور ظاہر ہے ذبح اجسام کا ہوتا ہے۔ سب کو یقین ہے کہ عالم آخرت بھی عالم صفت ہے یعنی ہر وہ صفت جو دنیا میں باطن ہے وہ آخرت میں صورت ظاہرہ میں متصور ہو گی وہ صفت حسنہ ہو یا قبیحہ نیز قاعدہ ہے کہ ہر معنیٰ کا کوئی نہ کوئی جسم اور صورت ہوتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اسی مفہوم پر محمول ہے یہ کہ ہاں قول ابن عباس اس تحقیق کے خلاف ہے جو علماء کرام فرماتے ہیں کہ شب معراج جو براق جو حضور سرور عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لایا گیا وہ نہ نرا تھا نہ مادہ بلکہ وہ ایک تیسری حقیقت تھا۔

فائدہ : بعض کے نزدیک موت صفت کے عدم کا نام ہے یعنی حیات کو اپنے محل سے بدل دینے کو موت کہا جاتا ہے اس قول کے مطابق موت و حیات ملکہ و عدم ملکہ سے عبارت ہے یعنی حیات احساس و حرکۃ ارادیہ و اضطراریہ ہے تنفس کی طرح اور موت اس کے عدم کا نام یعنی جس شے کا شان یہ ہو کہ اسے ہونا چاہیے لیکن نہ ہو۔

فائدہ : صاحب کشاف نے لکھا کہ حیات وہ ہے کہ جس کے وجود کا احساس ہو اور موت اس کے عدم کا نام ہے "خلق الحیاۃ والموت" کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اس مصحح کو موجود اور معدوم فرمایا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تشریح

صاحب کشاف کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زندہ انسان وغیرہ کے ظاہر و باطن سے موت کے اثر سے روح کی روشنی کا ایجاد کا نام موت ہے یعنی باوجودیکہ حرکت اور چلنے پھرنے کی کامل قدرت رکھتا تھا اب موت کے اثر سے اس کا اقتدار چھن گیا اب سے بمنزلہ جماد کے کیا گیا گویا اس کی حرکت تھی ہی نہیں ایسے نفخ روح سے اثر حیات کے ایجاد کو حیات کہا جائے گا جب کہ روح کے رکھنے سے بدن کے ظاہر و باطن میں روشنی پھیل گئی ہے اور وہ اپنے ارادہ سے چلنے پھرنے پہ قدرت رکھتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا کہ اس ملکہ کے نہ ہونے سے وہ معدوم محض ہو گیا ہے کہ اس میں وجود کا شائبہ تک نہیں رہا اگر ایسا ہوتا تو اسے امر وجودی کے لئے قابل محل اعتبار نہ کیا جاتا اسی لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ خلق کا تعلق جیسے حیات سے ہے ایسے ہی موت سے۔

ایک اعتراض کا دفعیہ

اس سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ عدم تو مخلوق نہیں ہوتا کیوں کہ مخلوق حادث ہے اور عدم الحوادث ازلی اگر وہ عدم بھی مخلوق سے ہو تو حوادث کا وجود ازلی ماننا پڑے گا اور یہ باطل ہے۔

فائدہ :۔ بعض نے فرمایا کہ خلق الموت بمعنی قدرہ کیوں کہ خلق بمعنی تقدیر آتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین ہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعلق الخلق بالموت بمعنی الایجاد کا وہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا کہ نفخ روح پر تعلق ایجاد بالحیاۃ ہوا ہے۔

نکتہ :۔ موت کو حیات سے مقدم کرنے میں اشارہ ہے موت عالم ملک میں ذاتی اور حیات عرضی ہے یعنی موت حیات سے سابق ہے کیوں کہ تمام اشیاء معدوم تھیں پھر انہیں حیات عارض ہوئی جیسے آیت "وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون" دلالت کرتی ہے نیز احساس عمل کی موجب اور قہر النفوس کو اقرب موت ہے۔ جس نے اسے اپنا نصب العین بنایا وہ کامیاب ہو گیا **حدیث شریف** میں ہے اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو ابن آدم کا سر کبھی نہ جھکتا۔

(۱) فقر (۲) مرض (۳) موت

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ موت سے وہ حالت مراد ہے جو انسان کو روح کی پرواز سے طاری ہوتی ہے اور حیات سے وہ حالت جو اس سے پہلے اور مابعد ہے جیسے مابعد الآیۃ دلالت کرتا ہے یعنی "لیبلوکم" الخ کیونکہ موت کے ملاحظہ کرنے کا اصلی سبب اپنے اعمال کو اچھا بنانا ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں اور ظاہر ہے کہ نفس عمل حیات کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتا۔

اعتراض کا جواب تمہاری مذکورہ بالا تقریر آیۃ ولا یملکون موتا ولا حیاۃ ولا نشورا کے خلاف ہے کیوں کہ اس آیۃ میں اس حیاۃ سے دنیوی زندگی مراد ہے جیسا کہ والیہ النشور سے معلوم ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ قرآن کے بعض مضامین دوسرے بعض مضامین کی تفسیر کرتے ہیں

فائدہ: الحیاۃ والموت میں الف و لام مضاف الیہ کا عوض میں یہ عبارت دراصل یہ حیاتکم وموتکم ایھا المکلفین تھی ہم نے مکلفین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ غیر المکلفین کی موت وحیات صرف مکلفین کی آزمائش کے لئے ہوتی ہے اس کے سوا اس کا اور کوئی مطلب نہیں ہوتا۔

عارفین کے نزدیک حیاۃ وموت کا معنی بعض عارفین نے فرمایا کہ موت وحیات دونوں عرض ہیں اور اعراض و جواہر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حیات دراصل اس کی ذات کی تجلی اور موت سے اس کا چھپنا ہے اور عارفین کو یہ دنیا میں دونوں کیفیتیں یکے بعد دیگرے لاحق ہوتی رہتی ہیں جب عارف سے حجابات اٹھ جاتے ہیں تو گویا اس سے موت دفع ہو گئی اب وہ بلا حجاب کھلم کھلا دائمی طور مشاہدہ کرتا رہتا ہے اس کے بعد ازاں اس پر کسی قسم کے حجابات نہیں رہتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل احیاء عند ربھم (بلکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔

صوفیانہ لطیفے موت وحیات کو پیدا فرمایا

(۱) بعض کو مجاہدات کی موت سے مارتا ہے اور بعض کو مشاہدات کی حیات سے زندگی بخشتا ہے۔

(۲) بعض کو سطوت قدم کے ظہور میں فنا کی موت دیتا ہے بعض کو انوار بقار کے ظہور میں بقار کی حیات بخشتا ہے۔

اگر تجلی واستتار نہ ہوتا تو مشتاقین کا شوق اور درجات شوق کا تفاوت ظاہر نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے عشاق بے شمار ہیں اور ان کے عشق کے درجات میں فرق ہے۔

صوفیاء کرام کے ملفوظات: (۱) حضرت سہل قدس سرہ نے فرمایا کہ دنیا میں معصیت کی

زندگی کا نام موت ہے اور دنیا میں طاعت کے ساتھ زندگی بسر کرنا آخرت میں حیات ہے۔

(۲) حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اجسام کی حیاۃ مخلوق ہے اور یہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا خلق الموت والحیاۃ۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی حیات دائمی و باقی ہے اس میں انقطاع ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے زمانہ دہر میں کہ جس کی ابتدا نہیں اپنے اولیاء کو عطا فرمائی اس معنیٰ پر قبل از ایجاد بھی وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے پھر انہیں ظاہر فرما کر انہیں یہی حیات مخلوقہ عاریۃ کے طور بخشی کہ جس سے دوسری مخلوق کو پیدا فرمایا پھر اسی موت مخلوقہ سے انہیں موت دے گا پھر وفات کے بعد انہیں اس طرح اپنے خاص راز سے نوازتا ہے جیسے وہ اس عالم دنیا سے پہلے تھے اس کے بعد انہیں اسی طرح اپنے خاص راز سے نوازتا ہے جیسے وہ اس عالم دنیا سے پہلے تھے اس کے بعد انہیں دائمی زندگی بخشتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں۔

فائدہ: حضرت واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے ازل میں یاد کر کے زندہ فرمایا وہ ہمیشہ تک زندہ رہے گا اور جسے ازل میں ہی موت دیدی وہ ہمیشہ تک مُردہ رہے گا بہت سے لوگ اپنے حیات سے اور بہت سے مرنے اپنی موت سے غافل نہیں۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ لام خلق کے ساتھ متعلق ہے اور اس کا ظاہر تو دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بمصالح العبد ہیں اور معاذ اللہ اس کا ہر فعل اس کی کسی غرض سے متعلق ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے لیکن اہل سنت کے نزدیک یہ آیت اپنے ظاہری معنیٰ پر نہیں بلکہ مؤول ہے اس کی تاویل یوں ہے کہ یہ فعل کیا اگر کوئی بھی مصلحت کے پیش نظر کوئی کام کرتا ہوگا تو وہ بھی اسی طرح کرتا جیسے اللہ تعالیٰ نے کیا اس تقریر پر یہ لام عقلاً علت کی ہے اور شرعاً حکمت و مصلحت کی ہے اور "ایکم" مبتدا اور "احسن" اس کی خبر ہے اور عملاً تمیز ہے یا جملہ اسمیہ فعل بلوی کے مفعول ثانی کے قائم ہے اور یہ بلا واسطہ مفعول ثانی کی طرف اس لئے متعدی ہوا ہے کہ بوجہ انجام کے علم کا
کی خبر ہے اور عملاً تمیز ہے یا جملہ اسمیہ فعل بلوی کے مفعول ثانی کی طرف اس لئے متعدی ہوا ہے کہ بوجہ انجام کے علم کا معنیٰ کو متضمن ہے ورنہ یہ ہمیشہ بلا واسطہ صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہ تعلیق کے قبیل سے نہیں ہے یعنی وہ تعلیق کہ جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سرے سے مفعول کے وقوع کا مقتضی نہیں حالانکہ یہاں مفعول (لفظ کم) مذکور ہے اور یہ افعال قلوب سے بھی ہے جسے دو ورنہ ایک مفعول تو ضروری ہے اور یہ تضمین اصطلاحی کے قبیل سے بھی نہیں بلکہ یہ علم البلوی یعنی آزمائش کے معنیٰ کے لئے مستعار ہے اور اختبار یعنی امتحان لینے کا یہاں پر حقیقی معنیٰ مراد نہیں کیوں کہ یہ معنیٰ اس کے لئے مستعمل ہوتا ہے جس سے حالات مخفی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شے مخفی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بندے سے وہ فعل ظاہر کرائے جو اس سے پوشیدہ ہے اب معنی یہ ہوا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو عام طور آزمائش کرنے والے آزمائش والوں سے کرتے ہیں تاکہ

ظاہر ہو کہ تم میں اچھے کردار والے کون ہیں تاکہ طبقات علوم و اعمال کے مطابق مختلف مراتب پر جزا دے۔

فائدہ: عمل کا تعلق جوارح سے مخصوص نہیں اس لئے حضور علیہ السلام نے عملاً کی عقلاً تفسیر فرمائی ہے یعنی تم میں کوئی عقل میں احسن اور محارم اللہ زیادہ بچنے والا اور طاعت الٰہی میں زیادہ سرعت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ زیادہ اچھے عقل والا ہے جو اس کی مراد کو بہتر سمجھتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ قلب و قالب کے لئے جدا جدا اعمال ہیں جیسے قلب قالب سے افضل و اعلیٰ ہے ایسے ہی قلب کے اعمال قالب کے اعمال سے اشرف اور مکرم تر ہیں۔

مسئلہ: قلب کا عمل معرفت الٰہی ہے جو ہر شئے سے اس کا جاننا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ صنع الٰہی کے عجائبات میں تفکر اور انفس و آفاق میں جو اس کی نشانیاں اور آیات ہیں ان میں تدبر کرنا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو اس لئے کہ اس کے ایک یوم کے اعمال روئے زمین کے لوگوں کے اعمال برابر روزانہ بارگاہ حق میں پیش ہوتے تھے۔

فائدہ: مشائخ نے فرمایا ان کے یہ اعمال یہی تفکر فی معرفۃ الٰہی تھا یعنی عمل قلب ورنہ کس کو طاقت ہے کہ روزانہ روئے زمین کے اعمال کے مطابق جوارح سے اعمال بجا لائے۔ (الارشاد)

اللہ والوں کا مقابلہ کون کر سکتا ہے

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یونس علیہ السلام کے اس حال میں عمل قالبی کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کے قالبی اعمال دوسرے ان کے اپنے ہم عصر خواص لوگوں کے قلبی اعمال سے احسن تھے کیوں کہ ایک اللہ والے کے اعمال کا ہزاروں بلکہ بے شمار لوگوں کے اعمال مقابلہ نہیں کر سکتے کیوں کہ اللہ والے میں جتنا خلوص و شہود و احسان ہو گا دوسروں میں اس طرح نہ ہو گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے احسن سے تعبیر فرمایا ہے تاکہ مقربین اور ابرار و کفار و منافقین کے احوال کی طرف اشارہ ہو۔

دلائل از صاحب روح البیان قدس سرہ

صاحب روح البیان قدس سرہ مذکورہ بالا قاعدہ پر دلائل قائم کرتے ہیں وہ یہ کہ انسان کی نیت کا تعلق دنیا سے ہو گا زبان سے بھی اور دل سے بھی اور یہ سب سے بری نیت ہے اور سب سے زیادہ برا عمل ہے اور یہ کفار کا کام ہے اور اگر زبان سے تو آخرت طلبی ہو لیکن دل کے ارادے دنیا سے متعلق ہوں تو یہ نیت اور عمل اور نہ یادہ برا ہے اور یہ منافقین کا کام ہے اگر زبان اور دل ہر دونوں پر آخرت کا تصور ہو تو یہ نیت و عمل کے لحاظ سے حسن ہے اور یہ ابرار کا حال ہے اگر دل اور زبان سے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہے تو یہ نیت اور عمل کے اعتبار سے احسن ہے

اور یہ مقربین کا حال ہے اور چونکہ انسان کا مقصود اعظم اسی احسن کو حاصل کرنا ہے اسی لئے اس کی تصریح کی ہے اور حسن کو بیان نہیں کیا کیوں کہ وہ اشارۃً مذکور ہے ایسے ہی دوسرے اقسام بھی اشارۃً مذکور ہیں۔

احسن عملاً کی احسن تفاسیر

مندرجہ ذیل تفاسیر اس بارہ میں نہایت ہی احسن ہیں۔

(۱) لیبلوکم الخ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے یعنی تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمائش والوں سے کیا جاتا ہے تاکہ دارالتکلیف میں ظاہر ہو کہ تم میں اچھے عمل والا یعنی زیادہ اخلاص والا کون ہے۔

(۲) تم میں مخلص ترین یعنی رضائے الٰہی کا طالب کون ہے۔

(۳) تم میں زیادہ صحیح سمت کون ہے یعنی وہ کون ہے جو اپنا ہر عمل سنت کے موافق کرتا ہے یعنی ہر وہ عمل کرتا ہے جو شارع سے وارد ہے اور یہی اصوب ہے کیوں کہ بہت سے اعمال اخلاص سے تو ہوتے ہیں لیکن مبنی برصواب نہیں اسی لئے پھر وہ قبول بھی نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ریاء ونفاق کے اعمال کو ہباءً منثورا فرمائے گا۔

اخلاص کی علامت

بعض عارفین نے فرمایا حسن العمل یہ ہے کہ عمل کر کے بھول جائے اور ہر وقت فضل الٰہی پر نگاہ ہو۔ بہرحال اخلاص اسرارِ الٰہیہ سے ایک عظیم راز جو صرف خواص کو نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ احسن کے صیغے میں ایک راز ہے وہ یہ کہ آزمائش حسن و قبیح کی وجہ سے ہے نہ کہ احسن وحسن کی وجہ سے نیز اس میں اشارہ ہے کہ مراد بالذات اور مقصد اصلی آزمائش سے یہی ہے کہ محسنین کے احسان کا کمال ظاہر ہو اگرچہ دوسروں کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا جب کہ ان میں ایمان اور طاعت الٰہی ہو کیوں کہ انہیں اس کے موجبات کی مضبوطی کمال کے ساتھ موجود ہے اور اس سے روگردانی صرف اس لئے ہے کہ وہ وقوع کے تحت اندراج سے دور ہے چہ جائیکہ انہیں افعال الٰہیہ کے لئے ملک غایۃ میں پرو یا جانا حاصل ہو اور اس کے عامل سے ایسے افعال کا صدور اس کے سوء اختیار کی وجہ سے ہے اور پھر اسے کسی سے تصحیح تقریب نصیب نہ ہوتی۔

فائدہ: ایکم احسن کی مراد یہ ہے کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے عمل میں احسن ہے یہاں پر علامہ سجاوندی نے[۱] فرمایا کہ یہ استفہام کے معنی میں ہے یعنی "ایکم" کا استفہام بمعنی ہمزۂ استفہام کے ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں اسی لئے فعل کے عمل نہیں کیا یہ دراصل عبارت اَنتُم اَحسَنُ عَمَلاً ام غیرکُم یعنی تم اچھے عمل والے ہو یا تمہارے غیر

---

[۱] عین المعانی روح البیان ج ۱۰ ص ۱۰

فائدہ :۔ یہاں عمل کی تفریق کہ انسانوں اور جنات مومن اور ملائکہ سب کو شامل ہے اور یہ حسن عمل سے وہ حسن مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک احسن ہو اگرچہ لوگوں کی نظر میں حُسن میں کم محسوس ہو اور بدتر عمل والا بھی ہوئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بُرا ہو خواہ لوگ اسے کتنا ہی اچھا سے اچھا سمجھیں۔

رہ است باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ : سیدھا راہ ضرور نہ کہ اونچا راہ کیوں کہ ظاہری صورت میں تو کافر بھی ہماری طرح ہے۔

سوال : اکثر عملاً کیوں نہیں فرمایا ؟

جواب : اس کثرت کا کیا اعتبار جسے مالک قبول نہ کرے اسی لئے شرع میں حُسن اسی عمل میں ہے جسے شارع نے حسن کہا اور قبیح وہی ہے جسے شارع نے قبیح کہا۔

فائدہ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ احسن عملا سے مراد یہ ہے کہ وہ بندۂ خدا اور زندگی کو موت کے لئے اچھا بنلئے اور دنیا کو آخرت کے لئے تیار کرے۔

حدیث شریف (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور فراغت کو مشغولی سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے اچھے کام میں لگائے تجھے کیا معلوم کہ کل تیرا نام کیا ہوگا۔

حدیث شریف :۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ اہل ایمان میں کون بہتر ہے آپ نے فرمایا جو موت کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے اور اس کی اچھی استعداد رکھتا ہے۔

فائدہ :۔ موت اور آخرت کی اچھی استعداد کا کثرت اعمال کا نام ہے جنمیں خلوص ہے وہ نماز ہو یا روزہ زکوٰۃ یا حج وغیرہ وغیرہ کہ اگرچہ انہیں بعض کو بعض سے فضیلت میں فرق ہے چنانچہ نماز وہ عمل ہے جسے معراج الشہود سے تعبیر کرتے ہیں اس میں نفس کی سرکوبی کے علاوہ بدن کی ریاضت بھی ہوتی ہے یہی وجہ ہے ہمارے بعض اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نماز کا مشغلہ بکثرت رکھتے تھے یہاں تک شب و روزہ ہزار رکعت اور اس سے زائد بھی پڑھا کرتے تھے، اسی طرح روزہ اور قلت طعام اس لئے کہ یہ قلب میں حکمت الٰہیہ کے ورود کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے بہت سے بزرگ ایسے گزرے ہیں جو مسلسل روزے رکھا کرتے تھے بعض تو تین دن تک کچھ کھاتے نہ پیتے بلکہ بعض تو سات دن اور بعض ایک ماہ بعض چالیس دن تک بھوکے رہا کرتے اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ حکمت عظمیٰ کا ان پر دروازہ کھل جاتا علاوہ ازیں روزہ میں تہذیب الاخلاق بھی ہے کیوں کہ اکثر خرابیاں کھانے پینے سے پیدا ہوتی ہیں۔

سبق : اے ایمان والو جلدی کرو۔ دوڑو نفس کو روند ڈالو اور دنیا میں کرلو کچھ کرنا ہے تو سبقت کرنے والے ہی آخرت میں سب سے آگے آگے ہونگے وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مفرد (لوگ) بازی لے گئے یعنی نفس کو انفس و آفاق سے علیحدہ رکھنے اور اپنے آپ کو عالم اطلاق میں مشاہدہ حق سے سرشار ہونے والے۔

سبق : سالک کو لازم ہے کہ سیر و سلوک میں بازی لے جانے کی کوشش کرے اس سے ہی ہولئے وحدۃ اور ہویت ذاتیہ میں اڑنا نصیب ہوگا اور اس سے ہی منازل اکوان سفلیہ حادثہ سے جدائی اور عالم وجوب و قدم کا عروج نصیب ہوتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے ہیں کہ وہ اپنا وجہ کریم کے زیارت سے سرشار فرمائے وہی جو محسن و کریم ہے۔

وَهُوَ حالانکہ صرف وہی ہے۔ **الْعَزِيْزُ** ایسا غالب ہے کہ اس سے کوئی بھی بُرے عمل والا چُوک نہیں سکتا۔ **الْغَفُوْرُ** جس کے چاہے توبہ سے گناہ بخشدے چاہے تو اپنے فضل سے (بلا توبہ) بخشدے

فائدہ : بعض مفسرین نے فرمایا عزیز انسانوں میں ہوتا ہے جو کسی کے متعلق سُنے کہ وہ اس کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اسے تباہ و برباد کر ڈالے اور اللہ تعالیٰ وہ عزیز ہے کہ اپنے مخالف کی توبہ کو مرغوب رکھے اور توبہ بھی اس خلوص کی کہ بندہ کہے کہ میں مٹی کا ڈھیلہ اپنی مالی خدمت وغیرہ کے لائق کب ہوں جب کہ وہ اونچی ذات اور رب الارباب کہاں وہ کہاں ہیں اور الغفور وہ ہے جو بُرے کے عمل ڈھانپے اور نیکی والے کو احسان سے ملے جیسا کہ حدیث قدسی شریف ہیں جو میرے ہاں پیدل چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں وہ دوڑنے سے پاک ہے یہاں پیار کی عجلت مراد ہے۔

(۳) **اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ** وہ اللہ تعالیٰ جس نے سات آسمان پیدا فرمائے کہ پہلے ان کی کوئی مثال نہ تھی۔ (طِبَاقًا) سبع سمٰوٰت کی صفت ہے۔

سوال : نحویوں کا قاعدہ ہے کہ اعداد میں صفت مضاف الیہ کے لئے ہوتی ہے مثلاً قال اللہ تعالیٰ سبع بقرات سمان سمان بقرات کی صفت ہے لیکن یہاں مضاف کی صفت ہے۔

جواب : یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔

فائدہ : طباقاً کو حال بھی بنایا جاسکتا ہے۔

سوال : ذوحال کو معرفہ ہونا چاہیے [illegible] لوتت اضافت کو حال بنانا کیسا۔

جواب : یہاں چونکہ کل سموات مراد ہیں اس لئے قطعی طور معرفہ ہوگیا اس لئے اب اس سے حال بنانا جائز ہوگیا۔

حل لغات طباقاً مصدر ہے بمعنی الفاعل کہا جاتا ہے، طابقہ، مطابقۃً و طباق الشئ بروزن کتاب اور کہتے ہیں کتاب مطابق بکسر الباء اور کہا جاتا ہے۔ طابقت بین الشئ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ دو چیزوں کو برابر بنایا جائے یہ بات (مطابقت کی وضع وسعت و فراخی پر دلالت کرتی ہے۔ کہ جس کے مطابق بنائی جائے وہ بھی وسیع اور فراخ ہو یہاں تک کہ وہ اپنے مطابق والی شئے کو مکمل طور ڈھانپ لے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہر آسمان دوسرے آسمان کے اوپر والے کے برابر کے مطابق ہے۔

آسمانوں کی پیمائش ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے پھر درمیان کا خلا بھی پانچسو سال کی مسافت ہے ان کو آپس میں کوئی علاقہ اور درمیان میں کوئی ستون نہیں، نہ ایک دوسرے سے ٹکرائے ہوئے ہیں۔ آسمان دنیا جھاگ کی طرح ہے لیکن وہ بہنے سے ممنوع ہے دوسرا آسمان سفید موتی کا ہے تیسرا لوہے کا ہے چوتھا یا تانبے کا ہے پانچواں چاندی کا ہے چھٹا سونے کا ہے ساتواں سرخ یاقوت کا ہے اور اب ساتویں کے اوپر کرسی عرش تک نور کے دریا ہیں۔

فائدہ قاشانی نے فرمایا آسمان اور جملہ عالم کائنات کی تخلیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا خالق کون ہوسکتا ہے اور اس جیسا نظام کسے نصیب۔ پھر انہیں سات حصوں پر منطبق و منقسم فرمانے کی طاقت کس کو۔

فائدہ : جمہور اہل حق نے فرمایا کہ زمین گیند کی طرح گول ہے اور آسمان دنیا اسے ہر جانب سے محیط ہے جیسے انڈے کا چھلکا اس کی زردی کو گھیرے ہوئے انڈے کی زردی زمین اور سفیدی پانی اور چھلکا آسمان کی مانند ہے بس فرق اتنا ہے کہ انڈا مستطیل اور زمین گیند کی طرح گول ہے یہاں کہ بعض مہندسین نے کہا کہ اگر زمین کے ایک حصہ مثلاً سوراخ کیا جائے تو اس کے بالمقابل سب کچھ نظر آئے گا۔ مثلاً اندلس کی زمین کو سوراخ ہو تو اس کے بالمقابل نظر آئے گا اور دوسرا آسمان دنیا کے آسمان کو اسی طرح محیط ہے جیسے پہلا آسمان زمین کو ایسے ہی ساتوں پھر کل آسمانوں کو عرش الٰہی کا احاطہ یونہی سمجھو اور عرش کو کرسی قریب تر ہے لیکن کرسی بہت بڑے جنگل میں ایک روڑا پڑا ہو اس سے اندازہ لگائیں کہ عرش کے سامنے

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ رحمٰن کی تخلیق میں نہیں دیکھوگے۔ یہ خطاب یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے یا ہر ایسے جو اس خطاب کی صلاحیت رکھتا ہے اور خلق الرحمان خلقه (اسم ظاہر ضمیر کے قائمقام ہے) اس سے سمٰوٰت کی تخلیق مراد ہے اور مصدر بمعنی مفعول ہے اور اضافت لامی ہے اس میں اشارہ ہے اس کی تخلیق اپنی قدرت کاملہ سے اور مبنی بر رحمت و فضل ہے اور من نفی کی تاکید کیلئے ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس کی تخلیق میں اختلاف و اضطراب نہیں اور نہ ہی عدم تناسب ہے بلکہ مستوی و مستقیم ہے۔

فائدہ : حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلب تفاوت کا مطلب یہ ہے کہ نہ وہ حد سے زائد مستطیل ہیں نہ مستدیر بلکہ ایک دوسرے کے مطابق و موافق ہیں اور حسن انتظام و تناسب میں اپنی مثال خود ہیں۔

حل لغات تفاوت فوت سے ہے کیوں کہ تفاوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے متفاوت ہونے والوں کا طریقہ ہے کہ ایک کسی شے میں دوسرے سے چوک جاتا ہے جس سے ان کا تناسب نہیں رہتا۔ امام راغب نے فرمایا کہ تفاوت اختلاف اوصاف کو کہا جاتا ہے گویا ایک کی کوئی وصف یا کل اوصاف دوسرے سے فوت ہو جاتی ہیں۔

فائدہ : بعض علماء نے تخلیق کا تعلق سمٰوٰت کے علاوہ بھی ہر شے سے متعلق کہا تو ان سے سوال ہوا کہ یہ معنی صحیح نہیں کہ اس لئے کل مخلوق میں ایک دوسرے سے تفاوت ظاہر ہے مثلاً رات دن میں تفاوت ہے ایسے اضداد میں تناقض مشہور بلکہ بدیہی ہے۔

جواب :۔ ان میں تناقض تو ہے لیکن تناقص و عیب نہیں اور ایسی کوئی زائد شے نہیں کہ جس کی وہ اپنی تخلیق میں اس کی محتاج ہو یا ایسا انہیں نقصان اور کمی نہیں جس کی اسے محتاجی ہو بلکہ سب کی سب اپنی تخلیق میں مستقیم و مستوی ہیں جس سے یقین ہوتا ہے کہ ان کا خالق بہت بڑے علم والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رحمانیت کی رحمت ہر شے کو واسع ہے جیسے کہا جاتا ہے ۔ یا رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ اے دنیا کے رحمٰن اور آخرت کے رحیم اس لیئے کہ موجودات سب کے سب علوی ہوں سفلی نورانی ہوں یا ظلمانی روحانی ہوں یا جسمانی تخلیق میں بلا تفاوت رحمٰن کے نور و رحمت سے پیدا کئے گئے ہیں ایسے ہی اسی نور و رحمت سے برابر طور رزق عطا ہوتا ہے۔

ادیم زمین سفرهٔ عام اوست
برین خوان یغما چه دشمن چه دوست

ترجمہ ، زمین اس کا عام دستر خوان ہو اس دستر خوان پر دوست و دشمن برابر ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَارْجِعِ الْبَصَرَ[1] آنکھ کو آسمان کے دیکھنے کی طرف پھیرو۔ بار بار پھیرو یہاں تک
کہ معائنہ سے واضح ہو اور ذرہ بھر بھی شک نہ رہے۔

حل لغات

رجع لازم و متعدی ہر دونوں کی طرح مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے رجع بنفسہ رجوعاً
بمعنی جہاں سے آغاز ہوا وہاں سے خود بخود لوٹنا وہ مکان ہو یا فعل یا قول اس کے اجزاء کے
کسی جزء سے یا اس کے افعال میں کسی فعل کے ساتھ اور کہا جاتا ہے رجعہ غیرہ رجعاً فلاں کو کسی کام وغیرہ سے
لوٹانا۔ هَلْ تَرٰى کیا تم اس میں دیکھتے ہو۔ مِنْ فُطُوْرٍ کوئی سوراخ بمعنی الشق فطر کی جمع ہے یا بمعنیٰ
پیدا کرنا۔ ابتداء کرنا۔ چیرنا[2] کہا جاتا ہے فطرہ فانفطر یعنی اسے چیرا تو وہ چر گیا شقوق و صدوع کی نفی کا
مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹتے اور چرتے نہیں یہ قاشانی نے فرمایا کیوں کہ انہیں پھٹنا چرنا مانا جائے تو وہ منافع
جو انہیں میں حاصل نہ ہوں گے مثلاً ستاروں کو جو ان کے طبقات میں متفرق طور مرتب کیا گیا ہے اور آسمانوں
میں ستاروں کے بعض یا مکمل طور منافع منقطع ہو جائیں گے[3] نتیجہ نکلا کہ جب اس کی پیدا کردہ اشیاء یعنی آسمانوں
میں کسی قسم کا عیب و نقص نہیں تو ان کے خالق میں بطریق اولیٰ ہے کہ وہ عیب و نقص سے منزہ ہو کیونکہ عیب و نقص
جسمانیات میں ہوتا ہے۔ (۴) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ پھر لوٹاؤ نگاہ کو بار بار یعنی دوبارہ دیکھو اور بار بار
دیکھو اور جی بھر ان میں عیب و خلل ڈھونڈو یعنی اگر ایک بار دیکھنے سے عیب و نقص سے نہیں مل سکا تو پھر دوبارہ
دیکھو اور بار بار دیکھو۔

فائدہ: تثنیہ سے تکرار اور کثرت مراد ہے جیسے لبیک وسعدیک میں بار بار اور بکثرت اجابت و اعانت
بلا انقطاع مراد ہے کیوں کہ ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے سے تھکان نہیں ہوتی ہے اگرچہ اس طرح بکثرت
اور کئی بار دیکھا جائے جب تک اس میں انقطاع نہ ہو۔

فائدہ: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے ہی بار بار قیامت تک دیکھے جاؤ تب بھی کسی قسم
کا عیب و خلل نہ پاؤ گے۔

فائدہ: جناب واسطی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ کرتین سے قلب و نظر مراد ہے کیوں کہ پہلا معنیٰ صرف
آنکھ تک محدود ہے۔ یہاں آنکھ اور قلب ہر دونوں کا تکرار مراد ہے یعنی قیامت تک آنکھ پھاڑ پھاڑ کر کے
اور گہرے غور و فکر کو عمل لا کر دیکھو تو کچھ بھی حاصل نہ ہو گا سوائے تھکان اور محرومی کے کیوں کہ تخلیق رحمانی
میں عیب و خلل ممتنع ہے اور ممتنع کی تلاش لاحاصل ہے۔ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا تو لوٹے گی تیری طرف

---

[1]: قاموس ۱۲ [2] تاج المصادر ۱۲ : [3]: المناسبات ۱۲ :

تیری آنکھ ذلیل اور بعید و محروم ہو کر کسی قسم کا عیب و خلل اسے حاصل نہ ہو گا جتنا بھی جدو جہد کر کے عیب تلاش کرے گویا اسے ذلیل و خوار کر کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے یہ امر کا جواب اور خَاسِئًا البصر سے حال ہے اسم فاعل کا صیغہ ہے خسأ بمعنی باعد و ضرب سے ہے اس میں ذلت و خواری کا معنی ہے جب کہا جاتا ہے خسار الکلب خسأ تو اس کا معنی بھی یہی ہے کہ اسے اپنی جگہ سے ذلیل و خوار کر کے بھگا دیا گیا اور یہ متعدی ہو کر آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ خسات الکلب فخسأ میں نے کتے کو ذلیل و خوار کر کے ہٹایا تو وہ ذلیل و خوار ہو کر دور بھاگ گیا ایسے ہی جب اسے کہا جائے گا " اخسأ " تو اس سے بھی یہی مراد ہو گی۔ امام راغب نے فرمایا اسی سبب سے خساء البصر یعنی ذلیل و خوار ہو کر بند ہوئی اور یہ " خناذیر " کلاب کے لئے بولا جاتا ہے بایں معنی کہ وہ ذلت و خواری اٹھا کر انسانوں سے دور ہیں اس معنی پر آیت میں خاسئ اسم فاعل بمعنی مفعول ہے[1] یعنی مبعدا یعنی دور دھکیلی ہوئی آنکھ۔ وَّهُوَ حَسِيْرٌ درانحالیکہ وہ تھکی ہو گی یعنی بوجہ کثرت دیکھنے اور بار بار لوٹنے سے تھک کر رہ جائے گی اور یہ فعیل بمعنی فاعل ہے یعنی تھکان والی آنکھ حسور سے ہے بمعنی اعیاد یعنی تھکنا یعنی آنکھ کا رنج اٹھانا اور مسافت دور سے آنکھ کا تھک جانا۔[2] امام راغب نے فرمایا کہ تھکے ہوئے حاسر و محسور اس لئے کہا جاتا ہے کہ خود بخود اس کے اعضاء و قویٰ تھک گئے اس معنی پر وہ تھکنے والا ہے اور محسور اس معنی پر کہ اعضاء قویٰ کو تھکان نے تھکا دیا اور یہ البصر سے یا خاسئا کی ضمیر سے حال ہے اس معنی پر یہ احوال متداخلہ کے قبیل سے ہو گا۔

(نکتہ) بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب یہ اس کے مصنوعات میں غور و فکر پر اتنا ذلت و خواری حاصل ہوتی ہے تو جو اس کے کمال و جلال میں غور و فکر کر کے نقص تلاش کرتا ہے اور اس کا کیا حال ہو گا بالخصوص وہ بدبخت جو حلول و اتحاد کا عقیدہ بکتا ہے اسے جہنم میں داخل ہونے کے اور کچھ نصیب نہ ہو گا ۔

۱ سبحانہ من تحیر فی ذاتہ سواہ
فہم خرد بکنہ کمالش نبرد راہ

۲ عمرے خورد چو چشمہ ہا چشمہا کشاد
تا بہ کمال کنہ الٰہ افگند نگاہ

۳ لیکن کشید عاقبتش درو دیدہ میل
شکل الف حرف نخستت ازالہ

ترجمہ ۱ : پاکی ہے اس ذات کو جو اس کا ماسوا اسمیں حیران ہے خرد کے فہم نے اس کی کمال کی کنہ میں کوئی راہ نہ پا سکا۔

---

[1] : قاموس ۱۲ ۔ [2] : تاج المصادر ۱۲ :

۲ : زندگی بھر آنکھوں نے چشمہ کھولے رکھا تاکہ اس کے کمال کی کہنہ تک پہنچ سکے۔

۳ : بالآخر اس کی آنکھ سے سرمہ کی سلائی نکالی گئی تو ابھی اسے اللہ کا الف ہی نظر آیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ظاہری اشیاء سے ظاہر آنکھ کو باطن کی طرف پھیرے پھر اس باطن کی آنکھ اشیاء کے بواطن کی طرف یعنی بصر و بصیرت ہر دونوں سے اشیاء کے ظواہر و بواطن کو نہایت غور و فکر سے دیکھ کر نتیجہ نکالیے کیا اللہ تعالیٰ نے موجودات میں جو استعداد پیدا فرمائی ہے اس میں کسی قسم کا فرق پاتے ہو جب کہ اس نے ہر ایک اس کی استعداد کے مطابق ہر صاحب حق کو حق بخشا ہے اگر تم بار بار با تکرار بھی اس پر غور و فکر کرو گے تب بھی تمہارے ہاں تمہاری بصر و بصیرت تھک ہار کر واپس لوٹیں گی اور کہے گی کہ کچھ بھی خلا اور عیب نہ مل سکا۔

حضرت امام غزالی قدس سرہ نے اپنے بعض ملفوظات میں فرمایا کہ اس عالم وجود میں اور کوئی شے اس سے بڑھ کر بدیع (عجیب وغریب) نہ ہوگی کیوں کہ اگر مانا جائے تو ذات باری تعالیٰ پر بخل کا الزام آتا ہے اور وہ اس عیب سے منزہ و مقدس ہے بلکہ وہ جواد و کریم ہے اور اس پر عجز کا وہم پڑتا ہے حالانکہ وہ قادر ہے بلکہ اس نے خود فرمایا الذی اعلیٰ کل شی خلقہ وہ ذات ہے جس نے تمام کو اس کی استعداد کے لائق تخلیق بخشی ہے ثم ھدی پھر اسے راہ حق پر چلایا ہے۔

فائدہ : بعض نے اس کی تقریر یوں کی ہے کہ عالم امکان میں اس سے بڑھ کر بدیع تر یعنی زیادہ ظاہر اور کوئی شے اس لیے نہیں کہ مرتبے صرف دو ہیں۔

۱ : مرتبہ اولیٰ یعنی قدم یعنی قدیم ہونا

۲ : مرتبہ ثانیہ یعنی عالم یعنی امکان و حدوث اگر ہم مان لیں کہ اس سے بڑھ کر اور بدیع تر ممکن ہے تو پھر ہم عالم امکان غیر متناہی کے چکر میں پھنس کر رہ جائیں گے[۱] (اسی لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی عالم بدیع تر نہیں۔

تفسیر عالمانہ ⑤ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا اور بے شک ہم آسمان دنیا کو سنگارا ہے۔ (ربط) آسمانوں کے قصور و فطور سے خالی ہونے پر بیان کے بعد اب بتایا کہ وہ تخلیق میں حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہیں اور اسے قسم سے شروع کرنے میں اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے یعنی بخدا وہ آسمان جو سب سے اور زمین اور لوگوں کے قریب تر ہے ہم نے سنگارا اور آراستہ کیا۔

---

[۱] : تاویلات نجمیہ ۱۲

حل لغات تزئین بمعنی آراستہ کرنا اس کی نقیض شین ہے بمعنی معیوب کرنا۔ الدنیا ادنی کی تانیث ہے بمعنی قریب تر اُسے قریب تر اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ماتحت یعنی زمین کو قریب ہے۔ اسے مطلقاً قریب تر نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ اس کے مافوق یعنی عرش کی طرف دیکھا گیا تو معاملہ برعکس ہے یعنی عرش سے بہت زیادہ بعید ہے۔ بِمَصَابِیْحَ مصباح کی جمع ہے بمعنی سراج یعنی چراغ تنکیر تعظیم و مدح کے لئے ہے یعنی اسے ستاروں سے سنگارا گیا ہے جو رات کو چراغ کی طرح چمکتے ہیں یعنی سیارات و ثوابت رات کو روشن نظر آتے ہیں وہ آسمان دنیا میں مرکوز ہیں اگرچہ ان کے بعض دوسرے آسمانوں پر بھی ہیں یہ اس لیئے کہ اگر آسمانوں کو صاف وشفاف شیشہ کی طرح مانا جائے تو ستاروں خواہ دوسرے آسمانوں پر بھی ہوں تک پہلے آسمان سے ہی نظر آئیں گے جو مطلب بھی ہو اس کا معنیٰ یہی ہوگا کہ آسمان دنیا ستاروں سے مزین ہے۔

فائدہ: المصابیح میں قمر (چاند) بھی داخل ہے کیوں کہ وہ ان سے بڑا اور بہت روشن ہے جو رات کو چمکتا ہے۔

وہابی کش دلیل اگر ستارے آسمان دنیا کے چراغ ہیں اور وہ زمین کے لئے بمنزلہ چھت کے ہے اس معنی پر اگر بندگان خدا مساجد کی چھتوں کو چراغوں اور قندیلوں سے روشن کریں تو کونسا حرج ہے جب کہ اسلامی قاعدہ مشہور ہے کہ لاسرف فی الخیر خیر و بھلائی کے کام میں اسراف نہیں۔

چراغاں کی حدیث شریف احادیث میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی میں اندھیری راتوں میں کھجوروں کے پتے جلا کر روشنی حاصل کی جاتی جب سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ پاک میں حاضر ہوئے تو قندیل اور رسیاں اور زیتون کا تیل ساتھ لائے اور انہیں مسجد نبوی کے ستونوں سے لٹکا کر روشن کر دیا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نورت مسجدنا نور اللہ علیک اما واللہ لو کان لی ابنۃ لا نکحتھا تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھے نورانی بنائے اگر میری بیٹی ہوتی تو تیرے نکاح میں دیتا۔

فائدہ: اس روشنی کا نام پہلے فتح تھا لیکن تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روشنی کے بعد اس کا سراج نام مشہور ہوا۔

حضرت علی کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دعائیں تمیم داری رضی اللہ عنہ کی یہ کاروائی خوب پسند آئی چنانچہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے بعد کو اس کو آگے خوب بڑھایا یہاں تک کہ جب تراویح کیلئے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کی امامت پر جمع فرمایا تو خوب چراغاں کیا اس پر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا نورت مسجد نور اللہ قبرک یا ابن الخطاب تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر انور کو روشن کرے[1] اے ابن خطاب (عمر رضی)۔

بدعت کا خطرہ ٹل گیا کسی عالم نے فرمایا کہ مجھے مامون (عباسی بادشاہ) نے کہا کہ مساجد کی بکثرت چراغاں کے لئے کچھ لکھوں لیکن خیال گزرا کہ یہ ہے بدعت تو پھر کیا لکھوں اس پر میں نے خواب میں دیکھا۔ مجھے کہا جارہا ہے اکتب فان فیہ انسا للمتعبدین و نفیا لبیوت اللہ عن وحشۃ الظلم اس پر ضرور لکھو کیوں کہ اس میں مسجد میں عبادت گزاروں کو انس اور اللہ تعالیٰ کے گھروں سے تاریکی کی وحشت کی دوری ہے میں بیدار ہوا تو یہی لکھدیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں آسمان قلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ روح کے آسمان کو قریب ہے اور اس کی زینت سے انوار معارف وعلوم الہٰیہ وواردات رحمانیہ مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَجَعَلْنٰهَا اور ہم نے چراغوں کو جنہیں نجوم سے تعبیر کیا گیا ہے کے بعض کو بنایا[2] رجوماً رجم (بالفتح) کی جمع ہے۔ معنی ما یرجم بہ ویرمی للطرد والزجر وہ شے جس سے رجم کی جائے اور طرد وزجر کے لئے سنگسار کیا جائے۔ راجم کی جمع ہے جیسے ساجد سجود کی جمع ہے لِلشَّيٰطِيْنِ شیاطین کے لئے اس سے کفار جن مراد ہیں جو انسانوں کو نور سے ظلمات کی طرف لے جاتے اور شیاطین جمع تکثیر کے لئے ہے کیوں کہ وہ فی الواقع ان گنت ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ستاروں کو بنایا ان کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ تمہارے دشمنوں کے لئے سنگساری کا کام دیتے ہیں جیسا کہ تم نے دیکھا ہوگا کہ ستاروں کی روشنی ستاروں سے نکل کر آسمان پر پھیل جاتی ہے۔ خود ستارے سنگساری میں کام نہیں آتے بلکہ ان کی روشنی کام آتی ہے کیوں کہ وہ آسمانوں میں اپنے مقامات پر مستقر رہتے ہیں پھر وہ روشنی بعض شیاطین کو قتل کر ڈالتی ہے اور بعض کا کوئی عضو کاٹ ڈالتی ہے بعض کی عقل کھودیتی ہے کیوں کہ وہ شیاطین کیلئے آگ کا شعلہ روشن ہو کر ستارے نکل کر شیاطین کے پیچھے پڑجاتی ہے اس پر نجم وکوکب کا اطلاق ہوا لیکن یہ ہے کہ ہم ان ستاروں سے روشنی نکالکر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ ستارے سنگساری

---

[1] اسی لئے ہم اہلسنت قرآن مجید کے ختم اور بزرگان اسلام کے اعراس اور دیگر تقاریب خیر مثلاً شب معراج وشب میلاد وغیرہ پر چراغاں کرتے ہیں تو وہابیہ ودیوبندیہ وغیرہ بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں تفصیل کیلئے دیکھئے فقیر کا رسالہ چراغاں کا ثبوت۔ اویسی غفرلہ۔

[2] تفسیر ابو اللیث ۱۲۔

نہیں بلکہ ان کے شعلے سنگساری بنتے ہیں۔

استدلال از قول سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، مذکورہ بالا قاعدہ کا استدلال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قول سے کیا گیا ہے اُنہوں نے فرمایا کہ ستارے آسمان دنیا میں ایسے لٹکے ہوئے ہیں جیسے ہماری مساجد کی قندیلیں۔ اور وہ ستارے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ وہ ستارے ملائکہ کے ہاتھوں میں معلق ہیں اس قول کی دلیل آیت اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب ستارے جھڑ جائیں گے انتثار سے ان ملائکہ کی موت کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے ستاروں کو اُٹھا رکھا تھا بعض نے کہا کہ یہ ستارے آسمانوں میں سوراخوں کے نشانات ہیں اس کی تائید بعض مکاشفہ کے قول سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ستارے آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ یہ انوار آسمان کے لطیف سوراخ سے منعکس ہونے کا نام ہے اور وہ سقوط نجم جو ہمیں نظر آتا ہے یہ سورج کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے ہے۔

فائدہ : اہل فلسفہ نے فرمایا کہ شہب ناریہ اجزاء ہیں جو خلاء میں الجزات کے چڑھنے اور اس نار سے متصل ہونے کا وقت پیدا ہوتے ہیں جو افلاک کے نیچے ہے۔ اوائل سورہ والصافات وحجر میں اس کی تفصیل گزری ہے ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے نہ اس کی تفصیل لوٹاتے ہیں کہ فلاسفہ کا مذہب اہل حق کے مذہب کے قریب ہے ان کے مذہب کی تحقیق صافات میں ہے اور وہی مخفی امور کو خوب جانتا ہے۔

وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ اور شیاطین کو دنیا میں آگ سے جلانے کے بعد ان کے لئے آخرت میں تیار کر رکھا ہے اعتدنا بمعنی ھیئنا ہے العتاد اسی سے ہے بمعنی عدۃ واھبۃ (بمعنی تیاری) ہے۔

عَذَابَ السَّعِيْرِ بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے یعنی جہنم کا عذاب جس کی آگ جلائی گئی اور بھڑکائی گئی ہے سعیر فعیل بمعنی مفعول ہے یہ سعرت النار سے ہے بمعنی اوقد یعنی میں نے اسے بھڑکایا اسی لیئے اس کے آخر میں تاء نہیں لائی گئی یعنی سعیرۃ نہیں کہا گیا حالاں کہ یہ نار کے درکۃ رابعہ کا نام ہے اور جہنم کے سات درکات ہیں۔

(۱) جہنم (۲) لظٰی (۳) الحطمہ (۴) سعیر

(۵) سقر (۶) جحیم ، (۷) ہاویہ۔

یاد رہے کہ ان ہر ایک کا اطلاق ایک دوسرے پہ ہوتا ہے۔ مثلاً کبھی ان کو نار اور کبھی سعیر اور کبھی جہنم وغیرہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔

فائدہ : ہر درکہ میں جاجیوں کے گروہ از اہل توحید و نصاریٰ و یہود و صابئی و مجوس و مشرکین و منافقین کو داخل کیا جائے گا۔

سوال : قرآن و حدیث میں صرف مذکورہ بالا جہنمیوں کا نام ہے لیکن شیاطین کا نام کہیں نہیں آیا حالانکہ ان کے ساتھ شیاطین کی تصریح بھی ہونی چاہیے۔

جواب : شیاطین کو اضلال (گمراہ کرنے) کی مناسبت سے اپنے گمراہ کردہ گروہ کے ساتھ جہنم کے درکات میں داخل ہونا ہوگا جس درکہ کے لائق اس نے گمراہی پھیلائی ہوگی اسی کے ساتھ شیاطین ان کے سرگروہ ہوکر جہنم میں جائیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وتری المجرمین یومئذ مقرنین یعنی اس دن مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے ساتھی شیاطین کے ساتھ زنجیر میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہ شیاطین خواطر نفسانیہ و ہواجس ظلمانیہ ہیں اور ان کے عذاب سے ان کا مردود اور خواطر ملکیہ سے ورحمانیہ سے بدل جانا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ ⑥ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اور ان کے لئے جنہوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ ساتھ کفر کیا۔ شیاطین ہوں یا کوئی اور ان کے کفر سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بندگان خدا کو عبادت سے بے کار رکھا یا سرے سے عبادت کے قریب بھٹکنے نہ دیا۔

فائدہ : حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پر صرف وہی کافر مراد ہیں جو شیاطین کے غیر ہیں کیوں کہ شیاطین کا ذکر بعد کو آرہا ہے تاکہ تکرار کا الزام نہ آئے۔ عَذَابُ جَهَنَّمَ جہنم کا عذاب ہے یعنی درکہ ناریہ جو انہیں ملتے ہی چمٹ جائے گی اور ذلت و خواری کا منہ دکھائے گی اسی لئے اسے جہنم کہا جاتا ہے اس کا مادہ جہم ہے بمعنے چہرہ چھیلنا مثلاً کہا جاتا ہے رجل جہم الوجہ بمعنی کالح منقبض۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا چہرہ آگ چھیل لے اور وہ اسی وجہ سے سکڑ جائے۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب مخلوق کے عذاب سے نرالا ہے کہ وہاں نہ تلوار ہے نہ ڈنڈا نہ لکڑی وغیرہ بلکہ وہ ایسی آگ ہے جو بجھنے میں نہیں آتی اور جس کافر کو اس قسم کا عذاب ہوگا اس نجات کی امید منقطع ہوجائے گی۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور برا ٹھکانہ ہے یعنی جہنم۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ جہنم جہنام سے ہے وہ کنواں جو بہت بڑا گہرا ہو

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل نار جمال الٰہی اور نعیم جنت سے دور اور نار بعد و فراق میں جلائے جائیں گے (ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں)

فائدہ : آیت میں اشارہ ہے کہ کافروں کو جہنم کی آگ کے دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

شفاعت کی برکت حدیث شریف میں ہے کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ خالی ہو جائے گی اور اس کے دروازے کھٹکائے جائیں گے تو اندر سے جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا اس لئے کہ محبوبانِ خدا کی شفاعت سے اس کے مکینوں کو بہشت میں بھیجا جائے گا۔

سوال: آیت میں دائمی عذاب کی تصریح ہے اور حدیث اس کے خلاف گواہی دیتی ہے اسی لئے چاہیے کہ حدیث کو نہ مانا جائے کیوں کہ یہ قرآن کے خلاف ہے اور وہ حدیث جو قرآن کی صریح آیت کے منافی ہے وہ چھوڑ دی جائے[1]۔

جواب: آیت کی تصریح جملہ طبقات جہنم کے لئے ہے اور حدیث شریف میں طبقہ عُلیا کے لوگ مراد ہیں کیوں کہ یہ طبقہ صرف گنہگاروں کے لئے خاص ہے[ع]۔ جب گنہگاروں کو محبوبانِ خدا کی شفاعت سے بہشت میں لایا جائے گا تو صرف یہی طبقہ خالی رہ جائے گا۔

ازالۂ وہم: بعض اہل مکاشفہ صوفیہ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ کوئی جہنم میں اس میں نہ رہے گا اس سے بھی یہی طبقہ مراد ہے اور وہاں کے مکین اہل توحید یعنی گنہگار مسلمان ہوں گے اور فرمایا کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں بندگانِ خدا سے خالی ہو جانے کے بعد گھاس (جرجیر) آگ آئیگی ⑦ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا جب جہنم میں کافروں کو پھینکا جائے گا اور کافروں کو جہنم میں ایسا پھینکا جائے گا جیسے ہم لکڑیوں کو بہت بڑی آگ میں دور سے پھینکتے ہیں۔

نکتہ: اطراح کے بجائے القاء لانے میں کفار کی تحقیر مطلوب ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ دوزخ نہایت ہی عمیق گڑھا ہے۔ (نعوذ باللہ منہا)

سَمِعُوْا لَهَا تو جہنم سے سنیں گے یعنی خود جہنم سے نہ اس کی کسی اور متعلق شے سے یہ محذوف سے متعلق اور شَهِيْقًا سے حال ہے کیوں کہ یہ دراصل صفت ہے لیکن چونکہ مقدم ہوئی ہے اسی لئے حال واقع ہوئی۔ دراصل عبارت یوں ہے سمعوا کائنا لها شهيقًا شہیق سے گدھے کی آواز مراد ہے جو تمام آوازوں سے مکروہ تر اور ڈراؤنی ہے اس سے اس کا غضب مراد ہے یعنی اس کی آواز مکروہ اور ڈراؤنی ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل بہشت کے لئے فرمایا۔ لا يسمعون حسيسها وہ اس کی آواز بھی نہ سنیں گے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ الشہیق سینے کی آواز اور الزفیر'' حلق کی آواز کو کہا جاتا ہے۔ یا شہیق

---

[1]: یہ سوال وہابیوں کا ہے اگرچہ تفسیر میں تصریح نہیں لیکن ہمارے زمانہ میں اس طرح کے مشغلہ بن گیا ہے (اویسی غفرلہ)

[ع]: ہمارا عقیدہ شفاعت بھی اہل ایمان کے لئے ہے اگرچہ مطلق شفاعت کافروں کے لئے بھی ہوگی۔

گدھے کی آخری آواز جو نہایت ہی قبیح تر ہوتی ہے اور الزفیر اسکی ابتدائی آواز درحقیقت الشہیق بمعنے سانس کو کارد کرنا اور الزفیر بمعنی سانس نکالنا ہے۔ وَّهِيَ تَفُوْرُ درآنحالیکہ وہ ہانڈی کی طرح جوش مارتی ہوگی بوجہ شدۃ تپش اور گرمی کے اور وہ دلنے کی طرح اوپر نیچے ہوتے نظر آئیں گے جوش کی وجہ سے انہیں قرار نہ ہوگا

حل لغات فور بمعنی جوش سے ابلنا، اطلاق آگ ہانڈی اور غضب میں آتا ہے پانی کے جوش میں اس کا اطلاق مجازی ہے اور وہ ہانڈی کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سوال : آیت کے لفظ اذا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا شور کفار کے دوزخ میں ڈالے جانے کے وقت ہوگا اور وہی تفور سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈالے جانے کے بعد ہوگا۔

جواب : دوزخ کا شور اسی وجہ سے ہوگا جو اس میں تپش اور گرمی ہے اور اذا القوا کی تاویل یہ ہے کہ جب ان کے متعلق دوزخ میں ڈالے جانے کا ارادہ کیا جائے گا یا جب ڈالے جانے کے قریب ہوں گے اس لئے کہ شہیق کے آواز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان کے دوزخ میں ڈالے جانے سے پہلے ہو۔

⑧ **تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ** دوسرا جملہ ہے تمیز دراصل تتمیز (دو تار کے ساتھ) تھا معنی انقطاع والفصال بین المتشابہات یعنی ملی جلی چیزوں کے درمیان انفصال و انقطاع اور الغیظ بمعنی بہت زیادہ غصہ وغضب مثلاً کہا جاتا ہے "یکاد فلان ینشق من غیظ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کو غضب میں افراط کے ساتھ موصوف کیا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قریب تھا کہ وہ دوزخ سخت غضب سے پھٹ جاتی یعنی قریب تھا کہ اس کی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اور اس کا ایک حصہ جدا ہو جاتا یہ صرف کافروں پر سخت غصہ و غضب کی وجہ سے ہوگا۔

فائدہ : ان میں قوت تاثیر اور ان کی طرف ضرر پہنچانے میں اشتعال نار کو غیظ و غضب والے کے غیر پر غضب کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ ان پر ایصال ضرر میں مبالغہ کی وجہ سے ہے ایسا استعارہ اسم غیظ کے لئے استعمال کیلئے استعارہ تصریحیہ ہے۔

فائدہ : امام (فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا اس مجاز کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غضب کے وقت دل کا خون کھولتا ہے اس سے اس کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے اور رگیں پھول جاتی ہیں یہاں تک کہ قریب ہوتا ہے کہ وہ پھٹ جائے۔

نکتہ : المناسبات میں ہے کہ تمیز کی ایک تار حذف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں افتراق و اتصال اتنا سرعت سے ہوگا کہ اسمیں ادراک کا امکان نہ ہوگا یہ سب کچھ مالک حقیقی کے غضب و غصہ کی وجہ سے ہوگا۔

شانِ نبوت اور دوزخ کا منظر

دوزخ کو ایک ہزار لگام سے جکڑا جائے گا اس کی ایک ایک لگام کے ساتھ ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جسے کھینچ کر میدان قیامت میں لایا جائے گا دوزخ اپنی طاقت سے فرشتوں کی باگیں توڑ کر کافروں پر حملہ کرے گی جس سے تمام باگیں ٹوٹ جائیں گی اور وہ اہل محشر کو لتاڑتی ہوئی کہے گی کہ آج میں ان سے بدلہ لونگی جو رزق تو خدا کا کھاتا لیکن پرستش غیر کی کرتا اسے سوائے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ کے کوئی نہ روک سکے گا آپ اس کا اپنے نور مبارک سے مقابلہ کریں گے تو وہ ہٹ جائے گی حالانکہ ہر فرشتے کی قوت اتنا زبردست ہے کہ اگر اس کے ایک کو حکم ہو کہ وہ زمین اور اس کے جملہ پہاڑوں کو اکھیڑ کر اوپر کو لے جائے تو وہ بلا تکلف یہ سب کچھ کر سکتا ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس قوت کا مظاہرہ ۔ دنیا میں ہو چکا ہے چنانچہ فرمایا کہ میں نے آگ کو پھونک مار کر بجھا دیا ورنہ وہ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ۔

نکتہ : بعض مشائخ نے فرمایا نارِ عالم نور سے ہے اور نفس کی فطرت کا تقاضا ہی ہے کہ وہ آگ اس پر سختی کرے ان کو آپس میں منافرت ہے جب منافرت بڑھتی ہے تو دشمنی اٹھتی ہے اسی وجہ سے آگ نفوس پر غیظ وغضب کرے گی ۔

فائدہ : اس مضمون آیت اور دیگر آثار صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ میں دوسرے احیاء کی طرح حیات وشعور ہے اسی لئے اس سے وہی صادر ہوتا ہے جو دوسرے احیاء سے اہل اللہ کے نزدیک یہاں مجازی معنیٰ کے ارتکاب کی ضرورت نہیں بلکہ اسی طرح جملہ ایسی اشیاء میں حیاۃ ہے ان میں کسی ایک کے لئے مجازی معنیٰ لینا ناموزوں ہے ۔

معجزۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا راستہ میں مجھے پیاس کا تقاضا ہوا عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ اس سامنے والے پہاڑ کو میرا سلام کہنا اور اس سے پانی طلب کرو اگر اس کے پاس پانی ہوگا ۔ تو دیگا فرماتے ہیں کہ میں نے کہا " السلام علیکم اے پہاڑ " تو پہاڑ نے بزبان فصیح عرض کی لبیک یا رسول اللہ " میں نے اپنا حال سنایا تو کہا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میرا سلام عرض کر کے کہنا کہ جب سے میں نے آپ سے آیت فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ سنی ہے اس روز سے رو رہا ہوں کہ کہیں وہی پتھر میں نہ ہوں کہ جس کا ایندھن پتھر بنایا گیا ہے اسی روز سے رونے کی وجہ سے اب میرا پانی ختم ہے ۔ کُلَّمَآ اُلْقِیَ الالقاء بمعنی ڈالنا ۔ پھینکنا ۔ جب پھینکی جائے گی فِیْھَا جہنم میں فَوْجٌ کافروں کی ایک جماعت انہیں وہ زبانیہ (فرشتے) آگ میں ڈالیں گے جو غیظ وغضب سے

بھرپور ہوں گے اور کافروں کے لئے تو سراپا غصہ ہی غصہ ہوں گے۔

(ربط) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ دوزخ کے حالات کے ذکر کے بعد اس میں رہنے والوں کا بیان فرمایا سَاَلَهُمْ ان کافروں کی جماعت سے پوچھیں گے۔ "ہُم" کی ضمیر باعتبار فوج کے معنیٰ کا ہے۔ خَزَنَتُهَآ یعنی خازن نار اس سے مالک اور اس کے خدام ان کا یہ سوال زجر و توبیخ تاکہ ان کے عذاب و حسرت میں اضافہ ہو یعنی عذاب جسمانی کے ساتھ عذاب روحانی میں بھی مبتلا ہوں۔ 'خزنتہ' خازن کی جمع ہے بمعنی حافظ و موکل وہ جس کے پاس کوئی خزانہ ہو۔

فائدہ: تاج المصادر الخزن بمعنی نگاہ رکھنا مال اور راز کی نگاہ رکھنا۔ اَلَمْ یَاْتِكُمْ فرشتے کہیں گے اے کافرو اور فاجرو کیا تمہارے پاس دنیا میں نہیں آئے نَذِیْرٌ ڈرانے والے جو تمہیں آیاتِ الٰہی سنا کر ڈراتے اسی یوم سے انذر بمعنی ابلاغ لیکن یہ صرف خوف دلانے کے وقت ہوتا ہے اور دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔[1]

(۹) قَالُوْا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعذار توڑے کیوں کہ انبیاء علیہم السلام بھیجے انہوں نے ہمیں بتایا کہ ایسا ایسا کرو گے تو سزا پاؤ گے (رد فرقہ جبریہ) کفار یہ نہ کہیں گے کہ ہم تو مجبور تھے اسی لئے کہ تیری تقدیر یونہی تھی بلکہ اپنا اختیار ظاہر کرکے عرض کریں گے کہ یہ ہماری غلطی تھی ہم نے اپنے اختیار سے غلط کام کیا اور اس کے برعکس رہے جو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے چاہتا تھا ہمیں اس نے احکام پر عمل کرنے کا حکم فرماکر اس کے ساتھ ڈرایا بھی لیکن ہم نے مخالفت کی اس سے جبریہ فرقے کا رد ہوگیا وہ کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں وغیرہ وغیرہ۔ بَلٰی ڈرانے والوں کی آمد کی نفی کے ایجاب کے لئے ہے قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ہاں بے شک ہمارے ڈرانے والے آئے۔

سوال: صرف بلیٰ کہہ دینا کافی تھا۔ جملہ قد جاءنا لانے کی کیا ضرورت ہے

جواب: اعتراف میں مبالغہ اور سعادۃ تصدیق کے فوت ہونے پر اظہار حسرت میں مبالغہ ہے اور وہ کوتاہی جو ان سے سرزد ہوئی اس کے بیان کی تمہید ہے' یعنی کافروں کا ایک گروہ کہے گا کہ بے شک ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف ڈرانے والے آئے۔ نذیر واحد کا صیغہ اسی لئے ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت بمنزلہ فرد واحد کے ہے جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام گویا ایک ہی ہیں یعنی وہ حضرات انبیاء علیہ السلام ہمارے ہاں تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام ہمیں سنائے۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نذیر ہوں اور موت مُغیر غارت دلانے والی ہے اور ساعۃ وعدہ

---

[1] تاج المصادر

ہے یعنی قیامت کی وعدہ گاہ ہے۔ فَكَذَّبْنَا تو ہم نے ان کی تکذیب کی اور کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرانے والے نہیں ہو۔

سوال: اس حکم میں وہ فاسق داخل نہ ہو جو فسق پر اصرار کرتا ہے کیوں کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب نہیں کی۔

جواب: دلائل سمعیہ دلالت کرتے ہیں کہ فساق نے بھی مطلقاً یعنی کسی نہ کسی طریقے سے تکذیب کی اس لئے وہ اس حکم تکذیب میں داخل ہیں اور فوج سے بہا نپر ان کے وہ بعض کافر مراد ہیں جو جہنم میں پھینکے جائیں گے جیسا کہ گزرا۔

وَقُلْنَا اور ان آیات کے بارہ میں جو ہمارے حق میں نازل ہوئی تکذیب میں حد سے گزر کر اور امور دینوی میں اور احکام رسومیہ خلقیہ میں زیادہ منہمک ہونے کی وجہ سے تکبر کرتے ہوئے ہم نے کہا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں ہوئی مِنْ شَيْءٍ کوئی شے چہ جائیکہ تم دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم پر بہت بڑی آیات اُتری ہیں بلکہ اس کے بعض تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کوئی رسول آیا ہے نہ کوئی کتاب اُتری ہے اِنْ اَنْتُمْ اے انبیاء تم اپنے دعویٰ میں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر آیات اُتاری ہیں کہ تم ان کی وجہ سے ہمیں عذاب سے ڈراتے ہیں نہیں ہو۔ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ مگر بڑی گمراہی میں یعنی حق وصواب کے بہت دُور ہو۔

سوال: ضمیر جمع کی کیوں حالانکہ ہر جماعت کفار کا صرف ایک ہی ڈرانے والے (نبی) علیہ السلام ہوتے۔

جواب: ایک (نبی علیہ السلام) ان سب کے لئے بمنزلہ جمع کے تھے تا کہ ان کی تکذیب اور تضلیل میں سرکشی میں مبالغہ کا اظہار ہو جیسے منزل (نازل کردہ کتب) کے ذکر میں منزل علیہ (جس پر کتب نازل ہوئیں) کا ترک ہے اس لئے کہ اپنے عموم میں بہت زیادہ واضح اور روشن ہے (۱۰) وَقَالُوْا اور بھی اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم سنتے سمجھتے کچھ نہ تھے۔ کیوں کہ لَوْ كُنَّا اگر ہم دنیا کچھ نَسْمَعُ کوئی بات سنتے ہوتے

اَوْ نَعْقِلُ یا کچھ سمجھتے ہوتے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ سمع کی طرح توحید میں عقل بھی حجت ہے۔

نکتہ: سمع کو مقدم اس لئے کیا گیا کہ سمجھنے سے پہلے سننا ضروری ہے۔

فائدہ: سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَوْ كُنَّا الخ میں ممکن ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان دو قسم ہے۔ تقلیدی و تحقیقی استدلالی کیوں کہ یہی نظر و استدلالی کا محتاج ہوتا ہے تحقیقی و عیانی کو

نظر و استدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ عقل سے نہیں کشف سے حاصل ہوتا ہے مَا كُنَّا آج ہم نہیں ہیں فِیٓ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ دوزخ والوں میں سے یعنی ان سے ہمیں شمار نہ کیا جائے جن پر آگ جلانے والی مقدر ہو چکی ہے اور نہ ہی ان کے تابعداروں میں سے یعنی شیاطین جیسا کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ واعتدنا لهم عذاب السعير اور ہم نے ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی، گویا جب انہیں جہنم کے نگراں زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہیں گے کیا تم نے انبیاء علیہ السلام سے آیاتِ پروردگار نہیں سنے کیا تم نے ان کی کوئی بات نہ سمجھی کہ تکذیب کر ڈالی اس کے جواب میں مذکورہ بالا معروضات سنائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اگر ہم انہیں دل کے کانوں سے سنتے یا ارواح کے عقول سے سمجھتے تو دوزخی نہ ہوتے لیکن ہم نے انہیں ان کانوں سے سنا جن پر مہر لگ چکی اور بیماری کا شکار ہو کر ان پر تالے لگ چکے۔

تفسیر عالمانہ ⑪ فَاعۡتَرَفُوۡا تو وہ مجبور ہو کر اعتراف کریں گے لیکن اس وقت ان کا اعتراف انہیں فائدہ نہ دے گا۔ اعتراف بمعنی معرفت کا اقرار اور عین المعانی میں ہے یعنی وہ جرائم کے ارتکاب کا اقرار کریں گے۔ بِذَنۡۢبِهِمۡ اپنے گناہوں کا کہ انہوں نے اپنے اختیار سے ہی برے اعمال کا ارتکاب کیا یہاں ذنب سے کفر اور آیاتِ الٰہی اور رسل کی تکذیب مراد ہے۔

فائدہ: ذنب کو واحد لانے میں اشارہ ہے کہ جمع کا معنیٰ دے سکتا ہے اس لئے کہ یہ اسم جنس ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہوتا ہے اس سے کفر مراد ہے وہ اگرچہ کئی انواع پر مشتمل ہے لیکن بحکم کفر ملۃ واحدۃ ایک شے ہے اور یہی جرم کا منتہیٰ اور خلود آبدی فی النار کا مقتضی ہے فَسُحۡقًا تو دوری، مصدر موکد متعدی مزید یحذف الزوائد ہے دراصل فاسحقهم تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بعید کیا سحقا ای اسحا بمعنی ابعاداً دور کرنا بوجہ ان کے گناہوں کے یا سحقا اسی فعل پر مرتب ہے اب اصل ہوگا، فاسحقهم الله فسحقوا یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے بعید کیا تو وہ بعید ہو گئے۔

حل لغات اہلِ عرب کہتے ہیں سحق الشی بروزن کرُم بمعنی بُعد۔ فهو سحيق بمعنی بعید بعض نے کہا یہاں یہ اپنے معنیٰ پر ہی ہے بعض نے کہا یہاں دُعا کے طور ہے گویا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سکھایا ہے کہ ان پر یونہی دعا کریں (تیسیر) خلاصہ یہ ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے خوب دور فرمایا۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کے طور ملایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ ایسی دُعا کے مستحق ہیں اور جیسے کہا گیا ہے ان پر عنقریب ایسے واقعے ہوگا کہ عنقریب وہ تباہ و برباد ہوں گے لِّاَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ

لام بیانیہ ہے لعیث لکَ کی طرح اسی سے شیطان اور دوزخ میں داخل ہونے والے کفار مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کے قرب سے بعید اور بُعدُ فراق کی جہنم کے قریب کر دیا۔

تفسیر عالمانہ ⑫ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ بے شک وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں) یعنی اس کے عذاب سے اس نے یوم قیامت یا یوم موت یا یوم قبر مراد ہے یعنی ایسے ڈرتے ہیں کہ گویا عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے ہے حالاں کہ وہ ان سے غیب ہے۔ اور انہوں نے اسے ابھی دیکھا بھی نہیں یہ اس وقت ہے کہ بِالْغَیْبِ مضاف مقدر سے حامی ہے یا معنیٰ یہ ہے۔ "غائبین عنہ" وہ اللہ والے غیب ہیں یعنی یہ لوگ اس کے عذاب کا معائنہ نہیں کر رہے اور نہ ہی انہیں احکام آخرت کا مشاہدہ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہیں اس لئے کہ یہ ان منافقین کی طرح نہیں کہ جب اہل ایمان کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب اپنے شیاطین کو تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور اہلِ ایمان کے ساتھ ہم ٹھٹھا مخول کرتے ہیں اس معنی پر سے یخشون کی ضمیر سے حال ہے۔

بہترین تفسیر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے پروردگار سے اس شے کے ساتھ ڈرتے ہیں جو ان سے پوشیدہ ہے یعنی دل کے ساتھ۔ اس معنیٰ پر بَا استعانت کی ہے جو یخشون کے متعلق ہے اور الف لام موصول کا ہے۔

عشق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جگر سے دل جل جانے کے دھوئیں کی بُو سونگھی جاتی تھی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے جل گیا تھا۔

خوف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو آپ کے قلب اطہر سے جوش مارنے والی ہانڈی کی سی آواز سنائی دیتی تھی جب کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گریہ فرماتے تھے۔

فائدہ: الازیر بمعنی ہانڈی کا جوش مارنا۔ بعض نے کہا بمعنی ہانڈی کی آواز اور المرجل بمعنی تانبے کی ہانڈی۔

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ان کے لئے بڑی مغفرت ہے ان بڑے گناہوں سے جو ان سے صادر ہوئے یاد رہے کہ کامل سرور اس وقت نصیب ہوتا ہے جب انسان کو کامل عطا نصیب ہو وَاَجْرٌ کَبِیْرٌ

اور بہت بڑا اجر" یعنی آخرت میں بہت بڑا ثواب عطا ہوگا - اور یہ ان کے لئے محض فضل الٰہی کے طور ہوگا اور ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہوگا یہ اجر ان آلام کے شدائد سے ہوگا جو انہیں دنیا میں پہنچا اس اکرام کو دیکھ کر وہ دنیا کی لذتوں کو لاشئے ۔ (حقیر) محسوس کریں گے ۔

فائدہ : مشائخ فرماتے ہیں کہ اجر سے مراد شدائد و مکارہ سے امان مراد ہے یعنی خوفِ خدا والوں کو جس خوف سے ڈرنے سے امان ہوگی ؎

۱ : لا تخافوا مژدۂ ترسندہ است
ہر کہ می ترسد مبارک بندہ است

۲ : خوف وخشیت خاص دانایان بود
ہر کہ دانا نیست کے ترسان بود

۳ : ترسگاری رستگاری آورد
ہر کہ دارد آزد عوض دریان بود

ترجمہ ۱ : ڈرنے والوں کو لاتخافوا (نہ ڈرو) کا مژدہ ہے جو ڈرتا ہے ۔ وہ برکت والا ہے ۔
۲ : خوف و خشیت داناؤں کا خاصہ ہے جو دانا نہیں وہ ڈرے گا کب ۔
۳ : خوف خداوندی نجات لاتی ہے جو یہ رکھتا ہے اس کا عوض ہر درد درمان نصیب ہوگا ۔

نسخہ روحانی : پہلے عقل ضروری ہے پھر خوف خداوندی نصیب ہوتا ہے ۔

حکایت : ایک کسریٰ بہت بڑا دانا تھا اس نے اپنا ملازم مقرر کر رکھا تھا جس پہ حکم تھا کہ جب لشکر میرے سامنے ہو اور میں پورے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ تخت پہ بیٹھا ہوں تو کہنا انت عبد (تو ایک بندہ ہے) (اسے بہت بار دہراتے رہنا) جب وہ ملازم یہ کلمہ دہراتا بادشاہ سر ہلا کر کہتا ۔ ہاں ۔ ہاں میں ایک معمولی بندہ ہوں ۔

سبق : جو بھی مکرِ نفس سے خوفزدہ ہوتا ہے وہ ایسے ہی کرتا ہے اور دل سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا عموماً اسی طرح کا حال ہوتا ہے ۔

فائدہ : حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خوف امید سے مقدم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ کو پیدا فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم بہشت میں دوزخ سے گزر کر اس میں داخل ہوں گے قال ل وان منکم الا واردھا تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس میں وارد نہ ہو ۔

فائدہ : حضرت فضیل قدس سرہ فرماتے ہیں جب تم سے سوال ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو تو چپ رہو

اگر کہو گے نہیں تو پھر تمہارے نامہ اعمال میں بہت بڑا گناہ لکھا جائے گا۔ اگر کہو کہ ہاں تو بھی غلط ہے کیوں کہ جس حال پر زندگی بسر کر رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی زندگی نہیں دیکھئے حضرت خلیل علیہ السلام کو جب اپنا خلیل بنایا تو ان کے دل میں اپنا اتنا خوف ڈالا کہ وہ آپ کے دل کی دھڑکن کی آواز ایسے دور سے سنائی دیتی جیسے پرندے کے ہوا پر اڑنے کے وقت آواز اٹھتی ہے۔

فائدہ: حضرت فضیل قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو خوف کی دولت کیسے نصیب ہوئی آپ نے فرمایا کہ قلت ذنوب سے کیوں کہ خوف کے اسباب ہیں سب سے پہلا عقل سلیم ہے۔ ترک عصیان سے ہی عقل سلیم کو کمال نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ اگرچہ ترک عصیان ہی سے خوف کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے لیکن قلب کو رقت نصیب ہوتی ہے تو ترک عصیان سے اس سے پھر خوف میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ قلب جو سخت ہوا سے خوف نہیں اسی لئے کہ اس کی عقل ضعیف مغلوب ہو چکی ہوتی ہے۔

نکتہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ عقل شوہر اور نفس اس کی زوجہ روح جسم بمنزلہ گھر کے ہے جب عقل نفس پر غلبہ پاتی ہے تو نفس جسم کی اصلاح میں لگ جاتا ہے جیسے وہ عورت جو اپنے شوہر سے مغلوب ہو تو وہ گھر کی اصلاح کا سوچتی ہے اس لئے ایسے شوہروں کے گھریلو معاملات صحیح ہوتے اور جب نفس عقل پر غالب ہو جاتا ہے تو نفس کی جدوجہد فساد کے لئے ہوتی ہے جیسے وہ عورت جو شوہر پر غالب ہو تو گھریلو معاملات نہیں سنورتے ؎

۱: مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلہ دیگر است

۲: کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: نفس شہوت پرست کی طاعت نہ کر اس لئے اس کا ہر لحظہ قبلہ نیا ہے۔
جس کا کپڑا تو پاک ہو لیکن سیرت خبیث تو اسے دوزخ کے دروازے کی کنجی کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ (۱۳) وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ (اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو) یہ خطاب مشرکین کو ہے۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی اس لئے کہ وہ لوگ حضور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ناگوار باتیں کہتے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی باتوں کی

خبر دے دیا اسی لئے کفار آپس میں کہتے یار و نبی علیہ السلام کے بارے میں آہستہ کہو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خدا ہماری باتیں سن کر انہیں نہ بتا دے اسی لئے انہیں کہا گیا کہ آہستہ کہو یا کھل کر ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کیوں کہ اس کے ہاں پوشیدہ اور کھلی بات برابر ہے اس لئے کہ اس کے علم کا تعلق سب سے ہے۔

فائدہ : یہ امر تہدیدی ہے تکلیفی نہیں۔

نکتہ : پوشیدہ باتوں کی کھلی باتوں پر مقدم کرنے سے انہیں رسوا کرنا مطلوب ہے انہیں بتانے ہے کہ جس ڈر سے تم آہستہ بولتے ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

نکتہ : اس سے باری تعالیٰ کے علم محیط کی خبر دینا ہے کہ اس کا علم جمیع معلومات کو گھیرے ہوئے ہے کہ تم پوشیدہ بات کہتے ہو تو وہ اس کے لئے کھلی باتوں سے زیادہ روشن ہے اگرچہ اس کے علم کے تعلق کے اعتبار سے ہر دونوں برابر ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا علم معلومات کیلئے بطریق حصول الصور کے نہیں بلکہ ہر شے کا وجود علم ہے یا اس کی تقریر یوں کرو کہ پوشیدہ بات کی تقدیم بوجہ مرتبہ ہے کیوں کہ پوشیدگی مرتبہ کے لحاظ کھلی بات مقدم ہے اس لئے جو بات ظاہر کی جاتی ہے وہ پہلے قلب کے اس گوشہ میں ہے جس سے پوشیدہ باتوں کا تعلق ہے اسی لئے علم الٰہی کا تعلق پہلے اس سے ہوتا ہے بعد کو ظاہر ہونے والی بات سے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ (بے شک وہ سینوں کے اسرار خوب جانتا ہے) اس کا علم تمام لوگوں کے پوشیدہ اسرار کو محیط ہے وہ کتنا ہی ان کے سینوں میں مخفی ہوں انہیں جانتا ہے کوئی شے بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں تو پھر وہ امور اس سے کیسے مخفی رہ سکتے ہیں جنہیں تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔

فائدہ : یہ بھی جائز ہے کہ یہاں صدور سے وہ قلوب مراد ہوں جو سینوں میں ہیں اب معنی یہ ہوا اللہ تعالیٰ تمہارے ان اسرار و احوال کو جانتا ہے جو تمہارے سینوں کے اندر قلوب میں ہیں بہرحال اس سے کوئی راز مخفی او جھل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ قاشانی مرحوم نے فرمایا کہ وہ تمہارے سینوں کے اسرار کو خوب جانتا ہے اس لئے کہ وہ اسرار اس کے علم کا عین ہیں۔

سوال : صدور جمع ہے ذات واحد چاہیے تھا کہ بذوات الصدور ہو۔

جواب : یہاں صدور کی جنس مراد ہے۔

فائدہ : ذات ذی کی مونث ہے بمعنی صاحب اور یہاں مضاف محذوف کر کے صفت اس کے

قائم مقام رکھی گئی ہے دراصل علیم بالمفردات صاحبۃ الصدور تھا اور اس سے وہ خواطر مراد ہیں جو دل میں قائم ہیں۔ جیسے آرزوئیں اور وہ خیالات دل پر گزرتے رہتے ہیں اور ان کے صاحب کا ذکر اس کے لزوم کی وجہ سے ہے جیسے دودھ کو صاحب الاناء اس لزوم کی وجہ سے کہا جاتا ہے ایسے وہ بچہ جو ابھی پیٹ میں ہے اس کی ماں کو ذوالبطن کہتے ہیں تو اسی لزوم کی وجہ سے۔

تفسیر عالمانہ (۱۴) اَلَا یَعْلَمُ کیا وہ نہیں جانتا۔ مَنْ خَلَقَ جسے اس نے پیدا کیا ہے۔ یعنی کیا وہ نہیں جانتا سر وجہر کو جس اپنی حکمت سے تمام اشیاء کو پیدا کیا۔ جب کہ یہ سر وجہر انہیں سے ہیں یہ نفی انکار اللہ تعالیٰ کے عدم علم محیط بکل ایسے انکار نفی چاہیے یعنی مضمر و مظہر سب کو جانتا ہے اور من یعلم کا فاعل ہے اور جائز ہے کہ یہ منصوب ہوا اور یعلم کا مفعول بہ ہے اس کا عائد محذوف ہے دراصل الا یعلم اللّٰہ من خلقہ کیا اللہ تعالیٰ اسے نہیں جانتا جسے اس نے پیدا کیا۔ وَھُوَ حالانکہ وہ اللَّطِیْفُ دقائق الاشیاء کو جانتا ہے یہانتک کہ کالی رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے آثار کو بھی جانتا ہے۔ الْخَبِیْرُ ان کے بواطن (باطنی امور) کو جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنی مخلوق بواطن وظواہر کو جانتا ہے بلکہ وہی ہے حقیقتہً ظاہراً اور باطناً بھی صرف فرق وجوب وامکان اور بر طلاق وتقیید اور احتجاب الھویۃ بالعندیۃ والحقیقۃ بالشخصیۃ کا ہے اور بس۔

سوال: لطیف کے بعد خبیر کا ذکر تکرار محض ہے۔

جواب: اس میں کوئی تکرار نہیں امام غزالی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جو مصالح کے دقائق کو جانے اور ان کے غوامض پر مطلع ہو بلکہ ان سے دقیق امور سے خبر رکھے بلکہ ان سے لطیف تر بیں اشیاء کو جانے اور پھر ان مصالح کو جن کے لئے پیدا کئے گئے ہیں کی طرف نہایت نرمی سے پہنچائے جائیں جنہیں کسی قسم کی سختی نہ ہو جب فعل میں رفق اور ادراک (پہنچانے) میں لطف کا اجتماع ہو جائے لطف کا معنیٰ مکمل سمجھا جاتا ہے اور علم وفعل میں کمال کا تصور صرف ذات باری تعالیٰ کے متعلق ہو سکتا ہے اور بس اور خبیر وہ ہے جس سے اخبار باطنہ پوشیدہ نہ ہوں ملک وملکوت جو ہے ان میں ہر حرکت وسکون بلکہ ہر سانس کی حرکت وسکون کی اسے خبر ہے خبیر بمعنی علیم ہے صرف فرق اتنا ہے کہ جب علم کی اضافت مخفی امور کی طرف ہو تو اسے خبرۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے جاننے والے کو خبیر کہا جاتا ہے بلا اضافت ہو تو وہ اسے علیم کہتے ہیں۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں ہم فقراء کہیں جا رہے تھے تو کھانا میسر نہ آنے سے ہمیں بھوک نے گھیر لیا ہم حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ کے ہاں چلے گئے میں نے دل میں خیال کیا کہ کیا یہ شیخ ہم فقراء کے دل کے راز سے واقف ہوگا میں اس تصور میں تھا کہ شیخ نے مجھے فرمایا کہ جو ضرورت در پیش ہو وہ اللہ تعالیٰ سے کہی جائے کیا تمہارا عقیدہ نہیں کہ وہ علیم ہے اس سے کہو جو کہنا ہے اس کے بعد خاموش ہوگئے ہم ان سے اٹھ کر اپنی منزل کو واپس لوٹے تو ہمیں ضرورت کی اشیاء مل گئیں۔

سبق : انسان پر لازم ہے کہ جب اس کا عقیدہ ہے کہ میرا خدا میرے ہر حال پر مطلع ہے بلکہ میرے دل کے ہر راز کو جانتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی ضرورت کو اس کی طرف پھیر دے جو کچھ مانگنا ہے دل ہی دل میں اسی سے مانگے یہاں تک کہ زبان پر حاجت کو لانے کی ضرورت نہ ہو کیونکہ وہ اپنے بندوں کیلئے لطیف ہے۔ اس کا یہ لطف کچھ کم نہیں کہ وہ ان کی ضروریات سہولت سے ان کے ہاں پہنچا رہا ہے یہاں تک کہ کھانے کی روٹی بھی ورنہ غور کرے کہ صرف ایک روٹی کے حصول کیلئے بہت سے لوگ آنکھوں پر کئی راتیں گزار دیتے ہیں تب کہیں اسے کچھ نصیب ہوتا ہے اور یہ روٹی بھی آسانی سے تیار نہیں ہوتی اس کے بندے اس کی تیاری میں محنت کرتے ہیں مثلاً کسان کو دیکھئے زمین میں بیج ڈالنے سے لے کر اس کے کاٹنے اور صاف کرنے تک کتنا مشقت اٹھاتا ہے پھر روٹی پکانے میں کتنا تکلیفیں پیش آتی ہیں کہ دانے پیسنے سے لیکر پکانے تک کتنا کام کرنا پڑتا ہے مقام غور ہے کہ دانے زمین میں ڈالنے سے لیکر کھانا پکنے تک کتنا آلات لکڑیاں۔ لوہا۔ پتھر اور جانور اور انسان کام کرتے رہے جن کا شمار نہیں ہوسکتا اسی طرح ہر وہ نعمت جو انسان کو نصیب ہوتی ہے اس کے حصول سے پہلے غور کرے کہ اس کی تیاری میں کتنا دکھ درد اٹھائے گئے۔ ایسے مطعومات ملبوسات مشروبات سب پر انسان غور فرمائے کہ وہ کتنا مشقات کی منازل کر کے اس کے ہاں پہنچے اگر کسی کو ان کے حصول میں خود کام کرنا تو اپنے عجز پر نگاہ ڈالے کہ اسے سوائے ہتھیار ڈالنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے بلا مشقت ایسی کئی نعمتیں عطا فرماتا رہتا ہے۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ہر لطیف شے کو کثیف اشیاء میں ایسے محفوظ فرماتا ہے جیسے امانتیں مجہول جگہوں میں رکھی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ سونا اور چاندی مٹی سے برآمد ہوتے ہیں۔ ایسے ہی دیگر جواہر کا حال ہے یا جیسے صدف کو موتی کا معدن اور مکھی کو شہد کا خزانہ اور کیڑے کو ریشم کا گنجینہ بنایا گیا ہے اسی لئے دل کو معرفت الٰہی کا محل و معدن مقرر کیا گیا ہے اور محبت کا مرکز بھی وہی ہے حالانکہ وہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اور دل کو صرف معرفت الٰہی کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔

سبق : انسان پر لازم ہے کہ وہ دل کو تعلق ماسوی اللہ کی آلائش سے پاک رکھے یہ اللہ تعالیٰ کا لطف

ہے کہ اس نے انسان کے لئے دل پیدا فرما کر اپنے لئے اسے آگاہ کیا کہ وہ لطیف خبیر ہے وہ اس کے باطن سے مکمل طور آگاہ ہے جب اس کا دل منظر الٰہی ہے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ اسے افکار و اغیار سے خالی رکھے اور اسے انواع معارف و علوم و اسرار سے سنگار ہے تاکہ وہ ملک عزیز غفار پروردگار کے تجلیات کا مرکز بنے اور اس پر اسماء و صفات کے وجوہ بلکہ ذات حق کا جلوہ ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی نوازش اور اس کے جمال کے دیدار کا سوال کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا
وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ
اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ
مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ
كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ
كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ
وَّيَقْبِضْنَ ڼ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾
اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ
الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا
الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ
وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰي وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ
يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْــِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ
يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا

وقف لازم

الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً
سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ
فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ
اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿٢٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ
يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿٣٠﴾ ع

ترجمہ : وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین رام کر دی تو اس کے رستوں میں چلو اور اللہ کی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھنا ہے (۱۵) کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جبھی وہ کانپتی رہے (۱۶) یا تم نڈر ہو گئے اس سے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ بھیجے تو اب جانو گے کیسا تھا میرا ڈرانا (۱۷) اور بے شک ان سے اگلوں نے جھٹلایا تو کیسا ہوا میرا انکار (۱۸) اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرند نہ دیکھے پر پھیلاتے اور سمیٹتے انہیں کوئی نہیں روکتا سوا رحمٰن کے بے شک وہ سب کچھ دیکھتا ہے (۱۹) یا وہ کون سا تمہارا لشکر ہے کہ رحمٰن کے مقابل تمہاری مدد کرے کافر نہیں مگر دھوکے میں (۲۰) یا کونسا ایسا ہے جو تمہیں روزی دے اگر وہ اپنی روزی روک لے بلکہ وہ سرکش اور نفرت میں ڈھیٹ بنے ہوئے ہیں (۲۱) تو کیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلے زیادہ راہ پر ہے یا وہ جو سیدھا چلے سیدھی راہ پر (۲۲) تم فرماؤ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے کتنا کم حق مانتے ہو (۲۳) تم فرماؤ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے (۲۴) اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو (۲۵) تم فرماؤ یہ علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں (۲۶) پھر جب اُسے پاس دیکھیں گے کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے اور ان سے فرما دیا جائے گا یہ ہے جو تم مانگتے تھے (۲۷) تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو وہ کونسا ہے جو کافروں کو دکھ کے عذاب سے بچا لے گا (۲۸) تم فرماؤ وہی رحمان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسہ کیا تو اب جان جاؤ گے کون کھلی گمراہی میں ہے (۲۹) تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو وہ کون ہے جو تمہیں پانی لا دے نگاہ کے سامنے بہتا " (۳۰)

تفسیر عالمانہ ⑮ **هُوَ** وہ واحد لاشریک لہ (**الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ**) وہ ہے جس نے تمہارے منافع کیلئے بنائی ہے **الْاَرْضَ** زمین۔

زمین کی پیمائش زمین کے مبلغ اور اس کی کمیت میں اختلاف ہے

ز (۱) جناب مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا طول وعرض پانچسو سال کی مسافت ہے اس میں دوسو سال کی مسافت میں صرف دریا ہی دریا ہے دوسو سال کی مسافت خالی پڑی ہے جس پر کوئی بھی سکونت پذیر نہیں۔ اسّی سال کی مسافت میں یاجوج ماجوج کا بسیرہ صرف بیس سال کی مسافت میں باقی تمام مخلوق مکین ہے۔

(۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ زمین جسے بحر محیط گھیرے ہوئے اس کا کل رقبہ چوبیس ہزار فرسخ ہے اس میں بارہ ہزار فرسخ پر سوڈانی ہیں، آٹھ ہزار فرسخ پر رومی اور تین ہزار فرسخ پر عجم و ترک ہیں اور ایک ہزار فرسخ پر اہل عرب ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صرف چوتھائی ان سوڈانیوں کی جو ننگے پھرتے ہیں وہ تمام لوگوں سے زیادہ ہیں۔

(۴) بطلیموس حکیم نے کتاب مجسطی میں زمین کا قطر اور اس کی استدرۃ بیان فرمائی اور مجسطی وہ کتاب ہے جس میں وہ قواعد ہیں جن کے ذریعے اوضاع فلکیہ و ارضیہ کو دلائل تفصیلیہ سے بیان کیا گیا ہے فرمایا کہ زمین کا استدارہ ایک لاکھ اسی ہزار اسطار لوس ہے ایک اسطار لوس چوبیس ہزار میل کا ہوتا ہے اسی تقریر پر زمین کا کل استدارہ اسی ہزار فرسخ ہوا۔

میل کی تحقیق تین میلوں کا ایک فرسخ ہوتا ہے اور ایک میل تین ہزار ملکی ہاتھ کا اور ہاتھ تین بالشت کا اور ایک بالشت چوبیس انگلیوں کی ایک انگلی پانچ جَو کی جن کے پیٹ آپس میں ملے ہوئے ہیں اور جَو سے مُراد وہ ہے جس کا عرض خچر کے چھ بالوں کے موٹائی کے برابر ہو اس تقریر پر اسطار لوس چار لاکھ ہاتھ کا ہوا۔ اسی بطلیموس نے فرمایا کہ زمین کا قطر سات ہزار چھ سو تینتیس[۳] میل ہے یعنی دو ہزار پانچسو پینتالیس اور دو تہائی فرسخ اور فرمایا زمین کا طول ایک ارب بتیس کروڑ چھ لاکھ میل ہے یعنی دو کروڑ آٹھ ہزار فرسخ

فائدہ: صاحب الخزیدہ نے فرمایا کہ اگر یہی بات حق ہو تو یہ وحی یا الہام ہے اگر صرف قیاس یا گمان سے اور استدلال ہے تو یہی حق کے قریب ہے اور مکحول و قتادہ کا علم یقینی کا فائدہ نہیں دیتا جس پر ایک غیبی بات پر یقین کیا جا سکے۔

ذَلُوْلًا نرم اور حد درجہ کی فرمانبردار جیسا کہ مبالغہ کے صیغہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر چلنا آسان

ہے تاکہ تم وہ چیزیں حاصل کرسکو جو تمہیں نفع دیں یعنی زمین ایسا نرم اور تمہارا تابعدار بنایا کہ تم اس پر آسانی سے چل سکو اگر اسے پتھریلی اور سخت بناتا تو اس پر چلنا مشکل ہو جاتا یا اسے بالکل نرم اور انگوری کے لائق بناتا تو اس میں کنویں کھودنا اور چشمے اور نہریں بہانا اور تعمیرات کرنا اور کھیتی اور باغ بونا مشکل ہوتا اگر ما ورزیادہ پتھر کیطرح سخت ہوتی تو بھی مشکل ہوتا اگر گرمی میں سخت گرم اور سردی میں سخت سرد ہوتی تو کسی زندہ کو اس پر آرام کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور نہ ہی مُردے دفنائے جاسکتے نیز اس پر پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ ہچکولے نہ کھائے اور نہ ہی اس پر رہنے والوں کو منتقل کرکے دوسری جگہ پھینکے اگر اضطراب اور جھکاؤ تو ہمارے لئے تابع نہ ہوتی۔ زمین انسان کامل کی طرح ساکن وساکت ہے۔ اور طرفہ یہ کہ خود اور اس کے حقائق قلم اعلیٰ اور ملائکہ مہیمہ کے بالمقابل ہے

خلاصہ یہ کہ زمین کو ایسے طریقہ سے بنایا کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکے۔

زمین کی قسمیں

زمین کو چند اطوار پر تقسیم فرمایا:

(۱) کوئی حصے نرم گوشے (۲) کچھ پہاڑ (۳) کچھ جنگل،
(۴) کہیں دریا (۵) کہیں نہریں (۶) کہیں چشمے،
(۷) کہیں نمکین (۸) کہیں میٹھی (۹) کہیں کھیتی،
(۱۰) کہیں درخت (۱۱) کہیں مٹی (۱۲) کہیں پتھر
(۱۳) کہیں ریت (۱۴) کہیں ڈھیلے (۱۵) کہیں درندے
(۱۶) کہیں سانپ (۱۷) کہیں فارغ پڑی ہے۔ وغیرہ۔ جیسے اس کی حکمت و قدرت کا تقاضا تھا۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے النفس کو نرم پیدا فرمایا جو اس کی مخالفت سے اسے نرم کیا تو اس نے فتنوں اور بلاؤں اور محنتوں سے نجات پا گیا اور جس نے اسے نرم نہ کیا بلکہ اس کی اتباع کی تو اسے نفس ذلیل اور ہلاک کرے گا۔

حل لغات

اہل لغت کہتے ہیں دابۃ ذلول وہ جانور جس کی نرمی ظاہر ہے یا الذل (بالکسر) سے ہے بمعنی "رلین و انقیاد" یعنی وہ جانور جو بہت زیادہ تابع حکم ہے وہ الصعوبۃ کی نقیض ہے الذلول ہر اس فرمانبردار کو کہتے ہیں جو تمہارا ہر طرح کا حکم ماننے الذل اگر بالضم ہو بمعنی ذلیل ہو۔ عزّ کی نقیض ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا الذل وہ جو قہر سے ہو کہا جاتا ہے ذلّ یذل ذلاً اور وہ جو تصعّب و شماس کے بعد بغیر قہر کے ہو کہا جاتا ہے ذل یذل ذلا۔ بیہقی نے تاج المصدر میں لکھا ہے باب ثانی میں ہے آپ نے اسی کتاب میں لکھا کہ الذل کا باب بمعنی خوار اور تابع ہونا ایسے ہی

مختار الصحاح میں ہے اور صاحب قاموس نے الذل کو صعوبۃ کی نقیض بتایا ہے بالضم والکسر صرف بمعنی الہوان (خواری) ہو تو صرف بالضم ہو گا۔ الذلول بروزن فعول بمعنی فاعل اسی لئے اسے علامت تانیث سے خالی رکھا گیا ہے حالانکہ ارض مؤنث سماعی ہے اس کا تقاضا تھا کہ یہ ذلولۃ ہو فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِہَا.
تو چلو تم اس کے کاندھوں پر چلو) فاء جعل مذکور پر امر کو مرتب کرتا ہے بعض کے نزدیک یہ امر اباحۃ کا ہے یعنی اس کے کناروں پر چلو یہ خبر بصورۃ امر ہے یہ بعض دوسروں کا مذہب ہے یعنی در اصل تمشون فی اطرافہا تھا۔ (خبر بمعنی امر ہے) اطراف کو مرد کے کاندھوں کی طرح بنایا گیا ہے کیوں کہ اس کی دو جانبین ہوتی ہیں گویا زمین کے جوانب (کناروں) کو انسان کے کاندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور جب لوگ زمین کے کناروں پر چلتے ہیں تو گویا وہ زمین کے کناروں کو محیط ہے اور راہیں اس کے جمیع جوانب سے فوائد حاصل ہوں گے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا المکب عضد (بازو) اور کتف کے مابین کی اجتماع گاہ اس سے زمین کے لئے استعارہ کیا گیا ہے اسی آیت فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِہَا جیسے دوسری آیت میں ظہر (پیٹھ) سے استعارہ کیا گیا جیسے فرمایا ما ترک علی ظہرہا (نہ چھوڑا زمین کی پیٹھ پر) یا مناکب سے جبال مراد ہیں اور جبال سے ارتفاع (بلندی) کی وجہ سے استعارہ کیا گیا ہے۔

حکایت: حضرت بشر بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی اسے فرمایا اگر تو مجھے مناکب الارض کی خبر دیدے تو آزاد ہے اس نے کہا مناکب سے جبال الارض مراد ہیں' اس کے بعد وہ لونڈی آزاد ہو گئی۔ آپ نے اس لونڈی سے نکاح کا ارادہ کیا اس کے متعلق حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ "دع ما یریبک الی ما لا یریبک"

یہ کلمہ تذلیل کی مثال کے لئے بولتے تھے یعنی وہ جب غایۃ سے متجاوز ہو یعنی اونٹ کی تذلیل (نرمی) کی طرح نہ مطلقاً تذلیل (حواشی مفتی سعدی مرحوم) کیوں کہ اونٹ کا کاندھا تمام اعضاء سے نرم تر ہوتا وہ اس سے اپنے سوار کو خبر دیتا ہے کہ وہ اسے جس طرح چاہے اپنے قدم سے روندے یعنی جیسے چاہے سوار ہو جب زمین کی نرمی کو اس رنگ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ جیسے چاہو اس پر چلو تو پھر اس کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہو گا جو نرم نہ ہو۔ اس سے جبال پر وجہ تخصیص بھی معلوم ہو گئی جب مناکب سے جبال مراد ہوں لیکن جبال پر چلنا مشکل ہوتا ہے جیسے اس دیوار کا جبل جو ہمارے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ہے اس کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ اس پر چلنے سے پاؤں ایسے پھسل جاتے ہیں کہ پاؤں جم نہیں سکتے بلکہ بعض پہاڑ تو ایسے ہیں کہ ان پر چلنا ہو تو سکتا ہے لیکن مشقت سے لیکن ایسے پہاڑ نادر ہیں ان کی ندرت و قلب کی وجہ سے مناکب سے جبال مراد ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کہ جس نے تمہارے لئے ارض بشریہ کو نرم اور تابعدار بنایا تو اس کی بلند اور نچلی جسمانیہ لذات (جو تمہارے لئے مباح ہیں) بحکم شرع اس سے بقدرِ ضرورت حاصل کرو تاکہ تمہارے بدن کو تقویت اور تمہارے طاعات و عبادات کے اسباب تیار ہو تاکہ وہ بالکل ضعیف نہ ہوں اور نہ ہی عبادت سے سستی کریں۔

تفسیر عالمانہ وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ اور اس کا رزق کھاؤ یعنی زمین میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تلاش کرو۔ دانے اور میوہ جات وغیرہ وغیرہ۔

اگر امر اباحۃ کا ہو تو رزق سے حلال رزق مراد ہے اگر خبر صورۃ امر میں ہو یعنی "تاکلون ہو تو جائز ہے تو رزق حلال و حرام دونوں کو شامل ہوگا کیوں کہ (اہلسنت کے نزدیک) وہ بھی رزق ہے اگرچہ اسے عمل میں لانا حرام ہے وَإِلَيْهِ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ کی طرف النُّشُورُ بعد مرنے کے اٹھنے کے بعد لوٹنا ہے تو اس کی نعمتوں کے شکر میں مبالغہ کرو۔

حل لغات کہا جاتا ہے "نشر اللہ المیّت نشرہ احیاہ" اللہ تعالیٰ نے میت کو زندہ کیا۔ "ونشر المیّت بنفسہ نشورا" زندہ ہوا زندہ ہونا۔ یہ متعدی بھی ہے غیر متعدی بھی رجعہ رجعا ورجع بنفسہ رجوعًا کی طرح ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ مردہ خود زندہ نہیں ہوتا سوائے اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے کے (کیوں کہ خود بخود میت کا زندہ ہونا محال ہے) (۱۶) ءَأَمِنتُم کیا تم بے غم ہوگئے ہو یعنی مکذّب (تکذیب کرنے والے) ہوگئے ہو یہ استفہام توبیخ کا ہے ہمزہ پہلا استفہامیہ دوسرا کلمہ کا جزو ہے مَّن موصولہ ہے فِي السَّمَاءِ اس ذات سے جو آسمان میں ہے اس کے امر قضاء سے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا۔ وهو الله فى السموٰت وفى الارض وہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں ہے أَمِنتُم الخ کا حقیقی معنی ہے کہ کیا تم اس سے بے غم ہو جو زمین کا خالق و مالک ہے۔

ازالۂ وہم آسمان کی تخصیص اس لئے نہیں کہ وہ آسمان میں ہے اور زمین میں نہیں صرف اس لئے کہ ان کے معبود تو صرف زمین میں ہیں لیکن آسمان میں نہیں اسی لئے آسمان کا ذکر کیا تاکہ صرف اللہ تعالیٰ (معبودِ حق) کا تصور آجائے ورنہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہونے سے منزہ ہے کیوں کہ جہات اس کے لئے ہوتی ہیں جس کا جسم ہو اور اللہ تعالیٰ جسمانیۃ سے منزہ و پاک ہے یا آسمان اور زمین کے اوپر کی سمت مراد ہے اور اس سے بھی قدرت اور سلطنت مراد ہے نہ کہ مطلق فوقیت یہ تاویل اچھی طرح سمجھ تاکہ اہل سنت کے مذہب میں ثابت قدمی نصیب ہو ورنہ معتزلہ اور اس کی شاخ (وہابیت) اور ابن تیمیہ کی اتباع میں گمراہ ہو جاؤ گے (الکبریت الاحمر للشعرانی رحمۃ اللہ)

سوال: اگر اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں تو پھر دُعا کے وقت ہاتھ آسمانوں کی طرف کیوں اٹھائے جاتے ہیں۔
جواب: چونکہ آسمان محل البرکات اور دُعا قبلہ ہے جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور قلب کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی جناب ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ظرفیہ ہو اس لئے کہ عرب کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ (معبود حقیقی) آسمان میں ہے اب معنی یہ ہوا کہ بے غم ہو اس ذات سے جیسے آسمان میں گمان رکھتے ہو حالانکہ وہ مکان سے بلند و بالا ہے اور فتح الرحمٰن یہ آیت بھی منجملہ ان متشابہات سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پوشیدہ رکھا ہے ہم اس پر ایمان رکھیں اس کے معنی کے درپے نہ ہوں اس کا علم اللہ تعالیٰ کو سپرد کریں۔ من فی السماء محلاً منصوب اَمِنْتُم کا مفعول بہ ہے۔
اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ یہ کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ بعد اس کے کہ اسے تمہارے تابع بنایا کہ تم اس کے کاندھوں پر چلتے اور اس سے رزق کھاتے ہو لیکن تم نے ایسی بڑی نعمتوں کی ناشکری کی تو پھر وہ تم پر الٹ دیگا یعنی زمین میں دھنسا دے گا جیسے قارون کے ساتھ کیا۔ یہ امنتم سے بدل الاشتمال ہے اور باء ملابست کی ہے۔

حل لغات الخسف زمین کے اندر چلا جانا الخسوف زمین کے اندر ہونا۔ الجوہری نے کہا خسف اللہ بفلان الارض' فلاں کو زمین میں غیب کیا و دبایا۔ دھنسا دیا) بعض نے کہا ایسے مقامات پر باء تعدیہ کی ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں زمین داخل کرے گا۔ لے جائے گا (دبائے گا دھنسائے گا)
فَاِذَا ہِیَ تَمُوْرُ تو پھر تمہارے اس کے اندر چلے جانے کے بعد تھرائے گی۔

حل لغات القاموس میں ہے کہ المور بمعنی اضطراب و جریان زمین کے اوپر تلے ہونا اور بمعنی تحرک (متحرک ہونا) یعنی زمین تابع اور مطمئن ہونے کے باوجود اپنی عادت کے برعکس اوپر تلے (متحرک) ہوگی۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اے کافرو تمہیں اوپر کے بجائے تلے دبا کر جکڑ دے گی کہ ان کے بعض کے بعض حصے کھل جائیں گے تو محسوس ہوں گے کہ وہ زمین میں غوطہ لگا رہے ہیں تو پھر زمین اس کے اوپر چڑھ کر اسے نیچے دبا دے گی تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ عذاب ہو۔
(۱۷) اَمْ اَمِنْتُمْ یا تم مطمئن ہو' اس میں دوسری تہدید کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ مَنْ فِی السَّمَآءِ اس سے جو آسمان میں ہے اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا یہ کہ تم پر پتھر برسائے آسمان سے جیسے لوط علیہ السلام کی قوم و اصحاب الفیل پر برسائے تھے یعنی تم آسمان والے کے پتھر برسانے سے بے غم ہو "ان یرسل" من سے بدل ہے اب معنی یہ ہوا کہ کیا اس نے تمہارے لئے ان دونوں سے امان دے رکھی ہے حالانکہ ان دونوں سے تمہیں کسی قسم کی امان نہیں تو پھر تمہارا شرک میں سرکش ہونے کو کہا فَسَتَعْلَمُوْنَ تو پھر تم عنقریب

ضرور جان لوگے کَیۡفَ نَذِیۡرِ میرا ڈرانا کیسا ہے اسے جو منذر بہ کو مشاہدہ کے وقت اب اس سے پوچھونگا کہ کیا میرا عذاب واقع ہوا یا نہ وہ تشدید ہے یا ضعیف یعنی جب تمہیں منذر بہ کی تحقیق ہو جائے گی تب تم یقین کروگے کہ میرے وعدہ کا خلاف ہرگز نہیں ہوتا اور میرا عذاب سخت ہے اور راستے روکنے والا بھی کوئی نہیں لیکن اس وقت کا علم و یقین تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا اس معنیٰ پر نذیر و نکیر ہر دونوں مصدر بمعنی انذار و انکار ہیں یہ دراصل نذیری و نکیری تھے یار متکلم محذوف ہو گئی ماقبل کی کسرہ پر اکتفار کی وجہ سے۔

فائدہ : برہان القرآن میں ہے۔

نکتہ : پہلے زمین کے دھنسنے سے ڈرایا گیا اس لئے کہ وہ زمین پر رہتے اور وہی انہیں زیادہ قریب ہے بعد کو آسمان کے پتھراؤ سے اسی لئے بعد کو مذکور ہوا۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ آیت اولیٰ میں اشارہ ہے جو مجھے آدھی رات کے وقت الہام کیا گیا کہ جو لحاف میں چھپ کر سوتے رہنا اور نماز کے لئے نہ جانا اور وقت سحر میں خدا تعالیٰ کے ساتھ مناجات (عجز و زاری کے لئے) نہ جانا اہلِ غفلت کیلئے عذاب ہے اور اس کیلئے معنوی خسف فی الارض ہے۔

حکایت ایک عارف باللہ رات کو تہجد کیلئے اُٹھا تو سردی ڈھلنے پہننے کے لئے کپڑا نہ تھا تو سردی کی شدت سے رونے لگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیام پہنچا کہ ہم نے تمہیں اپنی حاضری کی توفیق بخشی اور دوسروں کو غفلت کی نیند طاری کر دی یعنی تیرا تہجد کے لئے اٹھنا میری نعمت اور ان کا غفلت سے سوتے رہنا ان کے لئے سزا تو پھر تمہیں ہمارا شکر کرنا چاہیے نہ کہ کپڑوں کے نہ ہونے سے جزع فزع کرنا کیوں کہ غفلت کی مصیبت سے کپڑے کے نہ ہونے سے سخت تر ہے آیت ثانیہ میں مطر شدید کے آسمان سے نزول کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ یہ لبسا اوقات تہجد والوں کو قیام تہجد اور وضو و طہارۃ کے اشتغال سے روکتا ہے تو صورۃً رحمت میں ایک قسم کا غضب ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ تضیع اوقات نہ کی جائے اور شغل سے پہلے فراغت کو غنیمت سمجھا جائے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیدار فرمائے)

تفسیر عالمانہ (١٨) وَلَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ اور البتہ جنہوں نے ان سے پہلے تکذیب کی یعنی کفار مکہ سے پہلے گذشتہ امتیں جیسے نوح علیہ السلام وعاد کی قوم اور ان جیسے اور لوگ اور صیغہ غائب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اعراض (روگردانی) کے لائق ہیں۔

فَكَیۡفَ كَانَ نَكِیۡرِ تو کیسے ہے ان کا انکار کرنا میرے عذاب سے کہ وہ کتنا ہولناک اور گھبراہٹ والا ہے یہ تاکید قسمی کا مورد ہے نہ کہ صرف ان کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ اس پر

سخت اور اس کے ساتھ ہولناک فعل کرتا ہے آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی اور قوم (کفارمکہ) کو تہدید ہے (۱۹) اَوَلَمْ یَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا کیا وہ غافل ہیں کیا ان کی نگاہ نہیں پڑی اِلَی الطَّیْرِ پرندوں کو اس معنیٰ رؤیۃ بصریہ ہے کیوں کہ وہ الیٰ سے متعدی ہے ورنہ رؤیۃ قلبیہ فی سے متعدی ہوتا ہے الطیر طائر (اسم) جنس یعنی پر والا جانور جو ہوا پر اڑے یہ جمع کا صیغہ ہے جیسے رکب راکب کی جمع ہے یا اس کا مصدر ہے جسے اسم جنس بنایا گیا ہے اس میں تکثر کے معنیٰ کی وجہ سے جمعیت ہے اسی لئے صافات کا موصوف ہے المفردات میں ہے کہ یہ طائر کی جمع ہے فَوْقَهُمْ ان کے اوپر۔ یہ یَرَوا کی طرف ہے یا طیر کا حال ہے یعنی وہ ہونے والے ہیں ان کے اوپر، "صافات" صف باندھ کر طیر سے حال ہے۔

حل لغات

الصف شے کو خط مستوی پر بنایا جائے جیسے لوگوں اور درختوں کی قطار ایسے ہی اور چیزیں اور "صافات" ایسے ہی وَیَقْبِضْنَ کا مفعول پرندوں کے پر ہیں نہ کہ خود طیر۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ درآنحالیکہ پرندے خلا میں اڑتے وقت اپنے پر پھیلائے ہوتے ہیں صف باندھ کر یعنی پرندوں کے آگے والے پر صفوں کی طرح ہوتے ہیں اور وہ ہر پرندے میں دس ہوتے ہیں ان میں سے ایک سب کے آگے ہوتا ہے وَیَقْبِضْنَ اور سمیٹتے ہیں یعنی پرندے لحظہ بہ لحظہ پر جسم پر مارتے ہیں اس طرح اڑنے پر انہیں قوت حاصل ہوتی ہے۔

نکتہ : قابضات کے بجائے یقبضن اختیار کیا گیا ہے اس میں ان کے لحظہ بہ لحظہ کے قبض پر دلالت کرے اور پرندے کا ہوا پر اڑنا ایسے ہے جیسے پانی میں تیرنا ہوتا ہے تو جیسے تیرتے وقت کبھی ہاتھوں کو سمیٹنا پڑتا ہے کبھی پھیلانا پڑتا ہے ایسے ہی پرندوں کو صف بندی کے وقت کبھی پر سمیٹتے ہیں کبھی پھیلاتے ہیں

فائدہ : ابن الشیخ نے فرمایا کہ یقبضن کا عطف صافات پر ہے بمعنیٰ قابضات ہے ورنہ فعل کا عطف صافات پر ہے بمعنیٰ قابضات ہے ورنہ فعل کا عطف اسم پر نا جائز ہے مَا یُمْسِکُهُنَّ خلاء میں اور صف بندی کے وقت انہیں گرنے سے نہیں روکتا۔

حل لغات

القبض طبع جسمانی مقتضائے طبع کے خلاف ہونا کیوں کہ جسم کا طبعی تقاضا ہے نیچے گرنا اِلَّا الرَّحْمٰنُ مگر رحمٰن، جس کی رحمت ہر شے کو وسیع ہے کہ اس نے انہیں مختلف اشکال و خصائص پر پیدا فرما کر انہیں ہوا میں اڑنے کا سلیقہ سکھایا اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ بَصِیْرٌ بے شک وہ ہر شے کو دیکھنے والا ہے اپنی پیدا کردہ اشیاء کی نئی پیدائشی اور عجائبات کی تدبیر۔ البصیر وہ ہے جو ہر شے کا مشاہدہ کرے اور دیکھے اور تحت الثریٰ تک اس سے کوئی شے پوشیدہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بصیر کا معنیٰ ہے وہ وصف جس سے مبصرات کا کمال منکشف ہو اس معنیٰ پر بصیر اللہ تعالیٰ کے

علم پر ایک صفت زائدہ ہے یہ قدریہ کے خلاف ہے۔

فائدہ: جس نے اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھ لی تو اس کی اس سے مراد دوام مراقبہ و مطالبہ نفس برائے دقت محاسبہ ہے مراقبہ ثمرات ایمان میں سے ایک ہے

حکایت ایک بادشاہ کا اپنے ایک غلام پر خصوصی توجہ تھی حالانکہ وہ دوسروں سے نہ تو زیادہ حسین تھا اور نہ ہی قیمتی۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے ایک دن بادشاہ سفر پر جنگل کی طرف روانہ ہوا کافی وزراء اور مشیران کار اور غلام اور نوکر چاکر اس کے ساتھ تھے راستہ میں ایک پہاڑ بہت دور جس پر برف کا تودہ پڑا نظر آیا بادشاہ نے اسے غور سے دیکھ کر آنکھیں نیچے کر لیں اسی غلام نے بھاگ کر فوراً وہی برف کا ٹکڑا پہاڑ سے اتار بادشاہ کے حضور لاکر پیش کر دیا حالانکہ نہ تو بادشاہ نے اس کا حکم دیا بلکہ اشارہ تک بھی کسی کو نہ دیا اور اس کی کسی کو کانوں کان علم تک نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ برف کا ٹکڑا بادشاہ کو درکار ہے عرض کی جب آپ نے برف کو غور سے دیکھا تو مجھے خیال گزرا کہ بادشاہ بلاوجہ کسی شے کو غور سے نہیں دیکھتے اسی لئے حاضر کر دیا بادشاہ نے کہا اسی لئے میں اس غلام سے پیار کرتا ہوں کہ تم لوگ اپنے خیالات میں مشغول رہتے ہو اور اسے ہر وقت میرا خیال رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اور اس میں ارواح علویہ کے اس اڑنے کی طرف اشارہ ہے جو اجسام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے پیدا ہوئیں وہ عوالم ہیں لانیہ سے روحانی پروں کو پھیلائے ہوئے اور قوارم جسمانیہ کو سمیٹے ہوئے ہیں اور انہیں نہیں روکتا مگر رحمٰن جو اسم حفیظ پر مشتمل ہے اس کے ساتھ اس نے انہیں سمائے قدرت کے خلاء میں روکے رکھتا ہے بے شک وہ ہر شے کو جانتا ہے کہ وہ اشیاء العجیبہ کو کیسے پیدا کرتا اور امور غریبہ کی کیسے تدبیر کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ⑳ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ (کیا وہ جو بھی ہے تمہارا لشکر جو تمہاری رحمٰن کے سوا مدد کرے گا) دراصل اَمْ مَنْ تھا اَمْ منقطعہ مقدرہ بہ بل ہے جو انتقال کا فائدہ دیتا ہے ترک تامل پر توبیخ سے منتقل ہوئے کہ وہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ پرندے کیسے اڑ رہے ہیں یہ قدرت الٰہی کی عجائبات کی خبر دیتے ہیں اب مذکور کے ساتھ تبکیت اور اس میں تشدید کی طرف التفات ہے یہ استفہام ناظر کی تعیین کے لئے ہے کہ یہ ان کی تبکیب یعنی ان کے عجز کا اظہار ہے

فائدہ: یہاں ہمزہ مع بل کی تقدیر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس کے من استفہامیہ ہے اگر ہمزہ استفہامیہ کی تقدیر مان لی جائے تو ادخال الاستفہام علی الاستفہام لازم آتا ہے اور من مبتدا اور ہذا الخ اس کی خبر ہے موصول

اپنے صلہ سے مل کر اس کی صفت ہے ھٰذا لانے میں مشار الیہ کی تحقیر مطلوب ہے اور ینصرکم جُندٌ کی صفت ہے باعتبار لفظ کے الجند وہ جماعت جو جنگ کے لئے تیار ہو اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ کون ہے وہ حقیر جو تمہارے گمان پر تمہارا لشکر و عسکر اور تمہارے امدادی تمہارے معبودان باطلہ وغیرہ جو تمہاری نزول عذاب و آفات کے وقت تمہاری ایسی مدد کریں جو رحمٰن کی مدد کے سوا ہے۔ اس معنیٰ پر من دون الرحمٰن ینصرکم کے فاعل سے حال ہے اور دون بمعنی غیر ہے اور عبارت یوں تھی وینصرکم نصراً کائناً من دون نصرہ اللّٰہ اور وہ مصدر کی صفت ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ عذاب سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے یا وہ ینصرکم کے متعلق ہے اور بعض نے مَن موصولہ کو مبتدا بنایا ہے اور ہذا کو مبتدا ثانی اور موصول اپنے صلہ سے مل کر اس کی خبر ہے اور جملہ مَن کا صلہ ہے ساتھ تقدیر قول کے اور ام منقطعہ یا متصلہ ہے اور قرینہ محذوف دلالت سیاق سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ وہ ہے جس کے یہ اوصاف کاملہ ہیں اور اس کی قدرت شاملہ ہے وہی تمہاری مدد کرے گا اور نجات دے گا خسف اور پتھراؤ سے اگر وہ تمہیں پہنچیں یا یہی تمہارا کمزور لشکر جس کے لئے یہی کہا جاتا ہے کہ وہ تمہارے گمان پر تمہارے مددگار ہیں جو کہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور مدد کریں گے۔

نکتہ: الرحمٰن کے اختیار میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت ہی اس کے غضب سے بچا سکتی ہے اور بس۔

فائدہ: قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جن کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جتنا اغیار ہیں یہاں تک کہ انسان کے اپنے اعضاء و آلات و قویٰ اور ہر وہ شے کہ جس کی طرف اور قوت منسوب ہے یعنی تمام وسائل کوئی کام نہ آئیں گے اگر رحمت الٰہی مدد نہ کرے پھر یہی کہا جا سکے کہ وہی تمہارا لشکر تمہاری مدد کرے اللہ تعالیٰ کے سوا کہ جو نعمتیں باطنہ ظاہرہ تمہیں اللہ تعالیٰ روکے وہ غیر انہیں دلوادے یا جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ظاہر و باطنہ نعمتیں عطا کرے وہ غیر دلوادے یا جو اللہ تعالیٰ منع کرے تو تمہیں اس کی غیر کی وجہ سے حاصل ہو جائیں یا جو تمہیں مصیبت پہنچے یا مقدر ہو وہ تمہارا مددگار روک لے نہیں ہو سکے گا۔

اِنِ الْکٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ (نہیں ہیں کافر مگر فریب میں) ان نافیہ بمعنی ما ہے یعنی ان کا گمان ہے کہ وہ مصائب و عذاب سے محفوظ ہیں انہیں ان کے معبودان باطلہ سے حفاظت ہو گی ان کا یہ گمان غلط ہے کیوں کہ حفاظت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے یا یہ معنیٰ ہے ان کا خیال ہے کہ انہیں عذاب الٰہی سے ان کے معبودان باطلہ ان کی حفاظت کریں گے یہ ان کی غلط فہمی ہے اور شیطان کی طرف سے کھلی گمراہی بہرحال ان کے اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں اور التفات صیغہ غائب کی طرف میں اشارہ ہے ان کے حال کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے روگردانی کرنی چاہیے بلکہ غیروں کے سامنے ان کے قبائح بیان کرنے چاہئیں اور اسم مظہر مضمر میں بھی کفر کی مذمت اور ان کے غرور کی تعلیل کا بیان ہے

(۲۱) اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ کیا ہی وہ جو تمہیں رزق دے گا۔ اِنْ اَمْسَكَ اگر رب رحمٰن روک لے رِزْقَهٗ اس کا رزق یعنی بارش بند کر دے اور اس کے اسباب اور اگر رزق موجود بھی ہو اور بہت کچھ ہے اسے آسانی سے حاصل بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے منہ مرض آکلہ پیدا کر دے جس سے وہ لقمہ نگلنے نہ دے سارے زمین وآسمان والے مل کر اس کا لقمہ حلق سے اتاریں تو نہ اتار سکیں گے۔[1]

فائدہ: اس جملہ کا اعراب سابق جملہ کے اعراب کی طرح ہے اس تقدیر پر کہ من موصولہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق اور قوۃ مضبوط کا مالک ہے وہی تمہیں رزق دے گا یا ہی جن کے متعلق مذکورہ بالا حقیر وضعیف صفت بیان کی گئی ہے جن کے لئے تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہی تمہیں رزق دیں گے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار ایمان سے روگردانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کا اظہار کرتے اس لئے کہ انہیں دو چیزوں پر سہارا تھا۔

(۱) مال اور کثرت افراد

(۲) عقیدہ کہ ان کے بت انہیں جملہ خیر وبھلائی پہنچاتے اور ان سے جملہ آفات دفع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سہارے کا ابطال در امن هذا هو جند لكم الخ سے اور دوسرے سہارا کا امن هذا الذی یرزقکم الخ سے فرمایا۔

بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ بلکہ وہ سرکشی اور نفرت کے گڑھے میں گرے ہیں اس میں مقدر کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے گویا تبکیت وتعجیز نے تو اپنا پورا اثر دکھلایا لیکن انہوں نے اس کا اثر قبول نہ کیا کہ حق کا یقین کرنے کے بجائے گھڑے میں پڑے اور سرکشی پر ڈٹ گئے اور تکبر وطغیان اپنا شیوہ بنالیا اور حق سے نفرت اور تباعد اور اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے روگردانی کی اور حق کو قبول کرنے کے بجائے اسی باطل پر قائم رہے جس پر تھے۔

حل لغات اللجاج بمعنی تمادی فی العناد الخ یعنی عناد پر ڈٹ جانا اور جس فعل سے انہیں روکا گیا اسے عمل میں لانا العتو بمعنی تجاوز از حد النفور بمعنی فرار (بھاگنا) اس میں ان کی تحقیر اور اشارہ ہے کہ یہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں (حمر مستنفرة فرت من قسورة) کے مصداق ہیں۔

فائدہ: قسورة سے شیر یا شکاری یا وہ رسی جس سے شکار کیا جائے یا وہ شکاری جو تیر انداز ہو یا مختلف آوازیں ؎

کسی را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود

---

[1] جیسے آجکل گلہ کا کینسر ہو رہا ہے

ترجمہ : کسی کو جو غلط تصور سر میں ہو اس کے لئے گمان بھی نہ کرنا کہ وہ حق سنے گا۔

(۲۲) أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ تو کیا وہ جو منہ کے بل اوندھا چلتا ہے وہ سیدھی راہ پر ہے موحد ومشرک کے لئے مثال دی گئی ہے تاکہ ان کا حال واضح ہو فاء ان کے وہ برا حال جو ظاہر ہوا کی ترتیب کے لئے ہے اور ہمزہ کی تقدیم میں اس کی صدارت کا تقاضا پورا کرنا ہے اور معنوی لحاظ سے معاملہ برعکس ہے یہانتک کہ اگر ہمزہ کے بجائے ھَل تو عبارت یوں ہوتی فھل من یمشی مکباً۔

حل لغات المکب بمعنی منہ کے بل گرنے والا اس کا حقیقی معنی بھی یہی ہے المکب بمعنی فلان اوندھا گرنے والا ہوا یا اوندھا گرنے کی حالت میں داخل ہوا۔ "وکبہ قلبہ وصرعہ" اسے اُلٹایا اور اوندھا کیا اکبہ نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ لازم ہے القاموس میں ہے وہ لازم بھی ہے متعدی بھی اور مکبا یمشی کے فاعل سے حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو چلتے وقت منہ کے بل گرتا پڑتا ہے اور قدم قدم پر اس کی یہی حالت ہے راستہ سے بھٹک جانے اور رقوی میں پڑ جانے کی وجہ سے ایسی حالت والا ہدایت پر ہو سکتا ہے اس کے بارے میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ جب مقصد کو لئے ہوئے یہ منزل پر پہنچ جائے گا۔

فائدہ : المناسبات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چلنے والوں کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کا نام لیا جائے اتفاقی طور ایسا آدمی کبھی راستہ پر چل بھی جاتا ہے لیکن بصیرت سے نہیں بلکہ اتفاقیہ اسی لئے اھدیٰ فرمایا أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا یا وہ زیادہ سیدھا چلنے والا جو سیدھا چلتا ہے اور اسے کسی قسم کا گرنا پڑنا نہیں۔ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ سیدھی راہ پر ۔ یعنی صحیح الاجزاء اس میں ٹیڑھا پن ہے نہ انحراف ۔ بعض نے کہا مکبؔ سے نابینا مراد ہے کیوں کہ وہ سیدھی راہ کا راستہ نہیں پاتا لہٰذا بے راہ ہو کر چلتا ہے تو اس کو اوندھا گرنا لازمی امر ہے بخلاف آنکھ والے تندرست اور صحیح سالم کے سے

فرقست میان آنکہ از روئے یقین

یا دیدۂ بینا رود اندر رہ دیں

با آنکہ دو چشم بستہ بے دست کسے

ہر گوشہ ہمی رود بظن و تخمین

ترجمہ : اس کے درمیان فرق ہے جو از راہ یقین بینا چشم سے راہ دین پر چلتا ہے۔ اس کے ساتھ (فرق ہے) جس کی دونوں آنکھیں بندھی ہوئے دوسرے کے ہاتھ میں قیدی ہو وہ ہر گوشہ پر ظن اور تخمین پر چلے گا۔

فائدہ : حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے کافر مراد ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں اوندھا گرا

پڑا ہے اسے اللہ تعالیٰ قیامت میں جہنم میں اوندھا گرائے گا اور مومن چونکہ اللہ تعالیٰ کے امر پر سیدھا چلتا ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ آخرت میں دونوں قدموں پر اٹھا کر جنت میں (با عزت) لے جائے گا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ وہ لوگ اوندھے ہو کر کیسے چلیں گے آپ نے فرمایا وہ ذات قدموں پر چلانے پر قادر ہے وہی ذات اوندھے چلانے کی بھی قدرت رکھتی ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ انسان کو وہ ظاہر کردے گا جو آج چھپا ہوا ہے خیر ہو یا شر سے

سیرتے کاندر وجودت غالبست
ہم بران تصویر حشرت واجبست

ترجمہ: وہ عادت جو تیرے وجود میں غالب ہے اسی صورت میں پر حشر واجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امن یمشیٰ الخ تو کیا وہ جو اوندھا چلتا ہے جہت سفلیہ اور ملاذ حسیہ کی محبت اور امور طبیعیہ کے انجذاب کی طرف زیادہ ہدایت والا ہے یا وہ جو سیدھا چلتا ہے توحید کے راستہ پر جو ایسی استقامت تامہ سے موصوف ہے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا پس جاہل محجوب طالب دنیا اور مولیٰ سے روگردان اور طریق حق سے اندھا اور بواسطہ ظلمت غفلت وجہ خجلت پر اوندھا گرا ہوا ہے اور عارف محقق تارک الدنیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور طریق حق کا مبصر و بصیر ہے طریقۂ توحید پر ظاہراً و باطناً سیدھا چلنے والا اور توحید کا راستہ نہ ڈھلوان ہے نہ ٹیڑھا۔

تفسیر عالمانہ (۲۳) قُلْ اے افضل الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے ھُوَ وہی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ اَلَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ جس نے تمہیں پیدا کیا اے کافرو جیسے اس پر سیاق و سباق دلالت کرتا ہے اس میں غافل انسان بھی داخل ہے یعنی تمہیں پیدا کیا جمال و عقل میں یکتا اور جمیع حقائق الٰہیہ و کیانیہ کا قابل (لائق) بنایا تمہاری تخلیق ابتدا ہی احسن خلقت سے کی کہ تمہیں حسین صورت بخشی اور بہترین تصویر کھینچی وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ اور عطا کی تمہیں قوت سماعت (کان) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے آیات سن کر انہی کے موجبات پر عمل کرو بلکہ تمام موجودات کی زبانوں سے خطابات غیبیہ سنو کیونکہ وہ سب انسان کی طرح بولتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم" کوئی شے نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس کی

حمد سے نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

حکایت بزرجمہر (ایک دانشور) سے سوال ہوا کہ انسانوں میں کون اکمل (بڑا کامل) ہے فرمایا جس نے کان کو فحش (گانے۔ باتیں وغیرہ) میں نہیں لگایا۔

نکتہ: کان (سمع) کا ذکر پہلے اس لئے ہے کہ سمع نبوت کی شرائط میں سے ایک ہے اسی لئے کوئی رسول (علیہ السلام) بہرہ نہیں ہوتا علاوہ ازیں سمع کے فوائد عوام کے لئے زیادہ قوی ہیں اگرچہ خواص کے لئے بصر (دیکھنے) کے فوائد بلند تر ہیں۔ علاوہ ازیں باب قلب کے کھلنے پر خطاب کا مرتبہ سمع ہے اور بصر کا مرتبہ صرف رؤیتہ ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب کا مرتبہ رؤیتہ کے مرتبہ سے مقدم ہے اسی لئے کہ رؤیتہ کا مرتبہ ہی مرتبہ تجلی ہے اور یہی امر کی نہایت ہے دیکھئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت (کے اظہار) سے پہلے اسرافیل علیہ السلام کی آواز سنی لیکن ان کی صورت (بظاہر) نہیں دیکھی اگرچہ بعد کو (بظاہر) تمام ملائکہ کرام کو نہ صرف دیکھا بلکہ تمام کی امامت فرمائی جیسا کہ شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر تمام ملائکہ کرام نے ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی بلکہ نہ صرف ملائکہ کرام کو دیکھا بلکہ خود ذات الٰہی کو بلاکیف (بلا حجاب جسم مبارک کی آنکھوں سے دیکھا اس لئے واضح ہوا کہ آپ نے مرتبۂ خطاب سے جو کہ یہی مرتبہ وحی ہے سے مرتبہ تجلی کی طرف ترقی کی جو کہ یہ مرتبہ موحی (وحی بھیجنے والے) کا ہے۔ وَالْاَبْصَارَ اور بنائی آنکھیں (قوت باصرہ) تاکہ تم اس کی آیات تکوینیہ کو دیکھو جو کہ شئون الٰہی کی شاہد ہیں ایسے ہی تاکہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے جمیع مظاہر کو کہ وہ کیسے انتہائی با کمال اور نہایت مضبوط ہیں وَالْاَفْئِدَةَ اور ہمارے دل بنائے تاکہ تم ان کے ساتھ تفکر کرو ان امور میں جو تم اس سے سنتے اور مشاہدہ کرتے ہو آیات تنزیلیہ و تکوینیہ میں سے ایسے ایمان وطاعۃ کی سیڑھیوں پر چڑھ سکو بلکہ ان سے وارداتِ قلبیہ و الہامات غیبیہ سے سرشار ہو جاؤ۔

حل لغات القاموس میں ہے (التفوقد بمعنی التحرق (جلنا) والتوقد (روشن ہونا) اسی سے الفوائد ہے بمعنی قلب یہ مذکر و مونث دونوں طرح ہے۔ اس کا جمع الافئدۃ ہے۔

نکتہ: ان تینوں (سمع۔ بصر، فواد) کی تخصیص اس لئے ہے کہ علوم و معارف انہی تینوں سے حاصل ہوتے ہیں (کشف الاسرار) نیز اس لئے کہ قلب حوض کی طرح ہے کہ جو شے طریق سمع و بصر سے حاصل ہوتی ہے یہ اسے محفوظ کر لینے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ بہت تھوڑا شکر کرتے ہو ان کے ان امور کے استعمال ہیں جن کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے قلیلاً موصوف محذوف کی صفت ہے اور زائدہ تاکید قلت کی تاکید کے لئے ہے دراصل شکراً قلیلا یا زمانا قلیلا ماتشکرون تھا۔

فائدہ: بعض نے کہا قلیلاً سے عدم مراد ہے۔ سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قلۃ بمعنی نفی ہے کیوں کہ خطاب کافروں کو ہے یا وہ اپنے معنیٰ معروف میں ہے اگر سب کو خطاب ہو کہا جاتا ہے قلما افعل کذا یعنی میں اسے نہیں کروں گا۔ بعض عارفین نے فرمایا ؎

تو لمشت الف عام - فی سجدۃ لربی
شکر الفضل یوم - لم اقض بالتمام
والعام الف شہر - والشہر الف یوم
والیوم الف حین - والحین الف عام

ترجمہ: اگر میں ہزار سال اپنے رب کے سجدہ میں گذاروں اس کے ایک دن کے فضل وکرم کا شکریہ مکمل طور بھی نہ ادا کر سکوں اور اس کا ہر سال ہزار ماہ کا ہو اور ہر ماہ ہزار دن کا اور دن ہزار گھڑیوں کا اور ہر گھڑی ہزار سال کی تب بھی شکر ادا نہ ہو گا

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سمع کا شکر ہے علماء وحکماء سے علم و دانشمندی سیکھنا اور پند ونصیحت کی طرف کان لگانا اور عقلاء کی نصیحت سننا اور اہلِ حق وصواب کی تقلید کرنا۔ اہل بدعت (سیئی واہل ہوئی (بد مذاہب) کے اقوال کا رد کرنا (الحمد للہ ہم اہلِ حق بد مذاہب کے رد میں وا سع حصہ پاتے ہیں یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں بد مذاہب کی تردید کی توفیق بخشی) اور آنکھ کا شکر ہے مصاحف (قرآن وحدیث) اور دینی کتابیں اور اہلِ ایمان کی عبادت گاہیں اور اہلِ اسلام کے مسالک اور باعمل علماء کرام (سنی العقیدہ) اور صالحین (اولیاء کرام) کی زیارت اور فقراء ومساکین کا چہرہ رحمت وشفقت کی نگاہ سے دیکھنا۔

صوفیانہ فائدہ اہلِ احسان (صوفیہ) کی نظر مصنوعات کی طرف اور اصحاب الیقین اور ارباب شوق وذوق اور گریہ و زاری والوں کا ان کے علاوہ ان اشیاء کو دیکھنا جن میں خیر وبھلائی ہے (شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا) ؎

۱ زبان آمد از بہر شکر ولباس
بغیبت نگرد اندلش حق شناس

۲ گذرگاہ قرآن و پند است گوشی
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

۳ دو چشم از پئے صنع باری نکوست
زعیب برادر فرد گیر و دوست

۴ بهائم خموشنده و گویا بشر !
پراگنده گوی از بهائم تر !

۵ بنطق است و عقل آدمی زاده فاش
چو طوطی سخن گوئی ز نادان مباش

۶ ببد گفتنی خلق چو دم زدی !
اگر راست گوی سخن هم بدی

۷ ترا آنکه چشم و دہان داد و گوش
اگر عاقلی در خلافش مکوش

۸ مکن گردن از شکر منعم مپیچ
که روز پسیں سر بر آری بہیچ

ترجمہ ۱: زبان شکر وسپاس کے لئے اسے گلہ و غیبت میں (اے حق شناس) ملوث نہ کر۔
۲: کان قرآن و پند و نصیحت کی گذرگاہ ہے اسے بہتان و باطل سننے کے لئے کوشش نہ کر۔
۳: دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی اچھی صفت دیکھنے کے لئے ہیں بھائی اور دوست کی عیب جوئی سے خرچ نہ کر۔
۴: جانور خاموش اور آدمی بولنے والا ہے غلط بولنے والا جانوروں سے بدتر ہے۔
۵: بولنے اور عقل سے آدمی زادہ ظاہر ہے اسی لئے طوطے کی طرح بول اور نادان نہ ہو۔
۶: جب تو خلق خدا کی برائی کرنے کا دم مارتا ہے اگر سچ پوچھو تو تیری یہ بات بہت بری ہے۔
۷: اللہ تعالیٰ نے تجھے آنکھ منہ اور کان دیا ہے اگر تو عقلمند ہے تو اس کے خلاف کوشش نہ کر۔
۸: منعم کے خلاف نہ کر نہ ہی اس کے شکر سے گردن پھیر۔ کہ آخری وقت سر تیرا نیچا ہوگا۔

فائدہ: دل کا شکر ہے جلال و کمال و جمال و نوال (لطف و کرم) الٰہی میں تفکر اور اس سے خوف و رجاء (امید از رحمت) میں رہنا اور اس کے لئے محبت کرنا اس کے دیدار کا اشتیاق اور انبیاء و اولیاء سے محبت (وعقیدت) اور ان کے اعداء سے بغض اور مسائل و دلائل میں نظر (غور و خوض) کرنا۔ اپنے اہل و عیال کی ضروریات و حوائج کا اہتمام اس طرح کہ اور امور جس میں فائدہ ہو۔

۹ صیقلے کن دلت بنور جمال
تاکہ حاصل شود جمیع کمال

ترجمہ: اپنے دل کو نور جمال سے صیقل (صاف اور ستھرا) کر تاکہ تجھے جملہ کمال حاصل ہوں۔

تفسیر عالمانہ (۲۴) قُلْ اے اکمل الخلق (محبوب) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے هُوَ الَّذِيْ ذَرَأَكُمْ وہ جس نے تجھے پیدا کرکے بہت زیادہ بنایا نہ کہ اس کے غیر نے۔

حل لغات ذَرَأَ ذرع سے ہے بمعنی پیدا کرنا (القاموس) میں ہے ذرا رجعل کی طرح بمعنی خلق الشئ وکثرہ کسی شے کو پیدا کرکے اسے بکثرت کرنا اسی سے الذریۃ (ہر تینوں حروف متحرک) بمعنی ثقلین (جن وانس) کی نسل وَإِلَيْهِ اور اسی کی طرف نہ کہ اس کے غیر کی طرف (نہ اشتراکاً نہ استقلالاً) تُحْشَرُوْنَ لوٹائے جاؤ گے) جسمانی طور حشر (اٹھنا) ہوگا۔ یعنی جمع ہوکر تمہیں حساب کے لئے جزا وسزا کے لئے اٹھنا جب کہ تم تھوڑے تھوڑے ہوکر برزخ کو روانہ ہوئے لیکن محشر میں جمع ہوتے یکبارگی سب کے سب اٹھ کھڑے ہوگے اسی لئے اپنے امور کو ابھی سے صحیح کرلو۔

فائدہ: آیت کو والیہ تحشرون پر ختم کرکے بتایا کہ جملہ دلائل مذکورہ صرف اسی مطلوب کے اثبات کیلئے تھے۔

(۲۵) وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں زیادہ عناد واستکبار (تکبر) کی وجہ سے یا استہزاء کرتے ہوئے جیسے آنے والا قول دلالت کرتا ہے کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ کب ہوگا یعنی وعدہ دیا ہوا حشر' والیہ تحشرون پر استہزاء کہا جیسا کہ سابقاً گذرا تو انہوں نے اسپر استہزاء کردیا۔

فائدہ: اس معنی پر الوعد بمعنی الموعود اور مشار الیہ الحشر ہے بعض نے کہا ان کا استہزاء اس خسف وحصب سے جس سے وہ اس سے پہلے ڈرائے گئے۔

نکتہ: جملہ منقبلہ اس لیے ہے کہ یہاں پر مطلوب یہ ہے کہ کفار مستقبل میں یونہی کہیں گے یا اس لئے کہ انہیں بتایا گیا کہ وہ دنیا میں ایسے کہتے تھے۔ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو' اس کے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان ہیں کیوں کہ اہل ایمان حضور نبی علیہ السلام کے وعد اور آیات متضمنہ برائے وعد میں مشارک ہیں۔ اور شرط کا جواب محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ ان کنتم صادقین الخ اگر تم اپنی خبر دینے میں کہ قیامت آئے گی اور اس میں تم سب نے اٹھنا ہے سچے ہو تو اس کا وقت بیان کرو۔

(۲۶) قُلْ اے اعلم الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے کہ إِنَّمَا الْعِلْمُ بے شک اس کی تعین وقت کا علم عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے جس نے جملہ اشیاء کو مقدر فرمایا اور جملہ امور کا مدبر ہے اور اس کے سوا کوئی آگاہ نہیں[1]۔ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور بیشک

---

[1] عوامی حکم کو نبوت ولایت پر قیاس کرنا جہالت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قسم کی خبر دی بلکہ ایسی خبریں دینا آپ کے علمی کمالات کا ایک شعبہ ہیں آپ تو اس سے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

میں ڈرانے والا ہوں ظاہر کھلم کھلا ایسی لغت میں جسے تم جانتے ہو اور حق کو ظاہر کرنے والا اور واقع کو منکشف کرنے والا ہوں تمہیں ڈراتا ہوں کہ موعود کا وقوع لامحالہ ہونا ہے ہاں وقوع کا علم انذار کے متعلقات سے نہیں۔

فائدہ: حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں بندوں سے علی طریق الاشتباہ مخفی رکھا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی تقدیر کیسی ہے اور اس کا خاتمہ کیسے ہوگا اس

(حاشیہ سابقہ صفحہ کے آگے) بڑھ کر جانتے تھے مخالفین کی اپنی تفسیر ابن کثیر جلد ۳ میں حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں۔ لیس من یوم الا یعرض علی النبی اعمال امۃ غدوۃ وعشیۃ یعلمھم باسماءھم و اعمالھم وکذالک یشھد علیھم (کہ ہر دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صبح وشام امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور حضور اپنے امتی کے نام اور ان کے اعمال سے واقف ہیں اسی لئے قیامت کے دن گواہی دیں گے) مواہب الدنیہ جلد ۲ صفحہ ۹۲۰ میں طبرانی سے روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عمر راوی ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو ظاہر کر دیا۔ میں دنیا کی طرف اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو نیز مشکوٰۃ میں حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا اور کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھ کو نہ دکھائی گئی ہو۔ میں اپنے اس مقام سے ہر شے کو دیکھ رہا ہوں۔ دیگر بخاری شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ میں تمہارے گھروں میں فتنے اٹھنے کی جگہ کو بھی دیکھ رہا ہوں نیز حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ آیت (ویکون الرسول علیکم شہیدا (القرآن) نے تفسیر عزیزی میں (شہیداً) کی تفسیر میں لکھتے ہیں "پس بنورِ نبوت او مے شناسد گناہانِ شمارا و اعمال نیک وبد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا، دیکھئے وہاں تو امت کے زید و عمر و بکر کو جاننے کی نفی ہو رہی ہے اور یہاں شاہ صاحب زید و عمر و بکر کے گناہ۔ اعمالِ نیک و بد اور اخلاص و نفاق کو بھی بنور نبوت جاننے کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ دیگر تفسیر مدارک میں آیت (وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شھیداً) کے تحت لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کافروں کے کفر، منافقوں کے نفاق اور ایمان والوں کے ایمان کی قیامت کے دن گواہی دیں گے، واضح رہے کہ ایمان و نفاق کا تعلق ظاہری اعضاء کی بجائے باطن سے ہوتا ہے اور جو ہر انسان کے باطن کو بنور نبوت دیکھ رہے ہوں وہ ظاہر کو نہ دیکھ رہے ہوں گے۔ ضرور دیکھ رہے ہوں گے بلکہ محققین نے تو فرمایا ذرہ ذرہ کائنات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں ایسے ہے جیسے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کی دلیل یہی ہے قل انما العلم عند اللہ الخ

(۲۷) فَلَمَّا رَاَوْهُ پس جب انہوں نے اسے دیکھا فاء فصیحہ ہے دو جملوں کی تقدیر کی خبر دیتی ہے اور شرطیہ کی ترتیب انہی پر ہے گویا کہا گیا کہ بے شک ان کے پاس موعود امر آیا تو اسے آنکھوں سے دیکھا یہاں رؤیت بصری مراد ہے ۔ یہاں غیر واقع امر کو بمنزلہ واقع کے کیا گیا ہے اس کی تحقیق کی وجہ سے زُلْفَةً (قریب) یہ مفعول راُوا کے مفعول سے حال ہے اس لئے کہ رآی رویت بصر سے ہے جیسا ابھی ہم کہہ آئے یا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ذا زلفۃ وقرب یا مصدر بمعنی فاعل ہے بمعنی مزدلفاً اور حشر کے

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ سے آگے) ہاتھ کی ہتھیلی جیسے طبرانی شریف کی حدیث میں حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواہر البحار میں فرمایا کہ اِنَّ جسدہٗ الشریف لا یخلو منہُ زمانٌ ولا مکانٌ ولا محلٌ ولا امکانٌ ولا عرشٌ ولا لوحٌ ولا کرسیٌ ولا قلمٌ ولا برٌ ولا بحرٌ ولا سهلٌ ولا وعرٌ ولا برزخٌ ولا قبرٌ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ حقیقت محمدیہ ذرے ذرے میں جاری وساری ہے کیونکہ تمام مخلوق آپ کے نور سے پیدا کی گئی ۔ اور یہ تمام علوم وکمالات اللہ تعالیٰ کی عطا ہے خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ ایک حدیث روح البیان پ۲۷ میں گزری کہ لیلۃ المعراج قُطِرَتْ فِی حَلقی قطرۃٌ فَعَلِمْتُ ما کانَ وما یکونُ ۔ کہ شب معراج اللہ عزوجل نے میرے حلق میں ایک قطرہ ڈالا جس سے میں نے جان لیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، یعنی از ابتدا تا انتہا ۔ اور یہ علم ابتدا اور انتہا کے درمیان ہے جو تفسیر میں بیان کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہوا وہ علوم جسے اللہ تعالیٰ عطا فرما دے ان کا انکار گمراہی ہے ۔

مقام عبرت اس مسئلہ میں زیادہ الجھنے والے فرقہ دیوبندی ہے ان کا اپنا حال یہ ہے کہ موج میں آجائیں تو اپنے مولویوں کا علم غیب بڑے فخر و ناز سے ثابت کر دکھلائیں اگر ڈوب جائیں تو نبوت کا نہ صرف انکار کر دیں بلکہ بڑی بے نیازی سے شرک کا فتویٰ جڑ دیں ان کے چند مولویوں کے حالات ان کے قلم سے پڑھیئے ۔

(۱) مولوی احمد سعید صاحب ماہنامہ "برہان" دہلی اپنی پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں مجھ سے پہلے آبا کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے تھے جن کا نو عمری میں ہی انتقال ہو گیا تھا ۔ اس کے بعد مسلسل سترہ سال تک ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی ۔ یہاں تک کہ انہوں نے ترک ملازمت اور ہجرت کا قصد کیا ۔ (اس وقت وہ آگرہ لوہا منڈی کے سرکاری شفاخانے میں ملازم تھے) مگر جب قاضی (عبدالغنی) صاحب مرحوم (والد کے پیر ومرشد) کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے منع لکھ بھیجا اور ساتھ ہی خوشخبری دی (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کے قرب سے وہ امر مراد ہے جو اس میں ان کے لئے تیار ہے۔ سِیْٓئَتْ سیاہ ہو جاتے ہیں وُجُوْہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کافروں کے چہرے کہ انہیں ملائکہ سے دکھ رنج پہنچتی اور ذلت و خواری چڑھ جاتی ہے وجوہ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے ہے کہ اس پر ہی خوشی اور رنج کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور موصول کو اسم ضمیر کے لانے میں ان کے کفر کی مذمت مطلوب ہے اور ان کے چہروں کے بگڑنے اور سیاہی کی تعطیل ہے۔ اصل کلام یوں ہے۔ سارت رویۃ الموعود وجوھہم۔ عذاب موعود کو دیکھتے ہی کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے جیسے قاتل کو قتل کے لئے قتل گاہ میں لایا جائے یا اس کے سامنے بعض عذاب آئے۔

حل لغات السیارۃ سار مرشئ یسؤ سوء ومسارۃ سرہ کی نقیض ہے (تاج المصادر) السؤ غمگین کرنا۔ پھر مبنی للمفعول کے معنی میں مستعمل ہونے لگا۔

(القاموس) میں ہے سارہ بمعنی اس سے وہ کام کیا جو اسے ناگوار تھا اس معنی پر یہ متعدی ہے اور جائز ہے کہ یہ لازم ہو بمعنی قبح، اسی لئے یہ کبھی اصحاب الوجوہ کی طرف بھی مسند ہوتا ہے مثلاً ساؤا و قبحوا"

فائدہ: بعض نے کہا اس سے وہ محجوب مراد ہیں جو ابداء (ابتدائی تحقیق) کے تو قائل ہیں لیکن اعادۃ (مرنے کے بعد اٹھنے) کے منکر ہیں لازماً ایسے لوگوں کے قیامت میں چہرے بگڑیں گے اور جو انہیں ناگوار ہے اس سے ناک بھول چڑھائیں گے اور ان کے چہروں پر غم و الم چھا جانا لازمی امر ہے کیوں کہ ان پر ایسا سخت عذاب آئے گا جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

(حاشیہ سابقہ بقایا) کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا چنانچہ اس بشارت کے چند سال بعد ...... ۸ رمضان کی تاریخ کو صبح صادق کے وقت میں پیدا ہوا تو ولادت سے دو گھنٹے قبل ابا نے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کو خواب میں دیکھا کہ لوہا منڈی کے شفاخانے میں تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں ڈاکٹر! لڑکا مبارک، اس کا سعید نام رکھنا۔ چنانچہ ابا نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں بچہ کو دیوبند بھیج کر عالم بناؤں گا (بتلایئے انبیاء کے لئے تو علم ما فی الارحام کا انکار اور اپنے مُردہ پیروں کے لئے اقرار اب ایک مرید کا عجیب تر واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

۲ : شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی کے ایک مُرید تھے جن کا نام عبداللہ خان تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں سے تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہو گی کہ لڑکا اور جو بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔

(ارواح ثلاثہ مولوی اشرف علی تھانوی) دیکھا کتنا بڑا دعویٰ ہے، ایسی شُتر مرغی چال کے متعلق ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

وَقِیۡلَ اور انہیں توبیخ کے طور کہا جائے گا آگ کے عذاب سے پہلے کیوں کہ آگ کے جسمانی عذاب سے روحانی طور عذاب زیادہ سخت ہوتا ہے اور کہنے والے زمانیہ فرشتے ہوں گے مجہول کا صیغہ اس لیئے ہے کہ مقصود بیان المقول ہے نہ کہ قائل ھٰذَا مبتدا ہے اس کا اشارہ اسکی طرف ہے جسے وہ اپنے قریب دیکھیں گے اس کی خبر ہے۔ اَلَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِہٖ تَدَّعُوۡنَ یہ وہی ہے جسے تم دنیا میں طلب کرتے اور اس کے لئے انکار واستہزاء کے طور جلدی کا مطالبہ کرتے تھے گویا تم خود اسے مانگتے تھے۔ اسی معنیٰ پر بہ کی بار فعل کا صلہ ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ دعا بکذا بمعنی استدعاہ اسے خود مانگا بعض نے کہا یہ دعویٰ سے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان تمہیں عذاب آخرت سناتے تو دعویٰ کرتے تھے کہ نہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور نہ ہی محشر میں جمع ہونا ہے اور نہ ہی کوئی عذاب ہے اس معنیٰ پر بار سببیہ ہے اور ملابست کی بھی ہو سکتی ہے۔

حکایت ایک زاہد تمام رات یہی آیت پڑھتے رہے اور روتے بھی رہے یہاں تک کہ صبح کی نماز ہوئی یہی تمام عارفین کا شیوہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے جلال کی وجہ سے جب وہ اس کے قہر وجبروت کو دیکھتے ہیں تو اسی طرح روتے روتے راتیں بسر کرتے ہیں[1]۔

---

[1] چنانچہ حضرت خواجہ غلام فرید (کوٹ مٹھن شریف) قدس سرہ نے فرمایا کئی راتیں ڈتم سحر کر، یعنی کئی راتیں میں نے سحر تک بیداری میں گزار دیں۔

حکایت: حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن شریف قدس سرہ کے والد گرامی کا نام خدا بخش (قدس سرہ) تھا اور خیر پور ٹامیوالی کے خواجہ خدا بخش قدس سرہ ان کے ہمزمان تھے حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ کے عرس شریف میں حاضری کے دوران ایک ہی مکان میں قیام رہا۔ فرق اتنا تھا کہ اول الذکر خواجہ نے مکان کے اندر اور خواجہ ثانی نے برآمدہ میں شب بسر فرمائی دونوں ہی عشاء کی نماز کے بعد آرام فرما ہوئے جب صبح کی اذان ہوئی خواجہ ثانی بستر سے اٹھ کر سیدھے مسجد میں نماز کے لئے چلے گئے خواجہ اول کے بعض رفقاء متعجب ہوئے توخواجہ اول نے فرمایا ہم ساری رات سوتے رہے (تواضعاً فرمایا) اور وہ ساری رات بستر پر سو کر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں بیدار رہے (تبصرہ اویسی غفرلہ) یہ تھے ہمارے خواجے اور آج کل کے خواجے اور مذکورہ بالا خواجاؤں کی وراثت کا دم بھرنے والوں کے اکثر کو پانچ وقت کی نماز نصیب نہیں۔ اگر مجھ جیسے انہیں اپنے خواجاؤں کی نقش قدم کی بات کریں تو یہ خواجے برسر پیکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نام کے خواجاؤں کو اپنے خواجوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ ان کے طفیل ہم فقیروں کو بھی (آمین) (اویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ (۲۸) قُلْ اے خیر الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایئے۔ اَرَءَیْتُمْ مجھے ایسی پختہ خبر دو (اس کی جس پر تم ہو) جو دیکھی خبر کی طرح ہو۔

نکتہ: چونکہ رؤیۃ اخبار کی طرح ہوتی ہے اسی لئے اسے رویت سے تعبیر فرمایا۔ بعض نے کہا کہ چونکہ اخبار رؤیۃ سے مضبوط ہوتی ہے اسی لئے ارأیت اخبر کے معنی میں شائع ہوگئی۔ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ اگر مجھے موت دیدے۔

نکتہ: موت کو اہلاک سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہل ایمان کے لئے موت کا دعویٰ کر کے ان پر تباہی و ہلاکت کا انتظار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) عنقریب ختم ہو جائے گا یہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ وَمَنْ مَّعِیَ اور وہ جو میرے اہل ایمان ساتھی ہیں اور تمہارا مقصد ہو جائے اَوْ رَحِمَنَا یا مجھ پر رحم فرمائے کہ چند روز مہلت دے جس سے ہمارا مقصد پورا ہو جائے تو ہم اس کی جوار رحمت میں ہیں ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار ہے:

(۱) دنیا سے کوچ کر گئے تو ہمیں جنت نصیب ہوگی۔

(۲) دنیا میں رہے کہ ہم پر فتح و نصرت کے دروازے مفتوح ہوں گے اور اسلام پھولے گا پھلے گا جس کی ہمیں امید ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہماری موت سے کیسی راحت اور کونسا نفع ہوگا جب کہ تمہارا انجام عذاب کے سوا اور کچھ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ تو کون پناہ دے گا اور نجات دے گا اور چھڑائے گا۔

حل لغات (تہذیب المصادر) میں ہے کہ الاجارۃ بمعنی پناہ دینا اور القاموس میں ہے اجارہ انقذہ و اعاذہ، اسے بچایا اور اسے پناہ دی۔ اَلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (کافروں دردناک عذاب سے) الیم بمعنی مولم شدید الایلام سخت تر عذاب رساں اسے کافرو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکے گا جب وہ نازل ہوا ہم دنیا سے رخصت سے ہو جائیں یا زندہ رہیں کیونکہ نجات کا دارو مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

نکتہ: الکافرین کو ضمیر کے بجائے لانا مہر ثبت کرنا ہے ان کے کفر پر اور ان کی عدم انجار کی نفی کی تعلیل ہے۔

سوال: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیوں فرمایا ان اھلکنی اللہ الخ حالانکہ آپ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کو ہلاک نہیں کرتا۔

جواب : تخویف (ڈرانا) میں مبالغہ مطلوب ہے گویا کہا گیا کہ ہم انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ وہ گناہوں کی وجہ سے ہماری گرفت فرمائے تو اسے کون روکے تو پھر تم کو ان لگتے ہو کہ اگر تمہیں عذاب میں وہ مبتلا کر دے تو اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا تم کافر ہو کر کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے حالانکہ تمہارے جرائم کا تقاضا ہے کہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔ یہاں اھلکنا بمعنی عذبنا لعذاب ہمیں کسی عذاب سے عذاب دے رحمنا بمعنی عفرلنا (ہمیں بخش دے) ہے (الجلالین) ㉙ قُلْ اے مخلوق کے شفیق ترین حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے هُوَ الرَّحْمٰنُ وہ بڑا مہربان ہے جو تمہیں اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہے اور بہت نعمتوں کا مالک ہے اور پھر وہ عطا فرماتا ہے اٰمَنَّا بِهٖ ہم اس پر ایمان لائے وہ اکیلا ہے جب ہمیں معلوم ہوا کہ اس کے ماسوا یا نعمت ہے یا وہ ہیں جس پر اس کا انعام ہے ہم نے اس سے کفر نہیں کیا جیسے تم نے کیا۔

نکتہ : اٰمنا کی بہ پر تقدیم کفار کے لئے تعریض ہے کہ اس کے بعد یہ مذکور ہوا۔ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا اور ہم نے صرف اسی پر بھروسہ کیا اور جملہ امور اسی کو سپرد کئے نہ کے اس کے غیر کو، جیسے تم نے کیا کہ تمہارا حال ہے کہ تم نے اپنے مردوں اور اموال پر بھروسہ کیا کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس کے ماسوا تمام کے تمام کسی کو نفع و نقصان نہیں دے سکتے۔

نکتہ : یہاں توکلنا پر علیہ کی تقدیم اختصاص پر دلالت کرتی ہے فَسَتَعْلَمُوْنَ کفار مکہ تم عنقریب جان لوگے جب عذاب کو آنکھوں سے دیکھو گے مَنْ استفہامیہ یا موصولہ ہے هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کون ہے وہ جو کھلی گمراہی میں ہے تم یا ہم یعنی عنقریب اخطار ظاہر ہو جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ علیہ توکلنا الخ یعنی ہم اس کے فیض اتم ولطف اعم پر ہم نے کلی طور بھروسہ کیا نہ کہ اس کے غیر پر عنقریب تم معلوم کر لوگے کہ استفاضہ (فیض حاصل کرنا) کے لئے کس نے اس کی طرف توجہ کی اور کس نے اس سے انکار کر کے روگردانی۔

تفسیر عالمانہ ㉚ قُلْ (اے اکرم الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے اَرَءَيْتُمْ۔ مجھے خبر دو اِنْ اَصْبَحَ اگر ہو جائے (اصبح بمعنی صار ہے لماءکم) تمہارا پانی اے اہل مکہ دونوں کنوؤں (۱) بیئر زمزم (۲) بیر میمون الحضرمی) ہو جائے (غَوْرًا) اصبح کی خبر ہے۔

حل لغات غور مصدر بمعنی فاعل یعنی غائر۔ یعنی وہ پانی بالکل زمین میں چلا جائے اور اتر جائے کہ وہاں تک ڈول کہ نہ پہنچ سکے اور نہ ہی دیگر کسی حیلہ سے حاصل کیا جا سکے جیسے مصدر کو

وصف فاعل میں لانے سے معلوم ہوتا ہے یعنی وہ پانی زمین میں دھنس جائے کہ نہ ہاتھ پہنچ سکے نہ ڈولچہ کیا جاتا ہے غار الماء الخ یعنی پانی زمین میں دھنس گیا المفردات میں ہے لفور بمعنی المنهبط من الارض، زمین میں گرنے والا۔ فَمَنْ يَّأْتِيْكُمْ تو اس وقت تمہاری کمزوری پر کون لائے گا بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ جاری پانی۔

حل لغات معین عان الماء یا معن سے ہے ہر دونوں کا معنیٰ ہے جری (جاری ہوا) یا معین بمعنی ظاہر وہ چشمے جن سے پانی آسانی سے حاصل ہو سکے یعنی وہاں ہاتھ پہنچ سکے اس معنیٰ۔ معین بمعنی اسم مفعول ہے از عین بمعنی الرادہ، جیسے مبیع از بیع۔

نکتہ : قُلْ کا تکرار مقول کی تاکید اور مقول لہ کو خوش کرنے کے لئے ہے۔

سوال : تمام نعمتوں کا ذکر چھوڑ کر پانی (نعمت) کا ذکر کیوں۔

جواب : پانی ہر جگہ موجود اور بہت کم مفقود (گم) ہوتا ہے (الاسئلۃ المقحمہ)

مسئلہ : آثار میں ہے کہ اس سورۃ (مُلک) کو ختم کرنے کے بعد پڑھنا چاہیے۔ "اللّٰہ رب العالمین" اللہ رب العالمین پانی لائے گا۔

حکایت تفسیر زاہدی میں ہے کہ کسی زندیق نے سنا کہ استاد شاگرد کو یہی آیت سنا کر تلقین کر رہا تھا کہ پانی کون لاتا ہے۔ زندیق نے کہا کسی اور کام کرنے والا مزدور۔

فائدہ قاموس میں ہے کہ المعول وہ لوہے کا آلہ جس سے پہاڑ کھودے جاتے ہیں یعنی کسی کدال وغیرہ۔ زندیق سرکش اسی دن کی آنے والی رات کو اندھا ہو گیا۔ ہاتف کچھ کہتا تھا اسے سنائی دیتا تھا لیکن کوئی نظر نہیں آتا تھا وہ ہاتف کہتا تھا کہ تیری آنکھ میں پانی دھنس گیا ہے۔ اسے مزدوروں کو کہو تا کہ وہ کسی اور کدال سے لائیں۔ (ذنکالیں)

ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اس پر اس کی آیات، پر جرأت کرنے اور قرآن اور اس کی آیات کی ہتک سے۔

سبق : اس کی آنکھ چھین لی گئی تا کہ جنس عمل سے ہی سزا ہو۔

حکایت : مثنوی شریف میں یوں ہے ؎

۱ : فلسفیٔ منطقیٔ مستہان
می گذشت از سوئے مکتب آن زمان

۲ : چونکہ بشنید آیت او از ناپسند
گفت ما آریم آب را بر بلند

۳ : تا بزخم بیل و تیزیٔ تبر
آب را آریم از پستی زبر

۴ : شب بخفت و دید او یک شیر مرد
زد طپانچہ ہر دو چشمش کور کرد

۵ : گفت ہاں زیں چشمہ چشم ای شقی
بالتبر نوری بر آرار صادقی

۶ : روز برجست و دو چشمش کور دید
نور فائض از دو چشمش ناپدید

ترجمہ ۱ : ایک فلسفی معقولی (بے دین) ذلیل۔ دن کو ایک مدرسہ سے گزرا
۲ : جب یہ آیت سنی تو اسے پسند نہ آئی۔ کہا پانی ہم اوپر لا سکتے ہیں۔
۳ : کسی اور کدال کی تیزی سے نیچے سے اوپر پانی نکال لائیں گے۔
۴ : رات کو سویا تو ایک مرد شیر دیکھا جس نے طمانچہ مار کر اسے اندھا کر دیا۔
۵ : فرمایا اے بدبخت اس آنکھ کے چشمے سے اگر تو سچا ہے تو نور لے آ۔
۶ : دن کو اٹھا تو دونوں آنکھوں سے اندھا تھا اس کی دونوں آنکھوں سے نور نکل گیا۔

فضائل سورۃ الملک حدیث شریف میں ہے کہ ایک سورت کی تیس آیات ہیں وہ پڑھنے والوں کو دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کرے گی اور سورۃ ملک شریف ہے۔

فائدہ : التیسیر (تفسیر) میں ہے کہ اس سورۃ کی تیس آیات اور تین سو تینتیس ۳۳۳ کلمات اور ایک ہزار تین سو اکیس حروف ہیں۔

(۲) ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک، ہر مومن کے دل میں ہے۔

(۳) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو آرام فرمانے سے پہلے سورۃ ملک والم تنزیل (سجدہ) تلاوت فرماتے تھے۔

(۴) سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اسے پڑھے گا وہ قیامت میں ملائکہ کرام کے پروں پر آئے گا اور اس کا چہرہ یوسف علیہ السلام کے چہرہ جیسا ہوگا۔

(۵) **حکایت :** سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایک قبر پہ بے خبری میں خیمہ لگایا اچانک۔ وہاں سنا کہ کوئی شخص سورۃ الملک پڑھ رہا ہے وہ صحابی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے بے خبری میں قبر پر خیمہ لگایا تو اس جگہ (قبر) سے سورۃ الملک پڑھنے والے (صاحب قبر) نے پڑھی آپ نے فرمایا یہ سورۃ مانعہ (عذاب سے روکنے والی) ہے

اور یہ منجیہ ہے کہ عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے تورات میں اس کا نام مانعہ اور انجیل میں اس کا نام ورفیہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اس کا نام المنجیہ تھا۔

٦۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبر میں یکسر ین میت کے سر کی طرف سے آئیں گے انہیں کہا جائے گا اس پر تمہارا کوئی چارہ نہیں اس لئے کہ یہ سورۃ ملک پڑھا کرتا تھا پھر اس کے پاؤں کی جانب سے آئیں گے تو کہا جائے گا تمہارا اس پر بس نہ چلے گا کیوں کہ وہ رات کو قیام (نماز) میں سورۃ ملک پڑھا کرتا تھا، پھر وہ اس کے پیٹ کی جانب سے آئیں گے تو کہا جائے گا تمہارا اس پر بس نہ چلے گا کیوں کہ یہ سورۃ ملک کا حافظ ہے یعنی اس نے اس سورۃ کو اپنے پیٹ (دل) میں محفوظ کر رکھا تھا۔

فائدہ: جو اسے دن یا رات کو پڑھے گا وہ مال واسباب بکثرت پائے گا اور خوش رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اہل حقائق کے نزدیک سورۃ ملک اس امام (ولی) کی سورۃ ہے جو قطب زمانہ کے دائیں جانب رہتا ہے اور وہ اس کے عالم شہادت کا ناظر ہے جیسا کہ اس کی طرف ملک الناس دال ہے۔

اس سورۃ کا راز اس کے اوّل میں اور سورۃ یٰسین کا راز آخر میں ہے وہ ہے فسبحٰن الذی الخ یہی وجہ ہے کہ یہ سورۃ نزع روح کے وقت میت کو سنائی جاتی ہے کیوں کہ یہ ملکوت یعنی روح کے قبض کا وقت ہے اور وہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

رد وہابیہ موتیٰ قبور میں قرآن پڑھتے ہیں اور مرنے کے بعد نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور علم بھی سیکھتے ہیں قرأۃ القرآن پر دلیل وہ حدیث ہے جسے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے (اخرجہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال یعطی المومن مصحفا یقراء فی القبر

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کو قرآن عطا ہوتا ہے جسے وہ قبر میں تلاوت کرتا ہے۔

حکایۃ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ کو قبر میں دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں (ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی قبر سے ایک اینٹ گر گئی تھی اس سے سوراخ ہوا تو آپ نماز پڑھتے دیکھے گئے ویسے عوام ان کی قبر سے ان کا قرآن پڑھنا سنتے تھے۔

تعلیم القرآن میت کا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ مومن جب مرجاتا ہے اور اس نے قرآن حفظ نہ کیا ہو تو حفظہ ملائکہ کو حکم

ہوتا ہے کہ اسے قبر میں قرآن پڑھائیں یہانتک کہ وہ اپنے اہل کے ساتھ (قیامت میں) قبر سے اُٹھے۔

قصہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی توبہ کا

حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ کی دو سالہ لڑکی فوت ہو گئی یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ تائب نہیں ہوئے تھے لڑکی کو خواب میں دیکھا تو لڑکی نے کہا اباجی الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ کیا وہ ابھی وقت نہیں آیا کہ اہل ایمان کے لئے کہ ان کے قلوب ذکر الٰہی کے لئے خشوع کریں۔ مالک بن دینار سن کر رو پڑے اور کہا بیٹی کیا تم لوگ قرآن مجید کو جانتے ہو عرض کی اباجی ہم تم لوگوں سے قرآن مجید کو زیادہ جانتے ہیں۔

فائدہ: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی توبہ کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔

فائدہ: امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الجواہر (والیواقیت) میں بعض اہل اللہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ بعض اہل برزخ میں ایسے حضرات ہوتے ہیں جن کی ہمت میں سے ایک ایسا شخص پیدا کیا جاتا ہے جو اس کی قبر میں وہ عمل کرتا رہے جو اس کا دنیا میں اکثر ہوتا تھا اور اس کا ثواب برزخ تک اس کے عملنامہ میں لکھا جائے جیسے حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا کہ ان کی قبر میں ایسا شخص دیکھا گیا جوان کی صورت میں ان کی قبر میں نماز پڑھتا تھا لوگوں نے سمجھا کہ شاید وہی (اصل) ثابت بنانی ہیں حالانکہ وہ تو ان کی ہمت کا ایک مثالی شخص تھا ایسے ہی اہل برزخ کی خیالی صورتیں بعض اہل دنیا کو خواب اور بیداری میں نظر آتی ہیں۔

فائدہ: وہ مثالی صورت جو دیکھی جاتی ہے وہ ایک فرشتہ ہوتا جسے اس ولی اللہ کی ہمت سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا یا کوئی مثالی صورت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قائم فرمائی تاکہ جو اللہ چاہے لوگوں کے حوائج و ضروریات (اس صورۃ مثالی) کے ذریعے پورے فرمائے (اسی لئے اہلسنت عوام و خواص کا مزارات اولیاء کرام پر حاضر ہو کر حاجات کا طلب کرنا حق ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے جس کے وہابی۔ دیوبندی منکر ہیں) کیونکہ ارواح تو برزخ میں ہیں دنیا کی طرف جانے کا کیا معنیٰ۔

مسئلہ: ارواح انبیاء علیہم السلام وہ دنیا و آخرت، ہر دونوں کی طرف متوجہ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام شب معراج میں

امام سیوطی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مزار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں پھر کہا چھٹے آسمان پر اُن سے ملاقات ہوئی تو وہ آسمان میں مثالی بدن میں تھی اور ارواح کو اس اصلی بدن سے بھی اتصال تھا۔ جو نماز پڑھ رہا تھا

اور سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب دیتا ہے۔ یہی رفیق اعلیٰ ہے۔

ردوہابیہ اور ان دو امروں میں منافات بھی نہیں کیوں کہ ارواح کا معاملہ ابدان سے مختلف ہے اس کی مثال شمس (سورج) کی سی ہے کہ وہ آسمان میں ہے۔ لیکن اس کی شعاعیں زمین کے ذرہ ذرہ میں ہیں۔

حاضر و ناظر کا ثبوت یہی حال روح محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا ہے کہ جو آپ کے مزار پر سلام عرض کرے تو آپ ہمیشہ اسے فوراً سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔ حالانکہ قطعی فیصلہ ہے کہ آپ کی روح پاک اعلیٰ علیین میں ہے۔ حالانکہ وہ روح اقدس مزار سے بھی منقطع نہیں ہوتی جیسے آپ سے روایات مرویہ ہیں (رد وہابیہ) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

والرسول له الخيار فی طواف العوالم مع ارواح الصحابة رضی الله عنهم لقد راٰه كثير من الاولياء (روح البيان ص ۹۹ ج ۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع ارواح صحابہ رضی اللہ عنہم عوالم کی سیر میں اختیار ہے چنانچہ بہت سے اولیاء کرام نے آپ کی زیارت کی۔"

نیز فرمایا حضرت صدرالدین قنوی قدس سرہ نے کہ

فمن ثبت المناسبة بينه وبين الارواح الكمل من الانبياء والاولياء الماضين اجتمع بهم متى شاء وتوجه توجها وحدانيا يقظة ومناما (روح البيان ص ۹۹ ج ۱۰)

جسے ارواح کاملین از انبیاء و اولیاء صاحبان وصال (مزارات والے) سے مناسبت ثابت ہے تو وہ ان سے ملاقات کرتا ہے جب چاہتا ہے جب بھی توجہ وحدانی سے متوجہ ہوتا ہے تو بیداری میں اور خواب میں ان کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ سورۃ ملک کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی مدد سے یکم شعبان المبارک ۱۱۱۴ھ کو مکمل ہوئی اور فقیر اویسی غفرلہ نے سورۃ ملک کی تفسیر کے ترجمہ سے ۴ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۸۸ء ۱۰ بجے شب سہ شنبہ کو فراغت پائی۔ الحمد لله على ذلك وصلى الله على حبيبه الاكرم وعلى آله واصحابه وجنده الاعظم۔ (بہاولپور پاکستان۔)

سُورَةُ الْقَلَمِ

اٰيَاتُهَا ٥٢	(٦٨) سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (٢)	رُكُوْعَاتُهَا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝٣ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝٤ فَسَتُبْصِرُ
وَيُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ
عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨
وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝٩ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝١٠ هَمَّازٍ
مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ
زَنِيْمٍ ۝١٣ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝١٤ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٥ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝١٦ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ
كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝١٧ وَلَا
يَسْتَثْنُوْنَ ۝١٨ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝١٩ فَاَصْبَحَتْ
كَالصَّرِيْمِ ۝٢٠ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝٢١ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝٢٢ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝٢٣ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا
الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝٢٤ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝٢٥ فَلَمَّا رَاَوْهَا
قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝٢٦ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝٢٧ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ

اَ قُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَ
قْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾
عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾

سورۃ نون مکیہ اور اس کی بالاتفاق باون (۵۲) آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

ترجمہ: قلم اور ان کے لکھے کی قسم (۱) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں (۲) اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے (۳)
اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے (۴) تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لو گے (۵) اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون
مجنون تھا (۶) بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور وہ خوب جانتا ہے جو راہ پر ہے (۷) تو جھٹلانے والوں کی بات
نہ سننا (۸) وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں (۹) اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل (۱۰)
بہت طعنے دینے والا بہت ادھر کی ادھر لگاتا پھرنے والا (۱۱) بھلائی سے بڑا روکنے والا حد سے بڑھنے والا گنہگار (۱۲) درشت خو اس
سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا (۱۳) اس پر کہ کچھ مال اور بیٹے رکھتا ہے (۱۴) جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں کہتا ہے کہ اگلوں
کی کہانیاں ہیں (۱۵) قریب ہے کہ ہم اس کی سور کی سی تھوتنی پر داغ دیں گے (۱۶) بے شک ہم نے انہیں جانچا جیسا اس باغ والوں
کو جانچا تھا جب انہوں نے قسم کھائی کہ ضرور صبح ہوتے اس کے کھیت کاٹ لیں گے (۱۷) اور ان شاء اللہ نہ کہا (۱۸) تو اس پر تیرے رب کی
طرف سے ایک پھیری کرنے والا پھیرا کر گیا اور وہ سوتے تھے (۱۹) تو صبح رہ گیا جیسے پھل ٹوٹا ہوا (۲۰) پھر انہوں نے صبح ہوتے ایک
دوسرے کو پکارا (۲۱) کہ تڑکے اپنی کھیتی کو چلو اگر تمہیں کاٹنی ہے (۲۲) تو چلے اور آپس میں آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے (۲۳) کہ ہرگز آج
کوئی مسکین تمہارے باغ میں آنے نہ پائے (۲۴) اور تڑکے چلے اپنے اس ارادہ پر قدرت سمجھتے (۲۵) پھر جب اسے دیکھا بولے بے شک ہم راستہ بہک
گئے (۲۶) بلکہ ہم بے نصیب ہوئے (۲۷) ان میں جو سب سے غنیمت تھا بولا کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے (۲۸) بولے پاکی ہے ہمارے
رب کو بے شک ہم ظالم تھے (۲۹) اب ایک دوسرے کی طرف ملامت کرتا متوجہ ہوا (۳۰) بولے ہائے خرابی ہماری بے شک ہم سرکش تھے (۳۱) امید ہے
ہمیں ہمارا رب اس سے بہتر بدل دے ہم اپنے رب کی طرف رغبت لاتے ہیں (۳۲) مار ایسی ہوتی ہے اور بے شک آخرت کی مار سب سے بڑی کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے (۳۳)

تفسیر عالمانہ (۱) نٓ یعنی یہ سورۃ نون ہے یا بمعنی بحق نون اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی قسم
یاد فرمائی ہے حکم کے اثبات کے لئے بطریقہ تاکید جیسے مخلوق کی عادت ہے
علاوہ ازیں اس سے مقسم بہ کے شان کا اظہار ہے۔

فائدہ: نٓ لکھنے میں ایک حرف لیکن پڑھنے میں تین حروف ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے ایک حرف کے بدلے نیکی نصیب ہوں گی اور ہر
نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوں گی میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ حرف ہے بلکہ الف [illegible]

علیحدہ علیحدہ ۔

فائدہ : اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد حروف تہجی ہیں اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ نٓ کے پڑھنے سے تیس (۳۰) نیکیاں نصیب ہوں اس لئے کہ نٓ پڑھتے وقت تین حروف ہیں دو نون اور ان کے درمیان واؤ ۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ نٓ اسم نور و ناصر کی کنجی ہے یا اللہ تعالیٰ نے نصرۃ اللہ کی قسم یاد فرمائی جو اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا **وکان حقاً علینا نصر المومنین** ہم پر حق ہے اہل ایمان کی مدد کرنا (ازروئے لطف و کرم)

نٓ رسول اللہ کا نام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نٓ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم ہے بایں معنیٰ کہ جب تین صورتوں کے اوائل کا اجتماع ہو تو الرحمٰن بنتا ہے ۔ (۱) الٓرٰ (۲) حٰمٓ (۳) نٓ ۔

بعض نے کہا کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء میں سے ایک نام ہے (التکملہ)

اوّل ماخلق اللہ نوری شاید اس قائل کا اشارہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی اوّل ما خلق اللہ نوری[۱] ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا (روح البیان جز ۱ ص ۱۰) اس معنیٰ پر آپ کا اسم نور ہوا ۔

سوال : اس سے تو تکرار لازم آتا ہے کیوں کہ آپ کے اسماء میں سے القلم بھی ہے جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **اوّل ما خلق اللہ القلم** (روح البیان جز ۱ ص ۱۰) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ قلم کو پیدا فرمایا[۲] ۔

جواب : یہ تفاسیر عنوانی ہے اور تغایر عنوانی ہے اور تغایر عنوانی بمنزلہ

---

[۱] : افسوس ہے کہ دور حاضرہ میں اس حدیث شریف کو موضوع کہدیا جاتا ہے یا کم از کم ضعیف کہنے والے تو بکثرت ہیں لیکن الحمد للہ ہمارے ہاں یہ حدیث صحیح ہے اس کے دلائل نقیر کی کتاب شرح حدیث اوّل ما خلق اللہ نوری میں ملاحظہ ہو ۔ (اویسی غفرلہ)

[۲] : اور قلم سے مراد بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں اگرچہ ہمارے دور کے خوارج سرے سے روایات کو نہیں مانتے اگر کوئی انمیں نرم ہو کر مان بھی لیں کہ یہ روایات صحیح سہی لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کہ حضور علیہ السلام روح بھی ہوں نور بھی اور قلم بھی، تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ حیثیات مختلفہ کی وجہ سے اسماء مختلف ہوں تو کیا حرج ہے مثلاً ایک صاحب قرآن کا حافظ و عالم و عامل ہے اور پھر بالبعض کا باپ ہے کسی کا بیٹا ہے اور وہی مقرر ہے مدرس ہے خطیب ہے وغیرہ وغیرہ تو اسے ان اوصاف مختلفہ سے علیحدہ

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ)

تفاير فی الذات ہے اس تقریر پر حضور علیہ السلام باعتبار نورانیت کے نور اور باعتبار صاحب القلم کے قلم ہیں جیسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ المسلول بھی کہا جاتا کیوں کہ آپ صاحب سیف (تلوار) تھے۔

فائدہ : بعض نے کہا وہ (ن) نور کی لوح یا ایک نہر کا نام ہے جو بہشت میں ہے۔

فائدہ : المفردات میں ہے کہ نون بڑی مچھلی کو کہا جاتا ہے اسی لئے حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کی قسم یاد فرمائی ہے جس نے نمرود کے تیر کو اپنا خون سے آلودہ کیا جب کہ اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکا تو وہ خون آلود تھا اس مچھلی کے خون سے جو آسمان میں ہے ہوا پر معلق ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اس کی قسم یاد فرمائی اور انعام یہ دیا کہ اس کی تمام جنس کو ذبح کے بغیر حلال فرما دیا۔ اسی لئے حکم ہے کہ دو مردار بغیر ذبح کے حلال ہیں۔

(۱) مچھلی (۲) ٹڈی اسی معنیٰ میں ہیں وہ جو طعام تحلیل ہو جائیں جیسے چھوٹے کیڑوں کا طعام کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) علیحدہ کر کے پوچھا جائے تو اسی ایک صاحب کا نام آئے گا تو پھر ہم کیوں اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف اوصاف پر وہی کہیں جو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور فرمایا ؎

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالَم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تُو
نکلے تیری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو
(بالِ جبریل)

بے خبری میں پک جانا کیوں کہ ان سے احتراز ناممکن ہے ہاں انہیں علیحدہ کھانا حرام ہے اس طرح جیسے مکھی بچھو وغیرہ اور ہر وہ جو جس میں بہنے والا خون نہیں ان کی حرمت کی دلیل تو کوئی نہیں البتہ ان سے طبعی کراہت ہے اگر کسی کی گندی طبیعت ان سے کراہت نہ ہو تو کھا سکتا ہے اور اس کی گندی ایسی گندی چیزوں کی خوگر ہے تو اس کی خصوصی طبیعت پر اسے چھوڑ دیا جائے[۱] کیوں کہ اس کی طبیعت خبائث کی خوگر ہے کہ اس طبیعت میں گرفتار ہے جس میں گندگیوں کا گھر ہے بہر حال ایسی چیزوں کو نہیں کھانا چاہیے[۲]

۱: جیسے ہمارے دور میں انڈیا کا ایک سابق وزیر اعظم مرارڈ یسائی اپنے پیشاب کے پینے کو فخر محسوس کرتا ہے اسکے دور حکومت (انڈیا) میں اس کی یہ خبر تمام دنیا کے اخبارات میں شائع ہوئی۔

۲: آپ تعجب نہ کریں کہ ایسی گندی طبیعت کے لوگ بھی دنیا میں ہوں گے مرار ڈیسائی کا حال پڑھ لیا تو اب فقیر آپ کو دین کے ٹھیکیداروں کا حال دکھائے کہ ایک طرف عالم دنیا میں ان کے علم و عمل کا چرچہ ہے بلکہ خود انہیں اپنی دستار و جبّہ اور دین کی ٹھیکیداری پر ناز ہے تو دوسری طرف طبائع کا نہیں فتاوی کا یہ حال ہے۔

وہابی غیر مقلدین جانور کے بہنے والے خون کے ماسوا اس کی تمام اشیاء و جملہ اجزاء کو پاک و طاہر قرار دیتے ہیں جیسا کہ " اس کی منی، کپورے، پیشاب اور پیشاب نکلنے کی جگہ، مینگنی اور مینگنی نکلنے کی جگہ سب پاک و طاہر جانتے ہیں یہاں تک کہ وہ مردار بچہ بھی حلال ہے جو جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ میں سے مرا ہوا نکلے۔ الغرض جانور کے بہتے خون کے سوا اس کے باقی اجزاء میں سے کوئی جزو نہ نجس ہے نہ حرام ہے (ملاحظہ ہو۔ ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور ۱۹ر اکتوبر ہفت روزہ الاسلام ۲ر نومبر، ہفت روزہ الاعتصام ۲۳ر نومبر)

رنجو: اور تو اور ان کے نزدیک بجو بھی شکار ہے (حلال ہے) (عرف الجادی ص ۲۳۵)

بیوی کا دودھ پینا بھی جائز ہے (فتاوی ثنائیہ ج ۲ ص ۳۱۲)

اُلّو: حلال ہے (فتاوی ستاریہ) (اس پر مناظرے بھی کرتے ہیں) الحیاۃ بعد المماۃ

گوہ: حلال ہے (عام فتاوی) ابھی پیش کرو (شیر مادر کی طرح کھانے کو تیار ہیں۔)

گھوڑا: حلال ہے (فتاوی ستاریہ) وغیرہ۔

جملہ حشرات الارض (نزل الابرار)

وہابی دیوبندی کالا کوا (معروف) جو عموماً گھروں میں آتا ہے اس کا کھانا حلال ہی نہیں ثواب بھی ہے۔ ہندو تہوار ہولی دیوالی کی کھیلیں پوری کھانا درست ہے، ہندو کے

تھوک سے طبعی کراہت یہ طبعیت بھی گندی متصور ہوتی ہے جو اپنی تھوک کو منہ میں جمع کرکے نگل لے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (احیاء العلوم الغزالی قدس سرہ)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) سودی روپیہ کے پیاؤ (سبیل) سے پانی پینے میں مضائقہ نہیں (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۲۹۶۔ ۲۷۴۔) انگلی پر گندگی لگی ہو اسے چاٹ لینے سے انگلی پاک ہو جاتی ہے (بہشتی زیور) مزید تفصیل فقیر کی کتاب (۱) وہابیوں کے اور (۲) دیوبندیوں کے دلچسپ مسئلے۔

تبصرہ اویسی غفرلہ مذکورہ بالا فرقوں نے حرام و ناپاک کسے قرار دیا ہے؟ میلاد و عرس و گیارہویں کے تبرکات و طیبات کو اور حلال و پاک کسے ٹھہرایا ہے؟ جانوروں کی منی پیشاب مینگنی۔ کپوے، مردار بچے۔ بجو۔ کوے۔ ہندوؤں کی کھیلیں سودی روپے کے پیاؤ۔ بیوی کے دودھ اور نطفہ کی لڑکی وغیرہ کو (ولاحول ولاقوۃ الا باللہ) یہ سب کچھ۔ محبوبان خدا کی بے ادبی کی پھٹکار اور میلاد و عرس و گیارہویں کی توہین کا نتیجہ و خمیازہ نہیں تو اور کیا ہے۔ جیسا کہ میلادِ مصطفےٰ کو مرحبا نہ کہنے والوں کو "مرحبا نہرو رسول السلام" کہنا پڑا۔ اور جشن میلاد النبی کے منکرین کو "صد سالہ جشن دیوبند" منانا پڑا جس کی صدارت کے لئے ہندوستان کی کافرہ وزیر اعظم دیوی اندرا گاندھی کو مدعو کیا گیا اور اس نے اجلاس کی صدارت کی۔

۵: لطیفہ: تھوک پاک ہے نہ منہ میں ہوتے ہوئے نہ منہ سے باہر نکل کر لیکن اسے منہ میں تو تھوڑی مقدار میں عموماً نگل لی جاتی ہے لیکن باہر نکال کر اپنی تھوک نہ کوئی خود پی سکتا ہے نہ اس کا کوئی اور دوسرا عزیز خواہ بیٹا ہو یا باپ یا شاگرد یا مُرید (الاالقلیل) اس لئے کہ اس میں طبعی کراہت ہے اسی لئے فقیر اویسی غفرلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کو کہہ دیتا ہے کہ ہوش و حواس صحیح ہوں تو یہ کہنا چھوڑ دو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس بشریت میں ہمارے جیسے ہیں صرف فرق نبوت کا ہے تو اپنی تھوک منہ سے نکال کر نگل لو تو انعام پاؤ گے لیکن فقیر کی اس پیش کش کو بڑے بڑے جلسوں کے بھرے بھرے مجمعوں میں آج تک کسی نے قبول نہیں کیا اور نہ آئندہ ایسا کوئی مرد میدان نظر آتا ہے لیکن حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن مبارک اللہ اللہ چند مناظر ملاحظہ ہوں"

دیوبند کے حکیم الامۃ مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ اگر آپ تھوک پھینکتے ہیں۔ تو وہ زمین پر نہیں گرتا اور جب وضو کرتے ہیں تو اس کا غسالہ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے۔

سوال : نٓ سے اگر مچھلی مراد ہو تو معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت نہیں رہتی جیسے بادشاہ کی آستین اور ہزار بیگن میں کوئی مناسبت نہیں۔

جواب : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ نٓ (مچھلی) اور القلم میں ایک مخفی مناسبت ہے جس کا ادراک اہل حقائق کو ہی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ مچھلی کا جگر اہل جنت کی غذا ہے جب بہشت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلی غذا مچھلی کا جگر ہو گا اسے کھاتے ہی اہل جنت ابدان میں دائمی حیات پائیں گے۔ ایسے قلم سے وہ علوم لکھے جاتے ہیں جن سے ارواح کو دائمی حیات نصیب ہوتی ہے اسی لئے سیدنا جبریل علیہ السلام کو رُوح کہا جاتا ہے کہ وہ وحی لاتے ہیں جو قلوب و ارواح کی حیات کا سبب ہے اس معنیٰ پر نٓ والقلم پانی اور علم کی طرح ہوں گے اس تقریر سے ثابت ہوا کہ نٓ (معنیٰ حوت) والقلم میں مناسبت تامہ ہے اور معترض نے جو قیاس (آستین اور ہزار بیگن) پیش کیا ہے وہ سراسر باطل اور غلط ہے۔ بلکہ اس کا قائل جاہل (از معرفت) ہے۔

(حاشیہ بقیہ سابقہ صفحہ) یہ لکھ کر مولوی اشرف علی نے لکھا ر صاحبو! بتلایئے! یہ بھی کہیں قرآن میں یا حدیث میں حکم ہے کہ نبی کریم کا غسالۂ وضو اپنے مونہہ پر ضرور ملا کرو" (فوائد الصحبۃ ص ۲۲) حکیم الامت صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ محبت رسول کا مظاہرہ کرنا سنت صحابہ ہے۔ اگرچہ اس قسم کے مظاہرہ کا حکم نہ قرآن میں ہو۔ نہ حدیث میں اور اس قسم کے مظاہرہ کو بدعت کہنا محبت رسول سے خالی ہونے کی علامت ہے بلکہ علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول و براز مبارک طیب و طاہر ہے دو حوالے حاضر ہیں۔

(۱) حضرت الامام الحافظ عبدالغنی قدس سرہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے براز مبارک کے متعلق استفسار کیا گیا کہ آیا آپ کے براز شریف کو زمین نگل لیا کرتی تھی یا نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ غریب طریقہ سے تو یہی مروی ہے کہ زمین نگل لیا کرتی تھی (جواہر البحار ص ۲۷۹ ج ۲)

(۲) حضرت شیخ رملی قدس سرہ نے فرمایا کہ

والظاہر یؤیدہ فانہ لم یذکر عن احد من الصحابۃ انہ رآہ ولا ذکرہ۔

جواہر البحار ص ۲۷۹ ج ۲

بظاہر تائید اسی کی ہوتی ہے کہ آپ کے براز شریف کو زمین نگل لیتی تھی کیونکہ کسی صحابی سے مروی نہیں کہ اس نے آپ کے براز شریف کو دیکھا ہے اور نہ ہی دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔

یونس علیہ السلام کی مچھلی

بعض نے کہاکہ نٓ (حوت) سے مراد حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی ہے جس نے آپ کو اپنے پیٹ میں جگہ دی اسی لئے یونس علیہ السلام کا نام اللہ تعالیٰ نے ذوالنون رکھا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا اس سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پیٹھ پر زمین ہے اور وہ مچھلی اس دریا میں ہے جو زمین کے نیچے ہے اس کا نام ہے لیوثا یا یہوت (یاء مثناۃ تحتانیہ) اور عین المعانی میں ہے کہ وہ لوثیا یا برہوت ہے جیسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

مالی ارا کم کلکم سکوتا

واللہ ربی خلق البرہوتا

میں تمہیں خاموش دیکھتا ہوں کیا وجہ ہے۔ مجھے اللہ رب کی قسم جس نے برہوت کو پیدا فرمایا۔

ساتوں زمینوں کے نیچے کے معلومات و عجائبات

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی تو تتکفأ کما تتکفأ السفینۃ زمین تھرتھراتی تھی جیسے کشتی پانی میں ہچکولے کھاتی ہے۔

فائدہ: تتکفأ کما تتکفأ بمعنی تفطرب و تمیل (تھرتھراتی ہچکولی کھاتی تھی) اللہ تعالیٰ نے اس کے روکنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا جس نے زمین کے نیچے پہنچ کر زمین کو کاندھے پر رکھ لیا۔

فائدہ: کاہل، ہیچو صاحب کاندھوں کے درمیانی جگہ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ایک مشرق میں رکھا دوسرا مغرب میں پھر ان دونوں ہاتھوں سے ساتوں زمینوں کو مٹھی میں لے کر ساتوں زمینوں کو مضبوط کرلیا تب زمین تھرتھرانے سے ٹھہر گئی[۱]۔ لیکن اس پر ملک (فرشتہ) مذکور کے پاؤں کو قرار نہ تھا (پھسل جاتے کبھی ادھر کبھی اُدھر) اللہ تعالیٰ نے ایک بیل بہشت سے اتارا جس کے چالیس ہزار سینگ اور چالیس ہزار پاؤں اس بیل نے فرشتے کے دونوں قدم اپنی کوہان پر رکھ دیئے تو بھی فرشتے کے دونوں قدم بیل کے کوہان پر جم نہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت بہشت سے بھیجا جس کی موٹائی

---

[۱]: اسی لئے اہل اسلام کے نزدیک زمین ساکن ہے یہی عقیدہ قدیم سائنسدانوں کا تھا اس پر سید احمد علی گڑھی نے ایک کتاب لکھی جحل متین بسکون آسمان و زمین) لیکن جدید سائنس والوں کا دماغ الٹا تو کہہ دیا کہ زمین متحرک ہے نابے انجان مسلمان بھی ان کے قول پر ہیں حالانکہ جدید سائنس کا یہ نظریہ غلط اور سراسر غلط ہے۔ (اویسی غفرلہ)

ہزار سال کی ہے اسے بیل کے کوہان پر رکھا گیا اس سے فرشتے کے پاؤں جم گئے اس بیل کے سینگ زمین کے کناروں سے باہر لیکن عرش کے تحت پنجہ لگائے ہوئے ہیں بیل کا ناک دریا کے نیچے اسی یاقوت سبز کے دو سوراخوں میں ہے وہ دن میں دو بار سانس نکالتا ہے جب نکالتا ہے تو دریا دراز ہو جاتا ہے جب کھینچتا ہے تو دریا ڈھیلا پڑ جاتا ہے بیل سے فرشتے کے پاؤں تو جم گئے لیکن بیل کے پاؤں کو قرار نہ تھا اللہ تعالیٰ نے بیل کے پاؤں کے قرار کے لئے ریت کا ٹیلہ پیدا فرمایا جس کی موٹائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمین کے برابر ہے اس پر بیل کے قدم تو جم گئے لیکن ٹیلے میں قرار نہ تھا اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا فرمائی جس کا نام ہے البوبر اس کے ایک پر پر مذکورہ بالا ٹیلہ رکھ دیا گیا (البوبر یعنی جناح پردہ) جو پیٹھ کے درمیان میں ہو اور وہ قدرت الٰہی سے زنجیر سے جکڑی ہوئی اور زنجیر کی موٹائی کئی بار ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے جب شیطان ملعون اس مچھلی تک پہنچا تو اسے کہا تیرے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی شئے نہیں بنائی تو پھر اس دنیا کے بوجھ کو کیوں نہیں پھینک کر گراتی اس سے اس کا وسوسہ ڈالنا مطلوب تھا اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے ناک کے اندر کھٹمل کو مسلط فرما دیا جس سے وہ اس میں مشغول ہو گئی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایک جانور بھیجا جو اس کے ناک میں داخل ہو کر اس کے دماغ تک پہنچ گیا مچھلی نے اس کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اللہ تعالیٰ نے جانور کو حکم فرمایا تو وہ باہر نکل گیا۔

فائدہ : حضرت کعب نے فرمایا لہٰذا وہ جانور مچھلی کو دیکھتا ہے مچھلی اسے اگر شیطان مچھلی میں وسوسہ ڈالے تو وہ جانور اس کے اندر لوٹ آئے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس یاقوت اخضر سے جبل قاف پیدا فرمایا۔ کوہ قاف زمرد کا ہے اس کا سر اور چہرہ اور دانت ہیں پھر کوہ قاف بڑے بلند پہاڑ اگائے جیسے درخت جڑوں سے اُگتے ہیں۔

فائدہ : بعض کا گمان ہے کہ مچھلی اور بیل زمین کے اوپر کا تمام پانی روزانہ نگل جاتے ہیں اگر وہ اس پانی کو روزانہ نہ پئیں تو دریاؤں میں پانی سما نہ سکے گا لیکن باوجود روئے زمین کے پانی پی جانے کے پھر بھی پیاسے رہتے ہیں جب ان کا پیٹ پانی سے بھر جائے گا قیامت آجائے گی۔

فائدہ : بعض کا خیال ہے زمین پانی پر ہے اور پانی اس پتھر پر ہے جو بیل کے کوہان پر ہے اور بیل ریت کے ٹیلے کو لپیٹے ہوا ہے اور ریت کا ٹیلہ مچھلی کی پیٹھ پر ہے اور مچھلی عقیم (خشک) ہوا پر ہے اور ظلمت کے حجاب میں ہے اور ظلمت ثریٰ (زمین کا نچلہ آخری حصہ پر ہے) یہی مخلوق کے علم کا منتہیٰ ہے اس کے ماوراء کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے وہی ہے زمین اور آسمانوں کے اندر اور ان کے مابین کی جملہ اشیاء کا اور تحت الثریٰ کا مالک۔

ازالۂ وہم کوئی یہ بدگمانی نہ کرے کہ ایسی روایات کی سند تو ہے نہیں تو ایسی روایات کم از کم انسان کی دینی بصیرت میں اضافہ کرتی ہیں اور عقیدہ مضبوط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیم ہے اور اسے عجائب مخلوق میں تحیر ہو گا اگر یہ روایات صحیحہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت وصنعت کے لئے کوئی مشکل نہیں اگر یہ اہل کتاب کی اختراع اور واعظین کے من گھڑت افسانے ہوں تو بھی بطور تمثیل وتشبیہ بیان کرنا برا نہیں۔ (خریدۃ العجائب)

زمین بردار مچھلی بعض مفسرین نے فرمایا کہ زمین کے ہفت طبقات کے نیچے ایک مچھلی پانی پر ہے جو زمین کا بوجھ اٹھائے ہوئے اس بوجھ سے کُبڑی ہوتی ہوئی نٓ کی شکل میں ہو گئی اس کا پیٹ پانی میں دھنس گیا سر مشرق سے دم مغرب سے نکال کر چاہا کہ اللہ تعالیٰ اسے زمین کے بوجھ سے گریہ کرے اسے جبریل علیہ السلام نے ایسا دھڑکا دیا کہ ڈر کے مارے خاموش ہو گئی اور تا قیامت خاموش پڑی رہے گی معمولی حرکت بھی نہ کرے گی اس کی خاموشی اور زمین کی باربرداری پر اسے دو شرافتوں سے مشرف فرمایا۔

۱: اسکی قسم یاد فرمائی اور وہ مچھلی اللہ تعالیٰ کی قسم کا محل بنی۔

۲: چھری اس کے گلے پر نہ پھرے بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ انہیں چھری سے ذبح کیا جائے لیکن مچھلی پر چھری نہ پھیری جائے تاکہ مخلوق کو معلوم ہو کہ جو بوجھ اٹھانا اور رنج وتکلیف میں مبتلا ہوتا اسے ضائع نہیں کیا جاتا۔

سبق اے جواں مرد اگر مچھلی نے زمین کا بوجھ اٹھایا تو انسان نے بھی بار امانت کاندھوں پر رکھا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وحملها الانسان) وہ مچھلی جس نے زمین کا بوجھ اٹھایا تو اسے چھری کے عذاب سے محفوظ رکھا گیا تو کوئی بڑی بات نہیں کہ مومن کو بار امانت اٹھانے پر اسے ہجر وفراق کے عذاب سے محفوظ و مامون رکھا جائے۔ وَالْقَلَمِ قسم ہے قلم کی۔ قلم وہ جس سے لکھا جائے واؤ قسمیہ بر تقدیر اوّل و بر تقدیر ثانی عاطفہ ہے اس سے لوح والقلم مراد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اس پر نظر شفقت فرمائی تو قلم پھٹ کر دو حصہ ہو گیا پھر اسے فرمایا جو کچھ قیامت تک ہو گا تمام لکھ قلم نے سب کچھ (آنے والے حالات) لوح محفوظ پر لکھا[ل] آجال واعمال وارزاق، یہی وہ تقدیر ہے جس کے تمام خیر وشر پر ایمان لانا فرض ہے اس کے

ل، جو بے خبر قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے خبری کی رٹ لگا رہی ہے وہ سوچے کہ قلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں تو بھی اگر قلم دیگر شے ہے تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے خبر کہنا جہالت وسفاہت نہیں تو اور کیا ہے۔ یعلم: لیکن جب خدا عقل لیتا ہے تو حماقت آہی جاتی ہے (اویسی غفرلہ)

بعد قلم پر مہر لگا دی اور تا قیامت پھر نہ بولے گا (قلم الہٰی کا تعارف) قلم کے نور کا طول آسمان و زمین کے درمیانی خلاء کے برابر ہے۔ قلم کے بعد نؔ مچھلی کو پیدا فرمایا اس پر زمین بچھائی پانی سے بخار اٹھا تو اس سے آسمان ظاہر ہوئے مچھلی متحرک ہوئی تو زمین دراز ہوئی بچھ گئی اس پر پہاڑ گاڑ دیئے گئے اور یہ پہاڑ تا قیامت زمین پر رہیں گے ن و قلم کے درمیان مناسبت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

فائدہ: الوسیط میں واحدی کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ قلم ہے پھر نَ (مچھلی) یہی قلم کی دوات ہے قلم نے اسی دوات سے لکھا جو ہوا اور جو ہوگا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قلم اعلیٰ اور دوات کی قسم یاد فرمائی کہ اور قلم نور کا ہے (تفسیر الکاشفی)

فائدہ: القاموس میں ہے کہ نون از حروف زائد اور بمعنی دوات اور مچھلی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قلم سے کراماً کاتبین کا قلم یا قلم کی جنس مراد ہے اللہ تعالیٰ نے دوات و قلم کی قسم اس لئے یاد فرمائی کہ یہ بے شمار فوائد اور عظیم منافع پر مشتمل ہیں ایک دوسرے کی افہام و تفہیم کی گفتگو اور بیان سے حاضرین کو فائدہ ہوتا ہے لیکن غائبین ہمعصر اور آنے والوں کو فائدہ قلم سے ہوگا جیسے بعض نے فرمایا کہ بیان دو قسم ہے۔

۱: گفتگو لسانی

۲: بیان بنانی یعنی انگلیوں کے ذریعے یعنی قلم سے اور یہ دوسری قسم پہلی سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے کہ جو قلم سے لکھا گیا وہ تا دیر قائم رہے گا (جیسا کہ سب کو معلوم ہے) اور لسانی بیان چند سالوں کے بعد مٹ جائے گا اگرچہ دور حاضرہ میں اسے ٹیپ ریکارڈ کیا جاتا ہے لیکن پہلے تو وہ محدود ہے لکھی ہوئی تحریر کی طرح عام نہیں اگر کچھ ہے تو چند سالوں کے بعد ختم ہو سکتا ہے اگر قلم کی تحریر کو اور فضیلت نہ بھی ہو تب بھی یہ فضیلت کافی ہے کہ کتب الہٰی قلم سے تحریر میں آئیں۔

مسئلہ: قلم کی عظمت کے پیش نظر قلم کا تراشا ایسی جگہ رکھا جائے جہاں پاؤں سے نہ روندی جائے[1] ورنہ درد و آلام گھیر لیں گے۔

فائدہ: بعض دانشوروں نے فرمایا کہ دین و دنیا کے امور کا قیام دو چیزوں سے ہے۔

۱: تلوار

۲: قلم

---

[1]: محدث ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا تراشا محفوظ رکھا یہاں تک کہ آپ کے غسل آخری کا پانی اسی تراشے سے گرم کیا گیا۔

لیکن تلوار قلم کے ماتحت ہے (اب تو تلوار کا نشان بھی ختم ہے کیوں کہ ایٹمی دور ہے اور قلم کاراج انٹ ہے) اگر قلم نہ ہو تو نہ دین قائم رہ سکتا ہے نہ زندگی بسر ہو سکتی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

ان یخدم القلم السیف الذی خضعت
لہ الرقاب و دانت خوفہ الامم
کذا قضی اللہ للاقلام مذ بریت
ان السیوف لہا مذ ارہفت خدم

ترجمہ: تلوار کو قلم کی خدمت کرنی چاہیے جو کہ گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی اور امتیں اس سے خون آلود ہوتی ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے قلم کی تقدیر لکھی جب سے وہ بنایا گیا کہ تلوار اس کی خدمت کریں جب سے ان کی تیز دھار بنائی گئی۔

کسی نے فرمایا ؎

اذا اقسم الابطال یوماً بسیفہم
وعدوہ مما یجلب المجد و الکرم
کفی قلم الکتاب فخراً و رفعۃ
مدی الدہر ان اللہ اقسم بالقلم

ترجمہ: جب بہادروں نے تلوار کی قسم کھائی اور ان چیزوں سے شمار کیا جو مجد و کرم حاصل کرتی ہیں لیکن قلم کو زمانہ بھر میں اتنا فخر و رفعت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرمائی۔

وَمَا يَسْطُرُوْنَ اور اس کی قسم جو لکھتے ہیں ما موصولہ اس کا عائد محذوف ہے۔

حل لغات السطر بمعنی کتابت کی قطار (صف) ایسے ہی بوئے ہوئے درختوں اور قوم کھڑی کی قطار کہا جاتا ہے۔ "سطر فلان کذا" فلاں نے سطر سطر کرکے لکھا جمع کی ضمیر اصحاب القلم کی طرف راجع ہے اس پر اس کا ذکر (قبل ازیں) دلالت کرتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اصحاب قلم کی جو آسمانوں اور زمینوں میں کتاب اور کلام الٰہی لکھتے ہیں۔

فائدہ: تبیان میں ابن ھیثم سے ہے کہ نون منہ اور قلم زبان و مایسطرون وہ کراماً کاتبین جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں کی قسم یاد فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ نٓ نون الذات اور القلم قلم الصفات و مایسطرون افعال و شئون الٰہی جنہیں حرف حرف کرکے لوح قدرت

دائرہ اوپر لکھتے ہیں۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نون جمع ذاتی کی طرف یعنی اس کی دوات وہی اصل کتاب الوجود ہے یہی ام الکتاب ہے جس کا نام نون ہے اس لئے یہی مواد نقوش عالم کی سیاہی کی اجتماع گاہ ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہو نون کا اشارہ نقطہ کی طرف ہے جو مرتبہ احدیہ ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا صوفیانہ خطبہ سیدنا الامام علی رضی اللہ عنہ بر سر منبر عوام کے سامنے کھلم کھلا خطبہ ارشاد فرماتے میں ہی وہی باء کا بسم اللہ کا نقطہ ہوں۔ جس میں تم نے کوتاہی کی میں ہی قلم ہوں میں ہی لوح محفوظ ہوں میں ہی عرش ہوں میں کرسی ہوں میں ہی ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ہوں (یہ آپ کا خطبہ عالم سکر میں ہوتا) جب صحو ہوتا اور خطبہ کے درمیان میں ہی تجلی وحدۃ مرتفع ہوجاتی تو معذرت کہتے اپنی عبودیت و ضعیفی اور تحت احکام الٰہی کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار فرماتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نٓ کی قسم میں اشارہ ہے علم اجمالی کی طرف جو جمعیۃ احدیہ میں مندمج ہے اور قلم کی قسم میں اشارہ علم تفصیلی کی طرف جو وحدۃ اسمائیہ میں مندمج ہے ہم نے علم اجمالی روحی کو نٓ سے اور تفصیلی قلبی کو قلم سے اس لئے منسوب کیا کہ کیوں کہ یہ دوات (نٓ) جو کچھ اس کے بطن میں ہے جمیع حروف مجردہ اور کلمات مرکبہ پر ایسے مشتمل ہے جیسے گٹھلی درخت کے جمیع اجزاء پر اور شجرہ مفصلہ کا مندمج ہونا گٹھلی مجملہ میں پس قلم سے قلب کی لوح پر وہ تفصیل لکھی جاتی ہے جو دوات میں بالاجمال ہے جب تم نے یہ مثال سمجھ لی اب آیت کا معنیٰ سمجھئے اللہ تعالیٰ نے اس علم اجمالی کی قسم یاد فرمائی ہے جو احدیہ میں ہے اور علم تفصیلی کی جو واحدیۃ میں ثابت ہے اور بالتحقیق اپنی ذات احدیۃ مطلقہ اور اپنی اسماء کی واحدیہ جمیعہ کی قسم یاد فرمائی کیوں کہ اس میں حیثیت الذات اس کا عین ہے اور قسم یاد آتی ہر اس کے قلم نے اس کی دوات قدیم سے حروف الٰہیہ مجردیہ علویہ اور کلمات ربانیہ مرکبہ سفلیہ لکھے جیسا کہ بعض کبار نے کتاب وجود ظلی سے حروف اور اس کے کلمات و آیات و سورتوں کے بیان میں لکھی کہ شئون غیبیہ اس کے حروف عالیہ ہیں اور اعیان ثابتہ علمیہ اس کے کلمات تامہ ہیں اور حقائق ارواحیہ و مثالیہ اس کی آیات متعالیہ ہیں اور صور حسیہ عینیہ اس کی صور نفس کاملہ ہیں لیکن اس کی کتاب وجود حقیقی حروف مجردہ اسماء ذاتیہ احدیہ ہیں اس کے کلمات اسماء صفاتیہ واحدیہ ہیں اس کی آیات اسماء افعالیہ واحدیہ ہیں اس کی سورتیں اسماء آثاریہ مظہریہ ہیں اور یہ سب کے سب کتاب مبین ہیں ایسے ہی بعض اکابر نے فرمایا کہ قلم علم التفصیل اور نٓ علم الاجمال

اور حروف جو کہ یہی مظاہر ہیں قلم کی تفصیل ہیں جو دوات کی سیاہی میں مجمل ہیں جب تک وہ دوات کی سیاہی میں ہیں وہ تفصیل کو قبول نہیں کرتے جب وہ دوات سے منتقل ہو کر قلم میں آئیں گے تو قلم کے ذریعے میں تفصیل آئے گی اور اس سے تفصیل لا الی نہایۃ ہو گی۔ ہاں علم الاجمال کو نٓ سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ نٓ لکھنے میں اس کا نصف دائرہ محسوس ہے اور دوسرا نصف معقول ہے جس کی طرف نٓ کا درمیانی نقطہ خبر دیتا ہے کہ اس کی تتمیم سے وہ دائرہ ذاتیہ مراد ہے جو وجود کی سیاہی کا ظرف ہے اسی لئے یہ حروف دوریہ سے ہے کہ اس کا عکس بھی طرد کی طرح ہے کیوں کہ اس کا نصف محسوس عالم خلق کی سیاہی کا ظرف ہے اور اس کا دوسرا نصف معقول عالم امر کی سیاہی کا ظرف ہے اور وہ جو ان کے درمیان خط فاصل یعنی الف وہ دو نون ن کی تدویر درمیان کھڑا ہے وہ (بمنزلہ) برزخ جامع ہے اور یہی صحف الٰہیہ و کتب متفرقہ از احاطہ کتاب محیط بالمحیطات کہ جس کے لئے کہا گیا ہے "ما فی طنا فی الکتاب من شئی" ہم نے کتاب میں کوئی شے نہیں چھوڑی) کا مستوی ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جو جمیع علوم کو حاوی ہے یہاں تک نٓ کی سیاہی (کے علاوہ) بھی۔

قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں کا نکتہ

اور وہ کتاب (قرآن) کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جیسے جو نٓ اعداد کے مطابق ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے کیوں کہ نون کے دو نون اور واؤ کے ایک سو چودہ عدد ہیں اس لئے کہ اس کا ہر حرف کو علیحدہ عدد ہے (مثلاً نون اوّل کے پچاس نون ثانی کے پچاس اور واو کے پہلے حرف کے چھ الف کا ایک دوسری واو کے چھ میزان ایک سو تیرہ) پھر مسمّی (نون) ایک خود ساتھ ملا تو ایک سو چودہ ہو گئے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے کیوں کہ یہ دقیق تحقیق تمہیں اور کہیں سے نہ ملے گی۔

تفسیر صوفیانہ ۳

حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ نٓ نفس کلیہ اور قلم عقل کلیہ پہلا نٓ از باب کنایہ ہے کہ اس کے صرف پہلے حرف نٓ پر اکتفاء کیا گیا اور دوسرا (عقل کلیہ) (از باب تشبیہ ہے کیوں کہ نفس میں تاثیر عقلی سے موجودات کی صورتیں ایسے منقش ہوئیں جیسے قلم کے ذریعے لوح میں صورتیں منقش ہوتی ہیں اور مایسطرون کا فاعل کاتبین عقول متوسط و ارواح مقدسہ ہیں اگرچہ حقیقی لکھنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن چونکہ وہ حضرت اسماء میں ہیں اسی لئے ان کی طرف مجازاً منسوب ہیں ان کی قسم یاد فرمائی اور جو ان سے مبادی الوجود و صور تقدیر الٰہی اور اس کے امر کے مبتدا اور اس کے غیر کے مخزن کا صدور ہو گا یہ قسم ان کی شرافت اور اس وجہ سے کہ وہ دونوں اوّل مرتبہ کی تاثیر و تاثر پر مشتمل ہیں اور مقسم علیہ سے ان کی مناسبت کی وجہ سے ہے اور مقسم علیہ یہ ہے

تفسیر عالمانہ ۴

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ تم اپنے رب کی نعمت سے مستور نہیں یہ قلم کا جواب ہے اور باد

کے مقدر کے متعلق اور وہ خبر ما (مجنون) کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل نفی کا معنیٰ ہے ۔

حل لغات الجنون بمعنی عقل و نفس کے درمیان حائل ہونا کہا جاتا ہے جن فلان ، فلاں کو جن پہنچا یا اپنی جنان میں پہنچا یا اس کے نفس و عقل کے درمیان حائل ہوا تو اس کی عقل مستور ہو گئی

فائدہ : گویا حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا کہ (اے حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو کوئی جنون نہیں کیوں کہ آپ اپنے رب کی نعمت سے متعلق ہیں یعنی نبوت و ریاست سے سرفراز کئے گئے ہیں ۔

فائدہ : اس میں حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنزیہ ہے اس سے جو کفار آپ کی طرف منسوب کرتے مثلاً حسد و عداوہ اور مکابرہ سے آپ کی طرف جنون کی نسبت کرتے حالانکہ انہیں نہایت درجہ کا یقین تھا کہ آپ عقلی لحاظ بڑے دانا اور رائے و فکر کے لحاظ سے بلند ہیں ۔

فائدہ : ابوحیان نے کہا کہ (بنعمت ربک) قسم ہے جو محکوم علیہ اور حکم کے درمیان بطریق تاکید تشدید اور آپ سے وصف مذموم کی نفی میں مبالغہ ہے اور حضرت الشیخ نجم الدین دایہ قدس سرہ سے بھی نعمۃ ربک میں قسم منقول ہے اسے آپ نے اپنی تاویلات میں بیان فرمایا ۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غار حرا میں غائب رہے بی بی نے بہت ڈھونڈا لیکن آپ کو نہ پایا ۔ ایک دن اچانک تشریف لائے لیکن چہرہ مبارک متغیر تھا لیکن اس پہ غبار وغیرہ نہ تھی بی بی نے عرض کی آپ کہاں تشریف لے گئے فرمایا مجھے جبریل علیہ السلام ملے ہیں اور کہا "اقراٴ باسم ربک" اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیئے ۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے نزول کی یہی پہلی آیت ہے ۔ پھر فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام ایک جگہ لے گئے وضو کیا میں نے بھی وضو کیا انہوں نے دوگانہ پڑھی اور میں نے بھی ان کے ساتھ دوگانہ پڑھا اور عرض کی یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ نماز ہے ۔ جب حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام واقعہ سنایا تو بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں ۔

فائدہ : یہ ورقہ بن نوفل بی بی خدیجہ کا چچیرا بھائی تھا جو قریش کے دین کی مخالفت کرکے نصرانیہ میں داخل ہو گئے تھے) بی بی نے ورقہ کو حال سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرے ہاں بھیج دیجئے ۔ بی بی نے حضور علیہ السلام کو ورقہ کے ہاں بھیجا آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو اس نے عرض کی کیا آپ کو جبریل علیہ السلام نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کسی کو دعوت اسلام دیں فرمایا نہیں عرض کی اگر میں آپ کی دعوت اسلام کے اظہار تک زندہ رہا تو میں بہت بڑی مدد کروں گا اس کے بعد

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوۃ اسلام کا اعلان نہ فرمایا کہ ورقہ کی وفات ہوگئی جب یہ واقعہ کفار قریش کو معلوم ہوا تو کہا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں۔ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے قسم یاد کرکے فرمایا کہ آپ مجنون نہیں اور یہ کل پانچ آیات ہیں جو سورۃ نٓ کی دوسری آیات کی بہ نسبت سب سے پہلے نازل ہوئیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پہلے سبح اسم ربک الخ نازل ہوئی اس کے بعد یہی آیت اور نزول کے لحاظ سے پہلی آیت ہے۔

ثبوت علم غیب تاویلات نجمیہ میں ہے ما انت بنعمۃ ربك (بمجنون ای) بمستور ہا۔ آپ پر آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے وہ جو ازل سے ہوا اور وہ جو ابد تک ہوگا مستور (پوشیدہ) نہیں۔ ما کان من الازل وما سیکون الی الابد (روح البیان ص ۱۰۴ ج ۱)

علم کلی کا ثبوت اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم ماکان وما یکون سے علم کلی مراد ہے یہی مذہب اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے چنانچہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ نے مذکورہ بالا عبارت لکھنے کے بعد تحریر فرمایا کہ

دیدل علی احاطۃ علمہ قولہ علیہ السلام فوضع کفہ علی کتفی فوجدت بردھا بین ثدیی فعلمت ما کان وما سیکون (ص ۱۰۵ ج ۱)

حضور علیہ السلام کے احاطۂ علم (کلی) پر دلالت کرتا ہے آپ کا وہ قول کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی (قدرت) میرے کاندھوں کے درمیان رکھی میں نے اس کی ٹھنڈک پستانوں میں پائی تو ماکان وسیکون کو میں نے جان لیا۔

سلہ: جی تو چاہتا ہے کہ ایسے مضامین سے دفتر کے دفتر بھر دوں لیکن کیا کروں مجبوری ہو حضور علیہ السلام نہ صرف ماکان وما یکون کو جانتے ہیں بلکہ مالک الملک جل شانہ کی عطاء سے ان کے خزائن کے مالک بھی چنانچہ نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔

اُوْتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۴)

میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور مجھے سونپ دی گئیں۔ (دوسری جگہ ارشاد ہے)

اعطیت الکنزین الاحمر والابیض (مشکوٰۃ ص ۵۰۴) یعنی مجھے سرخ وسفید دونوں خزانے عطا فرمائے گئے۔ سرخ وسفید سے مراد سونا اور چاندی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں۔

فائدہ : شرحِ اسمار الحسنیٰ میں امام قشیری قدس سرہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت بندے کی اپنی مدد سے زیادہ مضبوط ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا و لقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون ہم جانتے ہیں بے شک تمہارا سینہ تنگ ہوتا ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔

دیکھئے آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو کس طرح تسلی دی اور کس طرح ان کا بوجھ ہلکا فرمایا کہ فسبح بحمد ربک یعنی جب آپ ان سے برے کلمات سنیں جو آپ کے حق میں کہتے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے تو اس سے تم میری ثنار کی روح اور لذت تنزیہ اور ہمارے ذکر سے خوش ہو جاؤ گے اس لئے کہ یہ امور آپ کو راحت دیں گے اور ان لوگوں سے مشغول کر دیں گے۔ پھر جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کی پند و موعظت قبول فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد اپنے ذمۂ کرم لگا کر کافروں کا رد خود فرمایا مثلاً جب آپ کو مجنون کہا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں قسمیں یاد کرکے اس کی نفی فرمائی۔ ن والقلم الخ تاکہ آپ کی تنزیہ کفار کے مقولہ سے محقق ہو اور آپ کفار سے روگردانی کرکے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ میں مشغول ہوں اس کے بعد اس بدبخت کے دس گندے عیوب گنائے جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مجنون کہا۔ چنانچہ فرمایا : ولا تطع حلاف الی قولہ اساطیر الاولین اور یہ مذمت الٰہی اس سے بڑھ کر ہے کہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کافروں کا رد فرماتے کیوں کہ یہ قرآنی الفاظ قیامت تک لوگوں کی زبانوں پر جاری رہیں گے۔ (۳) وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا اور بے شک تمہارے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے غَيْرَ مَمْنُوْنٍ عظمت کے ساتھ بے شمار یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "غیر مجذود" کی طرح ہے بمعنی غیر مخصوص یعنی وہ اجر و ثواب نہ کم ہوگا اور نہ ختم ہوگا۔

حل لغات المنون اسی سے ہے بمعنی المنیۃ (موت) کیوں کہ وہ گنتی کو گھٹاتی اور مدد کو منقطع کرتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ آپ کا اجر و ثواب دائمی ہے کہ انقطاع کو وہاں تک کوئی رسائی نہیں۔

مسئلہ : نبی علیہ السلام کا اجر و ثواب تمام امتہ کے اجر کے برابر ذرہ کم نہ ہوگا۔

فائدہ : یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیر ممنون بمعنی غیر مکدر ہے یعنی آپ پر بسبب منتہ کے غیر مکدّر ہے کیوں کہ آپ کا ثواب آپکے موجب شان ہے نہ یہ کہ کسی دوسری فضیلت کی وجہ سے کیوں کہ جملہ فواضل تو آپ پر ختم ہیں اور نہ ہی آپ کے اجور آپ کے اعمال کے محتاج ہیں۔ (کشاف) حضرت الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ غیر ممنون کا معنیٰ ہے کہ آپ پر کوئی منت و احسان نہیں جتلایا جاتا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے

سے نوازتا ہے کسی دوسرے کے واسطہ سے نہیں کہ اس کا احسان جتلا کر آپ کو اجر و ثواب عطا فرمایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انوار مکاشفات و مشاہدات غیر منقطع ہیں کیوں کہ وہ سرمدی (ابدی۔ دائمی) ہیں یہی وجہ ہے عارف باللہ شہود میں جمیع مواطن میں ہر لحظہ ترقی کرتا رہتا ہے کیوں کہ نہ مکاشفات و مشاہدات میں انقطاع ہوگا نہ اس کی ترقی ختم ہوگی اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فیض و فتح اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی ہے اس کے غیر سے نہیں تو اللہ تعالیٰ ہی بندوں پر احسان جتلا سکتا ہے نہ کہ کوئی اور کہ وہ ایک دوسرے پر احسان جتلائیں (نا مناسب ہے)

فائدہ: بعض نے کہا کہ آپ کے اجر غیر ممنون کا مطلب کہ آپ کی شفاعت قبول ہے آپ کی امت کے اہل کبائر سے منقطع نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو بلا عتاب و بلا حساب بخشنے میں آپ کی اُمید کو خائب و خاسر نہیں فرمائے گا۔[1]

صاحب روح البیان قدس سرہ کا پُر ذوق مضمون فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آپ کا اجر خود اللہ تعالیٰ ہے کیوں کہ آپ کے اجر کا عوض اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شے نہیں ہو سکتی اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا میں ہے

"اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل"	اے وہ ذات جو سفر میں میرا صاحب اور میرے اہل کا خلیفہ (نگران)

اس مقام کی طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول مُشیر ہے[2] جب آپ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے پوچھا کہ ما ابقیت لاھلک اپنے اہل کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو عرض کی "اللہ ورسولہ"

---

[1] : ایسی شفاعت پر ہم اہلسنت کو ناز ہے ؎

کسی کو ناز ہے عبادت کا اطاعت کا ۔۔۔ ہمیں تو ناز ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کا

[2] : یعنی وہ واقعہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت عالیہ میں تمام صحابہ کرام نے اخراجات جنگ کے لئے مال حاضر کئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب مال حاضر کر دیا تو حضور نے فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ابقیت لھم اللہ ورسولہ یعنی یارسول اللہ میں تو گھر والوں کے لئے خدا اور رسول کو چھوڑ آیا ہوں (مشکوٰۃ باب مناقب ابوبکر ص ۵۵۶)

فائدہ: معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر اعتقاد رکھتے تھے اور پھر حضور نے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے عقیدہ کی تصدیق فرما دی اور یہ نہیں فرمایا کہ اے ابوبکر میں تمہارے سامنے موجود ہوں مجھے گھر والوں کے لئے کس طرح چھوڑ آئے ہو جیسا جاہل وہابی دیوبندی حاضر و ناظر کے اعتراضات کرتے وقت اس قسم کی جاہلانہ باتیں کر جاتے ہیں۔ (تفصیل فقیر کی کتاب "دلوں کا چین" میں ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گھر میں چھوڑ کر باقی سب کچھ لے آیا ہوں۔
فائدہ: اللہ تعالیٰ نفس، اولاد و مال کا عوض ہے جو اس کے راہ میں فنا (خرچ کیا جائے) اور یہی اجر عظیم ہے کیوں کہ وہ بہت بڑا عظیم ہے۔

تفسیر عالمانہ

(۴) (وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ) اور بے شک آپ البتہ خلق عظیم پر ہیں[1] کہ مخلوق میں کوئی ایک اس کی غایت کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ آپ مخلوق کے وہ بوجھ اٹھاتے ہیں جو دوسرا کوئی نہیں اٹھا سکتا ہے۔

(۱) کیوں کہ بعض نے فرمایا کہ آپ متخلق با خلاق اللہ تعالیٰ ہیں اور اس کے کلام قدیم سے بھی متخلق ہیں اور مؤید بتائید القدسی ہیں اسی لیے نہ ان کے افتراء سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی اذیتوں سے ایذا محسوس فرماتے ہیں کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے صبر فرماتے ہیں نہ کہ اپنے نفس سے۔

نکتہ: لفظ علیٰ دلالت کرتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ اخلاق حمیدہ پر مشتمل اور افعال پسندیدہ پر ایسے حاوی ہیں کہ گویا وہ آپ کے لئے بمنزلہ طبیعت کے بن گئے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجرا وانا من المتکلفین فرمایئے میں تم سے اس پر اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں تکلف والوں میں سے ہوں) یعنی میں اپنے اخلاق تمہیں تکلف سے ظاہر نہیں فرماتا کیوں کہ تکلف والا اپنے امر میں طویل مدت نہیں قائم نہیں رہ سکتا بلکہ وہ اپنی اصلی طبع کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

فائدہ: انسان کی صورت ظاہرہ یہی ہے کہ جسے آنکھیں دیکھ رہی ہیں یہی جو انسان کے سر میں ہے (چہرہ وغیرہ) یہی عالم ملک اور اسی کو شکل کہا جاتا ہے اور اس کی صورۃ باطنہ یہی اس کی سیرت ہے جس کا مشاہدہ بصیرت کو ہوتا ہے جو قلب میں ہے اور یہ عالم ملکوت ہے جسے خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے تو جیسے حسن ظاہری کے لئے

---

[1] خلق عرف عام میں اچھی عادات کو کہا جاتا ہے اس کی جمع اخلاق آتی ہے اور اسلامی فلسفہ اخلاق میں نیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر کام کا نیک و بد ہونا تمام تر نیت پر موقوف ہے اگر کسی عمل میں حسن نیت نہ ہو تو اخلاق کا بڑے سے بڑا کام روحانی خیر و برکت اور ثواب سے محروم رہ جاتا ہے اسلامی فلسفۂ اخلاق میں رضائے الٰہی بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح ہر عمل کے پیچھے حسن نیت کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ہر نیت کی پشت پناہی کے لئے ایمان کا ہونا بھی لازمی ہے ایمان کے بغیر کسی عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خلق کا لفظ بہت بڑی وسعت رکھتا ہے جیسا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اسے قرآن سے تعبیر فرمایا تو جس طرح قرآن کے معانی و مطالب اور اسرار و رموز کی انتہا تک پہنچنا ناممکن ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کو سمجھیئے (تحقیق آتی ہے) اویسی غفرلہٗ۔

حسن یا قبح صوری ہے یا اعتبار اشکال واوضاع وادا ان کے ایسے ہی سیرت باطنی کا حسن یا قبح معنوی ہے یا اعتبار شمائل وطبائع کے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حسن دو قسم ہے محمود و مذموم یا حسین و قبیح اور کبھی مطلق صرف خلق محمود مراد لیا جاتا ہے کیوں کہ محمود خلق ہی اس لائق ہے کہ اسے مطلقاً خلق کہا جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وانك لعلی خلق عظیم ۔

فخر الدین رازی قدس سرہ کی تحقیق

حضرت امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے فرمایا خلق ایک ملکہ نفسانیہ ہے جس سے اس کے موصوف کو افعال جمیلہ کی ادائیگی آسانی سے ہوتی ہے کیوں کہ صرف افعال جمیلہ کی ادائیگی اور ہے اور انہیں سہولت سے ادا کرنا شئے دیگر ہے ۔ اس معنیٰ پر خلق اس حالت کا نام ہے جس سے افعال سہولت سے ادا کئے جائیں اور خلق کو بھی اسی لئے خلق کہا جاتا ہے کہ وہ انسان میں ایسی راسخ و ثابت ہوتا ہے کہ گویا وہ انسان کی بمنزلہ اس خلقت پر ہے جس پہ اس کی جبلت ہے اگرچہ ملکہ راسخہ کو حاصل کرنے کے لئے طویل ورزش اور بڑی ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے خلق مصاحبۃ ومعاملہ سے تبدیل ہو سکتا ہے اسی لئے یہ خلق حسین قبیح ہو جاتا ہے اور کبھی قبیح حسین یہ صحبت پر منحصر ہے نیک اور صالح صحبت نیک اور صالح بناتی ہے بری صحبت و سنگت برا بناتی ہے ۔

حدیث شریف[1] انسان اپنے ساتھی کے دین (طریقہ) پر ہوتا ہے دیکھ لینا چاہیے کہ کس کی صحبت و سنگت میں ہو ۔

حدیث شریف[2] اہل ہوا (خواہشات کے غلام (اہل بدعت بد مذاہب جیسے مرزائی ۔ رافضی شیعہ ۔ وہابی دیوبندی وغیرہ) کے ساتھ نشست وبرخاست نہ کرو اس لئے کہ انہیں خارش کے مرض کی طرح متعدی بیماری ہے ؏

؏ : اسے فقیر اویسی باولے کتے کے لعاب سے تعبیر کیا کرتا ہے کہ جس طرح باولے کتے کا لعاب جس پر پڑ جائے وہ مشکل سے جانبر ہو سکتا ہے یہاں تک کہ جس جگہ یہ پڑ جائے وہاں سے کسی کا گزر ہو تو وہ بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد اور جملہ اہل اسلام کو بدمذہبی کے جملہ امراض سے محفوظ تر رکھے ۔ (آمین) اویسی غفرلہ ،

[1] : اسے مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎ صحبت صالح ترا صالح کند ۔ صحبت طالح ترا طالح کند نیک کی صحبت تمہیں نیک بنائیگی برے کی صحبت تمہیں برا بنا دے گی ۔ (اویسی غفرلہ)

صحبت صالح اسی لئے بزرگوں نے اخیار (اولیاء اللہ اور نیک سنی العقیدہ لوگ) کی صحبت کو مستحسن بلکہ اس کی ترغیب وتحریص دلائی اور اشرار کی صحبت کو قبیح بلکہ اس سے کوسوں نفرت کا درس دیا۔

فائدہ: کبھی عادت سعی اور کوشش سے بدل جاتی ہے اسی لئے روحانی اطباء (اولیاء اللہ اور علمائے تصوف نے علم الاخلاق کے ابواب (بلکہ تصانیف) مرتب فرمائیں (جیسے احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، قوت القلوب، کشف المحجوب وغیرہ وغیرہ) ان میں ہر مرض کا سبب اور اس کا علاج بتایا۔

آنچہ ہمہ دارند تو تنہا داری خلق کو علیحدہ اور قرآن مجید کی طرح اسے عظیم سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع المکارم والاخلاق ہیں۔ شکر نوح وخلۃ ابراہیم واخلاص موسیٰ وصدق ووعد اسماعیل وصبر یعقوب وایوب و اعتذار داؤد وتواضع سلیمان وعیسیٰ وغیرھم علیہم السلام کے جملہ اخلاق و اوصاف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں بطریق اتم واکمل پائے جاتے تھے اسی لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فبھداھم اقتدہ ان کی سیرت کی ہی اقتدا فرمائیے اس ہدیٰ سے معرفۃ الٰہی مراد نہیں کیوں کہ اس سے تقلید ثابت ہوجائیگی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائق شان نہیں اور نہ ہی شرائع کی اقتداء مراد ہے کیوں کہ آپ کی شریعت تو ان کی شرائع کی ناسخ ہوئی بلکہ ان کے بہت سے فروعی احکام کے مخالف بھی بلکہ یہاں ہر نبی علیہ السلام کے مخصوص خلق کریم کی اقتداء مراد ہے اگرچہ ہر نبی علیہ السلام کا ہر خلق کریم وحسین تھا لیکن ہر ایک کا ایک مخصوص بالیمعنیٰ تھا کہ اس سے وہ معروف تھے (جیسے خلیل کلیم وغیرہ وغیرہ اسی لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا کہ وہ معروف اخلاق جو انبیاء علیہم السلام میں متفرق ہیں آپ اپنے میں جمع فرمالیں اور یہ وہ مرتبہ عالی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہ ہوا اسی معنیٰ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق عظیم سے موصوف فرمایا ایک عارف باللہ نے کہا۔

لکل نبی فی الانام فضیلۃ
وجملتہا مجموعۃ لمحمد
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ: لوگوں میں ہر نبی علیہ السلام کو جو فضیلت حاصل ہے وہ تمام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہیں۔

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق عظیم کی صفت سے قوت نظریہ سے بلکہ موصوف نہیں

ہوئے بلکہ علم و عرفان و ایقان و احسان کی وجہ سے موصوف ہوئے ہیں اور آپ نے کوئی کام قوت عملیہ سے نہیں کیا جسمیں رضائے الٰہی شامل نہ ہو فرض ہو یا واجب یا مستحب۔ آپ سے کوئی فعل یا مفسد یا مکروہ سرزد نہیں ہوا آپ فرشتوں سے بڑھ کر تھے اور اس تمام مضامین کا مجموعہ سیدہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں ہے جب ان سے سوال ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق کریم کیسا تھا بی بی نے فرمایا: کان خلقہ القرآن (بخاری) آپ کا خلق کریم قرآن تھا۔

فائدہ: اس سے بی بی کی مراد یہ تھی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مکارم اخلاق و محاسن اور اوصاف سے آراستہ تھے۔ جو قرآن مجید میں ہیں اور آپ ان امور سے پاک وصاف تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر و توبیخ کا موجب بنیں۔ ایسے ہی جملہ بری عادات سے منزہ و مقدس تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ سائل کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا الست تقرأ القرآن قد افلح المؤمنون کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا۔ قد افلح المومنون الخ سورۃ مومنین کی یہ دس آیات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کی تفسیر ہیں۔

سبق: اس میں تنبیہ ہے کہ اہل اسلام کو عظیم اخلاق سے آراستہ ہونا لازم ہے اور ایمان کہ تمام اخلاق قلبیہ کی اصل ہے اور نماز کہ اخلاق بدنیہ کی ستون ہے اور زکوٰۃ جو اخلاق مالیہ کی سرتاج ہے ایسے ہی دس آیات مذکورہ کو سمجھئے حضرت جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سلسلۃ الذہب میں ہے ؎

بودہم بحر مکرمت ہم کان
گوہرش کان خلقہ القرآن
وصف خلق کسے کہ قرآنست
خلق را نعت اوچہ امکانست

ترجمہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر بزرگی کے دریا بلکہ کان ہیں اس کان کا موتی آپ کا خلق قرآن ہے۔

جس ذات کے خلق کی صفت قرآن ہے تو پھر مخلوق کا امکان کہاں کہ اس کی نعت کہہ سکے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن بلکہ آپ قرآن خود ہیں[1]۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن ہیں

---

[1] منکرین کمالات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے جملے کب برداشت ہو سکتے ہیں (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

صوفیانہ فائدہ حضرت محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کریم و عظیم سے بڑھ کر اور کوئی خلق نہیں اس لئے کہ آپ نے خودی سے ہاتھ کھینچ کر خود کو کُلّی طور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

فائدہ : امام قشیری قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا سے منحرف اور عطار سے منصرف ہوئے اور فرمایا کہ اسی لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے آپ کا کوئی مقصد و مقصود نہ تھا۔

ملفوظ جنید قدس سرہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا خلق عظیم یہ ہے کہ آپ نے کونین کو جود و سخا سے نوازا۔

لہ همم لا منتہیٰ لکبارہ وہمۃ الصغریٰ اجل من الدہر (حسان رضی اللہ عنہ)

ترجمہ : آپ کی ہمتوں کی کوئی انتہا نہیں آپ کی مختصر سی ہمت زمانہ بھر سے بزرگ تر ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الحسین النوری قدس سرہ نے فرمایا آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلقِ عظیم کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سِر (راز مخفی) کو اپنی خلافت کے انوار کا جلوہ بخشا۔

فقیر (صاحب روح البیان) قدس سرہ کہتا ہے کہ آپ کا خلق اسی لئے عظیم تھا کہ آپ اسم عظیم کے مظہر ہیں۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

تقریر شیخ اکبر قدس سرہ تلقیح الاذہان للشیخ الاکبر قدس سرہ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوامع الکلم عطا فرمائے گئے کیونکہ آپ مکارم الاخلاق کی تتمیم (تکمیل) کے لئے مبعوث ہوئے ہیں جیسے خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ سے) اسی لئے سرے سے جان چھڑا لیتے ہیں کہ ہم تفسیر روح البیان کو نہیں مانتے ان کے جواب میں اویسی فقیر کیا کہہ سکتا ہے البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہے کہ تم خود رب رحمٰن کو نہیں مانتے تو صاحب روح البیان کس قطار میں۔ اسی لئے اہل سنت سے اپیل ہے کہ تفسیر روح البیان کو ہی مطالعہ کی جان بنائیے پھر دیکھئے کس طرح باغ جنان کی سیر نصیب ہوتی ہے (اویسی غفرلہ)

نے فرمایا انکَ لعلیٰ خلقٍ عظیم ، یہی صراط مستقیم کا عین ہے۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تین سو ساٹھ اخلاق ہیں جو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مع توحید اللہ کے ہاں حاضر ہوا بہشت میں داخل ہوگا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا انہیں کوئی ایک میرے میں ہے یا نہیں آپ نے فرمایا آپ میں تمام ہیں یاد رکھیئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سب سے محبوب تر سخاوت ہے۔

فائدہ : احسن الاخلاق وہ انسان ہے جس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تسلیم و رضا کا ہو اور مخلوق کے ساتھ عفو و سخاوت کا۔

فائدہ : حدیث پاک میں توحید کی قید اس لئے لگائی ہے کہ کبھی کسی میں مکارم و اخلاق تو ہوتے ہیں لیکن ایمان ندارد ایسے ہی بعض کو دولت ایمان تو نصیب ہوتی ہے لیکن اس میں مکارم اخلاق نہیں ہوتے اس لئے کہ ایمان کے ساتھ ہی مکارم الاخلاق عطا کئے جاتے تو مومن کو امر و نہی کا حکم نہ ہوتا۔

فائدہ : مکارم اخلاق انسان کا وہ زیور ہے کہ جہاں جائے وہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں جہاں جائے جیسے ابو طالب کے متعلق وارد ہے۔

قرآن کی زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے سرشار ہونا ہے بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ امتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی میں زیارت نہ کر سکا وہ چاہے کہ وہ آپ کی زیارت سے سرشار ہو تو وہ قرآن مجید کی زیارت کرلے کیوں کہ قرآن مجید کی زیارت اور آپ کی زیارت میں (معنوی طور) کوئی فرق نہیں گویا قرآن مجید سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صورت جسمانی کا انشار (نقشہ) ہے تو گویا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفت حق کی خلعت سے نوازے گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے (فرق نہیں ما بین پیا)

زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا طریقہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا مشتاق ہے اسے چاہیے وہ آپ کی ہر سنت پر عمل کرے بالخصوص وہ سنت جو مٹ چکی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی (معنوی) کا نام ہے۔

جس نے سنت نبوی کو زندہ رکھا اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ رکھا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جملہ لوگوں کا اتم واکمل مجموعہ ہیں۔

فائدہ: بعض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے بعد آج تک کوئی ایسا خلق نہیں رہا کہ جسکی کوئی کمی رہ گئی ہو کیوں کہ آپ نے جملہ اخلاق کے مصارف ہمیں بیان فرما دیئے مثلاً حرص، حسد، شرہ بخل۔ خوف یہ تمام صفات مذمومہ ہیں۔ لیکن اگر انہیں اچھے مصارف پر جاری کیا جائے تو یہ بھی مکارم اخلاق میں داخل ہو جاتی ہیں اور ان سے مذموم وصف زائل ہو جاتا ہے جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جو صف کے پیچھے کھڑے ہو کر رکوع کرکے اسی حالت میں صف میں مل گیا (آپ نے) اسے فرمایا زادک اللّٰہ حرصًا ولا تعد اللہ تعالیٰ تیرے حرص میں برکت دے آئندہ ایسا نہ کرنا اور فرمایا حسد نہیں مگر دو میں اور فرمایا اللہ کا ذکر بکثرت کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تخافوا هم وخافون ان سے نہ ڈرو مگر مجھ سے ڈرو اور فرمایا فلا تقل لهما اف انہیں (ماں باپ کو) اُف نہ کرو اور فرمایا اف لکم تمہارے لئے حیف ہے۔ اسی طرح کی بے شمار آیات واخبار۔

نکتہ: جن اخلاق سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے وہ اس کے لئے ہے جو سمجھتا ہے کہ یہ بُرا ہے یا اس حقیقت سے بے خبر ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکارم اخلاق کی تمیم (تکمیل) کے لئے مبعوث ہوا ہوں چونکہ بعض لوگ اس سے واقف ہیں لیکن بعض ان سے بے خبر اسی لئے ان کی تکمیل کے لئے آپ کی بعثت ہوئی ورنہ جو کل کامل ہے وہ تو عالم میں اخلاق الٰہی ہی دیکھتا ہے۔

مستغنی از جملہ جہان

کشف الاسرار میں آیت (طٰہٰ) کی تفسیر میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام اسباب کی چابیاں پیش کی گئیں تو آپ نے توجہ نہ دی پھر آپ کو لیلۃ المعراج سیر کرائی گئی اور تمام ملائکہ کرام اور جنت دکھائی گئی تو بھی آپ نے توجہ نہ کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" مازاغ البصر وما طغیٰ" یعنی آپ نے نہ دائیں دیکھا نہ بائیں اس پر فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم۔

ہمہ انبیاء مستفیض از فیضِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اے جوانمرد (امتی) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کو کون جان سکتا ہے اور وہ عزت جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس سے کون آگاہ ہو سکتا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا اس سے زائد) انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں سب آپ کی قدر و منزلت کے آگے بمنزلہ ستاروں کے ہیں باوجودیکہ آپ ان کی موجودگی میں غائب تھے لیکن انہوں نے نور نبوت آپ سے ہی حاصل کیا جیسے سورج کہ اگرچہ وہ رات کو غائب ہوتا ہے لیکن تمام ستارے اسی سے نور پا کر چمکتے ہیں

لیکن جب سورج چمکتا ہے تو وہ ستارے اس کے نور میں گم ہو جاتے ہیں ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام آپ سے ہی نور پاتے رہے جب آپ عالم صورت میں تشریف لائے تو وہ گم ہو گئے ؎

کانک شمس والملوک کواکب

اذا طلعت لم یبد منھن کواکب

ترجمہ: گویا تم سورج ہو دوسرے شہنشاہ ہیں جب سورج چمکتا ہے تو ستارے ظاہر نہیں ہوتے۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے ؎

فاق النبیین فی خلق وفی خلق

ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

فانہ شمس فضل ہم کواکبھا

یظھرن انوارھا فی الظلم

ترجمہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے خلق و خلق میں فائق ہیں علم و کرم میں وہ آپ کے برابر نہیں۔

اخلاق محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نمونے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منجملہ اخلاق کے ایک وہ ہے جو خود فرمایا کہ جو قطع کرتا ہے تو اس سے وصل کر اور جو تجھ پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کر دے اور جو تیرے ساتھ برائی کرتا ہے تو اس پر احسان کر۔

فائدہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حکم امت کو فرماتے ہیں پہلے اس پر خود عمل کرتے ہیں۔

حدیث شریف بعض مؤمن حسن اخلاق کی وجہ سے شب بیدار اور صائم النہار کا اجر و ثواب پائیں گے (مسند اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم) عن علی بن موسیٰ الرضی عن ابیہ موسیٰ بن جعفر عن ابیہ جعفر بن محمد عن ابیہ محمد ابن علی عن ابیہ علی بن الحسین بن علی عن ابیہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسن خلق کو لازم پکڑو اس لئے حسن الخلق ضرور بہشت میں جائے گا۔ اور سوء خلق (برے خلق) سے بچو کیوں کہ برے خلق والا لازماً دوزخ میں جائے گا۔

تفسیر عالمانہ ⑤ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ پس عنقریب تم جان لوگے اور وہ جان لیں گے۔

حل لغات: کہا جاتا ہے البصرتہ و لبصرت بہ بمعنی علمتہ وادرکتہ، میں نے اسے

جانا اور اسے پایا۔ اس لئے کہ بصر عضو معروف کو بھی کہا جاتا ہے اور قوۃ مدرکہ کو بھی لیکن عضو معروف پر بصیرت کا اطلاق بہت کم ہوتا ہے تاج المصادر میں ہے الابصار بمعنی آنکھ اور دل سے دیکھنا اب معنی یہ ہوا کہ عنقریب قیامت میں تم جان لوگے اور وہ جان لیں گے جب حق و باطل ظاہر ہوگا۔

فائدہ : حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ موت کے وقت پردہ ہٹنے پر تم دیکھوگے اور وہ بھی دیکھیں گے اسی لئے حضرت کاشفی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو معلوم ہوگا کہ دیوانہ کون ہے تم یا وہ یہی زیادہ واضح ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل اسلام کو غلبہ کا وعدہ اور دشمنان اسلام کو انتقام کی وعید ہے ⑥ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ تم میں کون مجنون ہے یعنی کون جنون کے فتنہ میں مبتلا تھا۔ ایکم مبتدا اور المفتون اس کی خبر ہے المفتون بمعنی مجنون اور باء مبتدا میں زائدہ ہے جیسے بحسبک زید میں (با زائدہ ہے) یا معنیٰ یہ ہے تم میں سے کسے جنون ہے المفتون مصدر ہے بمعنی الفتون یعنی الجنون جیسے المجلود بمعنی الجلادۃ اور المعقول بمعنی العقل جیسے "حتیٰ اذا لم یترکوا لعظامہ لحما و لالفوادہ معقولا" یہاں تک کہ انہوں نے اس کی ہڈیوں کے لئے گوشت اور دل میں عقل نہ چھوڑا) میں معقول بمعنی عقل ہے اور باء الصاق ہے جیسے بہ داء ہیں یا معنیٰ یہ ہے تمہارے کس گروہ کا کون مجنون ہے کیا اہل ایمان کے گروہ کو یا اہل کفر کے گروہ کو جنون ہے تم میں سے جنون کا صدور ہوگا وہی اس اسم کا مستحق ہوگا اس معنیٰ پر باء بمعنی فی اور المفتون مبتدا مؤخر ہے اور تمام امت اس خطاب میں داخل ہے اس معنیٰ پر وہ بالتبع ہو جائیں گے سابق خطابات کی طرح یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔

فائدہ : یہ ابوجہل اور ولید بن المغیرہ اور ان جیسے کافروں کے لئے تعریض ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "سیعلمون غداً من الکذاب الاشر" کل جان لیں گے کہ کذاب اور فسادی کون ہے یعنی صالح علیہ السلام یا ان کی قوم ⑦ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ جو سعادۃ دارین تک پہنچاتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ کون گمراہی کی دلدل میں پھنس کر اس طرف متوجہ ہے جو اسے شقاوۃ ابدیہ تک پہنچائے گی وہ یہی پاگل ہے جسے اپنے نفع و نقصان کا کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا بلکہ نقصان کو نفع سمجھ کر اسے پسند کرتا ہے اور نفع کو نقصان سمجھ کر اس سے دور بھاگتا ہے وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے یعنی ان لوگوں کو جو اپنے مطلوب کی راہ پانے میں فائز اور نقصان دہ راستہ سے کنارہ کش ہیں اور اس سے عقلاء مراد ہیں جو حق

کی طرف رجحان رکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے ساتھ استحقاق پر جزاء وسزا دے گا۔
نکتہ: ھواعلم کا تکرار زیادہ التقریر کے لئے ہے۔
فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ درحقیقت مجنون (پاگل) عاصی (خدا تعالیٰ کا بے فرمان) نہ کہ مطیع (اللہ کا فرمانبردار)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وصول الی حضرۃ اللہ کی راہ سے بھٹکنے والا حب دنیا اور اس کی شہوات کی طرف میلان کی وجہ سے بھٹکتا ہے اور ہدایت یافتہ طریق توحید و وحدۃ نور عنایت ازلیہ اور ہدایۃ ابدیہ سے راہ پاتا ہے بعض اکابر نے فرمایا کہ وھو اعلم بالمھتدین یعنی اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے جو توفیق کے قابل ہیں اس معنیٰ پر بیان کے ہادی رسل کرام علیہم السلام اور توفیق کا ہادی خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس معنیٰ پر ہادی حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا کام بیان کرنا بھی ہے اور توفیق بھی اور دوسرے ہادیوں یعنی مخلوق میں سے ہدایت کا کام صرف بیان کرنا اور بس۔

ردالجہال جن لوگوں کو حقائق کا علم نہیں ہوتا ان کا گمان ہے کہ بندہ (رسول وغیر رسول) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے ارشاد (رہبری) و وعظ میں سچا ہو تو لازم ہے کہ وہ سامعین کے نفوس میں اس کی قبولیت کا اثر پیدا ہو جائے جب سچا نہ ہو تو پھر اس کا اثر نہ ہوگا۔ یہ ان کا وہم فاسد ہے کیوں کہ اس بندے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اللہ تعالیٰ کے ہاں قریب تر بڑھکر اور کوئی نہیں اور اس سے تبلیغ و وعظ میں صادق تر بھی کوئی نہیں پھر قبولیت سے محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھ کر کوئی نہیں کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ اس نے بندوں پر رحم فرماکر ان رسل کرام (علیہم السلام) کو بھیجا جنہیں بندوں پر رحم کرنے والا بڑھ کر اور کوئی نہ ہوگا (اس کے باوجود وہ کافر نہ مانے) اور اس سے بڑھ کر کرمی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے وعظ کے سامعین کے لئے قبولیت کا دروازہ بھی عام کھلا رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے تبلیغ کے بارے میں ایک رسول صادق (علیہ السلام) نے کہہ دیا کہ انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً فلم یزدھم دعائی الافرار (میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی لیکن انہیں میری دعوت نے الٹا بھاگنے میں اضافہ کیا ہے) جب انبیاء علیہم السلام کی اتنا بہت بڑی جدوجہد کے باوجود تبلیغ و وعظ کو عام قبولیت نہ ہوئی تو نتیجہ نکلا

---

[1] اس میں رد ہے ان جاہلوں کا جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہوتا تو ابو طالب وغیرہ کو کیوں ہدایت نہ دی بھلا انہیں کون بتائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فریضہ ادا کیا تھا آگے خدائی کام آپ کیسے کرتے ۱۲۔

کہ سامعین میں ایک جملہ کا اثر بھی نہیں ہوسکتا جب تک ازلی استعداد میں نہ ہو اور جن سامعین نے قبول کیا تو وہ بھی مبلغ داعی (رسول علیہ السلام) کی دعوت کا اثر نہ تھا بلکہ وہ قوۃ استعداد تھی جو اپنے محل قبول کی وجہ سے قبول کیا وہی استعداد جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کے مزاج میں پیدا فرمائی جس نے قبولیت کا تقاضا کیا۔ ایسے لوگوں کا ایک مزاج خاص ہوتا ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کی مخلوق میں ایسے لوگ کون ہیں اسی لئے فرمایا وھو اعلم بالمھتدین) وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گفت عالم بگوش جان گو
ور نماند بگفتش کردار
باطلست آنکہ مدعی گوید
خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
مرد باید کہ گیر داند رگوش
ور نوشتہ است پند بر دیوار

ترجمہ ۱ : عالم نے فرمایا کہ دل کے کان سے سنو اگرچہ کہنے کے مطابق کہنے والے کی گفتار نہ ہو۔
۲ : وہ باطل ہے جو مدعی کہتا ہے کہ سونے والا سونے والے کو کیسے بیدار کرسکتا ہے۔
۳ : مرد پر لازم ہے کہ وہ نصیحت کو کان میں جگہ دے اگرچہ وہ دیوار پر لکھی ہو۔

تفسیر عالمانہ ⑧ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ تو جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرو جب تم پر واضح ہوگیا وہ جو اوپر مذکور ہوا تو تم اسی پر مداومت کرو جس پر ہو جس طرف وہ تمہیں بلاتے ہیں ان کی اطاعت نہ کرو تم ان سے دور رہو وہ تمہارے سے خود بخود دور رہیں گے اس طرح سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ اپنی قوم (قریش) سے مضبوط ہوا۔ قلت عدد (صحابہ) کرام رضی اللہ عنہما اور کثرت کفار کے باوجود آپ کا قلب اطہر مضبوط رہا۔

فائدہ : یہ سورۃ نزول کے لحاظ سے اسلام کے اوائل دور کی ہے۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ عاصی کی اطاعت گناہ اور طاغی (سرکش) کی اقتداء طغیان (سرکشی) میں حصہ لینا ہے۔

⑨ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ آرزو کرتے ہیں کہ کاش آپ نرمی کریں) لَوْ تمنائیہ ہے ۔ ادہان ۔ دراصل تدہین کی طرح اس کا اشتقاق الدہن سے ہے لیکن اب اس کا معنیٰ ملاینۃ (نرمی کرنا) وترک الجد جدوجہد کا ترک) تاج المصادر میں فرمایا کہ الادہان بمعنی ہدایت (نرمی) کرنا اس کی ترکیب نرمی و سہولت اور قلت پر دلالت کرتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ چاہتے ہیں کہ کاش آپ بعض امور میں نرمی اور چشم پوشی کریں اور ان کو دعوت دینا چھوڑ دیں ۔ فَيُدْهِنُوْنَ تو وہ بھی نرمی کریں گے یعنی طعن و تشنیع ترک کر دیں گے حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مکہ کے مشرکین کی بات نہ ماننا کہ وہ تمہیں آبا کے دین کی دعوت دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم ان سے نرمی کرو اور ان کے شرک پر انہیں سرزنش (ملامت) نہ کرو تو وہ بھی نرمی کریں گے اور تمہارے دین پر طعن و تشنیع نہیں کریں گے ۔

فائدہ : اس تقریر پر فار کا عطف تدھن پر ہوگا اور یدھنون بھی لو کے ماتحت ہوگا اسی لئے یدھنون کا نون گرا نہیں ورنہ تمنی کے جواب کی وجہ سے منصوب ہوتا (نون گر جاتا) اور فعل میں مستقبل کا معنیٰ ہے یا فار سببیہ ہے اور تدھن سے مسبب ہے اور یہ بھی ہے کہ فعل بمعنی حال ہو ۔ اب مطلب یہ ہو کہ وہ تمہاری نرمی کی خواہش کر کے ابھی نرمی کر رہے ہیں اسی طمع پر ہیں کہ تم ان سے نرمی کرو اس تقریر پر لبسبب تمنی سے ہوگا اور مبتدا بھی مقدر ہوگا ورنہ فعل منصوب ہوگا ۔ کیا کہ تسبب از مافی حیز التمنی کا تقاضا اس طرح ہے بعض نے کہا ان کا جیسے ظاہر میں تمہارے ساتھ توافق (موافقت) ہے ویسے باطن میں بھی اسی طرح ہیں کیوں کہ ظاہر کی موافقت کے اثرات باطن کے توافق سے ہوتے ہیں ایسے ہی منافقت کا حال ہے ورنہ منافقت سریع الزوال ہوتی اور تصنع جلد تر ختم ہونے والا ہوتا لیکن چونکہ کفار رذائل میں سخت منہمک اور تلون میں گہرے اثر رکھتے ہیں بوجہ گونا گوں خواہشات نفسانیہ اور متفرق (مختلف آرزوں کے تصنع کر کے اپنی اس رذیل عادت کو دوسرے رذیل عادتوں سے ملا کر آپ سے نرمی اور اسی طرح کے تصنع کی آرزو رکھتے ہیں جیسے وہ خود کر رہے ہیں ۔

صلح کلیوں کو ملامت ہمارے دور میں بد مذاہب (وہابی ۔ مرزائی ۔ شیعہ ۔ دیوبندی فرقوں سے نرم پالیسی پر زور دیا جاتا ہے ۔ ہمارے نزدیک ایسی پالیسی سخت غلط اور پرلے درجے کی غلیظ عادت ہے یہی صاحب روح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں فرمایا) المداہنۃ بیع الدین بالدنیا ہی من السیآت (ص ۱۱۰ ج ۱۰ ـ) یعنی بد مذاہب سے نرمی برتنا دین کو دنیا کے عوض بیچنا ہے اور یہ سیآت میں سے ہے ۔

ہم مسلک اہل سنت سے نرمی کی فضیلت اور مدارۃ (ہم مسلک لوگوں (اہل ایمان سے

نرمی کرنا دنیا کے عوض دین حاصل کرنا ہے اور یہ حسنات میں سے ہے۔

مسئلہ: جس کے ساتھ نرمی نہیں کرنی اس کے ساتھ مداراۃ جائز ہے اور یہ مداہنت کے منافی نہیں کیوں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مداراۃ کے لئے اسی طرح مامور ہوں جس طرح تبلیغ کے لئے (اس سے صلحکلیوں کو کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ مدارات و مدہنت میں فرق ہے چنانچہ فرمایا) حضرت امام غزالی قدس سرہ نے الاحیاء میں فرمایا کہ مداراۃ و مداہنۃ میں فرق ہے وہ یہ کہ مداہنۃ کی غرض کا باعث اغضا سے ہو وہ یہ کہ اگر اپنے دین اور مسلک کی سلامتی یا اغضاء سے اپنے کسی برادر دینی کی اصلاح مطلوب ہے تو یہ مداہنۃ مدارات کے معنیٰ میں ہے[1]

صلحکلیوں کی پالیسی کی تردید فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اگر تم نرمی اختیار کرتے ہو محض حظ نفس اور اپنی خواہشات کی تکمیل اور اپنے جاہ و جلال کو برقرار رکھنے کے لئے تو پھر تم مداہن[2] (وہ نرمی جو شرعاً مذموم ہے) ہو۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگوں کے سامنے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں لیکن ہمارے ضمیر انہیں لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں۔ (یہ بھی صلحکلیوں کو مفید نہیں کیوں کہ یہ ظالم اور شرپسند لوگوں کے لئے ہے چنانچہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر خود فرمائی یہ مدارات ہے لیکن ان کے

---

[1] یہ اس وقت ہے جب صلحکلی کا مقصد ہی ہو لیکن یہاں ہمارے ملک پاکستان وغیرہ اپنے مسلک کی سلامتی کا کیا معنیٰ جب کہ ہم کسی کے ماتحت نہیں اور کثرت بھی اہل سنت کی ہے نیز برادر دینی سے بھی صلحکلیت نہیں کی جا رہی بلکہ کھلے بندوں دشمنان محبوبان خدا سے کی جا رہی ہے جن کے متعلق عوام اہل اسلام بخوبی جانتے ہیں کہ گمراہ فرقوں کے سربراہ یا گمراہ فرقوں کے متوالے کب ہمارے برادر دینی ہیں وہ تو ہمارے اسی طرح دشمن ہیں جیسے ایک دشمن دین کو ہونا چاہیے آزماکر دیکھنے ہاں نوآموز یا نہم وفکر میں ناپختہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ ان گمراہ فرقوں کے پنجوں میں گرفتار نہ ہوں اگر گرفتار ہیں تو بچ جائیں۔ لیکن اس کی پالیسی اس طرح نہیں ہونی چاہیے جس طرح صلحکلی قسم کے لوگوں نے اختیار کی ہے اس کی مذمت متن میں ملاحظہ ہو۔

[2] خدا تعالیٰ بدظنی سے بچائے فقیر نے دور حاضرہ میں نرم پالیسی والوں کو دیکھا اور انہیں خوب آزمایا کہ ان کی بدمذاہب کے لئے نرم پالیسی مذکورہ بالا امراض سے خالی نہیں الا قلیلٌ منہم وھم غیر معلومین۔

ساتھ جن کی شرارت سے خطرہ ہو۔ (اور سنت سے ان سے نفرت کا مراد ہے نہ کہ معروف معنیٰ وہ تو کفار کے لئے ہے اور بعض صحابہ کو دور ظالمانہ یزید و حجاج سے گزرنا پڑا انہیں یہ صورت پیش آئی تو مذکورہ بالا ارشاد فرمایا)

تفسیر عالمانہ ⑩ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ اور اس کی بات نہ سننا جو بہت قسمیں کھانے والا ہے (حلاّف) بہت زیادہ قسمیں کھانے والا حق ہو یا باطل بوجہ حرمتہ یمین کی جہالت اور برے عقیدہ کی بنار پر اسے غیر معمولی سمجھنے کی وجہ سے۔

نکتہ: دوسری صفات بھی طاعت کی کمی پر زاجرہ ہیں لیکن حلاّف کی تقدیم میں نکتہ یہ ہے کہ طاعت کی زجر میں اسی کو زیادہ دخل ہے۔

فائدہ: الکشاف میں ہے کہ جو قسم کھانے کی عادت رکھتا ہے اس کی زجر کے لئے یہی آیت کافی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا " لا تجعلوا اللہ عُرضۃ لایمانکم" اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔

مسئلہ: اس زجر میں غیر اللہ کی قسم بھی داخل ہے کیوں کہ وہ کبیرہ گناہوں میں ہے۔

فائدہ: حلف دراصل وہ قسم ہے جو کسی عہد پہ ایک دوسرے سے حلف لینے کو کہتے ہیں لیکن اب عام ہے ہر قسم کی قسم کو حلف کہا جاتا ہے۔ مَّهِينٍ (ذلیل) حقیر رائے وتدبیر والا کیوں کہ وہ عظمت الٰہی کو نہیں جانتا اسی لئے وہ ہر کلام میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا لیتا ہے یہ مہانتہ سے ہے بمعنی قلتہ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے کذاب مراد ہو کیوں کہ وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہے۔

⑪ **هَمَّازٍ** بہت طعنہ دینے والا پس پشت لوگوں کے عیوب بیان کرنے والا یا منہ پر طعنہ دینے والا، حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا وہ جو پس پشت لوگوں کے عیوب کھل کر بیان کرے۔

ردِ گستاخ اس میں اس بد بخت کی طرف اشارہ ہے جو اہل حق کی ریاضات و مجاہدات اور ان کی عزلت اور گوشہ نشینی پر طعن و تشنیع کرتا ہے[1]

---

[1] : جیسے وہابیہ غیر مقلدین اور نجدیوں کا مذہب ہے کہ محبوبان خدا کے جملہ معمولات چلہ کشی وشب بیداری و دیگر ریاضات و مجاہدات پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔
تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب " خیر القسمۃ فی ان التکثر فی العبادۃ لیس ببدعۃ۔

حدیث شریف ۱: میں ہے کہ مومن نہ طعان (طعن تشنیع کہنے والا) ہے نہ لعان (لعنت کرنے والا) ہے۔

حدیث شریف ۲: میں ہے مبارک اسے جسے اپنے عیوب نے دوسروں کے عیوب کی تلاش سے مشغول رکھا ہے۔

فائدہ: یعنی جو اپنے عیوب پر نگاہ رکھتا ہے تو وہ دوسروں کے عیوب دیکھنے میں کب فرصت پائے گا یا ان کے عیوب بیان کر سکے گا۔

فائدہ: اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لوگوں کو معصیت سے منع بھی نہ کرے کیوں کہ وہ تو نص قطعی سے ثابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نہی عن المنکر کر ولیکن دوسرے کو برائی سے روکتے وقت عجب اور دوسرے کو حقیر سمجھنا نہ ہو یہ خیال نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گرا ہوا ہوگا کیوں کہ امور کے بواطن وہی (اللہ تعالیٰ) خوب جانتا ہے۔

حل لغات: ہماز ہامز کا مبالغہ ہے الہمز بمعنی الطعن۱ والضرب۲ والکسر۳ والعیب۴ اسی سے الہمز والہماز (بالکسر) وہ چابک جو جانور پر مارا جاتا ہے۔

حکایت: ایک اعرابی سے کہا گیا اتہمز (لغارۃ) کیا تو چوہے کو مارتا ہے کہا السور یہمزہا (بلی ہی اسے دلبوچ لے گی) استعارہ کے طور ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے عیوب مکروہ طریقے سے بیان کرتا اور ان کی عزت پر دھبہ لگاتا ہے گویا وہ انہیں اذیت سے مارتا ہے ـــ

مَشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ (بہت اِدھر کی اُدھر کی مار کر پھرنے والا) اسی کو مُضرب کہا جاتا ہے۔

حل لغات: کہا جاتا ہے جو ایک کی بات سن کر دوسرے کو بتائے اس سے اس کا ان کے درمیان شروفساد پھیلانے کا پروگرام ہو وہی مُضرب (مشاء بنمیم) ہے اس لئے کہ نمیم ونمیمہ وہ کوشش اور بات کا اظہار جس سے جھگڑا اور فساد برپا ہو یہ کبیرہ گناہوں سے ہے

مسئلہ: کسی کی بات نصیحت کے طور نقل کرنا یہ واجب ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی نے خیر خواہی کے طور کہا یا موسیٰ ان الملا یاتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین اے موسیٰ (علیہ السلام) بہت بڑے معزز (فرعونی) تیرے متعلق تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تم یہاں سے نکل جاؤ بے شک میں تیرا خیر خواہ ہوں۔

مسئلہ: التعریفات میں ہے کہ نمام وہ ہے جو لوگوں کو ایسی بات کہے جو ان کے درمیان جھگڑا برپا ہو اور ان کو دوسرے کی باتوں اس طرح انکشاف کرے جو ناگوار ہو منقول عنہ کو یا منقول لہ

کو یا کسی تیسرے کو وہ انکشاف صراحۃً ہو یا اشارۃً یا کسی اور طریق سے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ نمام (چغلخور) بہشت میں داخل نہ ہوگا۔

فائدہ: نمام وہ جو فساد اور شر پھیلانے کے لئے ادھر کی ادھر کی مارے السعایہ بمعنی غمز (اشارے کرنا)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مشا بنمیم وہ شخص ہے جو اہل حق کی باتیں جاہلوں کے سامنے سنائے جسے وہ سنکر مذاق اڑائیں اور ان کے کلام کو جہالت وسفسعہ (حماقت سے تعبیر کریں) [1]

تفسیر عالمانہ مَنَّاعٍ لِلْخَیْرِ (۲۲) (بھلائی سے بڑا روکنے والا) مانع کا مبالغہ ہے بمعنی بخیل۔ الخیر بمعنی مال یعنی وہ شخص جو لوگوں کو خیر یعنی ایمان وطاعت و الیقان سے روکے اور ارباب سلوک یعنی مریدین کو مرشدین سے روکے (جیسے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا شیوہ ہے) یہاں ممنوع منہ کا ذکر ممنوع کا ذکر نہیں (بوجہ اس کی شہرت کے)

ولید بن مغیرہ ولید کے دس لڑکے تھے وہ انہیں اور اپنے رشتہ داروں تابعداروں کو کہتا تھا کہ (حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین سے کوئی فائدہ نہیں اور یہ ولید بہت بڑا دولتمند تھا اس کا نوہزار مثقال سونا تھا (ایک مثقال سوا چار ماشہ کا ہوتا ہے) اور طائف (علاقہ) میں اس کا ایک بہترین باغ تھا۔

مُعْتَدٍ (حد سے بڑھنے والا) ظلم میں تجاوز کرنے والا یعنی حق و حد سے آگے بڑھنے والا لوگوں پر ظلم کرے اور اسے تمام مذموم اخلاق پر محمول کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ان سب میں تجاوز عن الحد ہے۔

صوفیانہ معنیٰ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نفس پر ظلم پر حد سے بڑھنے والا کہ اسے شہوات میں غوطے دیتا ہے منہیات کی ظلمت میں منہمک ہونے والا۔

اَثِیْمٍ: گنہگا بہت گناہ کرنے والا یہ افعال مبطلہ از ثواب پر مستعمل ہوتا ہے۔

---

[1] اس سے وہ جاہل واعظ اور صوفی عبرت حاصل کرے جو وحدۃ الوجود جیسے مقدس مسئلہ کو برسر منبر اور عوام کے سامنے بیان کرتا ہے جس سے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کو طعن و تشنیع کا موقعہ مل جاتا ہے بلکہ وہ انہی عبارات کو اچھالتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں تو دیکھو یہ ہیں بریلویوں (اہلسنت کے عقیدے) وحدۃ الوجود پر مبنی ہوں۔
تفصیل فقیر کی کتاب وحدۃ الوجود میں ملاحظہ ہو۔

فائدہ : حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بہت گنہگار زیاں کار۔ تاویلات نجمیہ میں ہے اخلاق ردیہ کی طرف جھکنے کی وجہ سے اور صفات مردودہ میں رغبت کی طرف مائل ہو کہ زیادہ گنہگار۔

(۱۲) عُتُلٍّ (درشت خو) خشک مزاج سخت طبعیت۔

حل لغات عتلہ سے ہے اسے سختی وغفلت سے کھینچا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ العتل بمعنی الشیٔ کے تمام پکڑ کر اپنی طرف زور سے کھینچا جیسے عتل البعیر اونٹ کو زور سے کھینچ کر اپنی طرف لانا یعنی سختی سے کھینچنا۔

فائدہ : جناب کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عتل بمعنی سخت رو ، ورشت خو یعنی وہ جو معاملہ میں ایسا سخت اور غلیظ قلب وطبع ہو کہ وہ نہ روحانی صفات کو قبول کرے اور نہ ہی حق کے لئے نرمی کرے بلکہ ہر معصیت پر جری ہو۔ (جرائتمند) ہو القاموس میں ہے کہ العتل (لضمتین) مشدّدۃ اللام بسیار خور خشک مزاج۔ سخت دل۔ بَعْدَ ذٰلِكَ اس گنتی کے بعد یعنی مذکورہ قبائح کے بعد زَنِيْمٍ وہ الدالزنا ہے اس کی اصل میں خطا ہے۔

حل لغات وہ اپنی قوم میں بطور دعویٰ چمٹا ہوا اور صرف ان کی نسب میں ملحق ہے حالانکہ درحقیقت ان میں سے نہیں یعنی زنیم وہ ہے جسے کوئی اس کی پرورش کر کے اپنا بیٹا بنائے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کی نسب کا (بیٹا) نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما جعل ادعیاءکم ابناءکم اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ (ذلکم قولکم بافواھکم) یہ تمہاری اپنی منہ کی باتیں ہیں امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا زنیم۔ مریم وہ جو قوم میں زائد ہو انہیں سے نہ ہو یعنی نسب میں ان کا نہ ہو ان کو ملحق ہوا ہو حقیقی طور ان سے نہ ہو۔ تشبیہ ہے کان کٹی دو بکریوں سے تشبیہ ہے۔

الکشاف میں ہے کہ یہ الزنمہ سے ہے بمعنی الہنۃ (کان کٹنا) کیوں کہ وہ غیر اہل کے ساتھ ایک زائد معلق ہے القاموس میں ہے الزنمۃ محرکہ (حرکتوں سے) وہ شئے جو اونٹ کے کان سے کاٹ کر اسے لٹکا ہوا چھوڑ دیا جائے یہ ان کے اچھوں سے کیا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ درحقیقت یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول سے لیا گیا ہے جو آپ نے فرمایا زنیم وہ جو غیر معروف ہو یہاں تک اسے زنیم کہہ کر معروف کیا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ اس کے لئے اس کے حلق میں زنمہ (لٹکا ہوا گوشت) ہے بعض نے کہا کہ وہ شر سے معروف ہوتا ہے جیسے بکری زنمہ سے پہچانی جاتی ہے۔

فائدہ : عتبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ایسی وصف اور اس کے عیوب بیان فرمائے ہیں جیسے ولید بن مغیرہ کے عیوب گنائے ہیں اور ایسی عار میں مبتلا فرمایا کہ جس سے وہ ہمیشہ تک سبکدوش نہیں ہو سکا۔

فائدہ : بعد ذلک میں دلالت ہے کہ اس کا اپنا دعویٰ بہت زیادہ عیب اور سخت ترین قبیح ہے کیونکہ ولید خود کو قریشی ہونے کا مدعی تھا۔ حالانکہ قریشی نہ تھا اور نہ ہی ان کی اصل سے تھا کیوں کہ اس کے باپ مغیرہ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد دعویٰ کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے یعنی ولید اٹھارہ سال کا ہو گیا تھا تو اب مغیرہ نے کہا کہ میں اس کا باپ ہوں یہ کہہ کر اسے اپنے گھر لے آیا۔

فائدہ : بعد ذلک لفظ ثم کی نظیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ثم کان من الذین اٰمنوا جس طرح یہ ثُمَّ تراخی رتبی کے لئے یہ بعد ذلک بھی رتبی ہے۔

حدیث شریف ۱ میں ہے بہشت میں جواظ اور جعظری اور عتل زنیم داخل نہ ہو گا۔

حل لغات : جواز از جوظ ہے بمعنی مال جمع کر کے روک کر رکھنے والا ۔ الجعظری بمعنی خشک مزاج سخت طبیعت (سنگدل) عتل بسیار خور (بہت کھانے پینے والا غشوم)

حدیث شریف ۲ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت کی خبر نہ دوں فرمایا وہ ہر ضعیف کمزور کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی قسم پوری فرما دے اور فرمایا۔ الا اخبرکم الخ کیا تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں فرمایا ہر سرکش اور خشک مزاج متکبر (دوزخی ہے)

شان نزول بعض نے کہا کہ ولید کی ماں نے زنا کیا تو کسی کو معلوم نہ تھا یہاں تک کہ یہی آیت نازل ہوئی۔ اب زنیم کا معنیٰ ولدالزنا ہے یعنی حرامزادہ کہ جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ ایک شاعر نے فرمایا ؎

زنیم لیس یعرف من ابوہ

بغی الام ذو حسب لئیم

ترجمہ: زنیم وہ ہے جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ اس کی ماں زانیہ اور اس کا حسب لئیم ہے۔ (یقین کیجئے کہ ہر گستاخ نبوت ولدالزنا ورنہ ولدالحرام ضرور ہوتا ہے ۱؎) اسی کے متعلق کہا گیا ہے ؎

جرم و گناہ مدعی از فعل مادر است

کورا خطائے مادر او خاکسار کرد

۱؎ اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ "گستاخ ولدالحرام ہے" میں دیکھئے ؛ اویسی غفرلہ ،

ترجمہ : مدعی کا جرم و گناہ ماں کے فعل سے ہے ماں کی خطا رنے ہی اسے عاجز و ذلیل کیا۔

قاعدہ : نطفہ خبیث ہو تو جو اولاد اس سے پیدا ہو گی وہ بھی خبیث ہو گی (یہ قاعدہ اکثریہ ہے)

حدیث شریف ۱ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ زانی بہشت میں جائے گا نہ اس کی زنا کی اولاد اور نہ زنا کی اولاد کی اولاد (کشاف)

حدیث شریف ۲ : نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری اُمت ہمیشہ خیر و بھلائی رہے گی جب تک ان میں اولاد الزنا نہ پھیلے گی جب زنا کی اولاد اور نشہ والوں کی کثرت ہو گی تو ان پر عذاب الٰہی عام ہو جائے گی۔

حدیث شریف ۳ : اولاد زنا ر تین شرارتیوں میں شریر تر ہے ۔

ازالہ وہم حضرت ہادی رحمہ اللہ نے شرح المنار میں فرمایا کہ یہ کسی خاص اولاد زنا کے لئے ہے ورنہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بہت سے ولد الزنا دین و دنیا میں ہدایت والی اولاد سے بہتر ہوتی ہے بلکہ عزت و احترام کے شرعی امور میں دیکھا گیا ہے کہ وہی بہ نسبت دوسروں کے وہی زیادہ مستحق ہوتے ہیں مثلاً قبول شہادت و عبادت وصحت قضاء و امامت، وغیرہ. میں (جب صحیح نکاح کی اولاد فاسق و فاجر اور ولد الزنا باصلاح ہو تو ولد الزنا کو ترجیح دی جاتی ہے اسی لئے حدیث عموم پر نہیں ۔

فضیلت نبوی وعلم غیب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نکاح میں پیدا ہوا ہوں نہ کہ سفاح (زنا) سے ۔

مسئلہ : ایسے ہی جملہ انبیاء علیہم السلام اور جمیع اولیائے کرام قدس اللہ اسرارہم ۔

فائدہ : زنا کفر سے من وجہ قبیح تر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ حی (مومن) کو میت (کافر) سے پیدا کرتا ہے بخلاف رشید (رشد والے) کے زانی سے (یعنی زانی کے نطفۂ زنا سے ولی پیدا نہیں ہو گا، کیونکہ ولد الزنا ولایت حقیقیہ کی صلاحیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ ولایت صوریہ کی صلاحیت رکھتا ہے ۔

شان نزول : یہ آیت اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی اس کا نام ابی تھا۔ قریش قبیلہ میں ثقفی مصطلقی تھا اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے زنیم کہا اس کی نسب کی مذمت سے نہیں بلکہ اسے اس معنی سے متعارف کرانے کے لئے ہے (ذکرہ السہیلی)

فائدہ : ابن عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ لفظ اپنے عموم پر ہے کیوں کہ جو اس صفت سے موصوف ہو گا وہ زنیم ہے اور یہ خطاب ہمیشہ تا قیامت باقی رہے گا بالخصوص والیان امور (حکومت کے امور میں

دخل دینے والوں کے لئے (اکثر طور)

فائدہ : فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ ترتیب واصف کے تنزل میں ہے نہ یہ کہ موصوف کو یہ صفات اسی ترتیب سے حاصل ہوئے ورنہ عتل مناع للخیر سے پہلے ہونا چاہیے۔

فائدہ : برہان القرآن میں ہے کہ حلاف سے زنیم نو اوصاف ہیں ان میں حرف عطف نہیں اور نہ ہی ساتویں صفت کے بعد واؤ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ جس نے آٹھ صفات کے درمیان واو لانے کو ضعیف کہا ہے وہ صحیح ہے۔ (۱۴)

تفسیر عالمانہ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ یہ کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے یہ لاتطع کے متعلق ہے یہاں حرف جارہ محذوف ہے یعنی دراصل لاتطع من هذه مثالبه یعنی جس میں بری صفات ہوں اس کی بات نہ سنو اس لئے کہ وہ بہت سے مال کا مالک اور بہت بڑی اولاد سے قوت یافتہ ہے۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی کہانیاں ہیں) جملہ مستانفہ منہی کے تعلیل کے قائمقام ہے یعنی جب تم اس کے سامنے ہمارے کلام قدیم کے آیات پڑھتے ہو تو کہتا ہے کہ ایسی باتیں ہیں جنہیں کسی قسم کا نظم و نسق نہیں انہوں نے اپنے گمان کے مطابق کچھ باتیں لکھ لی ہیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ان کی بکواس کا ذکر فرمایا ہے کہ اکتتبها فهی تملیٰ علیہ یہ وہ باتیں جسے اس نے لکھ لیا تو پھر اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں یعنی یہ گذشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔

فائدہ : سُدی نے رساجیع الاولین لکھا معنی پہلے لوگوں کی مسجع باتیں یعنی ہم نے اس بدبخت کو نعمتوں سے نوازا مال و دولت بکثرت بخشا اس نے بجائے شکر کرنے کے ہماری آیات کے ساتھ کفر کر ڈالا۔

فائدہ امام مبرد نے کہا کہ اساطیر اسطورہ کی جمع جیسے احدوثہ کی احادیث اس کی تحقیق پہلے گزری ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے قسم کھانے والے ذلیل اور فی نفسہ حقیر کی بات نہ سنو بسبب اس کے ان اعمال کی ثروت کے جو ریاء و سمعۃ (شہرت) اور ان بنین احوال جو عجب و اعجاب کی طرف منسوب ہیں کہ جب اس پر پڑھے جاتے ہیں ہمارے دقائق و حقائق تو کہتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں (ملفوظات) ہیں جنہیں صوفیہ متقدمین نے لکھی ہیں یہ ان کی بکواسات و اخرافات ہیں۔

تفسیر عالمانہ (١٦) سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ہم داغ دیں گے ان کی تھوتنی کو۔

حل لغات: یہ دراصل سَنَوسِمُہٗ تھا از وسمٌ بمعنی وسم (علامت) ظاہر کرنا یعنی داغ دینا المیسم بمعنی المکواۃ یعنی داغنے کا آلہ۔ الخرطوم بروزن زنبور ناک یا اس کا اگلا حصہ یا وہ جیسے حنکین مل ہوتی ہیں جیسے خرطم بروزن قنفد (القاموس) اب معنی یہ ہوا کہ ہم اسے داغ کے نشان آل کی عزت والی جگہ پر بنائیں گے تاکہ اس کی نہایت درجہ کی ذلت و اہانت ہو کیوں کہ ناک ہی انسان کے چہرے میں عزت والی جگہ ہے کیونکہ چہرے میں بھی آگے ہے اسی لئے اسے عزت وحمیت والی جگہ پر بولتے ہیں اسی سے الفتہ مشتق کرتے ہیں اور رغم انفہ اور کہتے ہیں الانف بالانف وحمی انفہ (اس نے ناک بچا لی) "فلاں شامخ العرنین" فلاں اونچی ناک والا ہے اور ذلیل آدمی کے لئے کہتے ہیں (جدع انفہ) اس کی ناک کٹ گئی (ورغم انفہ) اس کی ناک آلود ہوئی۔

حکایت: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کے چہروں کو داغا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اکرموا الوجوہ" چہروں کی عزت کرو اگر داغ دینا ہے تو چوتڑوں کو داغو۔

نکتہ: یہاں ناک کو خرطوم سے تعبیر کرنا اس کی اہانت و تحقیر مطلوب ہے اس لئے کہ خرطوم ہاتھی اور خنزیر کے لئے بولی جاتی ہے جب جانوروں میں زیادہ خباثت اور سخت تر قباحت ہو تو پھر اس کی اہانت و تحقیر بھی سخت کر دی جاتی ہے۔

حکایت بعض نے کہا کہ ولید کو غزوۂ بدر میں ناک پر زخم آیا تھا تو اس کے زخم کا نشان اسے مرتے دم رہا۔

فائدہ: صاحب کشاف نے کہا کہ یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ ولید غزوۂ بدر سے پہلے مرگیا تھا تو پھر اس کے لئے کسی داغ کی نشان دہی کرنا کہ اسے مرتے دم تک رہی (دعوی بلا دلیل ہے)

فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم اس سے عار مراد لیتے ہیں کہ وہ انمٹ ہے یہی صاحب کشاف نے کہا کہ اس سے مراد وہ ذلت ہے جو دائماً اسے نصیب ہوئی اور چہرہ سے چونکہ عزت والی جگہ ہے اور پھر ناک اسمیں تمام اعضاء سے زیادہ ظاہر ہے اسی لئے اس پہ داغ دینا زیادہ ذلیل وخوار کرنا ہے کیوں کہ چہرے کا داغ اور دھبہ ایک عیب ہے تو پھر جو عضو اس میں زیادہ ظاہر ہو اس پہ دھبہ اور داغ تو اور زیادہ عیب ہونا چاہیے ایسے ہی عتبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ولید کے یہ اوصاف قسم مہانتہ ہمز (طعن) چغلخوری کے لئے آنا جانا۔ بخل۔ ظلم۔ اثم (گناہ) جفوہ۔

(خشک مزاجی) سے موصوف کرکے اسے ایسی عار لاحق کی جو دنیا و آخرت میں اس سے جدا نہ ہو اور فرمایا اس کی دلیل وہ ہے جو شعبی سے مروی ہے جو انہوں نے عتل کی تفسیر میں بتایا چنانچہ فرمایا کہ العتل بمعنی الشدید اور زنیم وہ جس میں شر کی علامت ہو جس سے وہ معروف ہو جیسے بکری کان کٹنے کی علامت سے معروف ہوتی ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ ہم اسے قیامت میں ایک ایسی علامت سے ظاہر کردیں گے جیسے بکری علامت سے معروف ہوتی ہے۔ جسے تمام کفار پہچانیں گے بایںطور کہ اس کا چہرہ نہایت درجہ کا سیاہ ہوگا یہ عداوت کی نحوست سے ہوگی۔ جو اس نے سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے حد درجہ کی عداوت کی[1] اس تقریر پہ خرطوم سے مراد تمام چہرہ ہے کہ جزء بول کر کل مراد لی گئی ہے۔

تفسیر عالمانہ (۱۷) اِنَّا بَلَوْنٰھُمْ بے شک ہم نے انہیں جانچا۔

حل لغات: کہا جاتا ہے بَلِیَ الثوب بمعنی خلق یعنی کپڑا پرانا ہو گیا بلوتہ میں نے اسے آزمایا گویا اسے پرانا کیا اسے بار بار آزمانے سے البلایا (آزمائشیں) اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے قحط و بھوک سے سات سال مبتلا رکھا یہاں تک کہ انہوں نے مردار اور ہڈیاں اور چمڑے کھائے اور خون پیا ان کی سرکشی اور تکبر اور ان کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ناشکری کی وجہ سے کَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ جیسے باغ والوں کو جانچا تھا یعنی ان کا جانچنا باغ والوں کی طرح تھا اور باغ اہل مکہ کے ہاں معروف تھا لام عہد کی ہے اور کاف نصب کی جگہ پر ہے کیوں کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور ما مصدریہ ہے۔ الجنہ بمعنی باغ۔ اصحاب الجنۃ سے اہل صنعاء کی ایک برادری کشف الاسرار میں ہے کہ وہ تین بھائی تھے یہ باغ ان کے باپ کا تھا صنعاء سے دو فرسخ کی مسافت پر اور سہیلی نے فرمایا کہ اس باغ کا نام ضردان تھا۔ یہ باغ صنعاء یمن سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر سرراہ تھا اس کا مالک ایک مرد صالح

---

[1] لطیفہ: ایک نوجوان جو بچپن میں تا جوانی چٹا گورا شکیل و جمیل تھا نحوست کا مارا کسی دیوبندی وہابی کی صحبت کی نحوست سے بے ادب و گستاخ بن گیا فقیر کو ملا تو فقیر نے اس کی بگڑی صورت کو دیکھ کر کہا کہ ارے بدبخت بچپن تا جوانی تیرا چہرہ کیسا من بھاتا تھا صورت و شکل بگڑ گئی تو کیوں کہا بیمار ہو گیا تھا تو میں نے کہا نہیں یہ اس صحبت وہابیت کی نحوست ہے سنکر کھسیانا سا ہو گیا لیکن تائب نہ ہوا۔

تھا جو باغ کے میوے کثرت سے فقراء کو دیتا تھا جب باغ میں جاتا فقراء کو بلا لیتا تمام گرے پڑے میوے فقراء لے لیتے اور باغ میں بستر بچھا دیئے جاتے جب میوے توڑے جاتے تو جتنے میوے بستروں پر گرتے وہ بھی فقراء کو دیدیئے جاتے اور جو خالص اپنا حصہ ہوتا اس سے بھی دسواں حصہ فقراء کو دے دیتا اسی طرح کھیتی کاٹتے وقت بھی اس نے فقراء کے حقوق بہت زیادہ مقرر کئے تھے اس کے بعد اس کے تین بیٹے وارث ہوئے انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ مال قلیل ہے کنبہ بہت ہے۔ اگر والد کی طرح ہم بھی خیرات جاری رکھیں تو تنگدست ہو جائیں گے آپس میں مل کر قسمیں کھائیں کہ صبح تڑکے لوگوں کے اٹھنے سے پہلے باغ چل کر میوے توڑ لیں۔ یہی فتح الرحمٰن میں ہے اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے تھوڑے سے عرصہ کے بعد ہوا اور یہ باغ والے بخیل تھے۔ ایسے ہی کاشفی رحمہ اللہ نے بھی لکھا یہ کاروائی باپ کے مرنے کے بعد قسم کھا کر کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذْ اَقْسَمُوْا جب انہوں نے قسم کھائی اِذْ بَلَوْنَا کی طرف ہے اقسام بمعنی قسم کھانا ان سے باغ کے ورثہ مراد ہیں جو فقراء سے پوشیدہ ہونا چاہتے تھے۔ لَيَصْرِمُنَّهَا البتہ وہ کاٹیں گے۔

حل لغات الصرام والصرم بمعنی کھجور کا پھل کاٹنا از صرم (اسے کاٹنا) یعنی کھجور اور انگور کے پھل کاٹیں گے اور اناج کھیتی وغیرہ کا جمع کریں گے۔ مُصْبِحِيْنَ تڑکے اٹھ کر (لیصرمنہا) سے حال ہے یعنی اندھیرے میں چل کر انہیں کاٹ لیں گے لیصرمنہا قسم کا جواب ہے یا ان کی گفتگو کے خلاف لایا گیا ہے ورنہ کہا جاتا لیصرمنہا بصیغہ جمع متکلم (۱۸) وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ اور استثناء نہ کرتے یعنی انشاء اللہ نہ کہتے۔

سوال : انشاء اللہ کو استثناء کیوں کہا حالانکہ اس میں تو حرف شرط ہے۔

جواب : چونکہ انشاء اللہ استثناء کے قائم مقام ہے مثلاً لاخرجن انشاء اللہ اور لا اخراج الا اخرج الا ان شاء اللہ کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال کے بعد حال ہے۔

نکتہ : قسم کے بعد ایسا فعل وارد کرنا جس کا فاعل مضمر ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کا یہ مقصد اہل مروت واصحاب فتوت کے نزدیک قابل ستائش نہیں بلکہ ملامت کے لائق ہے۔ ان کی اور دو اسباب کے ذکر میں ان کی قباحت کا اظہار ہے کہ وہ محروم القسمۃ لوگ تھے اگرچہ ان کی قباحت کے اظہار کے لئے ایک ہی سبب کافی تھا لیکن پہلے ان کی قسم کا ذکر پھر انشاء اللہ نہ کہنا اس سے حال بنانا ان کی محرومی کے تفانا کے لئے اصل اور قوت ہے ظاہر تر یہ ہے کہ ولا یستثنون سے مراد یہ ہے کہ وہ مساکین کا نکال کر علیحدہ نہیں رکھتے جیسے ان کا باپ کرتا تھا۔

فائدہ : ابوحیان نے کہا کہ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ کا معنیٰ ہے اس سے استثناء نہ کرتے تھے جو

ان کا عــــزم تھا کہ مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے تاج المصادر میں ہے کہ الاستثناء بمعنی انشاء اللہ کہنا اور استثناء کرنا اور یہ بات شے کو دوبار تکرار پر دلالت کرتا ہے یا ان کو دو چیزوں کو متوالی یا متباین کرنا اور استثناء باب کے قیاس سے ہے وہ اس طرح کہ الشی کا ذکر مجملا ایک بار ہوجاتا ہے تو دوبارہ تفصیلا اس کا ذکر آجاتا ہے مثلاً کسی نے کہا خرج الناس الناس میں زید وعمر وجملاً مذکور ہیں جب کہا الا زید تواب زید ظاہراً دوبارہ مذکور ہوا۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ استثناء کا ایراد اس عموم کو اڑاتا ہے جو اس سے پہلے جملہ میں عام تھا یا پہلے لفظ کے حکم کے ارتفاع کا مقتضی ہوتا ہے پہلے کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ فرمائیے میری طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں میں کوئی شے حرام نہیں پاتا۔ کھانیوالے پر جو اسے کھاتا ہے مگر مردار الخ (اسمیں استثناء سے پہلے ہر شے کے کھانے کا عموم تھا (الا ان یکون میتۃ) اس عموم کو خاص کر دیا گیا) دوسرے کی مثال عام طور پر کہا جاتا ہے "لافعلن کذا انشاء اللہ" میں ایسے ضرور کروں گا (انشاء اللہ) اس میں استثناء سے پہلے فعل کا تقاضا عموم کا تھا انشاء اللہ کہنے سے وہ عموم مرتفع ہوگیا) ایسے ہی عبدہ عتیق وامراتہ طالق انشاء اللہ اس کا غلام آزاد ہے اور اس کی عورت مطلقہ ہے انشاء اللہ ⑮ فَطَافَ عَلَيْهَا تو اس پر پھیرا کر گیا یعنی باغ کو گھیر گیا (طَائِفٌ) پھیرا کرنے والا بلا پھیرا کرنے والی یہ ایسے ہی جیسے دوسری جگہ یہ فرمایا واحیط بثمرہ (اور گھیر گیا اس کے ثمر کو) یہ رات کو ہوا کیوں کہ طائف رات کو ہی ہوتا ہے نیز اس کے بعد لفظ نوم بھی آسمانی آگ تھی جس نے ان کے باغ کو جلا دیا مِّن رَّبِّكَ (تیرے رب تعالیٰ سے) یعنی یہ آنے والی آگ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الطوف بمعنی کسی شے کے ارد گرد پھرنا اسی سے الطائف ہے جو بیت اللہ شریف کے گرد چکر لگاتا ہے اسی سے جن اور ادر خیال اور خادم ہے وغیرہ ان سب کو طائف کہا جاتا ہے۔

نکتہ: ان کے لئے طاف الخ فرمایا کہ مصیبت انہیں رات کو پہنچی یہ ان کے لئے تعریض ہے (وَهُمْ نَائِمُونَ) اور وہ سور ہے تھے) یعنی جو تقدیر ان پر جاری ہوئی اس سے وہ غافل تھی یا نیند جو موت کی مانند ہے میں رات والی مصیبت سے غافل تھے کیوں کہ وہ اس وقت سو رہے تھے۔

حل لغات النوم بمعنی وہ بخار جو دماغ کی طرف چڑھتا ہے اس کی رطوبات کی وجہ سے دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا پڑ جاتا یا یہ کہ نفس کو اللہ تعالیٰ موت کے

بغیر فوت کر دے وہ اس طرح روح کی روشنی ظاہر بدن سے منقطع ہو جائے نہ کہ باطن سے یا نیند ایک
قسم کی خفیف موت ہے اور حقیقی موت ثقیل ہے اور یہ تمام تعریفات (برائے نوم) صحیح ہیں۔
(۲۰) فَاَصْبَحَتْ تو ہو گیا وہ صبح کے وقت اس بلار کی وجہ سے کَالصَّرِيْمِ ٹوٹے ہوئے ثمر کی طرح

حل لغات صریم بر وزن فعیل بمعنی مفعول یعنی اس باغ کی طرح جس کے پھل کاٹ لئے جائیں کہ اس میں پھل کا نام و نشان تک باقی نہ رہے کیونکہ اسے آسمانی آگ نے
جلا دیا تھا بعض نے کہا کالصریم بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ باغ جل کر رات کی طرح ہو گیا آگ کے جلانے
کی وجہ سے (۲۱) فَتَنَادَوْا پھر انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا مُصْبِحِيْنَ صبح کے وقت یعنی
در انحالیکہ وہ صبح کے وقت میں داخل ہوئے (۲۲) اَنِ اغْدُوْا یعنی تڑکے چلو اَن مفسرہ ہے
یا در اصل بان اغدوا تھا اس معنی پر اَن مصدریہ ہے یعنی تڑکے اور دن کے پہلے حصے میں نکلو یعنی
صبح سویرے نکل چلو عَلٰى حَرْثِكُمْ اپنی کھیتی کی طرف یعنی باغ اور کھیتی وغیرہ کو۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس باغ میں انگور کے درخت اور کھیتی بھی تھی۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اکرث سے مطلق محصول مراد ہو (اناج۔ انگور، کھجور وغیرہ)
اور اس سے بالخصوص کھیتی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ انسان کی معاش میں سب سے زیادہ ضرورت
کی شے ہے اور اغدوا کا علیٰ سے متعدی ہونا اقبال ہے اور استیلاء کے معنیٰ کو متضمن ہے
بعض نے کہا یہ خود علیٰ سے متعدی ہوتا ہے۔

حل لغات القاموس میں ہے غدا علیہ غدوا وغدوۃ (بالضم) واغتدیٰ بمعنی تڑکے گیا۔
امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الحرث بمعنی زمین میں بیج ڈالنا اور اسے
کھیتی کے لئے تیار کرنا اور محروث کو بھی حرث کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اغدوا علیٰ
حرثکم (یہاں حرث بمعنی محروث ہے) اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ (اگر تمہیں کھیتی کاٹنی ہے)
اس کے کاٹنے کا ارادہ رکھتے ہو اور ثمرہ کے حصول کا خیال ہو تو تڑکے چلو اس کا جواب محذوف
ہے (۲۳) فَانْطَلَقُوْا تو وہ کھیتی کو چل پڑے یعنی باغ کی جانب وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ اور آپس
میں آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے۔

حل لغات التخافت ایک دوسرے کو آہستہ بات کہنا یعنی آپس میں چپکے چپکے مشورہ کرتے تھے تاکہ کوئی سن نہ لے اور نہ ہی ان کے ہاں آئے (۲۴) اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ
عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ۔ کہ ہرگز آج تمہارے باغ میں ایک مسکین نہ آنے پائے چہ جائیکہ بہت زیادہ

آ جائیں کہ آ کر اپنا حصہ لے کر ہمارے حصص گھٹا دیں۔ تخافت میں قول کا معنیٰ ہے اسی لئے اَنْ مفسرہ ہے یعنی لایدخلنہا یتخافتون کی تفسیر ہے مسکین وہ ہے جس کے ہاں کوئی شے نہ ہو اور وہ فقیر سے زیادہ بلیغ ہے اور مسکین کو روکنے میں مبالغہ ہے ان کے عدم دخول میں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے لا ارینك ھٰھنا میں تمہیں نہ دیکھوں اس لئے مسکین کا دخول لازم ہے اس کو کہ وہ ان کے ہاں آئے ایسے ہی متکلم کی رؤیت مخاطب کے حاضر ہونے کو لازم ہے لازم کے ذکر سے ملزوم کی طرف منتقل ہونا ہے (۲۵) وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ اور چلے اپنے ارادہ پر۔

حل لغات

الحرد المنع علی حدۃ وغضب کسی کو سخت اور غضب ناک ہو کر روکنا کہا جاتا ہے۔ نزل فلان حریدا ، فلاں لوگوں سے علیحدہ ہو کر اترا وحاردت السنۃ بمعنیٰ سال نے بارش روک دی والناقۃ اور ناقہ نے اپنا دودھ روک لیا **وحرد** بمعنیٰ غضب (غضب ناک ہوا)

قٰدِرِیْنَ قدرت والے سمجھ کر۔ غدوا کے فاعل سے حال مقدرہ ہے اس لئے اہل حق کے نزدیک قدرۃ مع الفعل ہوتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تڑکے اس ارادہ پر اٹھے کہ آج باغ میں مسکینوں کو ہرگز نہیں آنے دیں گے درآنحالیکہ وہ اپنے نفع پانے یا پھل حاصل کرنے کی اور کھیتی کاٹنے پر بزعم خویش قدرت والے ہیں لیکن انہیں سوائے رسوائی وندامت کے کچھ نصیب نہ ہوا۔

فائدہ: الکشاف میں ہے کہ وہ تڑکے ندامت کے سوا اور کسی امر پر قدرت نہیں رکھتے تھے اور نفع کے حصول سے عاجز تھے یعنی ان کا تو پختہ ارادہ تھا کہ وہ مساکین کو رسوا اور محروم کریں گے اور وہ اپنے نفع کے حصول پر قادر بھی تھے لیکن خود تڑکے اٹھتے ہی فقر کا شکار ہو گئے اور مال ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اب انہیں سوائے ندامت ومحرومی کے کچھ حاصل نہ تھا وہ اس لئے کہ وہ تو مسکینوں کی محرومی کے طالب تھے لیکن محرومی ومسکین ان کے اپنے گلے کا ہار بن گئی۔ (۲۶) **فَلَمَّا رَاَوْهَا** جب اسے (باغ) کو اس کے برعکس تھا جس حال میں اسے چھوڑ گئے تھے **قَالُوْٓا** بولے ایک دوسرے کو کہا **اِنَّا لَضَآلُّوْنَ** بے شک ہم راستہ بھول گئے اپنے باغ کا یہ راستہ اس کا نہیں جب اس کی تباہی وبربادی دیکھی **بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ** (۲۷) بلکہ ہم بے نصیب ہیں یہ تامل اور کچھ دیر ٹھہر لے کے بعد کہا جب انہیں حقیقت معلوم ہوئی تو اپنے پہلے قول سے ہٹ کر یہی کہا کہ ہم باغ کا راستہ نہیں بھولے بلکہ ہم بے نصیب ہیں ہم باغ کی خیر وبھلائی سے محروم اور اس کے نفع اٹھانے سے بے نصیب ہو گئے یہ ہماری بری نیت کا نتیجہ ہے وہی برا ارادہ کہ مسکینوں کو کچھ نہیں دینا اور فقراء کا حصہ نہیں نکالنا (۲۸) **قَالَ اَوْسَطُهُمْ** ان کے اوسط نے کہا یعنی ان سے رائے یا سن میں درمیانہ

حل لغات کشاف میں ہے ان کے اعدل و خیر نے کہا یہ ان کے قول فلاں من وسطۃ قومہ' فلاں اپنی قوم اعدل، اور بہتر ہے) واعطنی من وسطات مالک (مجھے اپنے بہتر اور اچھے مال میں سے دے) سے ہے اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی امۃ وسطاً (بہتر امت) حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان میں جو فاضل تر تھا عقل میں یا سن میں ان سے بزرگ تر تھا یا صاحب تر رائے و فکر میں۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وسط کبھی اسے کہا جاتا ہے جس کے دو کنارے مذموم ہوں جیسے جواد کہ اس کا ایک کنارہ بخل کا ہے اور ایک سرف (فضول خرچی) کا یہ ان کے درمیان میں مستعمل ہوا ہے کہ یہ افراط و تفریط سے محفوظ ہے اس معنیٰ پر وہ مدح کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ السواء والعدل کی طرح اسی سے ہے کذالک جعلنا کم امۃ وسطاً ایسے ہی تم کو ہم نے بنایا امت خیر و بھلائی والی) اسی معنیٰ پر یہی "اوسط" ہے کبھی وسطا اس کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے کہ جس کا ایک کنارہ محمود اور دوسرا مذموم ہو خیر و شر کی طرح اور کبھی اس قوم کا رذیل انسان بھی مراد ہوتا ہے جیسے فلاں وُسط بین الرجال، تنبیہ ہے کہ وہ خیر کی حد سے نکل گیا ہے۔ **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ** کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے،' اللہ تعالیٰ کو تسبیح و تہلیل کے ساتھ یاد کیوں نہیں کرتے اس کے ہاں اپنی بدنیتی سے توبہ کیوں نہیں کرتے۔ جب انہوں نے برا ارادے کا اظہار کیا تھا تو اس نے انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کہ وہ مجرموں سے کس طرح انتقام لیتا ہے ابھی ابھی اپنی بری نیت سے توبہ کرو اور جو بُرا پروگرام بنایا ہے اسے جلد از جلد ختم کرو قبل اس کے کہ تم پر کوئی آفت نازل ہو لیکن نہ ماننے تو اب اس نے انہیں عار دلائی اپنے فعل کے پہلے ہی سزا پا گئے۔

مسئلہ : آیت میں دلیل ہے کہ کبھی انسان کو بُرے فعل کے عزم پر سزا ملتی ہے جیسے انہیں ملی کہ انہوں نے نقراء و مساکین کو حصہ نہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اس کی نظیر قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ (ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم وہ جو حرم میں الحاد کا ظلم کے ساتھ ارادہ کرتا ہے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے) اسی طرح اور جگہ ارشاد ہے وذروا ظاھر الاثم وباطنہ، اور چھوڑو ظاہری و باطنی گناہ۔

فائدہ : عزم بمعنی فعل کے کرنے کا پختہ پروگرام (جزم کے ساتھ) محققین کے نزدیک اس کا مواخذہ ہے۔

مسئلہ : وہ ارادہ جس میں پکا ارادہ نہیں لیکن عمل کرنے پہ ترجیح ہو تو اس پر مواخذہ نہیں (وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے معاف ہے) **قالوا** اپنے گناہوں کا اعتراف

کرتے ہوئے کہا۔

مسئلہ: گناہ کا اعتراف بھی توبہ میں شامل ہے **سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ** پاکی ہے ہمارے رب کو برائی و نقصان سے بالخصوص کہ ظلم سے اس میں جو اس نے ہمارے ساتھ کیا **اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیۡنَ** (بے شک ہم ظالم تھے) ساتھ ارادہ مساکین کو محروم کرنے کی نفس کے بخل کی اتباع میں گویا کہتے تھے ہم اپنے بُرے عمل پر اللہ سے بخشش مانگتے اور اپنی بُری نیت سے توبہ کرتے ہیں کہ ہم نے ارادہ کیا تھا کہ مساکین کا حصّہ ہم نہیں دیں گے اگر یہ نزول عذاب سے پہلے کہتے تھے تو عذاب سے بچ جاتے لیکن بعد کو کہا جب باغ اُجڑ گیا **فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ** (۳۰) پس ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے **یَّتَلَاوَمُوۡنَ** ملامت کرتے ہوئے۔

حل لغات اللوم والملامۃ ذلیل و خوار کرنا۔ یعنی ایک دوسرے کو اپنے کئے فعل پر ملامت کرتے تھے ان میں بعض نے اس کا اشارہ کیا تھا بعض نے اس مشورہ کو اچھا کہا بعض خاموش رہے لیکن اس فعل پر راضی تھے بعض نے انکار کیا بہر حال ملامت کے طور ایک دوسرے کو کہتا کہ تو نے ہی یہ تجویز پیش کی تھی وہ جواباً کہتا کہ جناب بھی تو اس سے راضی تھے وغیرہ وغیرہ (۳۱) **قَالُوۡا** بولے یعنی گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے عجز و نیاز سے کہا **یٰوَیۡلَنَاۤ** ہائے خرابی ہم پر اور ہماری پالیسی پر **اِنَّا كُنَّا طٰغِیۡنَ** بے شک ہم سرکش تھے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے یعنی گناہوں میں حد سے گزرنے والے کہ مسکینوں کو حقوق سے محروم رکھا (۳۲) **عَسٰی رَبُّنَاۤ** شاید ہمارا رب تعالیٰ۔ ہم کرم پر امید کرتے ہیں **اَنۡ یُّبۡدِلَنَا** ہمیں بدل میں دے اس سے ہماری توبہ کی برکت سے اور اعتراف بالخطاء کی وجہ سے **خَیۡرًا مِّنۡهَاۤ** اس سے بہتر یعنی باغ سے **اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا** بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف **رٰغِبُوۡنَ** رغبت کرنے والے اس کی عفو کے امید وار خیر و بھلائی کے طلبگار الیٰ انتہائے رغبت کے لئے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ان کی رجاء (امید) و طلب کی منتہا بھی یا رغبت رجوع کے معنیٰ کو متضمن ہے اسی لئے اس کا صلہ الیٰ آیا ہے ورنہ مشہور یہ ہے کہ باب رَغبتہ میں یا فی سے متعدی ہوتا ہے الیٰ سے نہیں۔

حکایت باغ والوں کی مروی ہے کہ اب معاہدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال و دولت سے نوازا تو ہم اپنے آبا کی طرح فقراء و مساکین کو بہت کچھ دیں گے اس کے بعد عجز و انکسار سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑ گڑائے اللہ تعالیٰ نے اسی رات میں پہلے سے بھی زیادہ مال و دولت بخشی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے جبریل علیہ السلام کو کہ انہوں نے ہمارا جلا سڑا باغ اکھیڑ کر شام کے ملک میں زعر کی جگہ پر رکھا (زعر وہ جگہ جہاں کھیتی باڑی نہ ہو سکے) اور شام سے کسی باغ کا قطعہ اٹھا کر یہاں رکھدیا۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)

دوسرے باغ کی شان سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ انہوں نے توبہ اخلاص سے کی اللہ تعالیٰ نے ان کے صدق کو دیکھ کر اس باغ کے بجائے ایسا بہترین باغ بخشا کہ جسے الحیوان کا نام مشہور ہو گیا کہ اس کے انگور کا ایک گچھہ خچر کا بوجھ ہوتا تھا۔

فائدہ: حضرت ابو خالد یمانی فرماتے ہیں کہ میں اس باغ میں گیا تو دیکھا کہ اس کے انگور کا ایک گچھہ کھڑے ہوئے کالے حبشی جوان کی طرح محسوس ہوتا۔

سبق: محققین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو جائے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ وہ کس غلطی کا خمیازہ بسیار غور و فکر کے بعد خطا معلوم ہو جائے تو بھی معلوم نہ ہو تو بھی بارگاہ حق میں خوب گڑگڑائے اور زاری کرے اللہ تعالیٰ اسے اس سے بھی بہتر و برتر بدل عطا فرمائے گا۔ جیسے ان لوگوں سے ضروان (باغ چھینا تو ان کی زاری پر حیوان (باغ) عطا فرمایا۔ حضرت پیر رومی (قدس سرہ) اسی معنیٰ کی اس مقام پر خبر دی کہ ؎

اولم خم شکست و سرکہ بریخت
من نگویم کہ ایں زیانم کرد
صد خم شہد صافی از پے آن
عوضم داد وت د بانم کرد

ترجمہ: پہلے اس نے میرا مٹکا توڑ کر سرکہ ڈول دیا میں نہیں کہتا کہ اس نے میرا نقصان کیا کیوں کہ پھر اس نے اس کے بدلہ میں مجھے سو مٹکے شہد کے عطا فرما کر مجھے شاد کام کیا۔

باغ والے کون تھے حضرت قتادہ سے سوال ہوا کہ یہ باغ والے اصحاب الجنۃ (مومن) تھے یا اصحاب النار فرمایا تو نے مجھے مصیبت میں ڈال دیا ہر لیعنی کیا بتاؤں یا واللہ اعلم کہدوں) حضرت حسن (بصری رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ ان کا قول اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ نامعلوم ایمان کی وجہ سے کہا یا مشرکین کی طرح کہ وہ بھی جب مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں بہتر ہے اس میں توقف کیا جائے لیکن اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ وہ تائب ہو کر مخلص بندے بن گئے۔ (حکاہ القشیری) فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اگر ان کا قول (انا الی ربنا راغبون) اضطراراً مان لیا جائے تو پھر کہنا پڑے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتر باغ ملنا استدراجاً تھا اگر اخلاص اور از راہ صدق تھا تو پھر توبہ کے بعد انہیں بہتر باغ کا ملنا توبہ کے تحقق کے لئے تھا اور نتیجہ ظاہر کیا گیا کہ تمہاری توبہ مخلصانہ تھی کیوں کہ توبہ مخلصانہ کے ثمرات عجیبہ ہوا کرتے ہیں۔

بکری سے دودھ اور شہد کیوں حضرت شیخ ابو الربیع المالقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نیک بخت عورت کا شہرہ سنا کہ فلاں بستی میں ہے اور وہ صاحب کرامت ہے ہماری عادت تھی کہ ہم غیر محرم عورتوں کو نہیں دیکھتے تھے لیکن اس کی کرامت دیکھنے کے شوق سے جانا پڑا وہ بی بی فضہ (سونے والی) کے نام مشہور ہو گئی تھی ہم اس بستی میں پہنچے تو لوگوں نے کہا اس کی بکری سے دودھ اور شہد آتا ہے ہم نے یہ منظر دیکھنے کے لئے جدید برتن خریدا جس میں پہلے کوئی شئے نہیں رکھی گئی تھی ہم اس بی بی کے گھر گئے اور اسی بکری کا دودھ طلب کیا اور برتن دیکھ کر کہا کہ بی بی اسی بکری سے ہمیں دودھ پلا جس کا شہرہ ہے کہ اس سے دودھ اور شہد حاصل ہوتے ہیں بی بی نے ہمارا برتن اور وہی بکری ہمارے ہاں بھیج دی اور فرمایا کہ اس کا دودھ اپنے ہاتھوں خود دوہ لو ہم نے اسے دوہا تو واقعی برتن میں دودھ اور شہد تھا جسے ہم نے پیا اس پر مزید یقین ہو گیا کہ واقعی بی بی کی کرامت حق ہے۔

مہمان نوازی کی برکت ہم نے بی بی سے حالات پوچھے تو فرمایا کہ ہمارے ہاں ایک چھوٹی سی بکری تھی اور ہم نہایت تنگدست تھے سوائے اسی بکری کے بچہ ہمارے پاس کچھ نہ تھا اچانک عید کے دن ہمارے ہاں مسافر مہمان آگئے میرا شوہر نیک بخت صالح انسان ہے فرمایا کہ یہی بکری کا بچہ ذبح کر کے مہمانوں کو کھلا دیا جائے میں نے کہا کہ ایسا نہ کرو کیوں کہ ہمارے لئے عید کی قربانی واجب بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہمارے حالات بخوبی معلوم ہیں لیکن اتفاقاً مہمان آگئے ہیں ہمارے ہیں کچھ بھی نہیں بہرحال مہمان نوازی کی نیت ہم نے باہم مشورہ سے طے کر لیا کہ یہی بکری کا بچہ ذبح کر دینا چاہیے اور میں نے ہی مشورہ کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ مہمان کی تعظیم و تکریم ضروری ہے فلہٰذا یہ بکری کا بچہ ذبح کر دینا ہمارے لئے خیر و بھلائی ہے مشورہ طے ہو گیا لیکن ایک فکر لاحق ہوئی کہ اگر یہ بکری کا بچہ یہاں ذبح ہو تو ہمارے بچے چھوٹے اسے ذبح نہیں کرنے دیں گے میں نے کہا اسے دیوار کے پیچھے جا کر ذبح کر دو وہ ذبح کے لئے اسے لے گیا لیکن یہی بکری چھلانگ لگا کر ہمارے گھر میں آگئی میں نے سمجھا میرے شوہر نے بکری کا بچہ ذبح نہیں کیا میں نے اسے آواز دی تو اس نے بکرا ذبح ہو گیا میں باہر گئی تو واقعی وہ ذبح ہو چکا تھا اور اس کی کھال بھی اتار لی گئی۔ لیکن یہ بکری ہمارے ہاں کہاں سے آئی۔ ہم نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہمان نوازی کی برکت سے انعام بخشا ہے یہ وہی بکری ہے جس سے دودھ اور شہد حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی اولاد کو آواز دی کہ اے میرے بیٹو! کہ ہماری بکری مریدین کے قلوب میں چرتی ہے جب مریدین کے دل صحیح ہیں

تو بکری کا دودھ بھی صحیح ہے۔
فائدہ: امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مریدین سے بی بی نے خود اور شوہر کے دل مراد لئے لیکن اسے مطلق رکھا جائے تو بطور عبرت سب کے لئے ہے تاکہ اہل دل اپنے دل صاف اور صمیم رکھیں جن سے اعمال صالحہ قبول ہوں گے اسی لئے اے اللہ والو اپنے قلوب پاک اور صاف رکھو تو پھر جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی پاک وصاف ہوگا لیکن عموم میں یہی ہے کہ ہر ایک اپنے تادیب کا ذمہ دار ہے ایسا نہیں کہ وہ بی بی دوسروں کو کہہ رہی تھی اور خود فارغ۔ اگر ایسا ہوتا کہ کسی دوسرے کے اعمال سے فائدہ ہوتا بہرحال انسان اپنے قلب پاک وصاف رکھے تو دارین کی بھلائی ہوگی۔
(۳۳) کَذٰلِکَ الْعَذَابُ مار ایسی ہوتی ہے جملہ مبتدا وخبر مقدم ہے قصر کا فائدہ دیتا ہے الف لام عہد کا ہے یعنی ہم نے اسی طرح اس سے آزمایا ہے اہل مکہ کو واصحاب جنہ (دباغ) کو عذاب دنیا سے۔
فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ایسے ہی ہم آپ کی امت سے کریں گے جب ان کے اغنیاء فقراء پر رحم نہ کریں گے یعنی ہم ان سے بارش روک دیں گے اور ان کو مصائب بھیج دیں گے اور ان کی کھیتیوں سے برکت اٹھالیں گے اور تجارتوں میں برکت نہ رہے گی۔
مسئلہ: اس میں زکوٰۃ وصدقات کے مانعین کو وعید ہے کہ ان کے مال تباہ وبرباد ہوسکتے ہیں ان پر نزول عذاب ہوسکتا ہے جس طریق سے ہو سے

مکن بد کہ بدبیتی اے یار نیک
نیابد ز تخم بدی بار نیک
کسے نیک بیند بہر دوسرا
کہ نیکی رساند بخلق خدا

اے اچھے دوست برائی نہ کر برائی دیکھے گا کیونکہ برے بیج سے اچھا پھل کوئی نہیں دیکھتا (حاصل کرتا)۔

ترجمہ: وہ شخص دونوں جہانوں میں بھلائی دیکھتا ہے جو خلق کو خیر وبھلائی پہنچاتا ہے
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ اور بے شک آخرت کا عذاب بڑا ہے عظیم وشدید تر ہے کیوں کہ دنیا کا عذاب زوال پذیر اور آخرت کا عذاب باقی ودائمی ہے لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے کہ آخرت کا عذاب بڑا ہے تو البتہ کنارہ کشی کرتے ان امور سے جو اس کی طرف لے جاتے ہیں اور اس میں انہیں پھینکتے اور گرلتے ہیں "

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿۳۴﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ
كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيهِ
تَدْرُسُونَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمٰنٌ عَلَيْنَا
بٰلِغَةٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿۴۰﴾
أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صٰدِقِينَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ
عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۴۲﴾ خٰشِعَةً
أَبْصٰرُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ
سٰلِمُونَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۴۵﴾ أَمْ
تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۴۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ
فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادٰى
وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَا أَنْ تَدٰرَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ
مَذْمُومٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۵۰﴾ وَإِنْ
يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصٰرِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ
يَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعٰلَمِينَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: بے شک ڈر والوں کے لئے ان کے رب کے پاس چین کے باغ ہیں (۳۴) کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کا سا
کردیں (۳۵) تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو (۳۶) کیا تمہارے لئے کوئی کتاب ہے اس میں پڑھتے ہو (۳۷) کہ تمہارے لئے
اس میں جو تم پسند کرو (۳۸) یا تمہارے لئے ہم پر کچھ قسمیں ہیں۔ قیامت تک پہنچتی ہوئی کہ تمہیں ملے گا جو کچھ
دعوی کرتے ہو (۳۹) تم ان سے پوچھو ان میں کون سا اس کا ضامن ہے (۴۰) یا ان کے پاس کچھ شریک ہیں تو اپنے
شریکوں کو لے کر آئیں اگر سچے ہیں (۴۱) جس دن ایک ساق کھولی جائے گی (جس کے معنیٰ اللہ جانتا ہے)

اور سجدہ کو بلائے جائیں گے تو نہ کرسکیں گے[۴۲] نیچی نگاہیں کیے ہوئے ان پر خواری چڑھ رہی ہوگی اور بے شک دنیا میں سجدہ کے لئے بلائے جاتے تھے جب تندرست[۴۳] تھے تو جو اس بات کو جھٹلاتا ہے اسے مجھ پر چھوڑ دو۔ قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے[۴۴] جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے[۴۵] یا تم ان سے اُجرت مانگتے ہو کہ وہ چٹی کے بوجھ میں دبے ہیں[۴۶] یا ان کے پاس غیب ہے کہ وہ لکھ رہے[۴۷] ہیں تو تم اپنے رب کے حکم کا انتظار کرو اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہونا۔ جب اس حال میں پکارا کہ اس کا دل گھٹ رہا[۴۸] تھا اگر اس رب کی نعمت اس کی خبر کو نہ پہنچ جاتی تو ضرور میدان پر پھینک دیا جاتا الزام دیا ہوا[۴۹] تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب کے سزاوار[۵۰] لوگوں میں کرلیا اور ضرور کافر تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنی بد نظر لگا کر تمہیں گرادیں گے جب قرآن سنتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ضرور عقل سے دور ہیں[۵۱] اور وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کے لئے[۵۲]

تفسیر عالمانہ (۳۴) اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ بے شک کفر و عصیان سے بچنے والوں کے لئے عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے رب تعالیٰ کے ہاں اور عند تشریف و تکریم کے لئے ہے کیوں کہ وہ صورۃً اور حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اس میں جیسے چاہے تصرف کرے ورنہ جنت کی عندیت اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے کیوں کہ وہ مکان کی قید سے منزہ ہے اور عند ظرف اس استقرار کے متعلق ہے جو متقین کا متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ محذوف منصوب علی الحالیہ کے متعلق ہو جو متقین میں منوی ہے اور جائز نہیں کہ وہ جنات سے حال ہو کیوں کہ وہ عامل نہیں اور ظاہر تر یہ ہے کہ اس کا معنی اس معنیٰ پر عندیہ مکانیہ (مرتبہ والی) ہوگا کیوں کہ وہ ذات جہت و تحیز سے منزہ ہے۔ یہ جیسے دوسری جگہ میں فرمایا عند ملیک مقتدر" یہاں بھی مکانیۃ مرتبی مراد ہے کیوں کہ وہ متقین کو اللہ تعالیٰ کی طرف قرب معنوی نصیب ہوگا۔

فائدہ : امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ عند قرب کے لئے وضع کیا گیا اسی سے کبھی قرب مکانی مراد ہوتا کبھی قرب اعتقادی جیسے عندی کذا اور کبھی مرتبہ و منزلت مراد ہوتی ہے جیسے بل احیاء عند ربهم بلکہ شہداء اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں (مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے) اسی معنیٰ پر ملائکہ کرام کو مقربین کہا جاتا ہے (یعنی مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مقرب)

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمتوں کے باغ میں ایسے باغات کہ ایسی نعمتوں سے پُر ہیں جنہیں طبع کو منغص کرنے والی چیزیں ہیں نہیں نہ ہی ان میں زوال کا خوف ہے جیسے دنیوی نعمتوں میں ہوتا ہے (۳۵) اضافت لامیہ اختصاصیہ سے حصر ثابت ہوئی کیونکہ یہ لام مضاف الیہ کے لئے اختصاص کا فائدہ دیتی ہے اَفَنَجْعَلُ

الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ (تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں سا کر دیں)

شانِ نزول مشرکین قریش کے رؤسا اپنی دنیا کی وفرت اور مسلمانوں میں قلت کو دیکھ کر اپنی برتری پر نازاں رہتے جب مسلمانوں کے لئے آخرت کی نعمتوں کا سنا کہ یہ نعمتیں صرف مسلمانوں کو عطا ہونگی تو کہنے لگے اگر ہم مرنے کے بعد اٹھے بھی جیسا کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گمان ہے کہ تو بھی ہمارا ٹھاٹھ باٹھ ایسے ہی ہوگا جیسے اب دنیا میں ہے ورنہ مسلمان ہمارے سے عزت میں نہ بڑھ سکیں گے زیادہ سے زیادہ ہم اور وہ برابر ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی۔

فائدہ : ہمزہ انکاری اور فا عاطفہ ہے اس کا عطف مقدر پر ہے جیسے کہ مقام کا تقاضا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ہم حکم میں ظلم کرتے ہوئے اہلِ ایمان کو کافروں کی طرح کر دیں گے کہ دونوں کو نجات اور دونوں کو درجات برابر دیں گے (ایسے ہرگز نہ ہوگا بلکہ کافروں کو عذاب اور مومنوں کو نجات و درجات عطا ہوں گے۔)

فائدہ : المجرمون سے کافر مراد ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا شانِ نزول دلالت کرتا ہے اور مجرم کامل دراصل یہی ہیں کہ کفر و شرک کے مرتکب ہیں ورنہ دیگر جرائم سے تو عام مسلمان بچے ہوئے نہیں اور نہ ہی کفر و شرک کے سوا دیگر جرائم و معاصی اسلام کے منافی ہیں (جیسا کہ اہلِ سنت کا مذہب ہے ہاں مسلمان مطیع مجرم فاسق مسلمان جیسا نہیں)

سبق : اس میں عقلمند کو وعظ و نصیحت ہے اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کو زجر و توبیخ ہے۔

(۳۶) (ربط) اس کے بعد کافروں کو اللہ تعالیٰ نے بطریق التفات رد کی تاکید و تشدید میں انہیں فرمایا

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسا حکم لگاتے ہو) اس سے ان کے حکم لگانے پر تعجب دلائی جارہی ہے اور بتانا یہ ہے کہ جو کچھ ان کا گمان ہے وہ نہایت ہی بعید از قیاس ہے اور ساتھ یہ بھی خبر دینی ہے کہ عقلمند سے ایسی بات صادر نہیں ہو سکتی۔

فائدہ : ما استفہامیہ محلاً مرفوع مبتدا اور استفہام انکاری ہے یعنی اس بات کا انکار ہے کہ ان کی بات کسی وجہ سے بھی مقبول نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار ہے اور ان کے دعویٰ میں کسی قسم کی سچائی ہے کہ اس سے تمسک کیا جاسکے "لکم" مبتدا کی خبر ہے، اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ ایسا قبیح حکم بتا رہے ہو کہ امور کی جزا تمہاری طرف سپرد ہے کہ تم جس طرح چاہو حکم لگا دو یعنی تم کس حال میں ایسا کہہ رہے ہو علم سے یا جہالت سے كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ اس معنیٰ پر ظرف ہے یا معنی یہ ہے کہ تم علم والے ہو یا جاہل ہو اس معنیٰ پر یہ حال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تو کیا ہم متقین کو احکام شریعت و آداب طریقت در موز حقیقت کے لئے ان کی طرح کریں گے جو اخلاق ردیئہ اور اوصاف رذیلہ جو شریعت و طریقت

وحقیقت کے مخالف ہیں کے مرتکب ہوتے ہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایسے ظلم صریح اور قول قبیح کا حکم دے رہے ہو۔

تفسیر عالمانہ (۳۷) اَمْ لَكُمْ کیا تمہارے لئے كِتٰبٌ کوئی کتاب آسمان سے نازل ہوئی ہے فِيْهِ اس میں سے یہ تَدْرُسُوْنَ کے متعلق ہے پڑھتے ہو۔

حل لغات: المفردات میں ہے۔ درس الشیٔ بمعنی بقی اثرہ (اس کا اثر باقی ہے) درست العلم میں حفاظت کر کے اس کا اثر لیا چونکہ علم کو مداومت کے ساتھ حاصل کرنا ہوتا ہے اسی لئے قراۃ کی مداومت کو درس سے تعبیر کیا گیا ہے (۳۸) اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ (بے شک تمہارے لیے اس میں وہ ہے جو تم پسند کرو۔)

حل لغات: تخیر الشیٔ واختیارہ بمعنی شے کو خیر و بھلائی لینا۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اختیار بمعنی اس شے کی طلب جس کے کرنے میں خیر و بھلائی ہو اور کبھی اسے بھی تخیر کہا جاتا ہے جسے انسان خیر و بھلائی سمجھے اگرچہ درحقیقت وہ شے اچھی نہ ہو۔ تاج المصادر میں ہے کہ التخیر بمعنی پسند کرنا اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو تم پسند کرو اور خواہش نفسانی کے مطابق چاہو اصل میں ان لکم بالفتح ہے کیونکہ وہی پڑھا ہوا ہے (جو کتاب فیہ تدرسون جس کا ذکر آیا ہے) اس معنی پر یہ تدرسون کا مفعول ہے مفرد کے قائم مقام واقع ہے اسی لئے اس کا ہمزہ مکسور نہیں ہونا چاہیے لیکن چونکہ اس کی خبر میں لام آگئی ہے اسی لئے ہمزہ کو مکسور لایا گیا (جیسا کہ قاعدہ ہے) کہ لام الابتداء ان مفتوحہ کے حیز (مدخول وغیرہ) پر نہیں آتی اور یہ لام ابتدائیہ ان کے رسم پر داخل ہے اب معنی یہ ہوا کہ تم کتاب میں یہی پڑھتے ہو کہ تمہارے لئے وہی ہے جو تم اپنے نفسوں کے لئے چاہو۔ وہ یہی کہ عاصی و مطیع ایک جیسے ہیں بلکہ بظن شما عاصی مطیع سے ارفع ہے اگر تم سچے ہو تو لاؤ وہ کتاب جس میں یہی تمہارا گمان فاسد لکھا ہو۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مدرس کا مضمون ہو جیسے اللہ کے ارشاد گرامی میں دوسرے مقام پر ہے وترکنا علیہ فی الآخرین، سلام علی نوح فی العالمین اور ہم نے اس پر آخرین میں چھوڑا وہ یہ کہ عالمین میں نوح علیہ السلام پر سلام ہوں۔) اس تقریر پر یہ ان کی کسرہ کے قائم مقام واقع ہوا ہے گویا وہ مفرد کے موقع پر آیا ہے جسے قرآن مجید نے اس کی صورت میں حکایت کی ہے دونوں صورتوں میں فرق یہ ہوگا کہ پہلی تقریر پر یہ جملہ کا قائم مقام ہے دوسری تقریر پر خود اپنے الفاظ کے ساتھ ہے فیہ کا ہونا اس سے مستغنی نہیں کرتا کیوں کہ کبھی مولف اپنی کتاب لکھتا ہے کہ (ان فی ہذا الکتاب کذا وکذا) اس کتاب میں ایسے ایسے مضامین ہیں تاکہ اس کے مطالعہ میں رغبت ہو۔

فائدہ : المفتی سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مجھے اس ضمیر کو کتاب کی طرح راجع کرنے میں کوئی ممانعت نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر یوم قیام کی طرف راجع ہے جو مقام کی دلالت سے معلوم ہے (۳۹) اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا کیا ان کے لئے ہم پر قسمیں ہیں علینا ایمان کی صفت ہے اور بالغۃ بھی ایمان کی صفت ہے معنیٰ یہ ہے کہ ان کے ہمارے ساتھ معاہدے ہیں جو قسموں سے مؤکد کئے گئے ہیں بَالِغَةٌ تاکید وصحت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اس لئے کہ جو شے جودت وصحت کی انتہاد کو پہنچے اسے بالغ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہا جاتا لفلان علیّ یمین بکذا، جب کوئی کسی کی ضمانت وکفالت کرے اور قسم کھائے کہ وہ اسے پورا کرے گا اب مطلب یہ ہوا کہ بلکہ کیا ہم نے تمہاری ضمانت دی ہے باسخت اور مضبوط قسمیں کھائی ہیں کہ جن سے ثابت ہو گئے ہیں تمہارے لئے ہمارے اوپر معاہدے جو قسموں سے مؤکد ہیں اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کا تا یوم قیامت لکم میں مقدر یعنی ثابتہ کے متعلق ہے یعنی وہ معاہدے قیامت تک تمہارے لئے ثابت ہیں کہ ہم ان سے عہدا برا نہیں ہو سکتے کہ جب تک ہم اسی دن اس طرح فیصلہ نہ کریں جیسے تم حکم کرتے ہو یا تمہیں وہی عطا نہ کریں جو تم چاہتے ہو۔ یا یہ بالغۃ کے متعلق ہے یعنی اس دن اتنا قسمیں بکثرت پہنچنے والی ہیں کہ انہیں کوئی قسم نہیں توڑ سکتی جب تک مقسم علیہ حاصل نہ ہو یعنی وہی تمہارا فیصلہ اور ہمارا ہے تمہارے فیصلہ کی اتباع (اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ) بے شک تمہارے لئے ہے جو تم دعویٰ کرتے ہو) یہ قسم کا جواب ہے کیوں کہ معنیٰ یہ ہے کہ کیا تمہارے لئے ہم پر قسمیں ہیں یا ہم نے تمہارے لئے قسمیں یاد کی ہیں۔ (۴۰) سَلْهُمْ ان سے پوچھو سَلْ امر ہے سأل یسأل کا اس کی عین اور ہمزہ وصل کر گیا ہے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہے اب ان سے خطاب نہیں کہ وہ رتبہ خطاب سے گر گئے ہیں یعنی ان کو ذلیل کرنے کے طور کفار و مشرکین سے اے (محبوب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سوال کیجئے اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝ کون اس حکم جو خارج از عقول ہے (کا ضامن ہے) جو اس کی تصحیح کے درپے ہو کر قائم ہو جیسے قوم کا زعیم (لیڈر) ان کے امور کی اصلاح کے لئے قائم ہوتا ہے بذلک زعیم کے متعلق ہے۔

حل لغات زعیم وہ جو دعویٰ اور اس پر حجت قائم کرنے کے لئے مستعد ہو۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ زعیم زعامہ سے ہے بمعنیٰ کفالۃ یا زعم بالقول سے ہے یعنی اس قول کی حکایت جس میں کذب کا احتمال ہو (۴۱) اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ) یا ان کے لئے کچھ شریک ہیں جو ان کے اس قول میں شریک اور ان کے مذہب پر چلتے ہیں فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ تو لائیں وہ اپنے شریکوں کو) با تعدیہ کی ہے یہ بھی جائز ہے کہ وہ ملابست کی ہو۔ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ اگر سچے ہیں اپنے دعویٰ میں یا کم از کم کسی کی تقلید کا کوئی قول یعنی جیسے اسی مذہب میں ان کی کوئی عقلی دلیل نہیں کہ جس سے ثابت ہو سکے کہ مطیع اور بے فرمان

مرتبہ میں برابر ہیں جیسے ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ؟ اور نہ ہی ان کے ہاں نقلی دلیل ہے اور وہ کتاب جس سے پڑھ کر اپنا دعویٰ ثابت کر سکیں اور نہ ہی اُن کے پاس کوئی معاہدہ ہے جو قسموں سے موثق و توثیق کیا ہوا ہے اور نہ ہی عقلاء ان کے مذہب کی تائید کرتے ہیں کہ کہ جن کی تقلید میں وہ اپنا دعویٰ صحیح ثابت کر دکھلائیں اگرچہ تقلید ایسی شے نہیں کہ جس کے دامن کو پکڑنے سے فلاح وکامیابی ہو (عقائد میں ورنہ فروع میں تو خود صاحب روح البیان قدس سرہ حنفی مقلد ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ وہ جو ان کا گمان ہے اس میں وہ باطل ہیں ہر وجہ سے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حاکم پر لازم ہے کہ ان احکام ومسائل میں جو اسے دلیل از قرآن وحدیث وفقہ نہیں مل رہی تو بقدر وسعت سوچ کر فیصلہ کرے اگر بلا سوچے سمجھے فیصلہ کرے گا تو خطاء سے خالی نہ ہوگا اگرچہ بظاہر صحیح فیصلہ بھی کرے گا تب بھی نہ سوچنے کا گناہ اس کے سر ہوگا۔)

مسئلہ: نمازی کسی ایک جگہ نماز پڑھ رہا ہے جہاں قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو تو وہ اگر بلا سوچے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اگرچہ صحیح سمت کو بھی نماز پڑھی اگر سوچ کر نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی اگرچہ سمت قبلہ صحیح بھی نہ ہو اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ حکم جو بلا سوچے ہو تو مبنی بر خطا ہے پھر اس کا کیا ہوگا جس کے خلاف بہت بڑے مضبوط دلائل قائم ہوں۔

(۴۲) يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (جس دن ایک ساق کھولی جائے گی) یوم اذکر مقدر سے منصوب ہے عن ساق یکشف کے لئے فاعل کے قائم مقام ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس دن کو یاد کرو جب معاملہ سخت ہوگا اور معاملات مشکل ہونگے اور ساق کھل جائے گی (کشف ساق کی تحقیق یہاں کشف کی ساق صرف مثال کے طور ہے ورنہ نہ وہاں پنڈلی ہوگی اور نہ کسی قسم کھلنا ہوگا جیسے تم سخت قسم کے بخیل کو کہتے ہو یدہ مغلولۃ (اس کے ہاتھ زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں) لیکن اس سے اس کا ہاتھ زنجیر سے بندھا ہوا مراد نہیں بلکہ بخل مراد ہے اسے اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا زنجیر سے ہاتھ بندھا ہوا ہو۔ کہ گویا خرچ کرنے کے وقت اس کا ہاتھ اسی جکڑے ہوئے ہاتھ کی طرح ہو جاتا ہے ایسے ہی میدان حشر میں قیام میں جو مصائب ومشکلات میں گھر جائیں گے تو ان پردہ وار عورتوں سے تشبیہ دیگئی جو مشکل میں پھنس جانے کے وقت بھاگتے ہوئے ہولناک امر کے وقوع سے جو انتہائی شدت کو پہنچ جائے تو پنڈلی تک شلوار کو مضبوط کر کے بھاگنے میں تیزی کرتی ہیں حالانکہ وہ اپنے گھروں سے کبھی باہر نہیں نکلتیں اور نہ ہی اپنے محارم کے بغیر کسی کے سامنے بے پردہ ہو کر آتی جاتی ہیں لیکن خوف کے وقت پنڈلی پر کپڑا چڑھا کر بھاگتی ہیں یہ اس لئے کہ اسوقت انہیں دہشت سے عقل وشعور اپنی جگہ پر نہیں رہتا صرف جان بچانے کی فکر ہوتی ہے اہل شقاوت کا حال میدان حشر میں ہوگا جو ایسی عورتوں کا حال سنایا گیا اس میں مفردات الترکیب میں تصرف

نہیں کیا گیا بلکہ ہیئۃ ترکیبیہ میں تصرف کیا گیا ہے اسی تقریر پر کشف ساق اشتداد وصعوبتہ امر میں استعارۂ تمثیلیہ ہے۔

فائدہ : تفسیر الفاتحہ مولانا الفناری رحمہ اللہ الباری میں ہے کہ وہ پنڈلی جو میدان حشر میں اہل موتوف کے لئے کھلے گی اس سے قیامت کی ہولناکی کا ایک امر عظیم مراد ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں " کشفت الحرب عن ساقہا " جنگ نے پنڈلی کھولی یہ اس وقت بولتے ہیں جب جنگ کی ہولناکی کا امر عظیم ہو اور جو امر عظیم شدید میں پھنس جائے جسمیں جد وجہد شدید اور سختی وتکلیف زیادہ ہو اس کے لئے کہا جاتا ہے (شمر عن ساقک) اپنی پنڈلی کھول (یعنی اس معاملہ سے نجات پانے کی کوشش کر۔ ایسے ہی قرآن مجید میں دوسرے مقام پہ ہے۔" (والتفت الساق بالساق) (پنڈلیاں ایک دوسرے سے چمٹ جائیں گی) یعنی قیامت کی ہولناکیاں اور بہت بڑے امور ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گے

فائدہ : بعض نے کہا ساق بمعنی شی کی اصل (جڑ) وغیرہ کہ جس سے شے کا قوام ہو جیسے ساق الشجر وساق الانسان شجر کی ساق گویا اس کی اصل ہے کہ ٹہنیاں اسی اصل پر اگتی ہیں اور اسی پر قائم ہیں اب معنی یہ ہوا کہ اس دن کہ اصل امر کھل جائے گا اور حقائق الامور اور ان کے اصول ایسے ظاہر ہو جائیں گے کہ ہر ایک انہیں آنکھوں سے دیکھے گا اور اس کی تنکیر وجہ اوّل کی وجہ سے یعنی ہولناکی کی وجہ لزوم القیمۃ ایسا امر شدید اور ہولناک ہے کہ جو دیکھا سنا نہ گیا اور انسان کے مالوف ومعروف تصور سے باہر ہوگا اور دوسری وجہ پر تنکیر تعظیم کی ہے۔ وَیُدۡعَوۡنَ اور بلائے جائیں گے کفار ومنافقین " اِلَی السُّجُوۡدِ " سجدہ کی طرف توبیخاً وتعنیفاً (دھتکار دینے کے لئے) ان کا دنیا میں سجدہ کے ترک سے اور ان کی اس امر میں کوتاہی کی وجہ سے حسرت دلانے پر یہ حکم سجدہ تکلیفی وتعبدی نہ ہوگا کیوں کہ قیامت کا دن تکلف وتعبد کا نہیں اس کے اور وجوہ آئیں گے۔ (انشاء اللہ)

فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ تو نہ کر سکیں گے کیوں کہ اس وقت انہیں سجدہ کی قدرت حقیقی اور اسباب وآلات سلامت نہ ہوں گے۔

فائدہ : اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سجدہ کریں گے تو نہ کر سکیں گے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی پشت خشک ہو جائے گی یعنی ان کی ہڈیاں جوڑوں کے بغیر ہوں گی جس کی وجہ سے نہ وہ اوپر ہو سکیں گے یا نیچے ہو سکیں گے بلکہ قیام کے حال میں کھڑے رہیں گے یہاں تک کہ کوتاہی پر ان کی حسرت وندامت میں ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ان کی پیٹھ اور کمر ایک ہو جائے گی اور خبر میں ہے کہ کافر ومنافق کی پیٹھ گائے کی طرح کمر میں رل کر ایک ہی حالت پر ہو جائیگی) گویا لوہے کے زنجیر ان کی پیٹھوں میں جکڑ دیئے گئے ہیں۔

حدیث شریف ۲ : حضرت ابو ہریرہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یعنی فرمایا کہ میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے سُنا کہ وہ لوگ کہ جس کی دنیا میں پرستش کرتے ہوں گے ان کی مثالی صورت ان کے سامنے لائی جائے گی وہ لوگ اپنے باطل معبودوں کی طرف چلے جائیں گے باقی صرف اہلِ توحید و اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے رہ جائیں گے انہیں کہا جائے گا تم کیوں رہ گئے کہیں گے وہ لوگ اپنے باطل معبودوں کی طرف چلے گئے ہیں لیکن ہم دنیا میں رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے مگر ہم نے انہیں دیکھا نہیں تھا انہیں کہا جائے گا جب تم اسے دیکھو تو کیا اسے پہچان لوگے کہیں گے ہاں۔ کہا جائے گا کیسے پہچانو گے جب کہ تم نے نہیں دیکھا بھی نہیں تھا کہیں گے کہ ہمارا معبود کسی کے مشابہ نہیں اسی لئے ہیں خود بخود یقین ہو جائے گا کہ یہی ہمارا رب ہے۔ اس وقت حجاب اٹھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے بعض لوگ تلعوں کی طرح کھڑے کے کھڑے رہ جائیں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے لیکن نہ کر سکیں گے ان کے لئے کہا گیا ہے یوم یکشف عن ساق الخ اللہ تعالیٰ ساجدین کو فرمائے گا اے میرے بندو سر سجدہ سے اٹھاؤ میں تم میں سے ایک کے عوض یہود و نصاریٰ میں سے جہنم میں بھیجوں گا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہی حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو سنائی فرمایا تجھے خدا کی قسم کیا واقعی تجھے تیرے باپ نے یہ حدیث سنائی میں نے کہا ہاں اسی طرح تین بار قسم اٹھائی اس کے بعد فرمایا بخدا میں نے اہلِ توحید سے اس سے محبوب تر کوئی حدیث نہیں سُنی

فائدہ: تفسیر الفاتحہ للفناری رحمۃ اللہ میں فرمایا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہو کر فرمائے گا ہر گروہ اس کے پیچھے چلا جائے جس کی اس نے دنیا میں پرستش کی ہو تمام غیر اللہ کے پجاری اپنے معبودانِ باطلہ کی طرف چلے جائیں گے۔ سوائے اس امت حق کے انہیں منافق بھی ہوں گے ان کے سامنے اس ادنیٰ صورت میں جلوہ گر ہوگا جیسے اس سے پہلے ان کے سامنے جلوہ گر ہوتا تھا۔ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں کہیں گے (نعوذ باللہ منک) (تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ) ہم اپنے رب تعالیٰ کے منتظر ہیں یہاں تک کہ وہ تشریف لائے تو ہم اسے سجدہ کریں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تمہارے رب کی کوئی علامت بھی ہے جس سے تم اسے پہچان لو۔ عرض کریں گے ہاں پھر ان کے سامنے اسی صورت میں جلوہ گر ہوگا جس سے وہ پہلے جلوہ گر ہوتا تھا اب عرض کریں گے تو ہی ہمارا رب ہے اس وقت انہیں سجدہ کا حکم فرمائے گا تو سب کے سب سجدہ میں گر جائیں گے سوائے ان کے کہ جو ریا و سمعۃ (شہرت) سے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے اس لئے کہ ان کی پیٹھ تانبے کی دیوار کی طرح ہو جائے گی کہ جب وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے تو وہ پیٹھ کے بل گر جائیں گے اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا یوم یکشف الخ

اعراف والے مفسر (مولانا فناری رحمہ اللہ الباری) نے فرمایا کہ اعراف پر چند لوگ ہوں گے جن کی نیکی و برائی کا پلڑا برابر ہوگا وہ دوزخ و بہشت ہر دونوں کو دیکھ رہے ہوں گے انہیں کسی

طرف بھی رجحان نصیب نہ ہوگا اس وقت انہیں سجدہ کی طرف بلایا جائے گا یہ وہی لوگ ہیں جنہیں قیامت میں مکلف بنایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ کریں گے تو ان کی ترازو کا نیکی کا پلڑا راجح ہوجائے گا اس کے بعد وہ بہشت میں داخل ہوجائیں گے انہی کے لئے فرمایا ہے یوم یکشف الخ

نور الٰہی بعض نے فرمایا کہ قیامت میں ایک عظیم نور ظاہر ہوگا جسے دیکھ کر لوگ سجدہ کریں گے اس معنیٰ پر ساق سے تجلی الٰہی مراد ہوگی جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یوم یکشف عن ساق یعنی نور عظیم کہ اس کے لئے لوگ سجدہ میں گرجائیں گے (کشف الاسرار)

حدیث شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر مظلوم کو ظالم سے حق ادا کرائے گا یہاں تک کہ کسی کا کسی پر حق باقی نہ رہے گا سوائے دودھ میں پانی ملا کر بیچنے والے کے اسے حکم ہوگا کہ وہ دودھ پانی سے علیحدہ کرکے (حق داروں کو حق ادا کرے) جب اس سے فراغت ہوگی تو اعلان ہوگا جسے تمام لوگ سنیں گے کہ ہر قوم اپنے معبودوں کے پاس چلی جائے اس وقت ہر قوم اپنے معبود کے پاس چلی جائے گی اور ان کا معبود مثالی صورت میں ان کے سامنے ہوگا مثلاً اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو عزیر (علیہ السلام) کی شکل میں بھیجے گا کسی کو عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں یہود عزیر علیہ السلام کی شکل والے کے پیچھے ہوں گے اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل والے کے پیچھے ہوں گے پھر وہ معبود انہیں جہنم میں کھینچ کر لے جائیں گے یہی وہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا لو کان ھؤلاء الھۃً ما وردوھا وکل فیھا خالدون اگر یہ معبود ہوتے تو وہ جہنم میں نہ جاتے حالانکہ وہ سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہیں گے جب سوائے اہلِ ایمان باقی نہ رہے گا انہیں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمام لوگ چلے گئے اور اپنے معبودوں کو جا ملے بتاؤ تم کس کی عبادت کرتے تھے عرض کریں گے بخدا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور نہ ہی ہم اس کے کسی غیر کی عبادت کرتے تھے ان کے لئے اللہ تعالیٰ ساق (قدرت کانور) کھولے گا اور اس عظمت سے ان پر جلوہ گر ہوگا جس سے انہیں اس کی معرفت ہوگی تو یہی ان کا رب ہے تو وہ سجدہ میں گرجائیں گے سوائے منافقین کے کہ وہ پیٹھ کے بل گریں گے اور ان کی پیٹھ بیل کی طرح ایک قلعہ بن جائے گی پھر اللہ تعالیٰ جہنم کی پیٹھ پر پلصراط بچھائے گا۔

مسئلہ: تحول (کسی صورت میں جلوہ گر ہونا) کی حدیث متفقہ علیہ ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کے آثار سے ہے جیسے اسے خواب میں صورۃ انسانیہ میں دیکھنا ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات

صورۃ اور اس کے توابع سے منزہ ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ یہ مراتب کے قبیل سے ہے اس پر کسی (دلیل سے) آگاہی نہیں ہوتی ہے۔

مسئلہ: آیت دلالت کرتی ہے امر بہ تکلیف یا طلاق جائز ہے قدریہ (فرقہ) اس کے قائل نہیں یہ آیت ان پر حجت ہے (الاسئلۃ الاقحمہ) لیکن ضروری ہے کہ اس مالایطاق سے محال عادی مراد ہو جیسے نابینا کہ مصحف کے دیکھنے کا حکم کیا جائے اور ایسی تکلیف مالایطاق کے جواز میں نزاع نہیں ایسے ہی محال عارضی مراد لینا بھی جائز ہے جیسے ابوجہل کا ایمان کہ یہ بھی ایک عارض سے محال ہوا ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا خبر دینا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ اشاعرہ ایسی تکلیف مالایطاق جائز رکھی ہے لیکن معتزلہ نے اس کا انکار کیا۔

مسئلہ: محال عقلی وہ جو کہ ممتنع بالذات ہے جیسے اعدام القدیم (قدیم کو معدوم کرنا) اس محال کی تکلیف کے جواز کا کوئی قائل نہیں (۴۳) خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ (نیچے نگاہیں کئے ہوئے) یدعون کے فاعل سے حال ہے اور ابصارہم علی بناء الفاعلیۃ فاعل ہے اور خشوع کی نسبت ابصار کی طرف انہیں اس کے آثار کے ظہور کی وجہ سے ہے ورنہ دوسرے اعضاء بھی تو خاشع ذلیل اور متواضع ہوں گے بلکہ درحقیقت خاشع تو قلب ہے کیوں کہ خشوع کا مرکز وہی ہے

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اہل ایمان جب سر سجدہ سے اٹھائیں گے تو وہ ثلج (برف) کی طرح سفید (نورانی) ہوں گے جب یہود و نصاریٰ اور وہ منافقین جو سجدہ نہ کرسکیں گے انہیں دیکھ کر غمگین ہوں گے اور پریشانی سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَرْهَقُهُمْ (ان پر چڑھ جائے گی) لاحق ہو گی ڈھانپ لے گی اس لئے کہ رہق کسی شے کا دوسری شے کو ڈھانپ لینے کے معنی میں ہے۔

ذِلَّةٌ خواری سخت جو انہیں رسوا کرے گی گویا یہ خشوع الابصار کی تفسیر ہے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں ذلّ۔ یذل ذلا (بالضم) و ذلا (بالکسر) وھو ذلیل (خوار) وَقَدْ كَانُوْا اور تھے وہ دنیا میں / يُدْعَوْنَ بلائے جائے دعوۃ تکلیف سے اِلَى السُّجُوْدِ سجدے کی طرف یہاں سجود کو ضمیر کے بجائے ظاہر کرنے زیادۃ التقریر مطلوب ہے یا اسی لئے کہ اس سے نماز مراد ہے یا وہ جنہیں سجدہ کا حکم ہے اور سجدہ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کہ وہ اعظم الطاعات ہے بعض نے کہا اس سے اللہ تعالیٰ کی صریح سجدے کی دعوت مراد ہے مثلاً فرمایا فاسجدوا للہ واعبدوا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو یا ضمناً حکم فرمایا جیسے واقیموا الصلوٰۃ اور نماز قائم کرو۔

(اسمیں سجدہ کا حکم ضمناً ہے) اس لئے کہ نماز کی دعوت دراصل سجدہ کی دعوت ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صراحۃً سجدہ کی دعوت مراد ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر سجدہ میں ہوتا ہے اسی لئے دعا یعنی سجدوں کی کثرت کرو یا ضمناً فرمایا جیسے پانچ نمازیں پڑھو مہینہ کے روزے رکھو اور اموال کی زکواۃ دو اور جب تم کو اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرمائے اور اس سے ہر زمانہ کے علماء کرام کی دعوت بھی مراد ہے اور سب سے بڑی دعوت سجدہ (الہٰی) کے لئے موذن کی اذان اور اس کی اقامت ہے کیونکہ حی علی الصلوٰۃ، بلاریب دعوت ہی تو ہے مبارک ہو ان مسلمانوں کو جو موذنین کی اذانوں کی دعوت خودبخود (نہ کہ باجبار و اکراہ) قبول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کے مطابق (اجیبوا داعی اللہ) (اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول کرو) اور جملہ یدعون کی ضمیر سے حال ہے۔

وَهُمْ سٰلِمُوْنَ حالانکہ وہ تندرست تھے یہ یدعون ثانی سے حال ہے یعنی دنیا میں تندرست تھے ان کے اعضاء اور جوڑ جملہ آفات اور بیماریوں سے صحیح سالم تھے اور سجدہ کی ادائیگی پر قدرت بھی رکھتے تھے اور قبول دعوت کو اور زیادہ قوت وطاقت کے مالک تھے تو وہ دعوت کو قبول نہ کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے اس کے ظہور پر اعتماد کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا خلاصہ یہ کہ انہیں ہر طرح تندرستی اور فراغت بھی اور قادر بھی تھے جب دنیا میں وقت کو ضائع کیا تو آج سوائے حسرت و ندامت کے انہیں کچھ بھی حاصل نہیں

مدہ فرصت از دست گر باید ن ؎

کہ گوئے سعادت زمیدان بری

کہ فرصت عزیز است چوں فوت شد

لبے وست حسرت بدندان بری

ترجمہ، اگر تجھے فرصت حاصل ہے تو اسے ضائع نہ کر تاکہ میدان میں سعادت کی گیند تیرے نصیب ہو۔ فرصت عزیز شے ہے جب فوت ہوئی تو حسرت کے ہاتھ دانتوں سے چبائے گا۔

مسئلہ:۔ آیت میں اسے وعید ہے کہ فرض نماز قضا کرتا ہے یا نماز باجماعت (صحیحہ) میں شامل نہیں ہوتا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے بہشت میں رفاقت کا سوال کیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تو میری کثرت سجود سے مدد کر۔

طریقۂ اسلاف رحمہم اللہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ تھا کہ اگر ان سے تکبیر اولیٰ ترک ہو جاتی تو تین دن تک اپنے نفس کو کوستے اگر نماز باجماعت رہ جاتی تو

تو سات دن تک ۔

حکایت حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے بیس سال تک احتلام نہ ہوا ایک دفعہ مکہ معظمہ حاضری ہوئی حرم میں حدث ہو گیا تو اس کی نحوست سے رات کو احتلام ہوا۔

فائدہ حدث سے مراد یہ ہے کہ عشا کی نماز باجماعت نہ پڑھ سکے ۔

مسئلہ : حضرت ابو طالب مکی قدس سرہ نے قوت القلوب (نام کتاب) میں فرمایا کہ جماعت سے نماز ضروری ہے بالخصوص جب اذان سُن لی جائے یا مسجد کے جوار (ہمسائیگی) میں ہو ۔

فائدہ : جوار مسجد کی حد یہ ہے کہ مسجد سے اس کے گھر تک درمیان میں سو گھر ہوں ۔

مسئلہ : نماز کے لئے اولیٰ وہ مسجد ہے کہ جو اس کے گھر کو قریب تر ہو۔ ہاں اگر دوسری مسجد میں جماعت ملتی ہے اور کثرت قدم اٹھانے کی نیت سے چلا جائے تو جائز ہے یا اس دوسری مسجد میں امام افضل ہے تو بھی ۔ کیونکہ عالم فاضل کے پیچھے نماز ادا کرنا افضل ہے یا دُور کی مسجد اسی کے جانے سے آباد ہوتی ہے ۔ (نمازی بکثرت جمع ہوتے ہیں یا اہتمام مسجد اسی کے ہاتھ میں ہے اگرچہ وہ بعید ہو، اس کا جانا اس ضرورت کے پیشِ نظر جائز ہے ۔

نماز باجماعت کے فضائل[1] : (۱) حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے پانچوں وقت نماز باجماعت پڑھی تو اس نے دنیا بھر کے بحر و بَر عبادت سے پُر کر دیئے ۔ (۲) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو تین اعمال محبوب ترین ہیں ۔

(۱) صدقہ (۲) نماز باجماعت (۳) لوگوں کی اِصلاح

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ حجاب اٹھا دیتا ہے لیکن محجوب (محروم لوگ) انانیت کے حجاب میں رہتے ہیں ۔ اسی لئے ان پر امر سخت ہو جاتا ہے وہ فنا فی اللہ کی دعوت دیئے جاتے ہیں لیکن وہ اپنی استعداد فطری کے فساد سے جو دنیا اور اس کی شہوات کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے خراب کر چکے ہیں ۔ طاقت نہیں رکھتے انکی آنکھیں ذلیل اور متحیر ہیں بوجہ نورانیت کی قوت کے زائل ہو جانے کے کیونکہ حجاب کی ذلت نے خراب کر ڈالا ہے اور وہ احتجاب کی خواری سے برباد ہوئے ۔ استعداد کے زمانہ میں انہیں سجود فنا کی طرف بلایا جاتا اور کہا جاتا کہ لذات و شہوات

---

[1] ہمارے دور میں نماز باجماعت کو تاہی سے عوام اکثر محروم ہیں ہی لیکن افسوس کہ بعض علماء، واعظین اور پیری مریدی کا دھندا کرنے والے بھی بکثرت محروم ہیں ۔ اُویسی غفرلہٗ

ترک کر کے فنا حاصل کر و لیکن وہ غفلت کی نیند میں رہے کہ اس طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اسلئے کہ ان کے مزاج کی استعداد علل نفسانیہ و امراض ہیولانیہ میں مبتلا تھی ۔

تفسیر عالمانہ (۴۴) فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ (تو مجھے چھوڑ دیئے اور اسے جو اس قرآن کی تکذیب کرتا ہے) من منصوب ہے ۔ عطف کی وجہ سے اس کا عطف یاء متکلم پر ہے یا مفعول معہ ہے ۔ یہ مرجوح ہے کیونکہ عطف بغیر ضعف کے ممکن ہے یعنی جب ان کا قیامت میں یہ حال ہو گا تو مجھے اور انہیں چھوڑ دیئے جو قرآن کی تکذیب کرتا ہے میرے اور ان کے درمیان نہ آئیے اور اپنا دل ان سے مشغول نہ رکھئے اور ان سے بدلہ لینے کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیئے کیونکہ میں ہی جانتا ہوں کہ انمیں کون عذاب کا مستحق ہے اور کون اس کی طاقت رکھتا ہے اور میں ہی اسکے معاملہ کا کفایت کرنا والا ہوں ۔

حل لغات : کہا جاتا ہے " ذَرْنِي وَإِيَّاهُ " اس کا مطلب ہوتا ہے اس کا تمام معاملہ مجھ پر چھوڑ دو میں تیری مدد کے لئے کافی ہوں ۔

فائدہ : فتح الرحمٰن میں ہے کہ اسمیں وعید ہے اور وہاں ان پر عذاب سے کوئی شئے مانع نہیں ہوگی ۔ اور یہ ہے جیسے کہا جاتا ہے " دَعْنِي مَعَ فُلَانٍ " مجھے فلاں کے ساتھ چھوڑ یعنی میں اسے عنقریب عقوبت میں مبتلا کر دوں گا ۔

الحدیث بمعنی القرآن کیونکہ جو کلام بھی انسان کو پہنچتی ہے از جہت سمع یا وحی بیداری میں یا خواب میں اسے حدیث کہا جاتا ہے (۴۵) سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (ہم انہیں ڈھیل دیں گے ۔)

حل لغات : کہا جاتا ہے اِسْتَدْرَجَہ الی کذا (اسے تھوڑی تھوڑی مہلت دیکر ڈبو دیا ۔ تاج المصادر میں ہے اَلْاِسْتِدْرَاج بمعنی اللہ تعالےٰ کا بندے کو تھوڑا سا وقفہ دیکر عذاب وعقوبت میں مبتلا کر دینا ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم اسے احسان اور تندرستی اور ازدیاد نعمت سے مہلت دے کر عذاب وعقوبت میں مبتلا کر دیں گے ۔ استدراج الی العذاب کا یہی مطلب ہے کہ اسے کچھ وقفہ دے کر نعمت ، صحت اور عافیت سے نواز کر عذاب میں مبتلا کر دینا ۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ط اس حیثیت وجہت سے کہ وہ جانیں گے بھی نہیں کہ یہ استدراج ہے یعنی ان پر انعام ہو گا تو سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے لئے ہمیں چن لیا اور دوسروں پر ہمیں فضیلت بخشی ۔ یہی انکی ہلاکت اور تباہی وبربادی کا سبب بنا ۔

حدیث شریف ۱ جب تم دیکھو کہ اللہ تعالےٰ نے کسی بندے پر انعام فرمایا ہے ، لیکن وہ

گناہوں پر مصر (اصرار کرنے والا ہے، تو سمجھ لو کہ یہ مستدرج (مہلت دیا ہوا) ہے)۔ جس پر عنقریب عقوبت الٰہی نازل ہوگی (معاذ اللہ) اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

حدیث شریف مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے کسی ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا رب میں اتنا عرصہ (دراز) تک تیرا بے فرمان رہا ہوں لیکن تو نے مجھے سزا (عذاب) نہیں دی اللہ تعالیٰ نے وقت کے نبی علیہ السلام کو وحی بھیجی اور فرمایا کہ میرے تجھ پر بہت سے عذاب نازل ہوئے لیکن تجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ تیری آنکھ کا جمود (عبرت نہ پکڑنا) تیرے دل کی قساوت (سنگدلی) میری طرف سے استدراج وعقوبت ہے اگر تجھے عقل ہوتی۔

علم بے عمل: بعض عارفین نے فرمایا کہ یہ بھی استدراج ہے کہ کسی کے پاس علم ہو لیکن اس پر عمل نہ کرے یا عمل ہو لیکن اس میں اخلاص نہ ہو جو اپنے میں یہ کیفیت محسوس کرے تو وہ سمجھ لے کہ وہ استدراج میں مبتلا ہے۔

مسئلہ: بعض متاولین (آیات و احادیث) کی تاویل کرنے والوں کے لئے بھی استدراج ہوتا ہے (جیسے مرزائیوں وہابیوں دیوبندیوں اور رافضیوں کا حال ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو مبنی برصواب سمجھ کر اسی پر ڈٹے رہتے ہیں اور اسی غلط عقیدہ پر موت آئی تو سیدھے جہنم) ایسے ہی اپنے مجتہد کیلئے سمجھنا کہ ہر مجتہد مصیب ہے اسی لئے وہ اس اجتہاد و تاویل پر لوگوں کو مبنی بر یقین اپنے عقیدہ کی دعوت دیتا ہے۔ ایسے ہی بعض صوفیا کو بھی استدراج ہوتا ہے کہ کوئی حال انہیں نصیب ہو گیا تو اسے سمجھ بیٹھے کہ یہی حق ہے۔ اور تائید من اللہ ہے جبکہ اس سے چند کرامات کا ظہور بھی ہو جائے لیکن وہ سوء ادب میں بھی مبتلا ہے۔ یعنی امورِ شرعیہ کی پابندی بھی نہیں تو سمجھو کہ انہیں استدراج ہے جس کا عذاب پائیں گے۔ جیسے دیکھا ہو گا کہ ایسے لوگ اپنی ایسی عادت سے لذت پاتے اور فخر و ناز کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں آخرت میں کتنا عذاب اور کتنا سخت مواخذہ ہو گا (یہ عموماً جاہل پیروں میں ہوتا ہے جو لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنساتے رہتے ہیں۔) ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

فائدہ: بعض عرفا مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پوشیدہ طور استدراج بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت میں اس کے استدراج اور معمولی سی مہلت سے غافل نہ ہو وہ کسی بھی صاحبِ نعمت ظاہرہ (مال و اسباب، جاہ، مرتبہ) نعمت باطنہ (علم و عمل ذکر و فکر وغیرہ) کو استدراج کے طور گرفت فرما لیتا ہے۔ اس نعمت سے یہ کبھی نہ سمجھے کہ وہ اس کا مستحق ہے اور یہ

بہت بڑا اکرام میرے استحقاق پر ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں یہ اس کا کرم ہے کہ بات اب تک بن گئی یہ نعمت (ظاہری و باطنی) میرے استحقاق سے نہیں بلکہ اس کا فضل و کرم ہے۔

انتباہ: ایسی بیماری میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں خواہ وہ مولوی ہوں یا پیر۔ اللہ ہم سب کو ایسی بیماری سے بچائے آمین۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ: دراصل اللہ تعالے نے ہر شئے کو اپنی تسبیح حمد کے ساتھ کرنے کے لئے پیدا فرمائی۔ بندوں کو اس سے نفع پانا بالتبع ہے بالاصالۃ نہیں۔ اسی لئے بندے کو جو کچھ عطا ہو وہ اس کریم کی نوازش سمجھے۔

قاعدہ صوفیانہ: ہر وہ علم ضروری جو بندے کو بلا تفکر و تدبر نصیب ہو وہ عطائے الٰہی ہے جو وہ اپنے دل کو عطا فرماتا ہے بغیر کسی واسطے کے لیکن اسے وہی سمجھتے ہیں جو اللہ کے کامل بندے ہیں۔ ایسے مقام فتوح کا صاحب دقیق میزان کا محتاج ہے کیونکہ ایسے فتوح میں استدراج اور مخفی آزمائش بھی ہوتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) برکات (۲) عذاب تاکہ صاحب فتوح اس سے نہ اترائے۔ چنانچہ فرمایا وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ (اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور اتقا کریں تو ہم ان پر آسمانی برکات نازل فرمائیں) اور فرمایا۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ (ہم نے ان پر شدید عذاب والا دروازہ کھولا)

سبق: قوم عاد سے ہی عبرت حاصل کرو کہ بادل کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو ہم پر بارش برسانے آیا ہے یہ اس وجہ سے کہا کہ ان کی عادت حاجب (پردہ) تھی پھر انہیں کہا گیا کہ نہیں یہ تو وہ عذاب دردناک ہے جس کی طلب میں تم خود جلدی کرتے تھے۔

سبق: وہ فتح جو کسی کو ادب و ترقی سے نصیب ہو ضروری نہیں کہ وہ استدراج ہو بلکہ اس کی نوازش اور مہربانی بھی ہوتی ہے ہاں وہ احوال وکشف امر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اقبال سے بچنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہو جو اسے بعجلت دیا گیا ہو جو دنیا میں تو مزے لوٹ لے لیکن قیامت میں ان اعمال کے اجر و ثواب سے خالی ہاتھ حاضر ہو۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا لطف و کرم مانگتے ہیں۔)

ملفوظ ابوالحسین (نوری) قدس سرہٗ: حضرت ابوالحسین (نوری) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ استدراج ایک نشہ ہے اس میں صاحب استدراج کو اپنے گناہ کے درد کا احساس نہیں ہوتا۔ اسے اس وقت محسوس ہوتا ہے جب نشہ سے افاقہ ہوتا ہے۔ جب ایسے لوگ نشہ سے افاقہ پاتے ہیں تو اس کا اثر قلوب پر چڑھ جاتا ہے جس سے وہ سیدھی راہ نہیں پاتے بلکہ ہمیشہ کے لئے غیر مطمئن زندگی گذارتے ہیں۔

فائدہ: استدراج لذت میں سکون پانے کا نام ہے اور اس نعمت سے خوش رہنا ہے جو اسے عطا ہوئی لیکن اس نعمت کے تحت جو سزائیں اور مہلت سے اللہ تعالیٰ کے حلم و حوصلہ سے دھوکہ کھانا ہے۔

ملفوظ ابوسعید خراز قدس سرہٗ : حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ استدراج فقدان دگمشدگی) کا نام ہے۔ اس معنی پر مستدرج وہ ہے جو باطن کے فوائد کی گمشدگی اور ظاہر میں مشغولی اور منت الٰہی کو بھول کر اپنے نفس کی حرکت و سعی میں اللہ تعالیٰ سے غیبوبیت میں منہمک۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ استدراج سے سزا کا پتہ چلتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئیے اور اللہ تعالیٰ کے انتباہ دکسی تکلیف میں مبتلا کرنے اسے نعمت اور اس کے قرب کی امید رکھی جاسکتی ہے۔

(۴۵) وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۔ اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں ۔

حل لغات اَلْاِمْلَاءُ بمعنی مہلت دینا یعنی انکی عمریں لمبی کرکے اور اجل مؤخر کرکے مہلت دیتا ہوں تاکہ اپنے اثمار بڑھائیں اس گمان سے کہ یہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے خیر و بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ اِنَّ کَیْدِیْ بے شک میری خفیہ تدبیر یعنی میری گرفت عذاب سے "مَتِیْنٌ" پکی ہے سخت قوی ہے کوئی اسکی طاقت نہیں رکھتا اور نہ کوئی اسے دفع کرسکتا ہے۔ یعنی میری سزا ایسی مضبوط ہے کہ کسی سے دفع کرنے کی نہیں اور میری گرفت ایسی سخت ہے کہ اس کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔

فائدہ : الکشاف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان وکسی کو ہر قسم کی نعمت کی قدرت دینے کو کید دا خفیہ تدبیر) کو استدراج کی طرح تعبیر فرمایا کہ اس کی ظاہری کیفیت کید جیسی ہے کہ وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے کا سبب ہے اور متانۃ (مضبوطی) اس لئے کہ اثر احسان کا ہلاکت کے سبب بننے میں قوی ہے۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ کید بمعنی دجس کے ساتھ یہ خفیہ تدبیر کی جارہی ہے) کو نفع ظاہر کرنا اور ہلاکت اور نقصان چھپانا۔ المفردات میں ہے کہ کید ایک قسم کا حیلہ بنانا۔ یہ دو قسم ہے۔ (۱) محمود (۲) مذموم یہ اکثر ہے۔ ایسے ہی استدراج و مکر محمود کی مثال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ کَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ (ایسے ہی ہم نے یوسف علیہ السلام کے لئے خفیہ تدبیر اور حیلہ بنایا) اور کید سے مراد عذاب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کید سے وہ امہال دمہلت دینا) ہے جو عذاب کا سبب بنا۔

التعریفات میں ہے کہ کید بمعنی خفیہ طور کسی کے لئے ضرر رسانی کا ارادہ کرنا۔ مخلوق سے ہو تو یہ حیلہ سیئہ ہے اللہ تعالیٰ سے ہو تو حق کی تدبیر تاکہ مخلوق کو اعمال کی سزا دیجائے (۴۶) اَمْ تَسْئَلُهُمْ کیا تم ان سے مانگتے ہو ابلاغ وارشاد و دعوت ایمان وطاعت کی۔ اسکا عطف اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ پر ہے۔ اَجْرًا اجرت دنیوی۔ فَهُمْ تو وہ اسی لئے مَغْرَمٍ چٹی الی وہ شئ جو انسان کے جرم کے بغیر کسی ضرر کے بدلے میں دیجائے۔ مُثْقَلُوْنَ بوجھ میں دبے ہیں (بوجھ اٹھانے کے مکلف ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ سے روگردانی

(۴۷) اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَیۡبُ

کرتے ہیں یعنی آپ ان سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اس کے باوجود وہ آپ سے روگردانی کرتے اور بھاگتے ہیں یا مغیبات (پوشیدہ امور) ہیں۔ فَهُمۡ یَكۡتُبُوۡنَ کہ وہ لکھ رہے ہیں اس سے جو وہ حکم دیتے ہیں کہ اہل ایمان اور وہ کفار برابر ہیں اور وہ تمہارے علم سے مستغنی ہیں (۴۸) فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ تو انتظار کیجئے اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر جو اس نے ان کو مہلت دے رکھی ہے اور تمہیں ان پر مدد کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ وَلَا تَكُنۡ اور نہ ہو جائیے زاری وعجلت میں اپنی قوم پر نزولِ عذاب کے بارے میں كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ مچھلی والے کی طرح۔ یونس علیہ السلام کہ وہ اپنی قوم کی اذیت رسانی پر صبر نہ کرکے قوم سے ناراض ہوکر چلے گئے۔ یہانتک کہ مچھلی کے پیٹ میں ایک عرصہ رہنا پڑا۔ اِذۡ نَادٰی جب پکارا۔ درانحالیکہ مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب سے دعا مانگ رہے تھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرے لئے پاک ہے بیشک میں ظلم والوں میں سے ہوں۔ وَهُوَ مَكۡظُوۡمٌ اس حال کہ اس کا دل گھٹ رہا تھا، غیظ وغضب اور غم سے بھرپور تھے۔

حل لغات

اہلِ لغت کہتے ہیں "كَظَمَ السِّقَاءَ" مشک کو باندھ کر منہ باندھ دیا۔ دوسری قید سے بیان فرمایا اللہ تعالیٰ وَالۡكَاظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ یعنی غصہ بند کرنے والے۔ اسی محاورہ پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی مَنۡ كَظَمَ غَيۡظًا الخ جس نے غصہ پی لیا حالانکہ وہ اس کے اجراء پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے پُر فرمائے گا۔ جملہ نادیٰ کی ضمیر سے حال ہے اور اسی پر نہی دائر ہے۔ کیونکہ اس وقت پریشانی اور غضب مذکور سے روکنا مطلوب ہے۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں اس کا ذکر مصرح ہے۔ چنانچہ فرمایا وَذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا اور مچھلی والے جب گئے، درانحالیکہ غضبناک تھے۔ تو پھر تم بھی اسکی (صاحب الحوت اصلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح آزمائش میں ہو جاؤ گے۔ جیسے ان سے آزمائش ہوئی یعنی مچھلی کا لقمہ بن جانا یا اسطرح کی اور آزمائش۔

تفسیر صوفیانہ

بعض نے اس کا معنی یوں کیا ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کے حکم کہ سعید کو سعادت مند اور شقی کو شقاوت والا اور نجات والے کو نجات والا اور ہلاکت والے کو ہلاکت والا بنانے پر صبر کیجئے۔ حوت والے کی طرح نہ ہو جائیے، اس کی طرح جو اپنے اوپر نفس کے صفات اور طیش وغضب مسلط کرکے حکم رب سے حجاب میں آجائے۔ یہاں تک کہ وہ شخص جناب قدس سے مردود ہوکر طبع کے گڑھے میں ہلاک ہوکہ اسے طبعیہ سفلیہ کی مچھلی نے مقام نفس میں لقمہ کر لیا اور رحم کی مچھلی کے پیٹ میں ایک عرصہ رہنے میں مبتلا ہوا۔

تفسیر عالمانہ (۴۹) لَوۡلَآ اَنۡ تَدٰرَکَهٗ اگر نہ پہنچ جاتی اسے نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ اس کے پروردگار کی نعمت سے یعنی توبہ کی توفیق و قبولیت۔ فعل مذکر کا لانا ضمیر فعل کی وجہ سے ہے اور اَنۡ اپنے فعل کے ساتھ مل کر بتاویل مصدر مبتدا ہے اس کی خبر مقدر ہے۔ اب عبارت ہوگی لولا تدارک نعمةٌ من ربہ ایاہ حاصلٌ (اگر اسے نعمت رب کا تدارک سے حاصل نہ ہوتا) لَنُبِذَ تو پھینک دیئے جاتے، بطن حوت سے۔

حل لغات اَلنَّبۡذُ کسی شئ کا اسے معمولی سمجھ کر پھینکنا۔ بِالۡعَرَآءِ میدان میں وہ زمین جو درختوں سے خالی ہو۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا العراء وہ زمین جس پر کوئی چھپانے والی شئ نہ ہو۔ وَهُوَ مَذۡمُوۡمٌ الزام دیا ہوا۔ ملامت کردہ، رحمت و کرامت الہی سے دور۔ لیکن ان پر رب کی رحمت ہوگئی اسی لئے میدان میں گرائے گئے لیکن ان پر کسی قسم کا الزام نہ تھا بلکہ جسمانی لحاظ سے بیمار تھے۔

حل لغات ملیم از الام الرجل بمعنی آیا درانحالیکہ اسپر ملامت تھی اور ملامت میں داخل ہوا۔

سوال : یہاں تم نے مذموم کی تفسیر ملیم کی ہے حالانکہ قرآن نے انہیں مچھلی کے لقمہ کے وقت ملیم بتایا ہے چنانچہ فرمایا فَالۡتَقَمَهُ الۡحُوۡتُ وَهُوَ مُلِيۡمٌ۔ اور اسے مچھلی نے لقمہ کیا درانحالیکہ وہ ملامت کردہ تھے۔

جواب : لقمہ کے وقت الامہ (ملامت والا ہونا) مچھلی سے باہر آنے کی الامۃ کے خلاف نہیں کیونکہ تدارک (رحمت الہی کا پہنچنا) ویونس علیہ السلام دونوں وقت کے الزام (الامۃ) کی نفی کر دی ہے۔ لَوۡلَا کے حکم کو غور سے دیکھو یہ امتناعیہ ہے اور اسی کے مطابق ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے اور یہ نُبِذَ کے فاعل سے حال ہے اور اسی پر لَوۡلَا کے جواب کا اعتماد ہے کیونکہ منفی یہی ہے نہ کہ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ جیسے پہلے حال میں ہے کیونکہ یونس علیہ السلام کا میدان میں تشریف لانا محمود تھا نہ کہ مذموم۔

(۵۰) فَاجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ تو اسے اس کے رب نے چن لیا۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے کہ در اصل عبارت یوں تھی فتدارکہ نعمةٌ ورحمةٌ من ربہ فجمعہ الخ یعنی اسے اسکے رب کی نعمت و رحمت پہنچی تو اسے اپنی طرف جمع فرما کر اس کی توبہ قبول کی۔ یعنی اس کی وحی کا سلسلہ جاری کیا اور اسے ایک لاکھ یا اس سے زائد کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

حل لغات کہا جاتا ہے جَبَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ میں نے پانی حوض میں جمع کیا۔ اور وہ حوض جس میں پانی جمع ہو اسے جابیہ کہا جاتا ہے۔ اَلْاِجْتِبَاء کسی کو علی الطریق اصطفاء دپرگزیدگی) جمع کرنا۔

سوال :- اس سے تو اشتباہ پڑتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اس واقعہ دعوت اسے پہلے نبی نہ تھے۔

جواب : جو کرامات وارہاصات کا منکر ہے وہ بیشک کہہ سکتا ہے کہ قبل واقعہ حوت یونس علیہ السلام نبی نہ تھے۔ لیکن آپ کا حوت کے پیٹ میں ایک عرصہ تک رہنا اور موت کا وقوع نہ ہونا نہ کرامت ہے نہ ارہاص بلکہ معجزہ۔ اور یہ دلیل بناتی ہے کہ آپ واقعہ سے پہلے بھی رسول (علیہ السلام) تھے۔

فَجَعَلَهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ تو اپنے قرب خاص کے سزاواروں سے کیا، وہ جو صلاحیت میں کامل ہیں کہ اسے بچایا ایسے فعل سے جو ترک اولیٰ کا ارتکاب کرتے۔

آیت کے نزول کا مقام مروی ہے کہ یہ آیت اُحد شریف میں نازل ہوئی جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ وہ جنگ سے چلے جانے والوں کو بلائیں۔ اس تقریر پر یہ آیت مدنیہ ہے۔ بعض نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے ثقیف والوں کو دعوت دی اللہ نے فرمایا کہ انتظار فرمائیے اور دعا کو توقف میں چھوڑیئے کیونکہ صبر سے امور کا انجام ہوتا ہے۔

کارہا از صبر گردد دل پسند
خرم آن کز صبر باشد بہرہ مند
چوں در فتادی بگرداب حرج !
صبر کن والصبر مفتاح الفرج

ترجمہ : امور صبر سے دل پسند ہوتے ہیں خوش ہے وہ جو صبر سے بہرہ مند ہے۔ جب کسی تنگی کی گرداب میں مبتلا ہو جاؤ تو صبر کرو اسلئے کہ صبر کشادگی کی کُنجی ہے۔

مسئلہ : آیت صبر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

مسئلہ : ترک اولیٰ انبیا علیہم السلام سے صادر ہو سکتا ہے۔ ورنہ یونس علیہ السلام کو مليم (الزام والا) نہ کہا جاتا۔

فائدہ : وہ کوتاہی جو کسی سے سرزد ہو اس پر ندامت اور تفرع الی اللہ اکرام کے وسائل سے ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ کی توفیق ایک باطنی نعمت ہے۔

فائدہ : صلاح ایک بلند درجہ ہے جو اہل اجتباء کو ہی نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ : بندے کے افعال بھی پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اگرچہ اس میں بندے کے کسب کو دخل ہے کہ وہ اپنے ارادہ جزئیہ کا جس طرح تصرف کرتا ہے تو اللہ وہی فعل پیدا کر دیتا ہے۔

معتزلہ کی ہیراپھیری معتزلہ (گمراہ فرقہ) کبھی تو اسے اخبار بالصلاح اور کبھی اس لطف سے تاویل کرتے ہیں جو اسے صلاح کے قابل بنا دے لیکن یہ ان کا مجازی معنیٰ اور اہلسنت کا حقیقی معنیٰ ہے۔ (حقیقۃ کو چھوڑ کر بلا وجہ بھاگنا گمراہی ہے یہی دستور آج کل وہابیہ دیوبندیہ نے اکثر مسائل میں اختیار کیا ہوا ہے)

(۵۱) وَاِن يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ اور ضرور کافر تو یوں ہے کہ گویا وہ اپنی بدنظر لگا کر تمہیں گرا دیں گے۔ اِنْ مخففہ ہے اس پر دلیل لام (مفتوحہ) ہے۔

حل لغات الزلقۃ، ازل راحلتہ اس نے اپنی سواری گرا دی۔ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ جب ذکر (قرآن) سنتے ہیں (لما ظرفیہ لیزلقونک سے منصوب ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ آپ سے اپنی شدید دشمنی کی وجہ سے غضبناک ہو کر آپ کو ترچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ کسی طرح آپ کے قدم ڈگمگا (گرا دیں) اور قرآن سنتے وقت آپکی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سننے کا یہ طریقہ ان کے غضب شدید اور حسد کی وجہ سے ہے یہ اس محاورہ سے ہے جو اہل عرب کہتے ہیں "نظر الیّ نظراً یکاد یصرعنی" یعنی اس نگاہ سے اگر میں گر جاؤں تو وہ کر گزرے گا یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ آپ کو بدنظر لگاتے ہیں۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ جمہور کے نزدیک یہی مطلب ہے۔

فائدہ : بنو اسد (قبیلہ) میں چند لوگ بدنظری میں مشہور تھے۔

حل لغات العَيَان، المعيان، العُيُون سخت بدنظری سے کسی کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دینا۔

فائدہ : اس قبیلہ کا کوئی شخص چاہتا کہ وہ کسی کو بدنظر لگائے تو وہ تین دن تک بھوکا رہ کر اسے جا کر کہتا کہ یہ شئ کتنی بہترین ہے۔ اس کے کہتے ہی وہ شئ فوراً گر جاتی۔

حکایت ان کا کوئی کسی اونٹنی موٹی تازی دیکھ کر اس کا گوشت کھانا چاہتا تو لونڈی کو کہتا کہ تھیلہ اور پیسے دید (گوشت ابھی آیا چنانچہ اس اونٹنی کو غور سے دیکھکر بدنظر لگا آتو وہ اونٹنی گر جاتی یہاں تک کہ اسے ذبح کر دیا جاتا۔ خلاصہ یہ کہ وہ اس بدنظری میں یکتا تھے کہ جونہی شئے کو دیکھ کر کہا کہ یہ شئ کیسی اچھی ہے ہم نے ایسی حسین آج تک نہیں دیکھی وہ شئے اس کی بدنظر کا

شکار ہو کر فوراً ہلاک ہو جاتی ۔

بدنظروں سے قریش کی التجاء : ان بدنظروں کے متعلق قریش مکہ نے مشورہ کیا کہ جب انکی بدنظریں ایسی تاثیر ہے تو کیوں نہ ان کے کسی کو لے آئیں اور وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدنظر لگا کر کہے کہ میں نے ان جیسا اور ان کی حجتوں (دلائل) جیسا نہیں دیکھا۔ اس بدنظر کی بدنظری سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تمام کارگذاری ختم ہو جائیگی اور وہ خود بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے (معاذاللہ) لیکن اللہ نے آپ کو ان بدنظروں سے محفوظ رکھا ۔

شانِ نزول حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان بدنظری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی ۔

بدنظر کا علاج : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا بدنظر کا علاج یہی آیت ہے پڑھ کر دم کی جائے (یا لکھ کر بدنظر لگی ہوئی شئے یا انسان کے گلے میں ڈالی جائے ، فقیر اویسی نے اسے بار با آزمایا) جیسے حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

ے حضور مجلس انس است دوستان جمعند
وان یکاد بخوانید و در فراز کنید !

ترجمہ : مجلس میں حاضر ہونا انس ہے اور دوست جمع ہیں (آیت) وان یکاد پڑھکر اسکا دروازہ کھولئے

ایضاً : الاسرار المحمدیہ میں ہے کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہی خاصیت ہے کہ اس سے بدنظر رفع ہو جاتی ہے لکھ کر گلے میں ڈالی جائے یا دھو کر پلائی جائے ۔

حدیث شریف میں ہے ا" اَلْعَيْنُ حَقٌّ " آنکھ کا اثر (معین) جس کو دیکھا جائے ، حق واقع ہے ۔

فائدہ : شئے پر بدنظر تب لگتی ہے جب وہ اپنے کمال کو پہنچے اور کامل شئ کو کمال کے بعد ہی قضائے الٰہی سے نقص آتا ہے (شاید اسی سے فارسی محاورہ ہے ہر کمالے رازوالے ، ہر کمال کو زوال ہے)

فائدہ : قضائے الٰہی کا ظہور چونکہ بدنظری کے بعد ہوتا ہے اسی لئے اسے آنکھ کے بجائے قضاء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے یعقوب علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ جب آپ نے اولاد کو مصر بھیجتے وقت بدنظر کا خوف محسوس کیا کیونکہ نہایت درجہ کے باجمال ، قوی اور قد و قامت میں حسین اور ایک ہی باپ کے بیٹے تھے اسی لئے انہیں فرمایا لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ایک ہی دروازے سے نہ جانا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا ۔ تاکہ بدنظری

کا شکار نہ ہو جائیں۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے گلے مبارک میں تعویذ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے گلے میں یہ لکھ کر تعویذ ڈالتے تھے۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَآمَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّآمَّۃٍ ط

اور فرماتے کہ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام کے گلے میں تعویذ باندھتے تھے[1]۔

جھاڑ پھونک کا ثبوت

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دن کے پہلے اوقات میں حاضر ہوا تو آپ کسی درد (درد سر) میں تھے۔ شام کو واپس ہوا تو آپ کو تندرست دیکھ کر عرض کی کیسے صحت پائی فرمایا جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے انہوں نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا تو آرام ہو گیا۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ وَّحَاسِدٍ اللّٰہُ یَشْفِیْکَ ط اللہ کے نام سے میں آپ کو دم کر رہا ہوں ہر شئے سے آپ کو ایذا دے اور ہر آنکھ اور حاسد سے اللہ آپ کو شفا دے۔

اے فقیر اویسی غفرلہٗ کا تجربہ ہے کہ جس بچے کے گلے میں مذکورہ بالا کلمات لکھکر تعویذ باندھا جائے تو وہ بچہ تندرست رہتا ہے۔ اس سے وہابیہ نجدیہ کا خوب رد کریں کیونکہ وہ تعویذ وغیرہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ آج کل حرمین طیبین پر نجدیوں کا قبضہ ہے، تعویذ وغیرہ کی دشمنی میں کئی بیچارے مسلمان ان کی اذیتوں و تکالیف کا نشانہ بنتے ہیں۔

لطیفہ: فقیر حرم مکہ معظمہ میں تسبیح گلے میں ڈالکر داخل ہوا، اس تسبیح میں رنگین گچھہ بندھا تھا جیسے عموماً تسبیح کو نشانی کے طور بنایا جاتا ہے تو ایک پاکستانی نے نجدیوں سے متاثر بھاگ کر مجھے پکڑ کر کہا یہ شرکیہ طریقہ کیوں؟ میں نے احرام باندھا ہوا تھا احرام علیحدہ کیا تو وہ تسبیح کے منکے صاف نظر آگئے تو کھسیانہ ہو کر کہنے لگا میں نے سمجھا تعویذ باندھا ہوا ہے۔ تعویذ و دم پھونک جھاڑ سب ان کے نزدیک شرک ہے۔

نجدی اور پاکستانی وہابی: جنون کی حد تک اس کی دشمنی میں کتابیں رسالے شائع کر رہے ہیں اور دلیل میں وہی روایات لکھتے ہیں جن میں شرکیہ فسوں کا ذکر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب:-

مجربات اویسی و معمولات اویسی۔

حل لغات الرقیہ بمعنی افسون (ٹوٹکا یا منتر کرنا) کہا جاتا ہے رِقَاهُ الرَّاقِی رَقیاً وَرقیۃً عَوَّذَہٗ اسے تعویذ باندھا اسمائے الٰہیہ وغیرہ پڑھ کر پھونک ماری۔

رَدِّ وہابیہ نجدیہ: وہ روایات واحادیث جنمیں تعویذ اور جھاڑ پھونک کی ممانعت ہے اس سے وہ مراد ہے جو کلمات عرب کے سوا کسی ایسی زبان کے کلمات جن کا معنی معلوم نہ ہو کیونکہ ممکن ہے اس میں سحر (جادو) یا کفر کے کلمات ہوں ایسا تعویذ مکروہ ہے۔ (یہی ہم کہتے ہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہ نجدیوں کے دور سے پہلے کے بزرگ ہیں انہوں نے ان کے توہم اور غلط بیان دو صدی پہلے رد فرما دیا)۔

مسئلہ: جو تعویذ وغیرہ قرآن شریف یا دعوات (نبویہ اور اولیاء کرام) ہوں تو لاباس بہ (جائز) ہے۔ کذا فی المغرب (کتاب لغت) للمطرازی۔

فائدہ: بدنظر صرف انسان سے خاص نہیں بلکہ یہ جنات میں بھی ہوتی ہے۔

بدنظری کی تاثیر: ان کی نظر تیروں کے دندانوں سے بھی تیز تر ہوتی ہے۔

حکایت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر میں لونڈی دیکھی جس کی آنکھیں دکھتی تھیں اور چہرہ زرد تھا فرمایا اس پر منتر پڑھو اس لئے کہ اس کو بدنظر ہے اسے جن نے بدنظر لگائی ہے۔ (شرح المصابیح)

حدیث شریف میں ہے اگر کوئی تقدیر سے سبقت لے جاتی تو وہ آنکھ (بدنظر) ہے۔

فائدہ: اگر کوئی شئے بغیر قضائے الٰہی مہلک وضرر رساں ہوتی تو آنکھ ہوتی یعنی بدنظری جو سخت سے سخت ضرر پہنچاتی ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آنکھ یعنی بدنظر انسان کو قبر میں داخل کرتی ہے اور اجل مقدر ہے۔

سیاہ داغ دافع بدنظر: بدنظر کے دفع کرنے کا ایک طریقہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے ایک بچے بلیح (حسین) کو دیکھکر فرمایا "دسمو انونتہ" اس کی ٹھوڑی کو سیاہ کرو تاکہ اسے بدنظر نہ لگے۔

دوسرا طریقہ: تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ اسی قبیل سے ہے۔ کھیتوں اور باغات میں جانوروں کے سروں کی ہڈیاں ٹانگنا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدنظر کھیتوں اور باغات کی نحوست پڑ جاتی تو جب ہڈیاں نمایاں نظر آئیں گی تو وہ نحوست سب سے پہلے ان پر پڑیگی پھر اسکی تیزی کم ہو جائیگی تو کھیت و باغات پر بدنظر کی نحوست کا اثر نہ پڑے گا۔

بدنظر کا علاج آیات قرآن سے : (۱) عنس عابس شہاب تابس رددت العین من المعین علیہ والی احب الناس الیہ فارجع البصر ھل تری من فطور ط (۲) سورۃ الفاتحہ (۳) آیۃ الکرسی (۴) چھ آیات شفاء وہ یہ ہیں ۔ (۱) وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ط (۲) شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (۳) فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ط (۵) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ط (۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ط

صاف برتن میں پانی ڈالکر مذکورہ بالا آیات پر دم کریں جس پر چشم بد کا اثر ہے اسے پلائیں اور اس سے وہ نہائے۔

بدنظر کا آسان علاج : یہ بھی بدنظر کی شفاء سے ہے کہ بدنظر آدمی غسل یا وضو کرے اس کے اس پانی معین (جس پر بدنظر کا اثر ہے) غسل کرے ۔

نکتہ : بدنظر لگنے کا سبب یہ ہے کہ دیکھنے والا جب اچھی شئ دیکھتا ہے تو اس کی تحسین تو کرتا ہے لیکن معاً اسے اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں سمجھتا اور نہ ہی اسے اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ منظور (جسے دیکھا گیا) میں کوئی علت (بیماری) وغیرہ پیدا کرتا ہے ۔ بدنظر کی جنایت پر جو اس نے اچانک نظر ڈالی (اور اسے اللہ تعالیٰ کی صفت وقدرت کا اعتراف نہ کیا) اس سے بندوں کی آزمائش مراد ہوتی ہے تاکہ اہل حق سمجھیں کہ یہ اللہ سے ہے اور اہل باطل کہیں یہ غیر سے ہے ۔

مسئلہ : بدنظر کی بدنظری سے جو نقصان ہوگا اس سے اس کا مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا سبب وہی ہے اور اسکی وجہ سے ہی نقصان ہوا۔ اسکی وجہ بعض نے یہ بتائی ہے کہ بدنظر والے کی نظر سے ایک زہریلی قوت اٹھتی ہے تو فوراً معین (جس پر بدنظر لگی ہو) پر پہنچ کر فوراً اسے ہلاک یا فاسد کر دیتی ہے ۔ بدنظری کی زہر اس سانپ کی زہر کی طرح ہے جس کے صرف دیکھنے سے زہر کا اثر ضرر پہنچا دیتا ہے

فائدہ : الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ زہریلی اشیاء اپنی کیفیات خبیثہ پوشیدہ قوت سے اثر انداز ہوتی ہیں جب وہ اپنے دشمن (جس پر اثر ڈالا) سے بالمقابل ہوتی ہیں تو اس سے قوت غضبیہ اٹھتی ہے اور ایک خبیث کیفیت پیدا کر لیتی ہے جس سے اذیت پہنچتی ہے بعض تو ان میں شدید قوت اور بڑی طاقت والی ہوتی ہیں یہانتک کہ اپنے اثرات سے پیٹ کا بچہ بھی گرا سکتی ہے ۔ بعض وہ ہیں آنکھوں کو بے نور بنا دیتی ہیں بعض وہ ہیں کہ جن کی کیفیت بلا اتصال محض دیکھتے ہی اثر انداز ہو جاتی ہے ۔ اس کے نفس کے خبث کی شدت سے اور کیفیت خبیثہ کے اثرات سے ۔

فائدہ : ضروری نہیں کہ جسم جسم سے منفصل ہو تو زہریلی شئے اثر انداز ہو بلکہ بعض زہریلی اشیاء ایسی

ہوتی ہیں کہ محض سامنے ہونے یا اُسے دیکھنے سے اس کا اثر ہو جاتا ہے جیسے بعض سانپوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جب اس کی نگاہ کسی انسان پر پڑتی ہے تو وہ سانپ کے اثر سے فوراً مر جاتا ہے ۔

فائدہ : یہ کوئی بعید از قیاس نہیں کہ بعض انسانوں سے جواہر لطیفہ غیر مرئیہ (نظر میں نہ آنے والے) اٹھ کر معین (جسے دیکھا گیا) پر پڑے اور اس کے مسام جسمانی یعنی جسم کے سوراخوں میں گھس گئے مثلاً منہ اور ناک اور کان وغیرہ تو پھر اس سے وہ ضرر پاتا ہے اور چونکہ اپنے جواہر و ماہیات میں نفوس مختلف ہوتے ہیں اسی لئے ان کے لوازمات و آثار کا اختلاف ممتنع نہیں ۔ اس معنیٰ پر تاثیر مذکور کی خاصیت بعض لوگوں میں ظاہر ہونا بھی بعید از قیاس نہیں ۔

بدنظر کے منکر کا جواب : مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ بدنظری کا انکار غلط ہے وہ جو منکر کہتا ہے کہ بدنظری کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ کسی جسم میں کسی کی تاثیر تب ہو جب ان کا آپس میں اتصال ہو اور یہاں نظر کا اتصال کہاں ۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تاثیر کے لئے مس کرنا یعنی شئے کا لگ جانا ضروری ہے غلط ہے بلکہ شئے کا شئے کے بالمقابل ہونا یا اس کا دیکھنا بھی اثر انداز ہو جاتا ہے جیسے اوپر مذکور ہوا ۔

بدنظر کی تاثیر پر جملہ مذاہب کا اتفاق : باوجود اختلاف ملل و مذاہب کے اس میں کسی اہل مذہب کو اختلاف نہیں کہ بدنظر کا اثر ضرور ہوتا ہے کسی کو بھی اس میں انکار نہیں ۔

فائدہ : کبھی محض روح کے تصرف سے بھی بدنظر لگ جاتی ہے خواہ اسے نہ بھی دیکھے جیسے نابینا کی بدنظر کہ وہ شئے اگرچہ دیکھ نہیں سکتا لیکن اس کی نظر بد لگ جاتی ہے جیسے اسے کسی شئے کی تعریف سنائی جائے تو اس شئے کی صفت اسکے دل میں آئے گی اس سے وہ دیکھے اور شئے کے بالمقابل بغیر نظر بد والا اثر پیدا ہو جائے گا ۔

فائدہ : اس کی مثال وہ ہے کہ جس زہریلے سانپ نے ڈسا تو اسے مار دیا جائے تو زہر کا اثر ڈھیلا پڑ جاتا ہے (ایسے ہی بچھو کے کاٹنے سے بچھو کو مارنے سے) اسلئے کہ کیفیت سم سے جسم متاثر ہوتا ہے ۔ اور انحراف کے قابل ہوتا ہے جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو وہ اس کا سانس ہوا کے امتزاج سے زہر اور اس جگہ میں جہاں زہر کا اثر ہوا ہے کے اثر کو بڑھاتا رہتا ہے ۔

حکمت کی باتیں

(۱) جاحظ نے فرمایا کہ فارس و ہند کے علماء (تجربہ کار امور کے علماء نہ کہ دین کے) اور یونانی اطباء اور عرب کے دہقان (دیہاتی) اور معتزلہ کے اہل تجربہ اور متکلمین کے حاذقین درندوں کے سامنے کھانا کھانے سے کراہت کرتے تھے ان کی بدنظری کے خطرہ سے اس لئے کہ ان میں بسیار خوری اور کھانے کا حرص بہت زیادہ ہے بہت کھانا کھاتا دیکھیں گے تو ان کے پیٹ سے ایک بخار (دھواں) سا نکل کر آنکھوں سے گذر کر انسان (کھانا کھانے والے) پر پڑے گا تو اسے بیمار کر

دے گا یا مار دے گا۔
(۲) یہ لوگ خدام (نوکروں) کے سامنے کھانا کھانے اور پانی وغیرہ پینے سے بھی کراہت کرتے اور وہ بھی اس بدنظری کے خوف سے۔
(۳) یہ لوگ کھانا کھانے سے پہلے بلّی، کتّے کو دور بھگا دینے کا حکم فرماتے وہ بھی اس بدنظری کے خطرہ سے جب یہ اشیاء دور بھگا دی جاتیں تب کھانا کھاتے۔

حدیث شریف جو کھانا کھائے اور اسے ذو عینین جو اس سے مانوس نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے گا جس کا علاج نہ ہو سکے گا۔

منتر اور پھونک کی عقلی دلیل : پھونک اور منتر کا ایک نکتہ ہے کہ روح جب اپنی مخصوص کیفیت میں ہوتی ہے اور قوت پکڑتی ہے پھر اس پر تھوک اور دَم ملائی جاتی ہے تو اس اثر کا مقابلہ کر سکتی ہے جو نفوس خبیثہ اور خواص فاسدہ سے پیدا ہوا یہانتک کہ اسے زائل کر کے چھوڑتی ہے۔

رَدّ وہابیہ نجدیہ : خلاصہ یہ کہ رقیہ (منتر) جھاڑ پھونک (دم کرنا) شرک نہیں بلکہ مشروع (جائز) ہے بلکہ بدنظر سے بچنا تو نہایت ضروری ہے بلکہ جس کو کوئی شئے اچھی لگے تو فوراً کہہ دینا واجب ہے۔ تَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْہِ ۔ اللہ تعالیٰ برکت والا اور احسن الخالقین ہے، اے اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے۔ جب وہ (اس اچھی شئے یا انسان) کو برکت کی دعا کریگا تو اس کا ضرر (یعنی بدنظر) نہیں پہنچے گا۔

مسئلہ : جس کی بدنظری مشہور ہے اسے لوگوں کی مجالس میں جانے سے روکا جائے تاکہ لوگ اسکے ضرر سے بچ جائیں۔ بعض علمائے نے فرمایا کہ امام (حاکم وقت) ایسے شخص کو حکم دے کہ وہ صرف اپنے گھر میں رہے اگر وہ تنگدست ہے تو اس کا وظیفہ مقرر کر دے اور اسے لوگوں کے ایذاء سے منع کرے۔ بعض نے کہا اسے شہر بدر کر دے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ اسے اپنے گھر میں وقت بسر کرنے کا حکم دیا جائے، نہ اُسے قید کیا جائے نہ شہر بدر۔

مجذوبوں کا حال : اس تقریر سے مجذوبوں کا حال بھی معلوم ہو گیا کہ انہیں بعض شہروں میں ایک مخصوص جگہ میں رہنے کا پابند کیا گیا لوگوں میں رل گذارنے سے انہیں روکا گیا وہ لوگوں کے گھروں میں نہیں جا سکتے تھے۔

بُوم کی کہانی : جاحظ نے کہا اُلّو دنیا کی ان تین اشیاء سے ہے جو عجیب ترین ہیں یہ خود کو حسین ترین سمجھ کر ویرانوں میں گذارتا ہے اور دن کو ظاہر نہیں ہوتا کہ کہیں اسے کسی کی بدنظر نہ لگے۔ حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ جب اُلّو نے خود کو احسن الحیوان گمان کیا تو دن کو ظاہر نہیں ہوتا بلکہ رات کو آتا ہے۔

(۲) کرکی (سارس) وہ زمین پر دونوں پاؤں نہیں رکھتا بلکہ ایک پاؤں پر چلتا ہے اگر رکھے بھی تو اس پر سہارا نہیں کرتا اس خوف سے کہ کہیں وہ زمین میں نہ دھنس جائے۔

(۳) وہ پرندہ جو نہروں کی نالیوں کے پانی کے کناروں پر بیٹھا رہتا ہے اسے مالک الحزین کہا جاتا ہے اور سارس کے مشابہ ہے وہ پانی سے سیر نہیں ہوتا اسی لئے پانی کے قریب بیٹھا رہتا ہے۔ کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے اور وہ پیاسا مر جائے۔ پہلے (اُلو) میں اشارہ ہے کہ عجب (خود بینی) مذموم ہے۔ دوسرے میں خوف کی مدح ہے تیسرے میں حرص کی مذمت ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ غیر عاقل سے نصیحت حاصل کرے اور سعادتمند وہ ہے جو دوسرے سے وعظ (پند) حاصل کرے اور اشارہ پائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسان و کرم سے اس سے بصیرۃ تامہ کا سوال کرتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں غایت حیرت، اور قرآن مجید میں بدائع علوم میں نہایت جہالت اور لوگوں کا قرآن سے نفرت کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون ضد سے کہتے ورنہ انہیں یقین تھا کہ آپ دنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ عقل مند ہیں۔ اِنَّهٗ بے شک وہ حضور علیہ السلام لَمَجْنُونٌ وہ مجنون ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ؀ اے وہ ذات جس پر ذکر (قرآن) اترا ہے، بے شک تو مجنون ہے (کیطرح ہے)

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیشک اس شخص پر جن کا اثر ہے جیسے وہ آکر سکھاتا ہے جیسے ولید بن مغیرہ نے کہا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ (جنات کا سکھایا ہوا ہے) یعنی اس کے پاس پوشیدہ ہو کر جن آتا ہے اور کچھ سکھا جاتا ہے یہ ان کا حکم سراسر باطل ہے یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام سے سُن کر اس پر حکم لگایا بالکل غلط ہے چنانچہ حضور علیہ السلام کے علوّ شان اور آپ کے روشن برہان کے پیشِ نظر ان کا رد فرمایا کہ (۵۷) وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور تو نہیں وہ مگر ذکر عالمین کے لئے) یہ يَقُولُوْنَ کے فاعل سے حال ہے۔ ان کے قول کے بطلان کی غایۃ اور سامعین کی تعجیب کی غایت کے لئے مفید ہے کہ حضور علیہ السلام کی عظمت شان کے پیش نظر ان کو کیسے جرأت ہوئی کہ وہ اس طرح کی بکواس کرنے لگے یعنی یہ ایسی بکواس کیوں کرتے ہیں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ قرآن عالمین کے لئے نصیحت اور ذکر ہے اس سے جن و انسان سب نصیحت حاصل کرتے ہیں بلکہ اس میں ان امور کا بیان ہے جس کے یہ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ کوئی ایک ایسا آدمی تو دکھاؤ جس پر اس جیسا کلام نازل ہوا ہو اور کوئی ایسا دکھاؤ جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا اسرار و رموز سے آگاہ بلکہ جمیع حقائق کو محیط ہو ایسے پیارے کے لئے مجنون کہتے ہیں جو اول الامور سے کمال عقل اور علوِّ شان پر ہیں۔ جو ان کی طرف قصور منسوب کرتا ہے وہ

جاہل بلکہ پاگل ہے کیوں کہ شان والے ہی شان والوں کو جانتے ہیں ۔

إِذَا لَمْ یَکُنْ لِلْمَرْءِ عَیْنٌ صَحِیْحَةٌ

فَلَا غَرْوَ اَنْ یَرْتَابَ وَالصُّبْحُ مُسْفِرٌ

ترجمہ : جب کسی کی آنکھ درست نہ ہو تو کوئی شک نہیں کہ وہ شک میں پڑے اور صحیح آنکھ والے کے لئے ہر بات روشن ہے ۔

فائدہ : بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ وہ شرف وفضل والا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وَاِنَّهٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ اور بیشک وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے ۔

فائدہ : اسمیں الہام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صاحب الہام کے لئے ذکر ہے اور اس کے بھی جو اس کا معتقد و مقتدی ہے کیونکہ ایسے آثار تا قیامت باقی ہیں ۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعض نے کہا کہ یہ ضمیر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے کیونکہ آپ عالمین کے لئے ذکر و شرف ہیں اس میں کسی کو شک نہیں ۔

ای شرف جملہ عالم بتو

روشنیٔ دیدۂ عالم تبو !!

ترجمہ : جملہ عالم نے آپ سے شرف پایا، تمام عالم نے آپ آپ سے پائی ۔ نیز اس میں حضور سرورِ عالم کی امت کے بزرگوں کی طرف بھی اشارہ ہے ۔ اور اولیائے امت کی طرف بھی ۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ : اس سورۃ نوٗن کی تفسیر سے اللہ خالق القلم و مایسطرون کی مدد سے ۲۵، شعبان بروز پیر ۱۱۱۶ھ میں فراغت ہوئی ۔

فقیر اویسی سورۃ نون کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۶، ربیع الآخر بروز اتوار صبح دس بجے فارغ ہوا۔

الحمد للہ علیٰ ذالک ۔ وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ وجندہ العظیم ۔

سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ

اٰيَاتُهَا ۵۲	(۶۹) سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ (۷۸)	رُكُوْعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝۱۴ فَيَوْمَئِذٍ

وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١٥ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝١٦ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى
اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝١٧ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ
لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا
كِتٰبِيَهْ ۝١٩ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝٢٠ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ
فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝٢٢ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝٢٣ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي
الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝٢٤ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ
كِتٰبِيَهْ ۝٢٥ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝٢٦ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝٢٧ مَآ اَغْنٰى
عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝٢٨ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝٢٩ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝٣٠ ثُمَّ الْجَحِيْمَ
صَلُّوْهُ ۝٣١ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝٣٢ اِنَّهٗ كَانَ لَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝٣٣ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝٣٤ فَلَيْسَ لَهُ
الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝٣٥ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝٣٦ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِــُٔوْنَ

سورۃ الحاقہ اس کی اکاون آیات ہیں یہ سورۃ مکیہ ہے - اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

ترجمہ : وہ حق ہونے والی کیسی وہ حق ہونیوالی (۱) اور تم نے کیا جانا کیسی وہ حق ہونیوالی (۲) ثمود اور عاد
نے اس سخت صدمہ دینے والی کو جھٹلایا (۳) تو ثمود تو ہلاک کئے گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے (۴) - اور
رہے عاد وہ ہلاک کیے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے (۵) وہ ان پر قوت سے لگادی سات راتیں اور
آٹھ دن لگاتار تو ان لوگوں کو ان میں دیکھو بچھڑے ہوئے گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں گرے ہوئے (۶) تو تم
ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو (۷) - اور فرعون اور اس سے اگلے اور الٹنے والی بستیاں (۸) تو انہوں نے
اپنے رب کے رسولوں کا حکم نہ مانا (۹) تو اس نے انہیں بڑھی چڑھی گرفت سے پکڑا (۱۰) بیشک جب پانی
نے سر اٹھایا تھا ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا (۱۱) کہ اسے تمہارے لئے یادگار کریں اور اسے محفوظ رکھے وہ
کان کہ سن کر محفوظ رکھتا ہو (۱۲) پھر جب صور پھونک دیا جائے ایک دم (۱۳) اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعۃً چورا

کردیئے جائیں۔ ⑭ وہ دن ہے کہ ہو پڑے گی وہ ہونے والی اور آسمان پھٹ جائے گا تو اس دن اس کا پتلا حال ہوگا ⑯ اور فرشتے اس کے کناروں پر کھڑے ہوں گے اور اس دن تمہارے رب کا عرش اپنے اوپر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے ⑰ اس دن تم سب پیش ہو گے کہ تم میں کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی ⑱ تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا کہے گا لو میرے نامۂ اعمال پڑھو ⑲ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا ⑳ تو وہ من مانتے چین میں ہے ㉑ بلند باغ میں ㉒ جس کے خوشے جھکے ہوئے ㉓ کھاؤ اور پیو رچتا ہوا صلہ اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا۔ ㉔ اور وہ جو اپنے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کہے گا ہائے کسی طرح مجھے اپنا نوشتہ نہ دیا جاتا ㉕ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ ㉖ ہائے کسی طرح موت ہی قصہ چکا جاتی ㉗ میرے کچھ کام نہ آیا میرا مال ㉘ میرا سب زور جاتا رہا۔ ㉙ اُسے پکڑو پھر اُسے طوق ڈالو ㉚ پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ ㉛ پھر ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر ہاتھ ہے اسے پرو دو ㉜ بے شک وہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہ لاتا تھا ㉝ اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہ دیتا ㉞ تو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں ㉟ اور نہ کچھ کھانے کو مگر دوزخیوں کا پیپ ㊱ اُسے نہ کھائیں گے مگر خطا کار۔ ㊲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا۔

تفسیر عالمانہ

① اَلْحَآقَّةُ (حق ہونیوالی) یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے اس کا ایک نام ہے۔

حل لغات

حَقَّ يَحِقُّ بالکسر بمعنی وَجَبَ وَثَبَتَ (واجب اور ثابت ہوا) چونکہ قیامت کا آنا واجب اور ثابت ہے۔ اس کا وقوع جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (بیشک قیامت آئے گی اسمیں شک نہیں) اسی لئے اس کا نام الحاقہ ہوا اس معنی پر یہ اسناد حقیقی ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ اس میں جزا واجب و ثابت ہے اسی لئے اس کا نام الحاقہ ہوا۔ اس معنی پر اس کا اسناد مجازی ہے "نہارہٗ صائم وغیرہ کی طرح" ② مَا الْحَآقَّةُ (کیا ہے حق ہونے والی) یہ دراصل مَا هِيَ ہونا چاہئے تھا بمعنی "اَيُّ شَيْءٍ هِيَ فِي حَالِهَا" اس لئے کہ لفظ مَا سے صفت اور حال کی طلب ہوتی ہے تو ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں اس کی ہولناکی میں تاکید مطلوب ہے جیسے کہا جاتا ہے "زید ما زید" اس سے اسکی شان کی تعظیم مطلوب ہوتی ہے الحاقہ مبتدا اور مَا دوسرا مبتدا اس کا ما بعد اس کی خبر پھر جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے اور اس کا رابط مبتدا کے لفظ کا تکرار ہے۔ یہ اور اس کے نظائر مبر۔

اسی طرح ترکیب بیان کی جاتی ہے ۔ مقتضی التحقیق کا یہ ہے کہ مَا استفہامیہ اپنے مابعد کی خبر ہے کیونکہ فائدہ کا مدار اس میں کہ بتایا جائے کہ الحاقہ (قیامت) ایک عجیب امر اور خوفناک منظر ہے جیسے اس کا مابعد کا مَا خبر بن کر بتاتا ہے نہ یہ بتاتا ہے کہ امر بدیع الحاقہ ہے جیسے اس کا مبتدا اور الحاقہ کا خبر ہونا فائدہ دیتا ہے (الارشاد) ③ وَمَآ اَدْرٰاكَ تمہیں کس نے بتایا ۔

حل لغات اَدْرٰی از درایۃ بمعنی العلم کہا جاتا ہے ۔ دَرَاءۃً و دُرٰی بہ ای علم بہ اسے معلوم کیا از باب رمٰی وادراہ بہ ای اعلمہ اسے جتلایا تاج المصادر میں ہے الدرایۃ والدریۃ بمعنی دانستن (جاننا) بار سے متعدی ہوتا ہے اور خود بخود بھی سیبویہ نے کہا بار سے اکثر ہے ۔ مَا مبتدا اور ادرک اسکی خبر ہے یہاں اس کے برعکس کا کوئی جواز نہیں اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس نے جتلایا ۔

مَا الْحَآقَّةُ کیا ہے حق ہونیوالی ۔ مبتدا سے جملہ اور خبر ہے ادراک کے مفعول ثانی کی جگہ پر اور یہ جملہ کبیرہ قیامت کی ہونا کی اور اس کی گھبراہٹ کی تاکید ہے اور بیان کرنا ہے کہ اس کا علم دائرۂ مخلوقات سے خارج ہے اور وہ عظیم الشان اور اس کا ہول وشدت بہت بڑی ہے کہ اسے کسی کا علم نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی وہ کسی کے وہم وگمان سے بلند تر ہے جہاں کسی کا ادراک وعلم پہنچتا جائیگا اس سے آگے ہے ۔ کوئی بھی اسکے وقوع سے باخبر نہیں ہوسکتا ۔

رَدّ وہابیہ دیوبندیہ : قال بعضھم ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وان کان عالما بوقوعھا ولکن لم یکن عالما بکمال کیفیاتھا ویحتمل ان یقال لہ علیہ السلام اسماعا للغیرہ ص۱۳۱ ج ۱ ۔ بعض نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ اسکے وقوع کے عالم تھے لیکن اس کے کمال کیفیت سے آگاہ نہ تھے ہاں یہ احتمال بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کو لوگوں کو سنانے کے لئے ایسا فرمایا گیا ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اَلحاقہ میں تجلّی احدی اطلاقی مرآۃ واحدیہ میں جو سب کو فنا کرنے والی ہے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا "اَلْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" آج کس کا دن ہے اللہ واحد قہار کا ہے ۔ وہ قہار جو سطوات انوار احدیہ کے قہر سے جمع ظلمات تعینات کو فنا کرتا ہے جو اطلاق ذات مطلقہ کے ساترہ ہیں اور اسے الحاقہ اسی لئے کہا گیا کہ وہ فی ذاتہ اور تحقق فی نفسہ کے لحاظ سے ثابت ہے

تفسیرِ عالمانہ ④ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ثمود نے جھٹلایا یعنی صالح علیہ السلام کی قوم نے۔ ثمود ثمد وہ تھوڑا پانی جس کا مادہ نہ ہو۔ وَعَادٌ اور عاد نے یعنی ہود علیہ السلام کی قوم یہ بھی ایک قبیلہ ہے اسے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے (القاموس) بِالْقَارِعَةِ کھٹکانے والی کو۔ یہ بھی قیامت کے اسماء سے ہے کیونکہ وہ لوگوں کے کان کھٹکاتی ہے یعنی گوناگوں گھبراہٹوں اور ہولناکیوں میں انہیں مبتلا کریگی گویا وہی گھبراہٹیں پہونچائے گی اس معنی پر گویا وہ انہیں کھٹکا رہی ہے ایسے ہی آسمانوں کو انشقاق (پھٹنا) و انفطار (چرنا) سے اور زمین اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے سے اور ستاروں کو بے نور اور گدلا کرنے سے۔

فائدہ : الحاقہ کے لئے ضمیر کے بجائے القارعۃ لایا گیا تاکہ اشارہ ہو کہ اس میں بھی قرع کا معنیٰ ہے اور اس سے اس کی وصف میں شدۃ پیدا ہوگی کیونکہ جو وصفی معنی قارعہ میں ہے وہ حاقہ میں نہیں۔

حل لغات : اہل عرب کہتے ہیں "اَصَابَتْهُمْ قَوَارِعُ الدَّهْرِ" ان پر زمانہ کے شدائد و اہوال دہول ناکیاں اپہنچیں۔

فائدہ : بعض کہتے ہیں القوارع قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جنہیں موذی انس یا جن کے ڈرانے یا ان سے گھبراہٹ کے وقت پڑھی جاتی ہیں جیسے آیۃ الکرسی وغیرہ ان آیات میں جلال الٰہی کے ذکر سے موذیوں کے دل دہلانا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وحمایت سے استمداد مطلوب ہوتا ہے۔

فائدہ : آیت میں اہل مکہ کو انکی بعث وحشر کی تکذیب کی عاقبت (بدانجامی) سے ڈرانا۔ .

فَأَمَّا ثَمُوْدُ بہر حال ثمود، وہ عربی تھے ان کے گھر حجر میں شام وحجاز کے درمیان میں تھے جنہیں شام کے حجاج مکہ شریف کے آتے جاتے دیکھتے تھے ⑤ فَأُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ تو ہلاک ہوگئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے یعنی اللہ نے انہیں انکی تکذیب کی وجہ سے ہلاک اور تباہ کیا۔

نکتہ : فعل تو خبر دی لیکن فاعل کی نہیں اسلئے کہ فعل کی خبر مراد ہے نہ کہ فاعل کی وہ تو سب کو معلوم ہے طاغیہ وہ آواز جو حد سے گذر جائے یعنی شدت پر تمام آوازوں پر بڑھ جائے جس سے زمین کانپ اٹھے اور دل دہل جائیں اور اس سے زلزلہ پیدا ہو جائے۔ اس سے وہ تعارض اٹھ گیا جو کہا جاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ ہے لیکن ایک آیت میں الرجفہ ہے تو دوسری میں الصیحہ ہے اور اس میں طاغیہ تو اوپر ہم نے طاغیہ کا مطلب بتایا تو اہل فہم نے سمجھ لیا کہ الفاظ مختلف ہیں لیکن معنیٰ سب کا ایک ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ظاہر علم والے علوم حقیقیہ سے محجوب ہیں کیونکہ ان کا علم تھوڑا ہے جیسے قوم ثمود کا پانی تھوڑا تھا جب انہوں نے باطن کے اہل علم کے

طریق سلوک کی وجہ سے فنا فی اللہ ہونے کا انکار کیا تو اللہ نے انہیں نار بُعد و حجاب کی آگ کی کڑک سے ہلاک کر دیا اب ان کے لئے باطنی علوم کے لئے کسی قسم کی صلاحیت نہیں اگرچہ انہیں علم ظاہر کا کچھ حاصل ہے اس لئے کہ انہوں نے کسی بھی صالح حقیقی (ولی کامل) کا دامن نہ پکڑا اسی لئے وہ فسادِ نفس میں رہے۔

(۶) وَاَمَّا عَادٌ اور بہرحال عاد۔ ان کے گھر احقاف میں تھے وہ ٹیلے جو عمان (یمن کے درمیان حضرموت تک پھیلے ہوئے ہیں (گویا وہ تھل کے باشی تھے) وہ عربی تھے جسمانیت کے لحاظ موٹے اور قدآور تھے ان کے بڑے قدوالے سو ہاتھ اور چھوٹے قدوالے ساٹھ ہاتھ کے تھے اور اوسط ان کے درمیان میں تھے۔ الکا سر قبہ کی طرح تھا ان کی آنکھوں سے گھبراہٹ محسوس ہوتی اور ان کے ناک کے نتھنے درندوں جیسے تھے

نکتہ: ان کا ذکر ثمود کے بعد ہے حالانکہ یہ ان سے پہلے گذرے ہیں اشارہ ہے کہ گمراہ شدید سے زیادہ اور شدید تر گمراہ کی طرف ترقی ہے۔

فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ تو وہ ہلاک کئے گئے ہوا (دبور پچھوائی ہوا سے)

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں صبا سے مدد کیا گیا اور عاد دبور سے ہلاک ہوئی۔ صَرْصَرٍ نہایت سخت گرجتی ہوئی) وہ آندھی جو سخت آواز والی جسکے چلنے میں گرج وغیرہ ہو دراصل باز و چرغ وغیرہ کی آواز کو کہا جاتا ہے یا سخت سرد جس کی سردی انگوریوں اور کھیتیوں کو جلا دے کیونکہ اَلصِّر بالکسر بمعنی سخت سردی عَاتِيَةٍ ہوا کا چلتے وقت حد سے بڑھ جانا گویا وہ اپنے مرکز سے نکل گئی جسے اب قابو نہیں کیا جا سکتا۔

فائدہ: ہوائیں حضرت میکائیل علیہ السلام کے تابع ہیں اس کی اجازت کے بغیر نہیں چل سکتیں اور بند ہوتی نہیں ان کے قلم سے ان کے بھی اعوان ہیں حضرت ملک الموت علیہ السلام کی طرح۔

فائدہ: مروی ہے کہ ہوا (مخزن) سے اتنا مقدار میں خارج ہوتی ہے جتنا دنیا والوں کو ضرورت ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کا قوم عاد پر غضب بڑھا تو مخزن سے بے قابو ہو نکالی گئی اسی لئے اسے عاتیہ کہا گیا یا وہ عاتیہ تھی قوم عاد پر جسے وہ اپنے کسی حیلہ سے بھی رد نہ کرسکے گھروں میں چھپنے سے اور نہ پہاڑوں سے پناہ لینے سے یا گڑھوں میں چھپ جانے سے کیونکہ وہ جہاں ہوتے ہوا انہیں باہر نکال کر ہلاک کر دیتی۔ (۷) سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ اسے ان پر قوت سے لگا دی۔

حل لغات اَلتَّسْخِير بمعنی کسی شئی کو خاص غرض کے لئے قہراً چلانا اور مسخر وہ جو فعل پر قبضہ رکھتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ نے اس ہوا موصوف کو اپنی قدرت قاہرہ سے جیسے چاہا قوم عاد پر مسلط کر دیا ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسری صفت ہے بعض نے کہا یہ جملہ مستأنفہ ہے

اس وہم کے دفع کے لئے ہے کہ ہوا تو اتصالات فلکیہ سے ہے یہ بھی ہو تو ہمارے عقیدہ کے خلاف نہیں کیونکہ یہ بھی اسی کے سبب بنانے اور مقدر کرنے سے ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر سے خارج نہ ہوئی۔ سَبۡعَ لَیَالٍ سات راتیں۔ منصوب علی الظرفیہ ہے سخرہا کے متعلق ہے۔ عدد (سبع) مؤنث والا لایا گیا ہے کہ لیالی لیلۃ کی جمع ہے اور وہ مؤنث ہے اور اسی لئے اپنے مفرد موصوف کے تابع ہوکر آتی ہے۔ لیل ولیلۃ کہہ سکتے ہیں لیکن یوم ویومۃ نہیں کہا جاتا اور نہ ہی نہار ونہارۃ کہا جاتا ہے۔ لیلۃ کی جمع لیالی آتی ہے ساتھ زیادت تار کے یہ خلاف قیاس ہے اعلال سے بحالت تنکیر یاء گر جاتی ہے جیسے اہالی واہال اہل کی جمع ہیں سوائے حالت نصب کے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سیرو فیہا لیالی وایاما امنین۔ چلو اس میں راتوں اور دنوں میں امن والے ہوکر۔ اور لیالی غیر منصرف ہے اور اس پر فتح خفیف ہے (بخلاف ضمہ وکسرہ کے کہ وہ ثقیل ہیں) وثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ اور آٹھ دن (بدھ سے بدھ تک ماہ شوال میں موسم سرما میں) عدد مذکر کا لایا گیا یعنی ثمانیۃ اس لئے کہ یوم کی جمع ایام ہے اور وہ مذکر ہے۔ حُسُومًا لگاتار حاسم کی جمع ہے جیسے شہود شاہد کی اور وہ سخرہا کے مفعول سے حال ہے بمعنی حاسمات لگاتار۔ ریح صرصر کو جمع سے تعبیر کرنا اس کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ اور ان آٹھ دنوں اور راتوں میں مسلسل اور زور سے چلتی رہی۔ بعض نے کہا کہ یہ ماقبل کی صفت ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے اس کا آٹھ دن اور راتیں مسلسل ترجمہ لکھا۔ پہلے معنیٰ پر حال ہے یعنی وہ ہوا مسلسل (لگاتار) چلتی رہی ان آٹھ دنوں اور راتوں میں ایک منٹ بھی نہ رکی یہاں تک کہ انہیں تباہ وبرباد کر ڈالا یہ اس کے تسلسل کی تمثیل ہے جیسے داغنے والا جانور کسی بیماری کی جگہ پر داغتے وقت لگاتار داغتا ہے کہ ایک منٹ بھی اس میں وقفہ نہیں کرتا یہاں تک کہ داغ کو مکمل نہ کرلے اور خون منقطع نہ ہو جائے۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے الحسم بمعنی کاٹنا اور مسلسل (لگاتار) داغنا۔ یہ مقید کو مطلق میں استعمال کے قبیل سے ہے کیونکہ الحسم بمعنی داغ کا تسلسل ہے یا وہ نحوستیں جو ہر بھلائی کو کاٹ دیں اور انہیں جڑ سے اکھیڑ دیں یا اس کا معنی ہے وہ کاٹنے والے تھے کہ ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔ خلاصہ یہ کہ ان ہواؤں کی تین حیثیات تھیں۔

۱۔ لگاتار چلیں

۲۔ ہر خیر وبھلائی کی جڑ کاٹی اور تمام برکتیں جو ان بستیوں میں تھیں مٹا ڈالیں۔

۳۔ ان لوگوں کا نام و نشان ختم کر ڈالا۔

فائدہ : انہیں حسوم کہنا یا تو اس لئے کہ حاسمات (جڑ سے کاٹنے والی تھیں) یا اس داغنے والے سے تشبیہ ہے جو بیماری کی جگہ پر تسلسل سے داغتا ہے یا اس لئے کہ حسم لغت میں بمعنی القطع (الاستعمال) ہے اسی لئے تلوار کو حسام کہا جاتا کہ وہ دشمن کو اس ارادہ سے کاٹ کے رکھ دیتا ہے جو وہ اپنے دشمن کیلئے رکھتا ہے۔

بدھ کی تحقیق : عذاب کے دنوں سردی کے ایام تھے شوال ۲۲ (بائیسویں) کی صبح بدھ کے دن سے یہ ہوا شروع ہوئی۔ بعض نے کہا وہ ماہ صفر آخری ہفتہ تھا جس کا ہوا کا اختتام کا آخری بدھ تھا۔

فائدہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعًا فرمایا کہ ہر ماہ کے آخری بدھ میں ہمیشہ نحوست ہوتی ہے۔

فائدہ : عجوز (بڑھیا) اس لئے عجوز کہا جاتا ہے کہ ایک بڑھیا عاد کی قوم گھر کے اندر کے گڑھے میں چھپی رہی یہاں تک اسے ہوا نے آٹھویں دن باہر نکال پھینک کر ہلاک و تباہ کیا۔ بعض نے کہا یہ ایام العجز تھے یعنی سردی کے آخری ایام جن میں سردی اور سخت ہوائیں چلتی ہیں جس نے پہلے معنی پر نظر کی تو کہا "برد العجوز" جس نے دوسرے معنی پر نظر کی تو کہا "برد العجز"۔

حکایت روضۃ الاخبار میں ہے کہ بڑھیا کو نکاح کا خیال ہوا اسکے سات بیٹے تھے بیٹوں کو کہا کہ میرا نکاح کسی سے کرو انہوں نے کہا سردی میں ہر رات ننگی گذارو ہم سات ہیں تو سات راتیں، ایسے کرو چنانچہ اس نے ہر رات ننگے گذارنی شروع کر دی ساتویں رات مر گئی۔ اسی لئے انہی ایام کو ایام العجوز کہا جاتا ہے ان ایام کا نام ایام الصن (بالکسر) ہے یعنی ایام العجوز کا پہلا دن (القاموس) الصنبر بمعنی ٹھنڈی ہوا یعنی ایام العجوز کا دوسرا دن (القاموس) الوبر تیسرا دن المعلل بمجول محدث چوتھا دن مطفیٔ الجمر پانچواں دن یا چوتھا (القاموس) بعض نے کہا مطفیٔ الظعن کجاووں کو ہٹانے والا الظعن ظعنیہ کی جمع بمعنی الہودج یعنی کجاوہ اسمیں مرد ہو یا عورت۔ الآمر والمؤتمر القاموس میں ہے کہ یہ ایام العجوز کا آخری دن ہے۔ شاعر نے کہا ہے

کسع الشتاء بسبعۃ غبر، ایام شہلتنا من الشہر

فاذا انقضت ایام شہلتنا، بالصن والصنبر والوبر

وبآمر واخیہ مؤتمر، ومعلل وبمطفیٔ الجمر!

ذہب الشتاء مولیا ہربا، واتتک موقدۃ من الحر

ترجمہ : دھکیلا موسم سرمانے سات غبار دں سے ہمارے رونق کے ایام مہینوں کے جب ہماری رونق کے ایام ، صن[۱] ، صنبر[۲] ، و بر[۳] ، امر[۴] و مؤتمر[۵] ، معلل[۶] و مطفئ الجمر[۷] سے ختم ہوئی تو موسم سرما بھاگی پیٹھ کر اور آگئی گرمی روشن کرنے والی موسم ۔

نکتہ : الکواشی میں ہے کہ آٹھویں دن کا نام نہیں اس لئے کہ وہ انکی ہلاکت و ہلاک کرنے کا تھا اور عین المعانی میں ہے آٹھویں کا نام مکفئ الظعن ہے پھر الکواشی میں لکھا کہ ان کو ایام العجوز رکھنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان پر جو عذاب اترا اسے دفع کرنے سے وہ عاجز تھے اسی لئے آٹھویں دن کا نام نہ رکھا گیا کہ ہلاکت کی وجہ سے وہ اس کا نام نہ رکھ سکے ۔

فائدہ : پہلے دن کا نام نہ رکھا گیا کیونکہ عذاب کا ابتدا ، دن کو ہوا اور وہ رات چونکہ پہلے گزر گئی اور ایام کے نام رکھنا رات کے تابع ہوتے ہیں ۔ اس تقریر الصن دوسرے دن کا نام ہے جو وہ آٹھ دن عذاب کے تھے جن کی راتیں بھی شامل ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ صاحب روح البیان قدس سرہ

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے ، دنوں کی گنتی (سات) میں اشارہ ہے کہ ایام دنیا انسان کے لئے بہ نسبت یوم آخرت کے سات دن ہیں ۔ آٹھویں قیامت قائم ہو جائے گی ۔ پھر ہلاکت ہی ہلاکت تباہی ہی تباہی اور سات راتوں میں بشریت کا رانوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ وہ سات صفات الٰہیہ کو چھپانے والی ہیں اور سات صفات الٰہیہ یہ ہیں :۔ (۱) حیات (۲) علم (۳) ارادہ (۴) قدرۃ (۵) سمع (۶) بصر (۷) کلام ۔

اور ایام میں ان ایام کی طرف اشارہ ہے جو صفات ثمانیہ طبعیہ کی کاشف ہیں وہ آٹھ ہیں (۱) غضب (۲) شہوت (۳) حقد (۴) حسد (۵) بخل (۶) جبن (۷) عجب (۸) نفسانی خواہشات کا حرص یہ وہ صفات ہیں امور حق اور اس کے احکام خیرات ، مبرات (احسان اور نیکی کے جملہ امور) کو منقطع کرتی ہیں یعنی ہر خیر و بر کی قاطع ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ ۲

حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عاد یعنی وہ غالی جو حدود شرائع سے تجاوز کرنے والے زندقہ اور اباحۃ فی التوحید سے یہی لوگ خواہش نفسانی باردہ سے ہلاک ہوئے جمود طبعیت و عدم حرارۃ الشوق والعشق سے جو ان پر سخت غالب تھیں جو انہیں ہلاکت کی وادیوں میں لے ڈوبیں ۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے مسلط کر دیا غیوب سبعہ کے شک کی جگہوں میں جو یہی ان کی راتیں ہیں ان سے محجوب کی وجہ سے اور صفات ثمانیہ ظاہرہ ان کے لئے ایام کی طرح ہیں وہ صفات ثمانیہ یہ ہیں

وجود، حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، تکلم۔ یہی صفات ظاہری اور باطنی ان سے سب کی جڑ کٹ گئی۔

تفسیر عالمانہ

فَتَرَى اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم دیکھتے ہو یا وہ شخص جس کی شان ہے جو آنکھوں سے انہیں دیکھتا اگر اس وقت موجود ہوتا۔ الْقَوْمَ قوم کو عاد کی قوم۔ الف لام عہد کا ہے یعنی اس قوم کو دیکھتا اگر تو اس وقت موجود ہوتا۔ فِيهَا ان تیز ہوا کے چلنے کی جگہوں میں یا ان دنوں اور راتوں میں اس کو ابوحیان نے قرب اور صراحۃً ذکر کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔ صَرْعَىٰ پچھڑے ہوئے مردے۔ صریع کی جمع ہے قتلیٰ قتیل کی طرح القوم سے حال ہے کیونکہ یہاں رؤیۃ بصریہ ہے الصریع بمعنی المصروع ہے یعنی زمین پچھڑے ہوئے گرے پڑے اس لئے الصرع بمعنی الطرح ہے کیونکہ وہ مرنے کے بعد پچھڑے پڑے تھے۔ كَأَنَّهُمْ گویا وہ اجسام کی عظمت کی وجہ سے أَعْجَازُ نَخْلٍ کھجور کے ڈھنڈ ہیں۔ کاف محلاً منصوب حال ہے القوم سے اس کے مذہب پر جو ایک ذوالحال سے دو حال کا آنا جائز سمجھتا ہے یا صرعیٰ میں منوی سے حال ہے اس مذہب پر جو ایک ذوالحال سے دو حال کا آنا جائز نہیں سمجھتا یعنی درانحالیکہ وہ پچھڑے ہوئے کھجوروں کے ڈھنڈ کی طرح ہیں۔ (القاموس، العجز (مثلثہ) وکندس وکتف شئی کا پچھلا حصہ یہاں کھجور کے ڈھنڈ مراد ہیں۔ النخل اسم جنس ہے لفظاً اور معنیً جمع ہے اس کا واحد نخلۃ آتا ہے۔ خَاوِيَةٍ گرے ہوئے۔

حل لغات

الخوی بمعنی الخلاء کہا جاتا ہے۔ خوی بطنہ من الطعام اس کا پیٹ طعام سے خالی ہے۔ خوی بمعنی خلاء۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے پیٹ گویا کھائے جا چکے ہیں اس لئے کہ وہ اندر سے خالی ہیں ان میں کوئی شئے نہیں مطلب یہ کہ وُہ زمین پر مردے پڑے تھے قد کے لمبے اور جسم کے موٹے تھے اسی لئے گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں جن کو ٹہنیوں سے خالی کر کے زمین پر گرا یا جائے۔ اور ان کے اجسام کو کھجور کے ڈھنڈ سے تشبیہ کی وجہ یہی ہے کہ ان کی ارواح اجسام سے نکل چکی تھیں تو ایسے معلوم ہوتے تھے کہ وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں جن سے ٹہنیاں کاٹ لی گئی ہیں اور انہیں جڑ سے کاٹ کر زمین پر گرایا گیا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ ہوا ان کے مونہوں سے داخل ہو کر ان کی دبروں سے نکل رہی تھی اس لحاظ سے وہ کھجور کے ڈھنڈ کی طرح بتائے گئے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ عظیم الخلقت اور ضخیم الجثہ تھے اور اس پر انہیں ناز بھی تھا۔ تبھی تو کہتے تھے مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے بڑھ کر سخت تر قوت والا اور کون ہوگا۔ اللہ نے انہیں سخت تر آندھی سے مار گرایا اسی لئے وہ ان کھجوروں سے تشبیہ دیئے گئے جو اوپر مذکور ہوئیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ نفس پرست حقیقی مردے بے جان ہیں ان میں جان حقیقی نہیں رہی کیونکہ وہ نفس کے ساتھ قائم ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ جیساکہ ایسوں کے لئے دوسرے مقام پہ فرمایا کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ گویا وہ لکڑیاں ہیں دیوار سے لگائی ہوئی۔
اور یہاں فرمایا" کانہم اعجاز نخل" گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں یعنی بظاہر توت والے ہیں لیکن ان میں معنی ہے نہ حیات وہ درجۂ اعتبار اور وجود حقیقی سے گر چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے قائم نہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ نفس اور اس کی صفات خالی پیٹ ہیں انہیں بقار نصیب نہیں کیونکہ بقار فیض الروح سے ہوتی ہے یعنی وہ جس پر روح کی رطوبت ٹپکے وہ زندہ ہے باذن اللہ ہے اور وہی صفات الٰہیہ سے قابلیت کی صلاحیت رکھتا ہے ورنہ مردہ اور فاسد ہے۔

تفسیر عالمانہ ⑧ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ تو کیا تم ان میں سے کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔ استفہام انکار رؤیت کے لئے ہے۔ البآقیۃ بقیہ کی طرح اسم ہے وصف نہیں۔ تار نقل اسمیہ اور من زائد ہے۔ باقیہ ترٰی کا مفعول ہے یعنی اب تم ان میں کوئی چھوٹا یا بڑا نہ ان کا کوئی مرد یا عورت نہ دیکھوگے سوائے اہل ایمان کے۔

فائدہ : باقیۃ" صفت بھی ہوسکتی ہے اس وقت اس کا موصوف محذوف ہوگا یعنی نفس باقیۃ یا مصدر ہے بمعنی بقار جیسے کاذبہ وطاغیہ مصدر ہیں۔ البقار بمعنی شئی کا پہلی حالت پہ باقی ہونا، فنار کی نقیض ہے۔

مقرر است کہ بودند بر زمانہ بسے
شہان تخت نشین خسروان شاہ نشان
چو عاصفات قضا از مہب قہر و زید
شدند خاک وازاں خاک نیز نیست نشان

ترجمہ : یہ یقین ہے کہ زمانہ میں بہت سے بادشہ تخت نشین خسرو شاہی کی نشان والے تھے جب قضار کی آندھی قہر کی جگہ سے چلی تو وہ سب خاک ہوگئے کہ اب ان کی خاک کا بھی نشان نہیں۔

سبق : عقل مند پر لازم ہے کہ وہ جد وجہد کرے تاکہ وہ دنیا میں ثانی زندگی بسر کرسکے یعنی اس کی نیک نامی دنیا میں مذکور ہو جیساکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعار کی۔ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ اور مجھے پچھلے لوگوں میں سچی زبان بنا۔ علاوہ ازیں حقیقی زندگی وہی ہے جو تجلی الٰہی وفیض مآلی کل سے نصیب ہو ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم پر اپنے فیض وجود کے ڈول سے فیضیاب فرمائے بحرمتہ اسمائہ وصفاتہ ووجوب وجودہ (آمین)

تفسیر عالمانہ ⑨ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ اور لایا فرعون ، موسیٰ علیہ السلام کا ہمزمان فرعون - اسکی تخصیص اس لئے کہ وہ بلند قد سخت متکبر تھا وَمَنْ قَبْلَهٗ اور جو اس سے پہلے کافر گذرے عاد و ثمود کے سوا - یہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے اور مَنْ موصولہ ہے - اور قبل بعد کی نقیض ہے - ابوعمرو اور یعقوب اور کسائی نے قِبَلَهٗ کو بکسر القاف و فتح الباء پڑھا ہے بمعنی وَمَنْ مَعَهٗ یعنی اور وہ جو فرعون کے ساتھی قبطی مصر والے - وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اور الٹنے والی بستیاں بمعنی قوم لوط یعنی بستیوں والے کیونکہ اس کا عطف ماقبل پر یعنی فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ پر ہے

حل لغات کہا جاتا ہے "اِفْكَهٗ عَنِ الشَّيْءِ" اسے کسی شئے سے اٹھالیا - اِنْتَفَكَتِ الْبَلْدَةُ بِاَهْلِهَا شہر نے اپنے بسنے والوں کو الٹ دیا - اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی بستیوں کو الٹ دیا تھا اور زمین میں الٹ کر دھنس گئے - اور یہ پانچ بستیاں تھیں - (۱) صعبہ (۲) صعدہ (۳) عمرہ (۴) دوما (۵) سدوم یہ باقی تمام بستیوں سے بڑی تھیں یہ بھی بعد تخفیص بعد تعمیم کے قبیل سے ہے کیونکہ قوم لوط ایسا گندے عمل کے مرتکب ہوئے جو ان سے پہلے اس جیسا فعل کسی نے نہیں کیا تھا - بِالْخَاطِئَةِ خطاء کو بار ملابست و تعدیہ کی ہے وہی ظاہر تر ہے - خاطئۃ بمعنی خطاً یا غفلت یا وہ افعال جو بڑے خطاء والے تھے منجملہ ان کے بعث و قیامت کی تکذیب - پہلی تقریر خاطئۃ مصدر ہے عاقبۃ کی طرح - دوسری دو تقریروں پر محذوف موصوف کی صفت ہے تجرید کے قاعدہ پر یہ صیغہ نسبت کے لئے ہے اور ظاہر تر ہے کہ یہ مجاز عقلی ہے - شعر شاعر کی طرح -

تفسیر عالمانہ ⑩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ تو انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کا حکم نہ مانا یعنی ہر ایک امت اپنے رسول علیہ السلام کے بے فرمان ہوئے ان احکام کے جن سے انہوں نے روکا اور جن قبائح کا ارتکاب کرتے تھے -

فائدہ : الرَّسُوْل یہاں بمعنی جمع ہے کیونکہ فعول و فعیل دونوں مذکر و مؤنث اور واحد و جمع کے لئے یکساں ہیں یہاں جمع جمع کے بالمقابل ہے جو احاد علی الاحاد کے انقسام کی مقتضی ہے اور اضافت عہدی نہیں جنسی ہے - فَاَخَذَهُمْ تو انہیں اللہ نے عذاب سے پکڑا یعنی ان میں سے ہر قوم (کفار) کو - اَخْذَةً رَّابِيَةً بڑھی چڑھی گرفت سے شدت میں تمام کفار کی عقوبات سے بڑھ کر یا اس اندازہ سے بڑھ کر جو لوگوں میں معروف ہے جبکہ قبح میں ان کے گناہ دوسرے کافروں کی بہ نسبت زائد تھے تو جس قوم نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی انہیں پانی میں غرق کیا اس وقت روئے زمین پر صرف وہی تھے باقی وہی بچ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور قوم لوط کے شہروں کو جڑ سے اکھیڑ کر آسمان کی طرف ہوا کے

ذریعہ اسکے حکم سے لے جاکر فرشتہ نے زمین پر دہ مارا پھر اوپر سے پتھر برسائے پھر زمین مین دھنس گئے اور زمین کے اندر انہیں ایسے گندے پانی میں ڈبویا جس کی بدبو زمین پر کسی بدبُو کے مشابہ نہ تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو بحر القلزم یا دریائے نیل میں غرق کیا اس طرح ہر بے فرمان قوم کو ان کے قبیح اعمال کے مطابق عذاب ہوا اور وہ پوری پوری سزا پا گئے۔

فائدہ : اس میں قوم قریش کو ڈرانا مطلوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب نہ کریں اور اس میں عقل والوں کے لئے عبرت بھی ہے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں " رَبَا الشَّیُٔ یَرْبُوْ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب شئے بڑھ جائے اسی سے ربٰو شرعی ہے یعنی وہ زائد (پیسہ) جو سود خوار اصل مال کے سوا لیتے ہیں۔

⑪ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ بے شک جب پانی نے سر اٹھایا۔ اس الماء سے معہود پانی طوفان والا مُراد ہے یعنی جب وہ پانی اپنی معتاد (عادت) حالت سے بڑھا یہاں تک کہ ہر شئ کو پانچسو ہاتھ اوپر ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ دنیا کے سب سے بڑے پہاڑ سے پندرہ ہاتھ اوپر ہوگیا تھا یا معروف معاملہ کی حد سے بڑھا کہ پانی کا گھاٹ ملائکہ کے قابو میں نہ رہا اور یہ پانی کا سر اٹھانا اور حد سے متجاوز ہونا قوم نوح کے گناہوں پر اصرار کی وجہ سے تھا کہ گو ناگوں کفر و معاصی میں مبتلا تھے اور نوح علیہ السلام کی تکذیب میں مبالغہ کرتے تھے جو احکام ان پر وحی ہوتے انکا مذاق اڑاتے منجملہ ان کے احوال قیامت بھی تھا۔ اللہ نے ان سے یُوں بدلہ لیا کہ طوفان کے پانی میں غرق کر دیا۔ حَمَلْنٰكُمْ اے لوگو ہم نے تمہیں سوار کیا تمہارے آباؤ اجداد کو اور تم ان کی صلبوں میں تھے گویا تم اپنے اجسام سے سوار کئے گئے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ کشتی پہ سوار کرنا اس کا بڑا احسان ہے اس لئے کہ ان کے آباؤ اجداد کی نجات انکی ولادت کا سبب ہے۔ فِي الْجَارِيَةِ کشتی میں یعنی سفینۂ نوح میں اس لئے کہ اس کی شان تھی پانی پر چلنا اور حمل سے مراد طوفان نوح تک انہیں پانی کے اوپر محفوظ رکھنا نہ صرف کشتی میں سوار کرنا مراد ہے جیسا کہ لفظ فی سے معلوم ہوتا ہے وہ حمل کا صلہ نہیں بلکہ وہ محذوف کے متعلق ہے اور وہ اس کے مفعول سے حال ہے اب عبارت یوں ہوئی ہم نے پانی کے اوپر اٹھا کر تمہاری حفاظت کی۔ درانحالیکہ تم ہمارے امر و حفاظت سے کشتی میں تھے نہ وہ غرق ہوئی اور نہ پھٹی۔

فائدہ : اس میں تنبیہ ہے کہ ان کی نجات کا دارو مدار محض عصمت الٰہی و حفاظت خداوندی سے تھا اور کشتی تو صرف ظاہری سبب تھی ⑫ لِنَجْعَلَهَا تاکہ ہم اسے بنائیں اسی فعل کو یعنی مؤمنوں کو نجات دینا اور کافروں کو غرق کرنا " لَكُمْ تَذْكِرَةً تمہارے لئے یادگار (عبرت اور صانع کی کمال قدرت وحکمت

اور اس کے قہر کی قوت اور اس کی رحمت کی وسعت ۔ ۱ ھا کی ضمیر فعلۃ اور قصۃ کی طرف راجع ہے جیسے آیت تَعِیَھَا دلالت کرتی ہے ۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تاکہ ہم کشتی کو تمہارے لیئے نصیحت و عبرت بنائیں کہ اس میں مؤمنوں کو نجات نصیب ہوئی اور کافر غرق ہوئے ۔ اور کشف الاسرار میں ہے تاکہ ہم اسے رہتی دنیا تک یادگار[1] بنائیں ۔

یادگار کی دلیل: امت مصطفویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے اوائل میں لوگوں نے کشتی نوح (علیہ السلام) کے تختے جودی پہاڑ پر دیکھے ۔ وَتَعِیَھَا اور اسے محفوظ رکھے یعنی نصیحت کو ۔

حل لغات اَلْوَعْیُ علم کا محفوظ رکھنا ۔ کہا جاتا ہے "وعیت الشئ فی نفسک" تو نے اپنے میں شئے کو محفوظ کیا اور "وعیت ماقلتہ" جو تو نے کہا میں نے اسے محفوظ کیا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زندگی میں کوئی بھلائی سوائے عالم ناطق (بولنے والا) اور سامع محفوظ کرنے والے کے ہیں ۔ اَلْاِعْیَاءُ بمعنی محفوظ کرنا اپنے غیر مثلاً برتن وغیرہ میں جیسے "ادعیت المتاع فی الوعاء" میں نے اُسے برتن میں محفوظ کر لیا ۔ حضور نبی علیہ السلام نے بی بی اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کو فرمایا کسی شئ کو محفوظ کر کے نہ رکھ اللہ تجھ سے محفوظ کر لے گا جہاں تک ہو سکے مال کو خرچ کر د شاعر نے کہا ؎

الخیر یبقی وان طال الزمان بہ ! والشر اخبث ما ادعیت من زاد

ترجمہ: خیر و بھلائی باقی رہیگی اگرچہ کتنا ہی عرصہ گزرے اور شر خبیث ترین ہے وہ جو تو زاد و اسباب کو چھپا کے محفوظ کر رہا ہے ۔

اُذُنٌ وَّاعِیَۃٌ کان محفوظ رکھنے والا یعنی کان کی شان ہے کہ وہ محفوظ رکھے[2] جس کی حفاظت اس پر واجب ہے جب بھی سنے اور اس میں غور و فکر کرے اور اسے ضائع نہ کرے ترک عمل سے ۔ بعض نے کہا کہ الوعیٰ قلب کا فعل ہے لیکن کان کا کام ہے کہ وہ قلب حفاظت کرنے والے تک پہنچائے اسی لیئے وہ صفت جو قلب کی ہے اس سے کان کو موصوف کیا گیا ہے ۔

---

[1] بڑھیا کا بیڑا بھی تاحال بغداد کے نواح میں موجود ہے ۔ دونوں کو ہم صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ کشتی نوح ایک پیغمبر علیہ السلام کا معجزہ ہے بڑھیا کا بیڑا ایک ولی کامل کی کرامت تو اللہ نے جس طرح معجزہ کی علامت کو عبرت کے لئے باقی رکھا اور اسکی حفاظت فرمائی ایسے ہی کرامت محبوب سبحانی نشانی کے طور پر باقی رکھی تاکہ اہل اسلام کی تائید اور منکرین کے لئے تازیانۂ عبرت ہو ۔ اویسی غفرلہٗ

[2] یہی ترجمہ امام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اختیار فرمایا ۱۲ ۔ اویسی غفرلہٗ

وگر نیستی سعی جاسوس کوشش ٭ خبر کے رسیدی بسلطان ہوش

ترجمہ :۔ اگر تجھ سے سعی نہیں ہو سکتی تو جاسوس تلاش کر اس کے سوا سلطان ہوش تک خبر کیسے پہنچ سکتی ہے۔

فائدہ : مذکر اور واحد (اذن) لایا گیا ہے۔ چاہئے جمع الآذان الواعیہ ہوتا۔ تاکہ ان کی قلت پر دلیل ہو لیکن اسکی قلت کے باوجود اس کی شان یہ ہے کہ جم غفیر کی نجات کا سبب بنتا ہے بلکہ ان کی نسل کی مداومت کا موجب ہے یعنی جس نے اس قصہ کو محفوظ کر لیا اور وہ صرف اس لئے کرے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں گے اس سے انہیں ایمان میں رغبت نصیب ہوگی اور بہت سے لوگ کفر سے بچ جائیں گے تو ایسی حفاظت نجات اور دونوں مذکورہ امور کی مداومت کا موجب ہے۔

فائدہ : کشاف میں ہے کہ صرف ایک کان جو اللہ تعالیٰ سے کچھ اسے محفوظ کر لے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی سوادِ اعظم ہے اس کے ماسوا باقی تمام کا اس کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہ ہوگا اگرچہ مشرق و مغرب کے درمیان کو بھر دیں (یعنی ساری خدائی ایک طرف اور ایک بندۂ خدا (ولی کامل) ایک طرف اس کا مقابلہ نہیں ہو سکیگا وہ شان اور فضیلت میں ان سب سے بلند و بالا ہوگا۔ (اویسی غفرلہٗ)

حدیث شریف ، معجزۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و کرامت زوجِ بتول رضی اللہ عنہما!

فلاح پائی اُسنے جس کو اللہ نے حفاظت کرنے والا دل عطا فرمایا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ اللہ تجھے حفاظت والا کان عطا فرمائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فما نسیت شیئاً بعد وما کان لی ان انسی اذ ھوالحافظ للاسرار الالٰھیۃ اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا اور نہ ہی میرے لائق ہے کہ میں بھولوں کیونکہ آپ اسرارِ الٰہیہ کے حافظ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور میرے لئے ایمان و ہجرت نے سبقت کی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کان پکڑ کر مذکورہ بالا الفاظ فرمائے یعنی "سالت اللہ ان یجعلہا اذنک یا علی" اے علی تجھے اللہ وہی کان عطا فرمائے جو "تَعِیَہَا اُذُنٌ وَّاعِیَۃ" میں مذکور ہے۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ ان سے وہ کان مراد ہیں جنہوں نے ازل میں اللہ تعالیٰ سے خطاب سنا۔ یہی واعیہ (حفاظت کرنے والا) ہے کہ حق تعالیٰ سے ہر خطاب کو محفوظ کرتا ہے۔

نسیان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیخ کنی : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے لوگوں نے پوچھا کہ بہ نسبت دوسروں کے آپ زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں میں نے کہا کہ مہاجرین و انصار کو

کاروبار نے مشغول کر رکھا تھا میں ایک مسکین انسان تھا ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر رہتا اور قوت لایموت پر قناعت کرتا ۔ ایک دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کون ہے کہ آج کپڑا بچھائے اور جو کچھ میں کہتا جاؤں اسوقت تک چادر بچھائے رکھے یہاں تک کہ میں بات ختم کروں جو ایسا کرے گا وہ آئندہ میری بات کو یاد رکھیگا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کمبل (چادر) بچھادی یہانتک کہ آپ نے بات مکمل کرلی تو میں نے اسے اپنے سینہ سے لگالیا اس کے بعد میں حضور علیہ السلام کی کوئی حدیث نہیں بھولا ۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ اچھی بات میں تاثیر اور اس کا فائدہ ہوتا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہی کافی تھی (چادر میں باتوں کو جمع کرکے سینہ سے لگانے کا کیا فائدہ) جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے کیا [۱۳] فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ پھر جب صور پھونک دیا جائے ایک دم ۔ ربط ، مکذبین کو ہلاک کرنے اور قیامت کی عظمت بیان کرنے کے بعد اب نفس قیامت اور اس کے وقوع کی کیفیت کا بیان شروع ہے ۔

حل لغات

اَلنَّفْخُ پھونکنا ۔ اور صور ایک نور کا قرن (سینگ) ہے جو ساتوں آسمانوں سے وسیع تر ہے اس میں حضرت اسرافیل (علیہ السلام) بحکم الٰہی پھونک ماریں گے جس سے بہت بڑی آواز پیدا ہوگی جسے لوگ سن کر چیخ مار کر مر جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا ۔

قاعدہ : مصدر مبہم صرف تاکید کا فائدہ ہوتا ہے اگرچہ وہ فاعل کے قائم مقام کھڑا نہیں ہوسکتا ضُرِبَ ضَرْبٌ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ اپنے مدلول فعل پر زائد امر کا فائدہ نہیں ہوسکتا لیکن فعل کا اسناد آیت میں نَفْخَةٌ (مصدر) کی طرف حسن ہے کیونکہ یہ مصدر مبہم نہیں بلکہ مقید ہے وحدت (مرۃ) سے اس لئے کہ اس سے اسرافیل علیہ السلام کا نفخ اولیٰ مراد ہے کہ اس وقت کوئی حیوان زندہ نہیں رہے گا اور تمام عالم تباہ و برباد ہو جائیگا، جیسا کہ آنے والی دو آیتوں میں حُمِلَ اور دُکَّ دلالت کرتا ہے ۔

سوال : کشاف میں ہے کہ نفخ تو دو ہیں اللہ نے یہاں واحدۃ کیوں فرمایا ہے ۔

جواب : واحدۃ بایں معنی ہے کہ وہ نفخ ایک دفعہ ہی ہوگا ایسا نہیں کہ اسے بار بار نہیں پھونکا جائے گا، یعنی ایک ہی نفخ سے امر عظیم حادث ہوگا ۔ اور اس کی عظمت بھی اسی لئے ہے کہ وقوع نفخ ایک بار ہوگا اسکی عظمت اس حیثیت سے نہیں کہ وہ نفخ ہے اسی لئے اسے واحدۃ سے موصوف کیا گیا ہے ۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ واحدۃ محض تاکید کے لئے ہے کیونکہ پھونک ہوتی ہی ایک بار ہے ۔ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ اور زمین اور پہاڑ جڑ سے اکھیڑ دیئے جائیں گے یعنی محض قدرت الٰہیہ یا بتوسط

زلزلہ اور سخت آندھی کے زمین اور پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹالئے جائیں گے ۔

فائدہ : یاد رہے کہ آندھی کو زمین اور پہاڑوں کو اکھیڑنے کی قوت ہے جیسے قوم عاد کے وجود کی زمین اور ان کے اونٹوں جو پہاڑوں کی طرح تھے کو ان کے ہوادج (کجاووں) کو الٹا دیا تھا۔ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً تو ایک ہی دکت بمعنی ضربت ہے یعنی تمام زمینیں اور تمام پہاڑ باوجودیکہ بلند و بالا ہیں ایک دوسرے سے ٹکر مار کر یک بارگی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ٹکروں کے تکرار کی ضرورت نہ ہوگی جب ایکدوسرے سے ٹکرائیں گے تو پہاڑ اور زمین ریت کے ٹیلوں اور اڑتی ہوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے ۔ ورنہ عبارت کا تقاضا تھا کہ فدکن دکۃً واحدۃ " ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ فعل کا اسناد "والارض والجبال" کیطرف ہے اور وہ دونوں علیحدہ ایک ایک جماعت ہیں اسی لئے صیغہ دُكَّتَا لایا گیا اور اس کی نظیر قرآن مجید میں دوسری جگہ پہ موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا" بے شک آسمان و زمین ملے ہوئے تھے ۔ یہاں کُنَّ کہنا تھا لیکن کَانَتَا اسلئے کہا گیا ہے کہ اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ دو علیحدہ علیحدہ دو جماعتیں ہیں ۔

حل لغات

اَلدَّكّ اَلدَّقّ سے زیادہ بلیغ ہے ۔ الصحاح میں ہے الدک والدق وقد دکہ ضربہ وکسرہ الخ یعنی اسے ایسا زور سے مارا کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین کے برابر کر دیا ۔ از باب رَدَّ (ینصر) المفردات میں ہے کہ الدک الارض یعنی زمین کو نرم کر کے ریت کی طرح برابر کرنا اور دَكَّتِ الْجِبَال یعنی پہاڑوں کو نرم زمین جیسا بنایا اور اسے برابر کر دیا ۔ دُكَّان اسی سے مشتق ہے ⑮ فَيَوْمَئِذٍ تو اسی وقت یہ بمعنی حِيْنَئِذٍ ہے اور " وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ " سے منصوب ہے ۔ واقع ہو جائے گی قیامت اَلْوَاقِعَة قیامت کے اسماء سے ایک ہے اور یہ نام اسپر بکثرت مستعمل ہوتا ہے اس کے وقوع کے تحقق کی وجہ سے اسے واقعہ کہا جاتا ہے اسی لئے اس کی طرف وَقَعَتْ فعل کا اسناد جائز ہے یعنی جب ایسا امر ہوگا تو قیامت واقع ہو جائے گی جس سے تمہیں ڈرایا جاتا ہے یا نازل ہوگا ایک عظیم نازل ہونے والا یعنی قیامت کی سخت آواز ۔ یہ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ الخ کا جواب ہے اور يَوْمَئِذٍ اذ سے بدل ہے اسے طول کلام کی وجہ سے لایا گیا ہے ان دونوں کا عامل وَقَعَتْ ہے وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ اور پھٹ جائے گا آسمان کناروں سے کے امر عظیم کے لئے نزول ملائکہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر ۔ جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا " يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا " اس وقت آسمان پھٹ جائیں گے بادل سے اور فرشتے نازل ہوں گے ۔ یا آسمان پھٹ جائیں گے اس یوم کی شدت کے سبب سے اس کا عطف وَقَعَتْ پر ہے ۔ فَهِیَ تو یہ آسمان يَوْمَئِذٍ اس دن وَّاهِيَةٌ کمزور، ڈھیلے قوت ختم کرنے والے تاگے ٹوٹے ہوئے کی طرح جبکہ پہلے وہ سخت مضبوط تھے اگرچہ وہ اب بھی خرق و التیام کے قابل نہیں ۔

حل لغات کہا جاتا ہے "وَھَی البِنَآءُ یَھِیْ" بنا کمزور ہو گئی۔ وَھیاً فَہُوَ وَاہٍ (بہت مذکور) القاموس میں ہے وَہِیَ ہیحون وَہْیٌ وَ وُہِیٌّ تخرق ، انشق واسترخی رباطہ (اسکی رباط پھوٹ گئی ڈھیلی ہو گئی) المفردات میں ہے اَلوَھْیُ ادیم میں اور کپڑے جیبوں کا پھٹنا۔ (۱۷) وَالْمَلَکُ مخلوق معروف یہ ملائکہ سے اسم ہے کہا جاتا ہے " مامن ملک الاھو شاہد" ہر ملک شاہد ہے یہ مامن ملائکہ سے اسم ہے۔ عَلٰٓی اَرْجَآئِہَا آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے۔

حل لغات اَرْجَآءُ رَجیٰ (بالقصر) کی جمع ہے یہ جملہ حالیہ ہے اسے ماقبل پر عطف کا بھی احتمال ہے ایسے ہی مفسرین نے فرمایا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ فرشتوں کا مسکن آسمان تھے وہ پھٹ جائیں گے تو یہ کناروں پر چلے جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کا کناروں پر صرف تھوڑی دیر ٹھہرنا ہو گا اسکے بعد ان پر موت وارد ہو جائے گی کیونکہ ملائکہ نفخۂ اولیٰ سے مر جائیں گے فاء تعقیبیہ اس کے منافی نہیں (کیونکہ تھوڑا وقفہ ملے گا اسی وجہ سے فاء تعقیبیہ کا ہونا درست ہے) بعض نے کہا کہ اِلّا مَن شاء اللہ کے استثنائیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللہُ ای اِلَّا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَنَحْوَھُم۔

نفخ صور کے وقت ملائکہ کا حال: تفسیر الفاتحہ للفناری میں مولانا فناری رحمہ اللہ الباری نے فرمایا کہ جب آسمان ریزہ ریزہ ہونے لگیں گے تو ملائکہ ان کے کناروں پر آجائیں گے زمین پر نگاہ ڈالیں گے تو انہیں خلق کا انبوہِ کثیر محسوس ہو گا کہ وہ پہلے سے اب کہیں کئی گُنا زائد ہوں گے۔ انہیں خیال گزرے گا کہ ان میں اللہ نے نزول اجلال فرمایا ہے کیونکہ وہاں ملائکہ اتنا کثیر التعداد نظر آئیں گے کہ پہلے اتنا تعداد کے سامنے کبھی نہیں آئی تھی نیچے والوں سے زمین والے پوچھیں گے کیا تم میں رب تعالیٰ ہے ملائکہ فوراً جواب دیں گے " سُبحان اللہ رَبّنا لیس فیہا وھو آتٍ " پاکی ہمارے رب کو وہ ہمارے میں نہیں وہ تشریف لانے والا ہے (اپنے شان کے لائق) زمین کو گھیر کر صف بستہ کھڑے ہو جائیں گے۔ اور وہ تمام روئے زمین کے ارد گرد کو محیط ہوں گے۔ انہی کے گھیرے میں ہوں گے جملہ عالم کے انس و جن وغیرہم۔ یہ آسمان دنیا کے آباد کرنے والے ملائکہ ہیں ان کے بعد دوسرے آسمان والے زمین والے پر اتریں گے جب دوسرا آسمان پاش ہو جائے گا اور اس کے ستارے اڑ اڑ کر نار میں گریں گے یہی دوسرے آسمان والے ملائکہ کاتب کہلاتے ہیں اور یہ آسمان دنیا والے ملائکہ سے بہت زیادہ ہیں ان سے بھی زمین والے پوچھیں گے " اَفِیکُمْ رَبُّنَا " کیا تمہارے میں ہمارا رب ہے اس سے ملائکہ گھبرا کر کہیں گے ہمارے رب کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ عنقریب تشریف لانے والا ہے (اپنی شان کے لائق) وہ بھی پہلے آسمان والوں کی طرح دوسرا دائرہ بنا کر صف باندھ لیں گے

اس کے بعد تیسرے آسمان والے اتریں گے اور اس کے ستارہ زہرہ کو آگ میں پھینکیں گے اور آسمان کو اپنے سیدھے ہاتھ (قدرت) ایک لپیٹ لے گا ان فرشتوں سے بھی زمین والے کہیں گے تمہارے میں ہمارا رب تعالیٰ ہے وہ کہیں گے رب تعالیٰ کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ آنے والا ہے (اپنی شان کے لائق) ایسے ہی ہر آسمان والے فرشتے نیچے اترتے جائیں گے اور سوال وجواب ہوتا رہے گا یہانتک کہ ساتویں آسمان والے اتریں گے وہ ان سب کو زائد دیکھیں گے جب کہ ملائکہ اوپر سے اترتے رہے ان سے بھی لوگ سوال کریں گے کیا تمہارے میں ہمارا رب تعالیٰ ہے یہ کہیں گے ہمارے رب کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ تشریف لائے گا ضرور (اپنی شان کے لائق) بیشک ہمارے رب تعالیٰ کا وعدہ ضرور پورا ہوتا ہے۔ ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے لائق) بادلوں کے سایہ میں ملائکہ کے ساتھ تشریف لائیگا اور ان سب کی بائیں جانب نزول اجلال فرمائے گا اللہ تعالیٰ کا تشریف لانا بادشاہوں جیسا ہوگا (اسکی شان کے لائق) وہ خود بھی فرماتا ہے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" روز جزا کا بادشاہ یہ وہی دن ہے جس کے لئے اللہ نے اپنا اسم مٰلک بتایا ہے۔ اس کے بعد ملائکہ سات صفیں باندھ لیں گے اور تمام مخلوق اُن کے گھیرے میں ہوگی جب لوگ جہنّم کا جوش وخروش دیکھیں گے کہ وہ جبابرہ (سرکش) کافروں متکبّروں پر بھری ہوئی ہے تو لوگ سب کے سب اس کی عظمت کو دیکھ کر خوف اور گھبراہٹ سے بھاگیں گے یہی وہی بڑی گھبراہٹ ہے (جس کی خبر قرآن مجید میں دی گئی ہے) وَهُوَ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ، سوائے ان حضرات اولیاءؒ کے کہ جنہیں گھبراہٹ نہ ہوگی ملائکہ انہیں عرض کریں گے یہ وہی دن جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے لیکن وہ (اللہ والے اولیاء) امن میں ہونگے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، لیکن انبیاء علیہم السلام گھبرائے ہوں گے۔

اِزالۂ وہم

انبیاء علیہم السلام کی گھبراہٹ امتوں کی وجہ سے ہوگی جیساکہ ان کی اپنی امتوں پر شفقت تھی اور یہ ان کی فطری عادت تھی کہ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ امتوں کے لئے گھبراہٹ میں رہتے تھے بلکہ وہ اس وقت امتوں کے لئے کہیں گے "سَلِّمْ سَلِّمْ" اے اللہ امت کی خیر اے اللہ امت کی خیر۔

اَولیاءِ کرام کی شان

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ امن والوں (اولیاءِ کرام) کے لئے نور کے منبر بچھاؤ ہر ایک کو اس کی فضیلت کے مطابق منبر پر بٹھاؤ یہ منظر موقف (میدان حشر) میں ہوگا۔ یہ حضرات (اولیائے کرام) انہی منبروں پر رونق افروز ہوں گے نہایت امن اور اطمینان سے، لیکن یہ رب تعالیٰ کے تشریف لانے (اس کے شان کے لائق) سے پہلے ہوگا۔ جب جہنّم سے ڈر کر لوگ بھاگیں گے تو آگے ملائکہ صف بستہ ہوں گے اسی لئے وہ ان سے تجاوز نہیں کرسکیں گے بلکہ ملائکہ انہیں جمع کرکے میدان حشر میں اللہ کے ہاں حاضر کریں گے اس وقت انبیاء علیہم السلام انہیں پکاریں گے کہ لوٹ جاؤ لوٹ جاؤ، یا ایکدوسرے کو اس طرح کہیں گے۔ اسی کے بارے میں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے کہلوایا ہے کہ اِنِّیْٓ

اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ الخ میں تم پر پکارنے کے دن سے ڈرتا ہوں اس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے لیکن تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ وَھِیَ سے مراد ہے آسمانوں کا زمین پر گرنا جس کا نام سَاھِرَۃ ہے اور فرشتوں کا آسمانوں کے کناروں پر آجانا نفخۂ ثانیہ سے لوگوں کے قبور سے اٹھنے کے بعد نہیں ہوگا اگرچہ اسے نفخۂ اولیٰ کے درمیان کیا گیا ہے جیسے آیت کا بعد یعنی ملائکہ کا عرش و زمین کا اٹھانا جو کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا اور ان کے نزول کا مقصد بھی مخلوق کو ہٹانا وغیرہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ" تم جہاں بھی بھاگ جانے کا ارادہ کروگے وہیں میرے فرشتے ہوں گے اور وہاں بھی میری شاہی اور سلطنت ہوگی۔ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ اور تیرے رب کے عرش کو اٹھائیں گے۔ عرش آٹھواں فلک ہے اور بہت بڑا ہے جس کی عظمت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ آفاق میں ایسے ہے جیسے انفس میں قلب اور قلب تمام اشیاء سے وسیع تر ہے جیسے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے وسعت بخشی ہے (جیساکہ حدیث شریف میں ہے) اور یہی عرش الرحمٰن ہے یعنی قلب۔

فائدہ : عرش کو مضمون مذکور کے بعد ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ عرش اپنے حال پر بحال رہے گا بخلاف آسمان و زمین کے یعنی یہ فناء نہ ہوگا اس کی اور وجہ بھی ہے جسکا بیان آئے گا (انشاء اللہ)

چار اشیاء کی تخلیق : سیدنا علی بن حسن رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو چوتھے نمبر پہ پیدا فرمایا۔ اس سے پہلے تین

(۱) ہوا (۲) قلم (۳) نور پیدا ہو چکے تھے ان کے بعد عرش کو مختلف انوار سے پیدا فرمایا انہی میں سے نور اخضر ہیں ہے اس سے سبزیاں اُگتی ہے اور نور اصفر ہے اس سے صفرۃ پیدا ہوئی اور نور احمر ہے اس سے حمرہ پیدا ہوئی اور نور ابیض یہی نور الانوار ہے اسی سے دن کی روشنی ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابرین نے فرمایا کہ مراتب اربعہ کی وجہ سے انوار چار ہیں جب انوار تقسیم ہوئے تو مرتبۂ طبعیہ میں نور اسود اور مرتبہ نفس میں نور احمر اور مرتبہ روح میں نور اخضر اور مرتبہ سر میں نور ابیض دیا گیا۔ فَوْقَھُمْ ان ملائکہ کے اوپر جو کناروں پر ہیں یا آٹھوں فرشتوں کے اوپر یعنی یہی آٹھوں اپنے نفسوں کے اوپر عرش کو اٹھاتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ محمول حامل کے اوپر ہو کبھی وہ اٹھائی ہوئی شئے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کبھی جیب میں۔ فَوْقَھُمْ اور یَوْمَئِذٍ یحمل کی ظرف ہیں بر تقدیر اول ظاہر یہ ہے فَوْقَھُمْ ثَمٰنِیَۃٌ سے حال ہے جو ذوالحال پر مقدم ہے کیونکہ نکرہ ہے۔ یَوْمَئِذٍ قیامت کے دن۔ ثَمٰنِیَۃٌ آٹھ (فرشتے) ہوں گے۔

حدیث شریف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ وہ فرشتے آج چار ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ ان کی مدد میں چار اور کا اضافہ فرمائے گا تو آٹھ ہو جائینگے

ائمہ اربعہ کی شان : بعض علماء نے فرمایا کہ ان پچھلے چاروں کے ملانے میں ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے کہ آج انہوں نے شرع کو اٹھایا ہوا ہے جب قیامت کا دن ہوگا کہ یہی شریعت عرش کی شکل میں ہو جائے گی اس معنیٰ پر حمل سے حکمی حامل مراد ہوں گے۔

فرشتوں کا قد و قامت : مروی ہے کہ وہ آٹھ فرشتے ہیں جن کے قدم ساتویں زمین کی جڑوں میں اور عرش ان کے اوپر ہے اور وہ سر جھکا کر تسبیح پڑھتے ہیں۔

حدیث شریف : میں ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بیان کرنے کا حکم ہے کہ حاملین عرش کا تعارف کراؤں ان کا ایک فرشتہ وہ ہے کہ جس کے کان کی لو سے کاندھے تک پرندے کے اڑنے کی سات سو سال کی مسافت ہے۔ اس کی تسبیح ہے۔ "سبحانک حیث کنت" تیرے لئے پاکی ہے تو جہاں ہے۔

فرشتہ کا نام : حضرت یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسکا نام وقیل (علیہ السلام) ہے۔

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آٹھ سے آٹھ ہزار فرشتے مراد ہیں۔ اور ضحاک نے فرمایا اس سے وہ آٹھ صفیں مراد ہیں جنکی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان) اللہ کہتا ہے کہ مناسب تر پہلا قول ہے۔ کیونکہ وہی عظمت ا ن اور اسکی ہیبت اور اظہار قدرت میں زیادہ مؤثر ہے علاوہ ازیں چار فرشتے برائے عرش کعبہ معظمہ کے ارکان کی طرح ہیں ایسے ہی ارکان قلب ہیں اس لئے کہ قلب کی دائیں جانب روح و سر اور بائیں جانب نفس و طبعیت ہیں۔ پھر یہ ظاہر و باطن کے اعتبار سے آٹھ ہیں ان سے ہی آٹھ ہزار ہو جاتے ہیں کیونکہ الف واحد (ایک) کی تفصیل ہے اس کے بعد کوئی عدد نہیں سوائے تضعیف کے (واللہ اعلم)

حٰم المؤمن (سورۃ) کے اوائل میں اس مقام کے بعض متعلقات مذکور ہو چکے ہیں اسی لئے ہم ان کا اعادہ نہیں کرتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں عرش ذات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صفات ثمانیہ ذاتیہ غیبیہ کی حامل ہے اور یہی صفات مفاتیح الغیب جو حمل ذوات الصفات کی صفت حمل سے موصوف ہیں اور صفات ظہورات الصفات کی حامل ہیں۔

تفسیر عالمانہ (۱۸) یَوْمَئِذٍ اس دن ۔ تُعْرَضُوْنَ پیش کئے جاؤ گے اللہ تعالیٰ کے سامنے ۔ یہ یومئذ کا عامل ہے یعنی ان سے سوال اور حساب ہوگا اور اس سوال و حساب کو عرض سے تعبیر کیا گیا اُس لشکر سے تشبیہ ہے جو بادشاہ کے سامنے پیش ہوتا ہے تاکہ ان کے حالات سے آگاہی کی جاسکے ۔

حلِّ لغات اہل عرب کہتے ہیں "عرض الجند" لشکر پیش ہوا یہ اسی وقت بولتے ہیں جب بادشہ حکم دے کہ انہیں اس کے ہاں پیش کیا جائے اور وہ انکے حال پر نظرکرم فرمائے یہ خطاب تغلیباً عام ہے۔

خدا تعالےٰ کی پیشی کتنا بار : مروی ہے کہ قیامت میں تین پیشیاں پڑیں گی اعتذار، احتجاج و توبیخ کے طور۔ تیسری میں کتابیں (اعمالنامے) کھولے جائیں گے ۔ کامیاب انسان اپنا عمل نامہ دائیں ہاتھ میں لے گا اور تباہ حال بائیں ہاتھ میں اور یہ پیشی اگر نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگی لیکن وہ دن بڑا ہے اسی لئے اس دن دونوں نفخ اور صعقہ اور نشور اور حساب اور اہل جنت کا جنت میں اور اہل نار کو نار میں ادخال ہوگا اسی لئے اسے تمام کا ظرف بنانا جائز ہے جیسے "جئت عام کذا" کہنا جائز ہے کیونکہ اس میں آنیوالا کا آنا سال کی کسی ایک گھڑی میں ہوگا نہ کہ سالم سال اس میں صَرف ہوگا ۔

مشتبہہ (فرقہ) کا عقیدہ، نجدیہ و وہابیہ و ابن تیمیہ بھائی بھائی : مشتبہہ (فرقہ) ایسے ہی وہابی غیر مقلدین ایسے ہی ابن تیمیہ، نے حمل عرش اور مخلوق کا اس کے ہاں پیش ہونے سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ عرش میں موجود و حاضر ہے اور اسی کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے[1]۔

جواب از اہلسنّت : اہل سنت نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تمثیل ہے کہ اس کی عظمت

---

[1] دَورِ سابق میں اور پھر تیرھویں صدی کے اواخر اور چودھویں کے اوائل میں اس مسئلہ پر خوب بحثیں ہوئیں اور بے شمار تصانیف (جانبین) سے معرض وجود میں آئیں ۔ ابن تیمیہ نے ہی اس مسئلہ کو اٹھایا اور نجدیوں وہابیوں غیر مقلدوں نے خوب اچھالا ۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے "ایضاح الحق الصریح" میں یہانتک لکھ مارا کہ جو اللہ کو عرش میں بیٹھا ہوا حاضر موجود نہیں مانتا وہ گمراہ ہے (معاذ اللہ) اور مولوی وحید الزمان نے ترجمۃ القرآن کے حاشیہ پ۳ آیۃ الکرسی، میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پہ بیٹھا پنڈلی لٹکائے کرسی رکھے ہوئے ہے جب وہ کرسی پر پاؤں رکھتا ہے تو وہ چرچر کرتی ہے ۔

اہلِ سنت نے ان کے خوب جوابات دیئے اور اس قسم کی آیات و احادیث کو متشابہات میں داخل فرما کر ثابت کیا کہ اللہ زمان و مکان کی قید سے پاک ہے اور وہ قدرت و علم وغیرہ کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے نہ کہ صرف عرش پر ۔ اُویسی غفرلہ

اسی طرح ہے جیسے تم اپنے بادشاہوں کو دیکھتے ہو کہ وہ فیصلہ کے لئے کس شان و شوکت سے آتے ہیں اسکا ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ (بادلوں کے سایہ) میں آنے میں اس کا امر و قضاء مراد ہے۔ ایسے ہی حدیث تحوّل بھی اہل کے مرتبۂ صفات میں ظہور پر محمول ہیں اور اس میں کسی قسم کا مناقشہ نہیں۔ کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو شبِ معراج امرد (بے ریش) جوان کی شکل میں دیکھا (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) اس لئے کہ صُورۃ انسانیہ جمیع صُوَر کی جامع ہے اور اس کی مثال رؤیا منامیہ بھی ہے (کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوتی ہے تو صورۃ انسانی میں) ورنہ ہمارا عقیدہ تو وہی ہے کہ وہ اپنی ذات میں اوصافِ جسمانیہ سے منزّہ و مقدس ہے۔

لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ کہ تم میں کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی۔ تُعْرَضُوْنَ کے مرفوع سے حال ہے مِنْكُمْ دراصل خَافِيَةٌ کی صفت فاصلہ کی وجہ سے مقدم اور صفت سے حال میں تبدیل ہوئی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوگے کہ تم میں کوئی بھی اپنا فعل اور بھید نہ چھپا سکے گا کیونکہ پیشی افشاء حال اور بھرپور عدل و انصاف کے لئے ہوگی۔ اسی لئے آج کے دن کوئی شئ کسی سے مخفی نہ ہوگا جیسے اللہ نے فرمایا "يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ" چھپی باتوں کی جانچ ہوگی۔ مِنْكُمْ ماقبل سے متعلق ہے اور اس کا مابعد تجاوز میں ہے۔

فائدہ: زمخشری نے کہا کہ خَافِيَةٌ بمعنیٰ راز و حال یعنی بندوں کے وہ راز و حال جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں چھپائے رکھے

حل لغات سِرّ اور سریرۃ، بمعنی وہ شئے جو چھپائی جائے اور مخفی رکھی جائے۔ اسی لئے اہل ایمان کے احوال قیامت میں ظاہر ہوں گے تو مؤمنین کو کامل سرور و فرحت نصیب ہوگی بخلاف انکے اغیار یعنی کفار کے کہ ان کے احوال ظاہر ہوں گے تو وہ مغموم (محزون اور رسوا) ہوں گے۔

فائدہ: آیت میں معصیت سے زجر عظیم ہے کہ وہ انسان کو کھُلے بندوں رسوائی کی طرف لے جاتی ہے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو ایسا صاف رکھے کہ اگر اسے تھال پر رکھ کر لوگوں کو دکھائی جائے تو اس میں ایسی بات نہ ہو جو اسے خجالت اور رسوائی ہو اور یہ اہل اخلاص و نصیحت کی کیفیت ہو سکتی ہے۔ (۱۹) فَاَمَّا احکام عرض کے احکام میں شروع ہیں۔ مَنْ مَنْ موصولہ ہے۔ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بہرحال وہ جو دیا جائے گا اپنا نامۂ اعمال (کتاب سے مراد وہ مکتوب (عملنامہ) جسمیں کراماً کاتبین اس کے اعمال کی تفصیل درج کرتے تھے۔ بِيَمِيْنِهٖ اس کے داہنے ہاتھ میں یہ دائیں ہاتھ اس کی عظمت کی دلیل ہے کیونکہ یمین وہ ہے جس سے برکت حاصل کی جائے اور باءً بمعنی فی ہے یا الصاق کے لئے ہے یہی وجہ بہتر ہے ان سے ابرار مراد ہیں کیونکہ مقربین کے لئے تو کوئی حساب و کتاب نہیں ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے۔

شانِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے جسے عملنامہ سیدھے ہاتھ میں عطاء ہوگا وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی کتاب کی شعاع سورج جیسی ہوگی عرض کی گئی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہاں ہوں گے آپ فرمائیں گے وہ تو بہت اونچی شان والے انہیں تو بہت پہلے فرشتے بہشت میں لے گئے۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بدلہ ملا اس جرأت کا کہ آپ نے دار ارقم سے تلوار ہاتھ میں لیکر قریش کے سرداروں کے سامنے اسلام کا اظہار فرمایا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی برکت تھی کہ اس کے بعد اسلام کھلے میدان میں ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ کی امداد اسے بہت خوش ہوا۔

فضائل خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم : حدیث شریف میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد شریف کو فرمایا ٹھہر جا تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ اس وقت حضور پاک خود اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد شریف پر تھے تو احد شریف متحرک ہوا آپ نے وہی فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔

فائدہ : حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کا مرتبہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر ہے کیونکہ صدیقیت نبوت کے قریب (متصل) ہے۔

فَیَقُوْلُ کہے گا خوشی و سرور سے، کیونکہ جب اسے معلوم ہوگا کہ اسے عملنامہ دائیں ہاتھ میں عطا ہوا ہے تو یقین کرے گا وہ جہنم سے نجات پاگیا اور جنت سے نوازا جائے گا۔ اسی لئے اپنی خوشی تمنّی دوسروں پر ظاہر کرے گا تو وہ اسکی خوش بختی سے خوش ہوں۔ **هَآؤُمُ اقْرَؤُا كِتَابِيَهْ** اے میرے گھر اور قرابت والو اور دوستو میری کتاب لے کر پڑھو، کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس سے مجھے رُسوائی ہو۔

فائدہ : تبیان میں ہے کہ یہ کتاب کوئی اور ہوگی عملنامہ والی نہ ہوگی کیونکہ وہ کتاب تو بندے اور اللہ کے درمیان معلوم ہو چکی اب اسے دوسرں کے پڑھنے سنانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب صرف مژدۂ جنت پر مشتمل ہوگی۔

فائدہ : خبر میں ہے کہ اہل ایمان کی نیکیاں کتاب کے ظاہر پر اور برائیاں اندر کے حصہ پر مندرج ہوں گی تاکہ اس کے سوا اور کوئی نہ دیکھے جب یہ کتاب بندے کے پاس پہنچے گی، پر لکھا ہوگا کہ میں نے تجھے بخش دیا جب اسے الٹ کر دیکھےگا اس کے ظاہر پر لکھا ہے کہ میں نے تیری نیکیاں قبول کیں تو فرط مسرت سے کہے گا **هَآؤُمُ اقْرَؤُا كِتَابِيَهْ** لاؤ میری کتاب کو پڑھو یعنی اے میرے یارو لاؤ اور اسے پڑھکر سناؤ (عین المعانی)

حل لغات

کہا جاتا ہے" ہاءَ یا رجل (بفتح الہمزہ) ہاءِ یا امرأۃ (بکسر الہمزہ) و ہاؤ ما یا رجلان و ھَآؤمَا یا امرأتان و ہاؤم یا رجال و ہاؤن یا نسوۃ" بمعنی خُذ خذا خذوا خذی خذا خذن۔ بمعنی پکڑ لے مرد یا عورت، ایک یا دو یا جمع اس کا مفعول محذوف ہے اور کتابی اقرؤا کا مفعول ہے کیونکہ وہ دو عاملوں میں سے قریب ہے فلہٰذا یہی اقویٰ ہے کیونکہ یہ بمنزلہ علت قریبیہ کے ہے اس کا اصل" ہاؤم کتابی اقرؤا کتابی" تھا۔

پہلا کتابی محذوف ہے بوجہ ثانی کی دلالت کے ، اسکی نظیر قرآن مجید میں ہے سکندر نے کہا " آتونی اُفرِغ علیہ قطراً "
(میرے پاس لاؤ میں اس پر تیل ڈالوں) (یہ بھی دراصل " آتونی قطراً افرغ علیہ قطراً " تھا) ہا وقف واستراحت و
سکتہ کی ہے ۔ وقف کے وقت ثابت رہتی ہے وصل کے وقت سکتہ کی طرح گرجاتی ہے جیسے سکتہ کی ہا کا قاعدہ
ہے کیونکہ حرکت کی حفاظت کے لئے لائی جاتی ہے یعنی اس لئے آتی ہے تاکہ موقوف علیہ کی حرکت محفوظ ہوجائے
کیونکہ اگر یہ نہ آتی تو اس کی حرکت وقف کے وقت گرجاتی اسی لئے اس کی وجہ سے وہ وقف کے وقت بھی
ثابت رہتی ہے ہاں وصل کے وقت اس کی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ اس کا حق یہ تھا کہ وہ وقف میں ثابت
رہتی اور وصل کے وقت گرجاتی لیکن چونکہ قراءِ سبعہ (رحمہم اللہ) تمام مقامات پر وقف و وصل میں ہر جگہ اس
کے اثبات پر متفق ہیں ۔ وصل کو وقف کے قائم مقام اور رسم امام کے اتباع کرکے کیونکہ مصحف امام میں ہر جگہ
یہ ثابت رکھی گئی ہے مثلاً کتابیہ ، حسابیہ ، مالیہ ، سلطانیہ ، ماھیہ (سورۃ القارعۃ) اور وہ پڑھنے میں ثابت ہے تو لفظ
میں بھی ثابت ہونی چاہئے لیکن حمزہ رحمہ اللہ (قاری) نے وصل میں ہر تینوں کلمات میں اسے ساقط فرمایا ہے
وہ تین کلمات یہ ہیں مالیہ ، سلطانیہ ، ماھیہ اور اسے وقف میں اصل ہاء پر ثابت رکھی ہے اور کتابیہ و
حسابیہ میں اصل پر عمل نہیں کیا اور اسے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے تاکہ دونوں لغتیں جمع ہوں ۔

مسئلہ : اس تقریر سے ثابت ہوا کہ وقف مستحب ایثار الوقف ہے وصل کی اتباع کے لئے اور اس کا وصل
میں ثابت رکھنا صرف مصحف کی اتباع کی وجہ سے ہے ۔

فائدہ : قاموس میں ہے کہ سکتہ کی ہاء وہ ہے جو کسی کلمہ کو لاحق ہو حرکت یا حرف ظاہر کرنے کے لئے ، جیسے
ماہیہ وہاہُناہُ اصل اس میں یہ ہے کہ اس پر وقف ہو ۔ اور وقف کی نیت سے بہت سی جگہوں پر وصل ہو کر بھی
آتی ہے ۔

قاعدہ : یہ ہاء (سکتہ) ساکن ہوتی ہے اسے متحرک پڑھنا لحن (خطاء) ہے کیونکہ متحرک (ہاء) پر وقف ناجائز ہے

فائدہ : سکتہ کی ہاء قرآن مجید میں سات مقامات پر ہے (۱) لَمْ يَتَسَنَّهْ (۲) فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ
(۳) كِتَابِيَهْ (۴) حِسَابِيَهْ (۵) مَالِيَهْ (۶) سُلْطَانِيَهْ (۷) مَاهِيَهْ

فائدہ : قاضِیَہ وہاوِیَہ وغاوِیَہ وثمانِیَہ وعالِیَہ ودانِیَہ اور ان جیسی اور ہاء وہ دراصل تاء تانیث ہے ان
کو وقف کے وقت ہاء پڑھا جاتا ہے اور وصل کے وقت تاء پڑھی جائیگی ۔ ﴿۲۰﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ
بے شک مجھے یقین ہے کہ میں حساب کو ملوں گا ۔ الحساب بمعنی المحاسبہ آخرت میں بندوں کے اعمال کی گنتی خیر
ہوں یا شر جزا و سزا دینے کے لئے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے جان لیا اور یقین کیا کہ حساب الٰہی کے دفتر میں
میرا حساب کے لئے سامنا ہوگا اور میں آخرت میں حساب دوں گا یعنی میں نے جانا اور میرا ایمان تھا کہ میرا

حساب کریں گے اس کے لئے میں مستعد اور تیار تھا۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "اَلظَّن" نام ہے اس شئے کا جو کسی علامت سے حاصل ہو جب وہ قوی ہو تو وہ علم تک پہنچا دیتا ہے اور کمزور ہو تو توہم کی حد سے متجاوز نہیں ہوتا

فائدہ: اس سے اس قائل کے قول کا پتہ چلا جو ظن کو بھی یقین سے موسوم کرتا ہے اس لئے کہ ظن ہی یقین کو جنتا ہے اور اس کے علم سے اس لئے تفسیر کی جاتی ہے کہ بعث وحساب وہ عقائد ہیں جن پر ایمان واجب ہے اور یقین کے بغیر ایمان نہیں ہوتا۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں بحث ہے وہ یہ کہ مقلد کا ایمان بھی معتبر ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ ظن غالب جسمیں نقیض کا احتمال تک نہ کھٹکے ایمان کے لئے کافی ہے پھر اس میں یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ چونکہ بندے کو یقین نہ تھا کہ اس کا حساب آسان ہوگا یا نہ، کیونکہ مؤمن کو الخوف وَالرّجاء کے درمیان رہنا ضروری ہے (اسی لئے اب جبکہ اس کا حساب آسان ہوگیا تو اُسے یقین ہوا کہ وہ ناجی اور فائز المرام ہے)

فائدہ: اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بندے کو گمان تھا کہ اس کا حساب سخت ہوگا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جو اس سے غلطیاں سرزد ہوئیں نامعلوم ان کا کیا بنے گا۔ اب جبکہ اللہ نے اس کا حساب آسان فرمایا تو اب اس کے غم ٹل گئے اور پریشانی دور ہوئی۔

تردید از صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرّہٗ) کہتا ہے کہ اس تقریر میں قرآن مجید کے ظاہر سے عدول لازم آتا ہے اس لئے کہ ظن خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ بمعنی یقین آیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے حکایۃً فرمایا قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ان لوگوں نے کہا جنہیں یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ملاقی ہوں گے۔ یہ قائلین آخرت پر ایمان رکھنے والے تھے اور فرمایا وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اور داؤد (علیہ السلام) نے یقین کیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے یعنی انہوں نے علامت قویہ سے جانا اور یقین کیا۔

فائدہ: قاضی (بیضاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ علم کو ظن میں تعبیر کرنے میں خبر دینا ہے کہ ایسا ظن اعتقاد کو مضر نہیں کیونکہ نفس میں وہ جو خطرات گھیرے رہتے ہیں ان سے علوم نظریہ میں سے اس کا کوئی خالی نہیں اسی لئے اگر علم استدلالی کے لئے ظن استعارہ کیا گیا ہے (تو کونسا حرج ہوا) کیونکہ علم استدلالی خطرات و وساوس سے خالی نہیں وہ خطرات و وساوس جو ذہول کے وقت اُسے دلیل کی طرف لے جانے سے وارد ہوتے ہیں ہاں علوم ضروریہ وکشفیہ وہ اضطراب سے خالی ہیں۔

فائدہ: کشاف میں ہے کہ ظن علم کے قائم مقام ہوا کرتا ہے کیونکہ عموماً عادات و احکام میں ظنِ غالب

علم کے قائم مقام ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "اَظُنُّ ظَنًّا کَالْیَقِیْنِ الخ" میرا گمان یقین جیسا ہے کہ یہ امر یوں ہوگا۔
(۲۱) فَھُوَ وہ جو کتاب دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ فِیْ عِیْشَۃٍ عیش میں ہے، عیش کی ایک قسم۔

حلِ لغات

اَلعَیش (بالفتح) ایسے ہی العیشہ والمعیش والعیشوشہ بمعنی جینا (فارسی میں زیستن) بعض علماء نے فرمایا کہ اگر مکسور العین ہو تو اس میں تاء کا ہونا ضروری ہے جیسے معیشہ اور عیش حیوان کی زندگی سے خاص اور الحیاۃ سے رخص ہے کیونکہ الحیاۃ انسان اور حیوان اور فرشتہ کے لئے کہا جاتا ہے۔ العیش سے ہی المعیشہ مشتق ہے وہ شئے جس سے عیش حاصل ہو۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا لَاعَیْشَ اِلَّاعَیْشُ الْاٰخِرَۃِ نہیں عیش مگر آخرت کا عیش۔ رَّاضِیَۃٍ پسندیدہ، وہ عیش پسندیدگی والا جس سے زندگی بسر کرنے والا خوشی پائے اس میں نسبت کا معنیٰ ہے کیونکہ یہ صیغہ نسبت کا فائدہ دیتا ہے۔

نسبت کی اقسام: نسبت دو قسم ہے (۱) بالحرف جیسے مکی، مدنی (عربی، عجمی) (۲) بالصیغہ جیسے لَابِنٌ (دودھ والا) تامر (کھجور والا) اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل اسکی علت بنائی جائے اور یہ کہا جائے کہ وہ فعل اسی علت والے کے لئے ہے اس تقریر پر یہ اسناد مجازی کے قبیل سے ہوگا دونوں وجہوں کا مآل یہی ہے کہ وہ عیش پسندیدہ (من بھاتا) ہوگا اور ہماری مذکورہ بالا تقریر سے یہ معنیٰ بھی ہوا وہ عیش فی نفسہ راضی ہے گویا وہ اپنے عموم کی وجہ سے وہ اس سے راضی ہے جس میں وہ ہے یہ بھی مجازی معنیٰ ہوگا یا رَّاضِیَۃٍ بمعنی مَّرْضِیَّۃٍ جیسے مَاءٍ دَافِقٍ بمعنی مَاءٍ مَّدْفُوْقٍ (ٹپکا ہوا)۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ راضیہ یعنی خوشگوار، رچتا بچتا، میل کچیل کی ملاوٹ سے صاف اور ڈر کے خطرات سے دور۔ خلاصہ یہ کہ وہ زندگانی کدورت سے صاف اور حرمت وحشمت سے مقرون ہو گی وہ اس لئے عیشہ مرضیہ تین امور پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۱) نفع دینے والی اور شوائب (ملاوٹوں) سے صاف

(۲) دائمی کہ اس کے زوال وانقطاع کا خطرہ نہ ہو

(۳) جو اس سے راضی ہے اسکی تعظیم وتکریم مراد ہو، ورنہ وہ استہزاء واستدراج ہوگا، اور جس کے سیدھے ہاتھ میں عملنامہ دیا جائے گا اس کا عیش ان تینوں امور کا جامع ہوگا اور وہ اسے خوب من بھاتا پسندیدہ ہوگا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ایسی زندگی بسر کریں گے کہ ان پر موت نہیں آئیگی اور تندرست رہیں گے کبھی بیمار نہ ہوں گے ہمیشہ نعمت وراحت میں ہوں گے ان کو کسی قسم کا غم والم نہ

(۲۲)
آئے گا۔ فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ باغ میں جس کے مکان بلند ہیں کیونکہ وہ آسمان میں ہیں جیسے دوزخ سافلہ (نیچی) ہے کیونکہ وہ زمین کے نیچے ہے یا وہ باغ بلند درجات والا ہے یا بلند عمارتوں اور اونچے درختوں والا ہے۔ اب عالیہ ان صفات سے ہوگی جو جاری ہے اوپر اس عیر کے جو یہ صفت اس کے لئے تھی اور وہ عیشۃ سے باعادۂ جار بدل ہے اور عیشۃ سے بھی متعلق ہو سکتی ہے یعنی وہ مَن بھاتی زندگی بسر کرے گا باغ بلند مکان والے میں۔ (۲۳) قُطُوْفُھَا جس کے خوشے، ثمرات۔

حل لغات قطوف قطف بالکسر کی جمع ہے وہ جو جلدی سے چنی جائے۔ القطف (بالفتح) مصدر ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قطف میں جلدی چننے کا مفہوم ہے۔

فائدہ: حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سرعۃ کا معنیٰ ہے کہ ان کا کاٹنا یکبارگی ہوگا۔ القاموس میں ہے کہ القطف (بالکسر) بمعنی خوشہ اور ثمار مقطوعۃ کٹے پھلوں کا اسم ہے یہاں اس توجیہہ کی ضرورت نہیں کہ یہاں یہ معنیٰ غالب ہے کہ قطف تمام وہ ثمرات جو چنے جاتے ہیں انگور ہوں یا کوئی اور۔ دَانِیَۃٌ جھکے ہوئے۔

حل لغات دَانِیَۃٌ دُنُوٌّ سے ہے بمعنی قرب یعنی خوشے کے خواہشمند کو قریب ہوں گے یعنی وہاں چننے والے کا ہاتھ پہنچ سکے گا۔ کھڑے ہو کر چنے یا بیٹھ کر یا لیٹ کر بغیر کسی تکلیف کے حاصل ہو جائیں گے بعض نے کہا ان کے حصول میں تاخیر نہیں ہوگی جب چاہیں گے حاصل کرلیں گے یہانتک کہ اگر وہ چاہے گا کہ وہ خود بخود اس کے منہ میں آجائیں تو بھی۔ دنیوی ثمرات کی طرح نہیں ہوں گے کہ ان کے چننے اور حاصل کرنے میں اکثر تکلیف اور مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور یہ بھی نہیں کہ باری باری کھانے اور حاصل کرنیکا موقع ہو۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جنت کے ثمرات انسان کی صورت میں ہوں گے کہ اس کا اصل (جڑ) سر ہے اور وہ اوپر ہے اور پاؤں اسکی ٹہنیاں ہیں اور وہ نیچے کی طرف ہیں ایسے ہی اَشْجَارُ الْجَنَّۃ کے اصول (جڑیں) اوپر کو ہوں گی اور ٹہنیاں نیچے لٹکی ہوں گی اسی لئے جنتی ان کے توڑنے میں تکلیف نہیں اٹھائیں گے علاوہ ازیں جنت کے میوے جنتی کے ارادہ پر ہوں گے کہ وہ بلا مشقت جس طرح چاہے انہیں صرف کرے۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو۔ یہاں قول محذوف ہے (یعنی ہم یا فرشتے کہیں گے) جمع کا صیغہ بعد صیغہ غائب (ھُوَ) باعتبار معنیٰ کے ہے اور امر امتنان و اباحت کا ہے نہ کہ تکلیف کا کیونکہ آخرت دار التکلیف نہیں اور اکل و شرب کا اجتماع اس لئے ہے کہ دونوں گویا سگے بھائی ہیں کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اسی لئے یہاں ملابس (لباس) کی ضروریات کا ذکر نہیں اگرچہ دوسری جگہ اس کا بھی ذکر ان کے ساتھ آیا ہے گویا کہا جائے گا انہیں جو سیدھے ہاتھ میں کتاب دیئے جائیں گے طعام اور ثمار جنۃ سے کھاؤ اور اس کے شراب پیو۔ ھَنِیْئًا رچتا ہوا۔ کھانا پینا رچتا ہوا کہ حلقوم میں پہنچکر ناگواری پیدا نہ کرے۔ ھَنِیْئًا دونوں (اکل و شرب) کی صفت اس لئے ہے

کہ مصدر تثنیہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔

حل لغات یہ "ہنؤ یہنئا یہنؤ یہنیٔ ہنارۃ وہناءً" سے ہے یعنی وہ شئے رچتی پچتی ہوگئی۔ فہوٗ ہنیٌٔ اور یہنیٔ اسی سے ہے جو ترکی زبان میں پختہ طعام کو کہا جاتا ہے اور عجمی اسے خاء سے بولتے ہیں یعنی یخنی جیسے مثنوی شریف میں ہے ؎

ویں پراز بہر میاں روز را ⁂ یخنیٔ باشد شہ فیروز را

ترجمہ: یہ پختہ طعام دن کو چاہئے اور یخنی شہِ فیروز کے لائق ہے۔

فائدہ: ہنارۃً (خوشگواری) کا اسناد اکل وشرب کی طرف مجازاً بطور مبالغہ ہے کیونکہ وہ دراصل ماکول ومشروب خوشگوار ہوتے ہیں نہ کہ اکل وشرب اور وہ جو یا پیتے وقت کہا جاتا ہے۔ ہنیئاً ایسے دوسری چیزوں کے کھانے پینے کے وقت اس سے صحت وعافیت مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر سائغ (خوشگوار) سے حظ پانا صحت وعافیت سے ہی ہوتا ہے۔ (بیمار کو کیسی خوشگواری)، بِمَا اَسْلَفْتُمْ بالمقابل ہے اس کے جو تم نے نیک اعمال آخرت کے لئے بھیجے یا ان کا بدلہ یا ان کے سبب سے ہے۔

حل لغات الاسلاف بمعنی اس امید پر کوئی شئے آگے بھیجنا کہ اس سے بہتر ملے گی یہ اقراض (قرض دینا) کی طرح ہے اسی سے ہے جو کہا جاتا ہے "اَسْلَفَ فِی کَذَا" اس نے اس میں اپنا مال آگے بھیجا۔ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ گذشتہ ایام میں یعنی دنیا میں۔

فائدہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روزے کے دنوں میں، اب معنیٰ یہ ہوا کہ کھاؤ پیو یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے ایام صیام میں اللہ کی رضا میں خود کو کھانے پینے سے روکے رکھا بالخصوص گرمیوں کے دنوں میں بھی زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ جزاء کا بدلہ اسکے عمل کی جنس اور اس کے مناسب موزوں ہوتا ہے۔ جیسے کہ بعض اکابر نے فرمایا اسی لئے یہاں اشہدوا واسمعوا نہیں فرمایا تو ثابت ہوا کہ جیسا عمل کیا ویسی جزا ملی اسکی نظیر دوسری جگہ یہ فرمایا "فَالْیَوْمَ نَنْسٰھُمْ کَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِھِمْ ھٰذَا" آج ہم ان سے توجہ ہٹالیں گے جیسے انہوں نے ہمیں دنیا میں بھلایا اور فرمایا "اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ" اس جیسی دیگر آیات۔

حکایت ایک بندۂ خدا کو خواب میں دیکھا گیا اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا فرمایا مجھ پر رحم فرمایا اور فرمایا کہ اے وہ میرا بندہ کھا جو تو نے نہیں کھایا تھا اور پی کہ تو نے نہیں پیا۔ یہاں یہ نہ فرمایا کہ کھا اے وہ کہ تو نے ساری رات تلاوت قرآن پاک میں گذاری اور پی کہ تو نے جنگ کے دن پیٹھ نہیں دکھائی اور یہ حکمت کا مقتضا کے خلاف ہے۔ (مواقع النجوم)

حدیث قدسی شریف: اللہ تعالیٰ قیامت میں بندگان خاص کو فرمائیگا کہ اے میرے دوستو! میں نے تمہیں

دنیا میں بار ہا دیکھا کہ تمہارے ہونٹ پیاس سے خشک تھے آنکھیں بھوک سے دھنس گئیں اور پیٹ سکڑ گئے تھے آج تم میری نعمتوں میں ہو کھاؤ پیو رچتا من بھاتا یہ بدلہ اس کا جو تم نے گذشتہ دنوں (دنیا) میں عمل کیا۔

حلِّ لغات قلصتْ[1] از باب ثانی بمعنی نقص ہے۔ کہا جاتا ہے " قلص الظل " سایہ گھٹ گیا" وَالماءُ" کنوئیں میں پانی بلند ہوا۔ "وَالشَّفَةُ" خشک ہو گیا۔ "وَالثَّوْبُ" دھونے کے بعد کپڑا نچوڑا۔ ان سب کا مصدر قلوص آئے گا۔ اس کی ترکیب ایک شئے کا دوسرے سے مل جانے پر دلالت کرتی ہے اور کہا جاتا ہے "خمصتہ الجوع مخمصۃ مخمصۃ" اسے بھوک نے دُبلا کر دیا۔ (از باب اوّل)

تفسیر صوفیانہ اَیّامِ خالیہ میں روز ازل کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دن خورد و نوش و اسباب اور اعمال سے خالی تھا معنیٰ یہ ہے کہ اے میرے بندے وصال کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے رہو اور دیدار یار کا شراب فیض پیتے رہے یہ عطیہ ہے اس کا جو اللہ تعالیٰ نے قدم وازل میں اسے تمہارے لئے اپنی مہربانی سے پہلے مقرر فرمایا تھا اور اسکی مہربانی سے ہی تم جمیع احوال میں حق کے ساتھ قائم ہوئے

چوں حسن عاقبت نہ برندی وزاہدیست ۔ آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ: جب تم اچھی عاقبت اور زہد حاصل نہیں کر سکتے تو پھر وہی بہتر ہے کہ خود کو عنائت الٰہی کے سپرد کر دو۔

تفسیر عالمانہ (۲۵) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ اور وہ جو اپنا عملنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ یہ اس کی تحقیر ہے کیونکہ شمال سے بدفالی لی جاتی ہے اور اسے شوم سمجھا جاتا ہے اور عملنامہ بھی پس پُشت دیا جائے گا جسے وہ بائیں سے لیکر دیکھے گا تو اس میں اسکی بد اعمالیاں درج ہوں گی۔ فَیَقُوْلُ کہے گا غم کے مارے حسرت کھا کر اور اس خوف سے جو عملنامہ میں مندرج ہوگا یہ درد روحانی کے قبیل سے ہے جو درحقیقت جسمانی درد سے بڑھکر ہے۔ یٰۤا اے لوگو، اے محشر والو۔ لَیْتَنِیْ کاش میں، یہ محال کی تمنا ہے۔ لَمْ اُوْتَ میں نہ دیا جاتا۔ صیغہ متکلم مجہول از ایتآء بمعنی لَمْ یُعْطِ۔ (نہ دیا جاتا)، کِتٰبِیَہْ اپنی کتاب (عملنامہ) وہ جس میں میرے تمام گناہ درج ہیں۔ (۲۶) وَلَمْ اَدْرِ اور میں نہ جانتا متکلم از درایۃ بمعنی العلم مَا حِسَابِیَہْ کہ میرا حساب کیا ہے جب برے انجام کو دیکھیگا تو کہے گا کاش میں نہ جانتا آج کے دن میرا حساب کیا ہے اور مجھے تو اس سے سوائے شدت عذاب اور محنت (دکھ درد) کچھ حاصل نہیں ہوگا اس معنیٰ پر مَا استفہامیہ ہے اس کی وجہ سے فعل عمل سے روکا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مَا موصولہ ہو ساتھ تقدیر المبتدا کے صلہ میں (۲۷) یٰلَیْتَهَا یہ تمنا کا تکرار اور حسرت و حزن کی تجدید ہے یعنی کاش وہ موت جس سے میں نے مرکر اس کا ذائقہ چکھا اگرچہ موت مذکور نہیں لیکن دلالت

---

[1] حدیث قدسی کے الفاظ کی لغت و تشریح ہے ۱۲ - اویسی غفرلہ

المقام کے اعتبار سے گو یا مذکور ہے۔ کَانَتِ الْقَاضِیَۃَ کسی طرح موت ہی قصہ تمام کر جاتی۔ یعنی میرا کام اور زندگی کا قصہ ختم کر دیتی کہ اس کے بعد مجھے اٹھنا نہ ہوتا اور نہ ہی وہ تمنا کرتا جو میں نے اپنے عمل نامے کو دیکھ کر کی ہے اس پر پہلی موت دائمی رہتی اور حساب کے لئے نہ اٹھایا جاتا اور نہ حاصل ہوتی خجالت اور بُرا انجام۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَیْتَہَا کی ضمیر اس حالت کی طرف راجع ہو جسے وہ اب وہ دیکھ رہا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ کاش یہی حالت موت ہی ہوتی جو میرا قصہ تمام کر دیتی یعنی آرزو کرتا ہے کہ اس کی یہی حالت ایسی موت بن جاتی جو زندگی کا کام تمام کر دیتی وہ اسلئے کہ وہ حالت اسے ملی تو اسی موت کے وقوع کے بعد، اسی لئے پھر اسی موت کی آرزو کرتا ہے حالانکہ دنیا میں وہ موت سے سخت کراہت کرتا اور گھبراتا تھا۔ کسی شاعر نے کہا ؎

وَشَرٌّ مِّنَ الْمَوْتِ الَّذِیْ اَنْ لَقِیْتَہٗ

تَمَنَّیْتُ مِنْہُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ اَعْظَمُ

ترجمہ: یہ تو موت سے بھی بدتر ہے جسے اگر میں ملا، اس سے تو میں نے موت کی تمنا کی حالانکہ موت بہت بڑی دسخت شئے ہے۔ (۲۸) مَا اَغْنٰی عَنِّیْ بچایا، میرے سے آخرت کے عذاب کسی امر کو دفع نہ کیا یہ مَا نافیہ ہے مفعول محذوف ہے۔ مَالِیَہْ میرے اس مال نے جو دنیا میں مال و اہتاع (اسباب) وغیرہ تھے یہ مَا موصولہ ہے اور لام جار یار متکلم پر داخل ہے تاکہ اہتاع (اسباب) کو عام ہو۔ اگر صرف اسم یار متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں عموم نہ ہوتا۔

فائدہ: الکشاف میں ہے کہ مَا اَغْنٰی میں نفی و استفہام انکاری ہے یعنی میرے پاس جو دنیا میں اتنا بڑی دنیاؤ دولت تھی اس میں سے مجھے کس نے عذاب الٰہی سے بچایا یہانتک کہ میں نے اس میں عمر ضائع کی تو اس نے نہ مجھے نفع دیا اور نہ مجھے عذاب سے بچایا۔ اس تقریر پر ما استفہامیہ منصوب المحل ہے کیونکہ وہ اَغْنٰی کا مفعول بہ ہے۔

تحقیق صاحبِ رُوح البیان قدّس سرّہُ العزیز: فقیر (صاحب روح البیان قُدِّسَ سِرُّہٗ) کہتا ہے کہ مَالِیَہْ میں مال اسم ہے یار متکلم کی طرف مضاف ہے۔ یعنی مجھے اس مال نے عذاب الٰہی سے نہ بچایا جسے میں دنیا میں جمع کرتا رہا بلکہ اس نے تو اُلٹا مجھے آخرت سے غافل رکھا اس نے تو مجھے نقصان دیا چہ جائیکہ وہ مجھے نفع دیتا، یہی تقریر مناسب ہے اس لئے اس کے موافق ہے جو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا " لَا یُغْنِیْ عَنْہُمْ مَا کَسَبُوْا شَیْئًا " جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا اُسے انہیں عذاب الٰہی سے نہ بچایا۔ اور فرمایا " وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗ اِذَا تَرَدّٰی " اور جب وہ تباہ و برباد ہوا تو اسے اسکے مال نے نہ بچایا اور فرمایا " مَا اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ " اور اسے عذاب سے نہ مال نے بچایا نہ کسی کمائی نے۔ اسطرح کے دیگر آیات۔ اور اس کے بھی خلاف ہے جو اہل تفاسیر نے لکھا کہ اس سے مال ہی مراد ہے اور پھر حقیقت سے مجاز کی طرف بلا وجہ عدول بھی اچھا نہیں (اسی لئے موزوں یہی

(۲۹)

ہے کہ مَالِیَہ میں لام جارہ نہیں بلکہ مال کا حقیقی معنیٰ ہی مراد ہے ۔) هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطَانِيَهْ مجھ سے میرا سارا زور جاتا رہا۔

حلّ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السّلاطہ بمعنی تمکین از قہر اسی سے ہے سلطان اس سے یہی تمکین از قہر مراد ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا " فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا اور بیشک ہم نے اس کے وارث کو قابو دیا ہے ۔ اور کبھی اسے بھی سلطان کہا جاتا ہے جس کو تمکین از قہر حاصل ہے۔ (یعنی بادشہ وغیرہ کو) اور یہ اکثر ہے ۔ کبھی حجۃ کو بھی سلطان کہتے ہیں اس لئے کہ اس کا قلوب پر اسکا غلبہ و تسلط ہو جاتا ہے لیکن اس کا اکثر تسلط اہل علم و اہل ایمان پر ہوتا ہے اور " هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطَانِيَهْ " میں دونوں معانی مراد ہو سکتے ہیں مثلاً اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھ سے میرا ملک اور لوگوں پر میرا تسلط جاتا رہا اور میں گداؤ بے نوا اور ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا ہوں یا میں اپنی حجت میں دور ہو گیا ہوں۔

فائدہ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میری وہ حجت جاتی رہی جو میں دنیا میں لوگوں پر قائم کرتا رہا خلاصہ یہ کہ کافر کہے گا کہ مجھ سے میری وہ حجت گم ہو گئی جس کے ساتھ میں دنیا میں اپنی سرداری قائم کئے ہوئے تھا۔

فائدہ : یہی معنیٰ راجح ہے کیونکہ قیامت میں دائیں ہاتھ میں عمل نامہ دیا جانا صرف بادشاہوں (کافروں) سے خاص نہیں بلکہ یہ تو ہر اہل شقاوت کے لئے عام ہے۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ کا نظریہ : فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ پہلا معنیٰ راجح ہے۔ اگر " مَالِیَہ " میں مال مراد ہو علاوہ ازیں اس میں جیسے ولید قریش کے رؤسا اور تمام اہل ثروت (دولت) کے لئے تعریض ہے۔ نیز یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں مجھے اپنے قُویٰ و آلات پر تسلط تھا جنہیں میں عبادات میں استعمال کر سکتا تھا وہ اس لئے کہ ہر انسان کو اپنے نفس و مال اور جوارح (اعضاء) پر تسلط حاصل ہوتا ہے لیکن آخرت میں اس کا ان پر تسلط نہیں رہے گا اسی لئے اسے خود کو نفع پہنچانے کی کسی قسم کی طاقت نہ ہوگی۔ خُذُوْهُ

(۳۰) خُذُوْهُ اسے پکڑو ۔ اس کی حکایت ہے جو اللہ تعالیٰ قیامت میں نار کے داروغوں سے فرمائے گا جنہیں زبانیہ (علیہم السلام) کہا جاتا ہے وہی کافروں پر عذاب کے لئے مقرر ہیں۔ ہٗ کی ضمیر ثانی کے طرف راجع ہے یعنی جو رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اسے پکڑو ۔ فَغُلُّوْهُ پھر اسے (بلا تاخیر) طوق ڈالو ۔ یعنی اس کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے کر کے بیڑیوں اور لوہے (زنجیر) سے باندھو اور سخت باندھو۔

حلّ لغات الغل از غلّ فلاں بمعنی اس کی گردن یا ہاتھ میں طوق رکھا الغل (بالضم) بمعنی طوق لوہے کا جو ہاتھوں کو گردن کی طرف لے جا کر باندھا جاتا ہے تاکہ وہ سر نہ ہلا سکے اور (بالفتح) بمعنی

ہاتھ کو گردن سے باندھنا۔

مسئلہ : فقہ میں ہے کہ غلام کی گردن میں لوہے کی زنجیر ڈالنا مکروہ ہے کیونکہ یہ دوزخیوں کی سزا ہے۔

فائدہ : فقیہہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اس کی عام عادت بن گئی ہے کہ جس (مجرم) کے بھاگنے کا خطرہ ہوتا ہے تو اسکے ہاتھ گردن کی طرف کر کے لوہے کی زنجیر سے جکڑا جاتا ہے۔ (الکبریٰ، الفتاوٰی)

مسئلہ : مجرم کو قید میں رکھنا مکروہ نہیں کیونکہ یہ مسلمانوں کا طریقہ ہے کہ سرکش مجرموں کے ساتھ سزا کے طور کرتے ہیں۔

۳۱ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ۔ تقدیم (الجحیم) تخصیص کے لئے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اسے صرف بھڑکتی آگ میں ہی دھنسانا اور اسی میں ہی اسے جلانا۔ اَلْجَحِيْم بڑی نار، تاکہ اسے معصیت کے مطابق سزا ہو کیونکہ وہ لوگوں پر اپنی عظمت کا سکہ بٹھاتا رہا۔

فائدہ : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ صرف بڑے بڑے کافروں کے لئے ہوگا اس میں بحث ہے اور اس قول کا جواب ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے ۳۲ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ پھر ایسی زنجیریں۔ دوزخ کے یہ طوق ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جو مجرم کے گلے میں ڈالے جائیں گے۔ حرف جارہ "فَاسْلُكُوْهُ" کے متعلق ہے اور فا اس کے تعلق سے مانع نہیں۔ ذَرْعُهَا جس کا ناپ۔ اس کا طول۔

حل لغات الذراع بروزن کتاب وہ جس سے ناپا جائے لوہا ہو یا لکڑی۔ المفردات میں ہے کہ "الذراع عضو معروف" لیکن اس سے مذروع و ممسوح (جسے ناپا جائے یا جس پر ہاتھ پھیرا جائے ماپنے کیلئے) مراد ہے نہ کہا جاتا ہے " ذِرَاعٌ مِّنَ الثَّوْبِ وَالْاَرْضِ (کپڑے اور زمین کا ہاتھ۔) الذَّرْعُ (ناپنا) ذِرَاعٌ مبتدا اور اسکی سَبْعُوْنَ خبر ہے۔ اور جملہ محلاً مجرور سِلْسِلَةٍ کی صفت ہے اور ذِرَاعًا تمیز ہے۔ (ستر ہاتھ ہے)، فَاسْلُكُوْهُ (اسے پرودو)

حل لغات اَلسِّلْک بمعنی راستہ اور تاگہ اور بیڑی (زنجیر) وغیرہ میں داخل کرنا اور ثُمَّ دو عذابوں (غل اور تصلیۃ الجحیم) کے درمیان تفاوت اور ان کے درمیان اور سلک فی السلسلۃ فی الشدۃ (شدہ میں بیڑیوں میں داخل کرنے) کی وجہ سے ہے۔ مدت کی تراخی کے لئے نہیں یعنی لفظ ثم کو تاخیر معنیٰ سے مقام شدۃ و تہویل کی وجہ سے خالی کیا گیا ہے کیونکہ عذاب کو متفرق کر کے وعید سنانا غیر مناسب ہے۔

فائدہ : ابن الشیخ نے فرمایا کہ ثم و فاء اگر جملہ فَاسْلُكُوْهُ کے عطف کے لئے ہیں تو دو حرف عطف کا اجتماع دتوارد بر معطوف واحد لازم آئے گا۔ اور یہ بالکل ناموزوں ہے۔ اسی لئے لائق ہے کہ کہا جائے کہ ثُمَّ کا عطف مضمر بر مضمر ہے جو خذوہ سے پہلے مقدر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے قیل لخزنۃ (ملائکہ) کو کہا جائے کا "خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ" ثم قیل (پھر کہا جائیگا) فی سلسلۃ ذرعہا سبعون فاسلکوہ "اس تقریر پر فاء کا عطف معقول

کا مقول پر ہوگا اور تعقیب کے معنیٰ کا افادہ بھی بحال رہا۔ اسی طرح ثم کا عطف قول کا قول پر ہوگا اور ساتھ ہی بیل ہوگی کہ دوسرا عذاب پہلے عذاب کی بہ نسبت سخت تر اور زیادہ ہولناک ہوگا اور اس میں ادامر کے بعد مامور بہا کا صدور ہوگا مثلاً فرمایا خذوہ سے مامور بہ انہ مغلولہ سے ان کے ہاتھ گردنوں کی طرف لے جا کر باندھنا اور جہنم میں دھکیلنا اور سلسلۃ موصوفہ مذکورہ میں جکڑنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں جہنم میں دھکیلو بایں طور کہ بیڑیاں ان کے اجسام پر لپیٹو اور ان کو ہر طرف سے جکڑ دو کہ وہ زنجیروں میں پھنسے ہوئے ہوں اور نہایت ہی سختی سے زنجیروں میں جکڑو کہ وہ ان پر تنگی کے ساتھ ہوں تاکہ کسی طریقے سے وہ متحرک نہ ہو سکیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دوزخی زنجیروں میں ایسے ہوں گے ثعلب جلبہ میں، ثعلب بمعنی وہ تیر جو زرہ میں داخل ہو جائے اس کے نیزے کے کنارے کی لکڑی اور جلبہ بمعنی السنان یعنی زرہ مطلب یہ کہ دوزخی بیڑیوں میں سخت جکڑا ہوا ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ کافروں کے اجسام کو بیڑیوں سے خوب جکڑو تاکہ ہل نہ سکیں۔

نکتہ: سلسلہ کی تقدیم سلک پر اور جحیم کی تقدیم تصلیہ پر محض اختصاص و اہتمام دلالت کیلئے ہے کہ انہیں گوناگوں عذاب ہوگا یعنی حکم ہوگا انہیں ایسی بیڑیوں میں جکڑو کیونکہ دوزخ کی آگ چڑھ جلنے پر ان میں جکڑا ہوا ہونا ان کو زیادہ خوفزدہ کرتا ہے اور ستر ہاتھ بتانا اسکی لمبائی بتانا مطلوب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے لئے فرمایا کہ "اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً" اس سے صرف ستر بار نہیں بلکہ بار بار اور بہت بار مراد ہے کیونکہ وہ زنجیر جتنا لمبا ہوگا اتنا ہی مجرم میں گھیرے ڈالنا سخت تر ہوگا اس معنیٰ پر اس سے کنایہ ہے کہ وہ بہت لمبا ہو۔

قاعدہ: اسی لئے عرب کے عرف میں ساٹھ، ستر، سات سو سے کثرت مراد ہوتی ہے۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سے ظاہری معنیٰ پر ستر مراد لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اعجوبہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاتھ سے فرشتہ کا ہاتھ مراد ہے کہ ہاتھ ستر ہاتھوں کے برابر ہے اور وہ ہاتھ کوفہ تا مکہ معظمہ کی درمیانی مسافت کے برابر ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہاتھ سے یہی معروف مراد ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ قرآنی خطاب ہمارے عرف کے مطابق ہے جسے ہم سمجھ سکیں۔

مسئلہ: حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا واللہ اعلم اس ہاتھ سے کیا مراد ہے۔

فائدہ : حضرت کعب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا بھر کا لوہا جمع کیا جائے تب بھی دوزخی کی بیڑی کے ایک کڑی کے برابر نہ ہو سکے گا۔ اگر دوزخ کا حلقہ (ایک کڑی) پہاڑ پر رکھ دی جائے تو پہاڑ تانبے کی طرح پگھل جائے اور دہ لوہے کا حلقہ کافر کے منہ سے ڈال کر دُبر سے نکالا جائے گا جو بچ جائے گا وہ اس کے جسم اور گردن سے جکڑا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی اس کا قرین شیطان بھی جکڑ دیا جائے گا۔

فائدہ : تفسیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ عذاب صرف کافر کو ہو گا کیونکہ کافر کا جسم قیامت میں تین دن کے مسافت کے برابر موٹا ہو گا اور اس کی داڑھ احد پہاڑ جتنا موٹی ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر رضراضہ یعنی وہ پتھر جو انسان کے سر کے برابر ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر رضرضہ یعنی پتھر آسمان والوں سے زمین پر گرے (جن کے درمیان پانچسو سال کی مسافت ہے) تو وہ پتھر رات کے آنے سے پہلے زمین پر پہنچ جائے گا اور اگر کافر کی بیڑی کا ایک سرا لٹکایا جائے تو شب و روز کے چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگا۔ تب بھی وہ سرا زمین کی اصل اور تہہ تک نہ پہنچ سکے گا۔

فائدہ : شراح فرماتے ہیں کہ حدیث میں السلسلۃ (بیڑی) میں الف لام عہد کا ہے۔ اس سے وہی سلسلہ مراد ہے جو ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ میں مذکور ہے

ماں بیٹا کی موت : منقول ہے کہ ایک نوجوان نے صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کے لئے ایک بزرگ کے پیچھے نیت باندھی، شیخ نے سورۃ الحاقہ پڑھی جب شیخ خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ تک پہنچے تو نوجوان نے چیخا اور بیہوش ہو کر زمین پر گر گیا اور خدا کو پیارا ہو گیا شیخ نے نماز مکمل کر کے پوچھا یہ نوجوان کون ہے عرض کی گئی یہ نیکبخت خدا ترس ہے مر گیا ہے اس کی بوڑھی والدہ کے سوا اور کوئی وارث نہیں شیخ نے فرمایا اس کے ہاں لے چلو جب نوجوان کو اس کی ماں کے ہاں لایا گیا تو پوچھا کیا ہوا کہا گیا کہ نماز کی حالت میں مذکورہ بالا آیات سن کر چل بسا ہے اللہ کی تقدیر پر تمہیں راضی ہونا چاہیئے اسکی والدہ نے کہا مجھے بھی وہی آیات سناؤ، شیخ نے سورۃ الحاقہ پڑھنی شروع کی، جب "خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ" پر پہنچے تو بڑھیا نے بھی چیخ ماری اور مر گئی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ الخ میں انسان کے اخلاق سیئہ و اوصاف رد یہ و احکام طبعیہ ظلمانیہ کی کثرت کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت میں یہی اس کے سلاسل العذاب اور طرد و حجاب کے اغلال ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ (۲۴) اِنَّہٗ بے شک وہ شخص۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اُسے ایسا عذاب کیوں ہوگا جواب میں فرمایا کہ بے شک وہ "کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ" عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا۔

نکتہ: اللہ نے اپنے لئے العظیم کی صفت اس لئے بیان فرمائی کہ معلوم ہو کہ صرف وہی عظمت کا مستحق ہے اور جو اسے اپنے لئے منسوب کرے اس سے سخت تر عذاب کا مستحق اور کوئی نہ ہوگا۔ (۳۴) وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ اور مسکین کو طعام دینے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔

حل لغات اَلْحَضّ بمعنی وقوع فعل پر حرص کے ساتھ برانگیختہ کرنا، امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الحض بمعنی التحریک الحث کی طرح، صرف فرق یہ ہے الحث میں تھوڑی حرکت اور صرف چلنے کے برابر ہوتا ہے اور الحض اس سے بڑھ کر در اصل یہ الحث علی الحفیض سے ہے۔ بمعنی قرار الارض۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنے اہل اور غیروں کو طعام دینے پر برانگیختہ نہ کرتا کہ وہ فقیر کو طعام کھلائے چہ جائیکہ وہ خود طعام کھلاتا یا مال خرچ کرتا اور طعام سے خود طعام مراد ہے۔ اسی لئے یہاں اعطا مضمر ہوگا۔ اس لئے کہ الحث، والتحریض اعیان سے نہیں بلکہ احداث سے متعلق ہوتے ہیں اور طعام مسکین کی طرف منسوب ہے کیونکہ طعام کو اسی سے ہی نسبت ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ انہیں اطعام کی ترغیب نہیں دلاتا تھا یہاں طعام کا اطعام کے قائمقام ہے جیسے عطا اعطاء کے قائمقام آتا ہے اس تقریر پر یہ اضافۃ الی المفعول کے قبیل سے ہے۔

نکتہ: فعل کے بجائے الحض میں اشارہ ہے کہ جب تارک الحض کی اسی قسم کی سزا ہے تو پھر تارک الفعل تو اس سے بڑھ کر سزا پائے گا اور اس سے سخت سے سخت مؤاخذہ ہوگا۔

مسئلہ: مسکین کو طعام سے محروم کرنا کفر کا قرینہ ہے اس لئے کہ اس کا عطف کفر ہے تاکہ معلوم ہو کہ مسکین کو طعام سے محروم کرنا کافروں کا طریقہ ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا اور الحظیم جرم ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بخل کفر ہے اور کافر دوزخ میں جائیگا۔

نکتہ: ان دونوں کفر و بخل کی تخصیص اس لئے ہے کہ عقائد میں رذیل تر کفر اور رذائل (اعمال) میں سب سے بُرا عمل بخل ہے اسی لئے عطف ڈال کر بتایا گیا کہ بخل در اصل کافروں کا طریقہ ہے جیسے اللہ نے فرمایا وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ اور مشرکوں کے لئے خرابی ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

فائدہ: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فروع کے مخاطب کافر بھی ہیں۔ (حالانکہ احناف کا قاعدہ ہے کہ کافر فروع کے مخاطب نہیں)

مسئلہ: اسی آیت سے امام شافعی رحمۃ اللہ نے استدلال فرمایا ہے کہ کفار بھی شرائع و احکام کے مخاطب

ہیں اور ہم احناف کے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ احکام کا مکلّف بنانا امر سے ہوتا ہے اور یہ آیت (چونکہ) امر نہیں بلکہ جزو جملہ خبریہ ہے علاوہ ازیں اس سے ایمان کا ذکر ہے اور یہی ہم کہتے ہیں (عین المعانی) (کہ کفار شرائع و احکام کے خطاب کے اہل نہیں۔

فیصلہ حضرت ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ کفار فروع کے مکلّف ہیں ان کی عدم ادائیگی میں انہیں سزا ملے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے ترک پر سزا پائیں گے کہ نماز کیوں نہ ادا کی زکوٰۃ کیوں نہ دی اور فواحش و منکرات سے کیوں نہ بچے وغیرہ وغیرہ۔ اسکا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ بحالتِ کفر ان میں ان کا مطالبہ تھا کیونکہ اس معنیٰ پر بحالت کفر تو وہ فروع کے مکلّف نہیں کیونکہ ان میں ادائیگی کی اہلیت معدوم ہے کیونکہ کا مدار اس پر ہے کہ وہ ادائیگی کے بعد ثواب کے مستحق ہوں حالانکہ کفار سوا اعمال صالحہ پر کوئی ثواب نہ ملے گا اور اہلیت الوجوب اہلیت الادا کو مستلزم نہیں جیسے اصول (فقہ) میں ثابت ہو چکا ہے خلاصہ یہ کہ کفار بحق مواخذہ مخاطب ہیں اس کے سوا باقی امر میں مخاطب نہیں۔

حکایت سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ سے فرمایا کرتے کہ سالن وغیرہ زیادہ بنایا کرو گوشت وغیرہ میں شوربا زیادہ تیار کیا کرو تاکہ ہم مساکین کو اس سے کچھ دے سکیں کیونکہ سلسلہ (جسکا ذکر ابھی سورۃ الحاقہ میں ہے) کو آدھا تو ایمان سے اپنی گردنوں سے اور آدھا اس طرح سے ہٹائیں گے یعنی مساکین و فقراء کو طعام کھلا کر اور اس پر ترغیب دے کر۔

جوئے باز دررد بلائے درشت ✧ عصائے شنیدی کہ عوج بکشت

کسے نیک بیند بہر دو سرا ✧ کہ نیکی رساند بخلق خدا!

ترجمہ: ایک جو بھی سخت بلا کو دور کرسکتا ہے کیا تم نے نہیں سُنا کہ عصائے موسیٰ (علیہ السلام) نے عوج کو قتل کر ڈالا۔ دونوں جہانوں میں وہی بھلائی دیکھے گا جو خلقِ خدا کو بھلائی پہنچائے گا۔

(۳۵) فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ یہ تو آج نہیں اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ هٰهُنَا یہاں۔ اس مکان میں وہ پکڑ اور طوق میں زنجیر ڈالنے کی جگہ ہیں۔ حَمِيْمٌ کوئی دوست نہیں۔ کوئی قریبی نسبی اور دوست نہیں جو اسے بچا سکے اور اس سے عذاب دفع کر سکے۔

فائدہ: عین المعانی میں فرمایا حمیم وہ جگری دوست جس کے دُکھ درد سے اس کا دل پگھلے۔ "حَمِيْمُ الْمَاءِ" گرم پانی اسے ہے۔ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسے خود اپنی ذات سے وحشت ہو گی تو پھر دوسرے کیوں نہ اس سے وحشت کھائیں گے۔

فائدہ: یہ تتمہ ہے اس کا جو زبانیہ (دوزخ کے داروغہ) کو کفار کے حق میں کہا جائے گا تاکہ سکو یقین ہو

کہ رحمت سے محروم ہیں اور اس میں زبانیہ کو اس کی گرفت پر برانگیختہ کرنا بھی ہے۔ ۳۶ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ۔ اور نہ کچھ کھانے مگر دوزخیوں کا پیپ۔

حل لغات القاموس میں ہے الغسلین بالکسر دھوون وہ جو کپڑے دھوتے وقت اس سے نچوڑ نکلتا ہے اور غیرہ جیسے غسالہ یعنی (دھوون) اہل نار کا ایسے ہی وہ جو اہل کے چمڑوں سے بہے گا یعنی پیپ اور بمعنی شدید گرمی اور ایک درخت ہے دوزخ میں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کو طعام تو نصیب نہ ہوگا ہاں دوزخیوں کا دھوون اور وہ بہاؤ ان کے چمڑوں سے پیپ اور خون بہہ گا جو حرارت نار یہ کی قوت سے نچوڑ ہو گا۔ یعنی زرد پانی اور پیپ جو دوزخیوں کے اجسام سے بہے گا۔

فائدہ: مروی ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ زمین پر گرے تو لوگوں پر معاش خراب کر دے۔

فائدہ: دوزخ کے دَرکات (طبقات) ہیں۔ ہر درکہ (درجہ) کا اپنی ڈھب کا طعام اور پینے کے لئے وغیرہ اسکی وجہ ہم آگے بیان کریں گے کہ سورۃ غاشیہ میں ہے لَیْسَ لَہُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ "اور یہاں غسلین ہے در اصل دونوں الغسل (دھونا) کے نچوڑ ہیں۔ غسلین میں یاء نون زائدتان ہیں۔ الکواشی (تفسیر) میں ہے کہ نون غیر زائدہ ہے اور وہ ایک درخت ہے دوزخ میں۔ اور وہ طعاموں میں سے خبیث ترین طعام ہے۔

فائدہ: ظاہر یہ ہے کہ یہ استثناء متصل ہے اگر طعام کو شراب میں داخل کیا جائے۔ جیسے دوسرے دوسرے مقام پہ فرمایا۔ "وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْہُ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ جس نے اس سے نہ پیا تو وہ میرا ہے" المفسرین نے فرمایا لَمْ یَطْعَمْہُ بمعنی لَمْ یَذُقْ از طعم الشی ای ذاقہ اسے چکھا وہ خوردنی شئے ہو یا نوشیدنی (کھانے کی ہو یا پینے کی)۔

۳۷ لَا یَاْکُلُہٗۤ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ اسے نہ کھائیں گے مگر خطاکار۔ یہ غسلین کی صفت ہے اور اکل سے تعبیر کرنا باعتبار ذکر طعام کے ہے یعنی اس غسلین کو نہ کھائیں گے مگر گنہگار خطا والے یعنی مشرکین (کافرین۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسے ہی مروی ہے۔

فائدہ: یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حق سے تجاوز کرکے باطل کے مرتکب ہوتے ہیں اور حدود اللہ سے بھی تجاوز کرتے ہیں۔

حل لغات خطی الرجل سے ہے (از باب علم) بمعنی عمداً خطا کیا یعنی گناہ کا۔ الخاطی بمعنی جو عمداً صواب کی نقیض کا مرتکب ہو۔ المخطی وہ جو بلا عمد (ارادہ) برائی کا کام کرے یعنی اس کا ارادہ تو ہے صواب کا لیکن غلطی سے خطا کا ارتکاب کرے بغیر ارادہ جیسے کہا جاتا ہے "المجتہد قد یخطی وقد یصیب" مجتہد کبھی خطا کرتا ہے تو کبھی صواب۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ مجتہد کا ارادہ تو تھا صواب کا لیکن کسی غلطی سے ... بلا ارادہ صواب کے بالعکس کا مرتکب ہوا۔

باقی صفحہ ۱۸۳ پر

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾
وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ
الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾
فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾
وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾
وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: تو مجھے قسم ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو(۳۸) اور جنہیں تم نہیں دیکھتے(۳۹) بے شک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں(۴۰) اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں کتنا کم یقین رکھتے ہو(۴۱) اور نہ کسی کاہن کی بات، کتنا کم دھیان کرتے ہو(۴۲) اس نے اتارا ہے جو سارے جہان کا رب ہے(۴۳) اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے(۴۴) ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے(۴۵) پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے(۴۶) پھر تم میں کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوتا(۴۷) اور بے شک یہ قرآن ڈر والوں کو نصیحت ہے(۴۸) اور ضرور ہم جانتے ہیں کہ تم میں کچھ جھٹلانے والے ہیں(۴۹) اور بیشک وہ کافروں پر حسرت ہے(۵۰) اور بے شک وہ یقینی حق ہے(۵۱) تو اے محبوب تم اپنے عظمت والے رب کی پاکی بولو(۵۲)

تفسیر عالمانہ

۳۸ فَلَآ اُقْسِمُ مجھے قسم ہے۔ لا زائد و تاکید کے لئے ہے جس نے کہا کہ لا نفی اقسام (قسم کھانا) کے لئے کیونکہ بتانا ہے کہ یہ امر بالکل ظاہر ہے اس میں قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ قول غلط ہے کیونکہ آگے مقسم بہ ظاہر ہے (اگر قائل کا معنیٰ مطلوب ہوتا ہے تو مقسم بہ کو ظاہر نہ کیا جاتا) مقسم بہ بِمَا تُبْصِرُوْنَ الخ ہے بعض نے کہا یہ دو جملے ہیں۔ دراصل عبارت یوں ہے وَمَا قَالَه المکذبون وہ جو مکذبین نے کہا وہ صحیح نہیں کیونکہ ان کا یہ قول باطل ہے اس کے بعد دوسرے جملہ میں قسم یاد فرمائی فرمایا بِمَا تُبْصِرُوْنَ قسم ہے اسکی جسے تم دیکھتے ہو۔ ۳۹ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ اور وہ جو تم نہیں دیکھتے یہ بہت بڑی قسم ہے کیونکہ اس میں تمام اشیاء کی قسم ہے علیٰ سبیل الشمول والاحاطہ کیونکہ دونوں قسموں میں مبصر و غیر مبصر داخل ہیں مبصر مشاہدات و غیر مبصر مغیبات (غیبی اشیاء) اس میں دنیا و آخرت اور اجسام و

ارواح اور انس وجن اور خلق و خالق اور ظاہری اور باطنی نعمتوں و دیگر وہ جملہ اشیاء جو قسم کھانے کے لائق ہیں اس لئے کہ جو اشیاء قسم کھانے کے لائق نہیں وہ اس میں داخل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ :- اس کی طرف قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ ہے کہ

اس میں وجود کی قسم ہے ظاہری ہو یا باطنی۔ اور حضرت ابن عطار رحمہ اللہ نے فرمایا یہ قسم ہے آثار قدرت اور اس کے اسرار کی اور حضرت شیخ نجم الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مَا تُبْصِرُوْنَ میں مشہودات و مبصرات کی قسم ہے جو ظاہری آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں اور مَا لَا تُبْصِرُوْنَ میں مغیبات کی قسم ہے جو باطنی آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں یعنی قسم ہے مظاہر اسمائیہ کی اور مظاہر ذاتیہ کی اور حضرت حسین رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو وہ چیزیں ظاہر فرمائیں جو لوح و قلم میں ہیں ان کی قسم یاد فرمائی اور جو اس کے علم میں مخزون ہیں۔ اور اس پر قلم کا اجراء نہیں ہوا اور ملائکہ کو اس کا علم نہیں اس کی قسم یاد فرمائی پہلی کی مَا تُبْصِرُوْنَ سے قسم ہے دوسری قسم کی مَا لَا تُبْصِرُوْنَ سے۔ نیز ان کی قسم یاد فرمائی جو اپنی صفات مخلوق پر ظاہر فرمائیں اور وہ جو اپنی صفت ظاہر فرمائی اور وہ علم جو مخلوق پر ظاہر فرمایا وہ جو پوشیدہ ہے اس کے بالمقابل ایک ذرہ کے برابر ہے یعنی دنیا و آخرت کے علوم اس کے مخفی علوم و اسرار کے سامنے ذرہ بے مقدار کے برابر ہیں اگر وہ علوم ظاہر فرمائے تو مخلوق کو ان کا حامل ہونا تو درکنار ان علوم کی تجلیات سے تمام مخلوق پگھل جائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت ابو طالب مکی قدس سرہٗ اپنی کتاب قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ وہ بندہ جو عالم (عارف باللہ) ہے جو کچھ سمجھے اسی سے سمجھے اور جو دیکھے اسی

(بقیہ صہ ۱۸۲ سے)

فائدہ : عین المعانی میں ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو طریق توحید سے خطا کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ بندہ مساکن الاعضاء والجوارح کو اعمال صالحات و اقوال صادقات و احوال صافیہ پر برانگیختہ نہیں کرتا تو آج کے دن کوئی اس کی نہ مدد کرے گا نہ اسے کوئی مانوس ہو گا کیونکہ مونس نہیں ہیں مگر اعمال و احوال۔ اور اسکے نفس شوم کو کوئی طعام نہ ملے گا اس کے اعمال و افعال قبیحہ و شنیعہ کا دھوون جسے نہیں کھاتے مگر تجاوز کرنے والے از اعمال روح و قلب اور قصد کرنیوالے نفس و ہوا دخواہشات نفسانی کی پسندیدہ چیزیں اور شہوات جسمانیہ و لذات حیوانیہ کی اتباع کرنے والے۔

کا ہی مشاہدہ کرے تو ایسے بندے کے سامنے وہ امور ہوتے ہیں جو دوسروں سے غائب ہیں اور وہ امور دیکھتا ہے جس سے دوسرے (عوام) اندھے ہیں جیسے اللہ نے فرمایا فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ (مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے)۔

تفسیر عالمانہ ۴۰ اِنَّهٗ (بے شک وہ، قرآن) لَقَوْلُ رَسُوْلٍ (بیشک وہ رسول کی باتیں ہیں)۔ اور اسکی باتیں حق ہیں جیسے اللہ نے فرمایا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (اور وہ خواہش سے نہیں بولتے اور فرمایا فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (اسے پناہ دو یہانتک کہ وہ کلام اللہ سنے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس لئے مضاف کیا ہے کہ اس کا تقاضا ہے کہ اس کا مرسل (بھیجنے والا) کوئی اور ہے اور معلوم ہو جائے کہ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ اس کے مرسل کا کلام ہے آپ اس کے مبلغ (پہنچانیوالے) ہیں یہ اضافت اختصاصیہ ہے یہ دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف تبلیغ ہے اور ان کی شان یہ ہے کہ تبلیغ کا کام سرانجام دیں اس میں اختراع نہیں ہوتا۔ (یعنی اپنی طرف سے کوئی بات گھڑی نہیں جاتی۔)

فائدہ: قرآن مجید میں کبھی قول بول کر اس سے قرأۃ مراد لی جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" یہانتک کہ جان لیں کہ تم کیا پڑھتے ہو نماز میں۔ (تقولون بمعنی تقرؤن ہے۔) کَرِیْمٍ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم۔ اس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ جیساکہ اس کا بالمقابل "رَسُوْلٍ بِشَاعِرٍ اَوْ كَاهِنٍ" دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ثابت کرنا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول ہیں شاعر یا کاہن نہیں۔

فائدہ: بعض نے کہاکہ یہاں رسول سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں اب معنی یہ ہواکہ وہ جبریل علیہ السلام کا قول ہے جو آپ اللہ تعالیٰ کے رسول کریم ہیں۔ یہ کلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نہیں جیسے تمہارا گمان ہے یا جیسے تمہارا دعویٰ ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ آپ شاعر یا کاہن ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

فائدہ: خلاصہ یہ کہ یہاں قرآن پاک کی حقانیت کا اثبات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہے یعنی قرآن مجید حقیقۃً اللہ کا کلام ہے اسے اللہ نے لوح محفوظ میں ظاہر فرمایا اور وہ جبریل علیہ السلام کا کلام بھی ہے کہ وہ اسے آسمانوں سے زمین کی طرف لے آئے اور اسے نبی خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کو پڑھ سنایا اور یہ کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ہے کہ اسے آپ نے مخلوق کے سامنے ظاہر فرما کر ایمان کی دعوت دی اور اسے اپنی نبوت پر حجۃ (دلیل) بنائی۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں جیسے تم کبھی ایسا گمان کرتے ہو جیسا کہ علامہ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابوجہل کہتا تھا کہ معاذ اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شاعر ہیں۔ (شعر کا معنیٰ اور تحقیق سورۃ یٰسٓ شریف میں گذری ہے۔) قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ کتنا کم یقین رکھتے ہو یعنی قرآن مجید پر ایمان کم رکھتے ہو ایسے کلام الٰہی اور کلام رسول پر اور آپ کے مرسل من اللہ ہونے پر۔

فائدہ: اس قلت سے نفی مراد ہے یہ اس محاورہ سے ہے جو "تمہارے ملنے کو بالکل نہیں آتا تو کہتے ہو" قَلَّمَا تَأْتِينَا تو ہمارے ہاں بہت کم آتا ہے یعنی آتا ہی نہیں (مراد ہوتی ہے)

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے میرے نزدیک یہاں مؤمن کی قلت مراد ہے یعنی تمہارے بہت تھوڑے مؤمن ہیں۔ (اسی طرح اسکے نظائر میں معنیٰ ہوگا۔) وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے۔ جیسے تم کبھی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے دعویٰ کرتے ہو۔ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عقبہ بن معیط حضور علیہ السلام کو کاہن سمجھتا اور کہتا تھا کہ آپ کاہن ہیں (معاذ اللہ)

نکتہ: قول کا تکرار ان کے قرآن مجید کی حقانیت پر اقاویل کا ذبہ کہنے اور رسول صادق کو شاعر و کاہن کہنے کی تردید میں مبالغہ ہے۔

کاہن کون ہوتا ہے

کاہن وہ ہے جو زمانۂ مستقبل کے حوادثات کی خبریں دے اور اسرار و رموز کی معرفت اور علم غیب کے مطالعہ کا دعویٰ کرے۔ کشف الاسرار میں ہے کہ کاہن وہ ہے جو مدعی ہو کہ اس کے جنات خدام ہیں اس کے پاس ایک قسم وحی لاتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے کہانت ختم ہوگئی بلکہ جنات آسمانی خبروں کے سننے سے منع کیے گئے بلکہ بند کر دیئے گئے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے المفردات میں فرمایا کہ کاہن وہ ہے جو ایک قسم کے گمان سے زمانۂ ماضی کی مخفی خبریں عراف کی طرح جو محض گمان سے زمانۂ مستقبل کی خبریں دے۔

مسئلہ: چونکہ یہ دونوں طریقے محض ایسے گمان پر مبنی ہیں جن میں خطاء و صواب کا احتمال ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اعراف اور کاہن کے پاس جا کر ان کی خبروں کی تصدیق کی تو اس نے اس سے کفر کیا جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔

حلِ لُغات اہل لغت کہتے ہیں کَہَنَ فُلَانٌ کِہَانَۃً بمعنی تَعَاطٰی، فلاں نے کہانت کا پیشہ اختیار کیا - اور جب کہا جائے کہن بمعنی غیب کی خبر دی - تکہن بتکلف کاہن ہونے کا مدعی ہوا -

اعراف : اعراف کے متعلق شرح مشارق الانوار میں ہے کہ چوری شدہ مال کی پوشیدہ اور گم شدہ اشیاء کی جگہ کی خبر دینے والا اور کاہن وہ ہے جو زمانہ مستقبل کی خبر دے - الصحاح میں ہے کہ العراف کاہن ہے - قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ کتنا کم نصیحت پاتے ہو - بہت تھوڑی اور تھوڑے وقت میں نصیحت پاتے ہو یعنی بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو - یہی حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے معنی لکھا - اور کشف الاسرار میں ہے کہ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو لیکن اس پر پورے نہیں اترتے ہو -

حل لغات تاج المصادر میں ہے کہ التذکر بمعنی یاد کرنا ، یاد دلانا ، نصیحت حاصل کرنا - ذکر ہونا اس کلمہ کا جو پہلے مؤنث تھا -

فائدہ : بعض نے کہا کہ ایمان قلیل سے مراد ان کا ایمان اور ان کے نفسوں کا یقین کرنا لیکن زبان سے انکار کرنا - اس میں نفی کا معنیٰ نہیں بعض نے کہا کہ اگر یہاں ایمان سے شرعی ایمان مراد ہے تو پھر تقلیل نفی کی ہے اگر لغوی معنیٰ مراد ہے تو پھر تقلیل کا حقیقی معنیٰ ہے اس لئے کہ وہ قرآن مجید کے بعض احکام کی تو تصدیق کرتے تھے جیسے صلہ رحمی اور ہر طرح خیر و بھلائی اور پاکدامنی وغیرہ لیکن بعض کی تکذیب کرتے تھے جیسے توحید اور حقانیت (اسلام - قرآن) اور مرنے کے بعد اٹھنا وغیرہ وغیرہ ایسے ہی تذکر ، نصیحت حاصل کرنا -

فائدہ : بعض نے کہا ایمان کے ذکر میں حضور علیہ السلام سے شاعریت کی نفی اور تذکر سے کاہنیت کی نفی مطلوب ہے - اس لئے کہ قرآن مجید کی شعر سے عدم مشابہت اتنا واضح ہے کہ معاند د سرکش منکر کے سوا کسی کو انکار نہیں اسی لئے اسے شعر کا عذر دے کر ایمان سے انکار کی گنجائش ہی نہیں اسی لئے اس پر توبیخ کی گئی اور ان کے ایمان نہ لانے پر تعجب دلائی گئی بخلاف کہانت کی مشابہت کے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے تک توقف ہے اور قرآن مجید کے معانی سمجھنے پر موقوف رکھا تاکہ وہ اس پر پوری توجہ دیں گے تو انہیں یقین ہو گا کہ یہ کلام کہانت کے خلاف ہے اور ان کے اقوال کے معانی کے بھی خلاف ہے جنہیں وہ اپنی عقل مندی سے بیان کرتے ہیں کیونکہ کاہن وہ ہوتا ہے جو خود کو آنے والے مخفی حالات اور مغیبات کی خبر دینے کا دعویدار ہوتا ہے پھر وہ خبریں کبھی سچی ہو جاتی ہیں لیکن جھوٹی بہت زیادہ - اور وہ اس دھندہ کرنے سے انعام (معاوضہ) کا خواہشمند ہوتا ہے اور صرف اسے بتاتا ہے جو اس کے پاس سائل بن کر آئے - لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ

جملہ عادات نہیں۔ خلاصہ یہ کہ کاہن وہ ہے جس کے پاس شیطان آکر آسمان کی خبریں القاء کرے اور وہ ان سے سن کر لوگوں کو بتائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کلام الٰہی القاء ہوتا ہے اس میں شیاطین کی مذمت ہے پھر ان کا کلام (معاذ اللہ) کیسے القاء شیطانی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شیاطین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنی مذمت وعیب نازل کرے بالخصوص اس پر جو ان پر لعنت اور مذمت کرے اور ان کے عیوب بتائے اور ان پر طعن وتشنیع کرے۔ علاوہ ازیں جو کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتا ہے اس کے معانی کاہن کے اقوال کے معانی کے خلاف ہیں۔ اسی لئے کاہن تہذیب الاخلاق وتصحیح العقائد اور ان اعمال کی دعوت نہیں دیتا جو مبدأ ومعاد سے متعلق ہیں بخلاف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ مذکورہ بالا امور کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر کفارِ مکہ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خصوصی توجہ دیں پھر کاہن کے اقوال کو دیکھیں تو پھر وہ کبھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کاہن نہ کہیں۔

فائدہ: برہان القرآن میں ہے کہ مَا تُؤْمِنُوْنَ میں شعر کے ذکر کی تخصیص اسلئے کہ جو کہتا ہے کہ قرآن شعر اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر ہیں لیکن قرآن مجید کی آیات میں چھوٹی بڑی کا فرق اور حروف مقاطع کا اختلاف بھی جانتا ہے۔ (اس کے باوجود وہ قرآن کو شعر اور حضور علیہ السلام کو شاعر کہتا ہے) تو پھر وہ کفر کی بیماری میں اور عدم ایمان کے مرض کا مریض ہے۔ اس لئے کہ سب کو معلوم ہے کہ شعر موزوں (وزن دار) اور مقفّٰی (قافیہ والے) کلام کو کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں ہر دونوں نہیں (پھر قرآن مجید شعر کیسا) ایسا ہی کہانۃ قلیلاً ما تذکرون میں۔ اس لئے کہ تخصیص ہوئی کہ جو کہتا ہے کہ قرآن کہانۃ اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاہن ہیں (معاذ اللہ) تو وہ کاہنین کی باتوں سے بے خبر ہیں کیونکہ کاہن کا کلام اسجاع (سجع والا) ہوتا ہے جن میں نہ معانی نہ اوضاع کہ جن سے طبائع کو کچھ معلوم ہو سکے اور نہ ہی ان کے کلام میں ذکر اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ (تو پھر قرآن کہانۃ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے کاہن ہو گئے۔) (معاذ اللہ)

فائدہ: مولانا ابو السعود الارشاد میں فرماتے ہیں کہ تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ کفار کے غلط الزامات میں توقف وتأمل کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ خود بخود غلط اور باطل ہیں۔ یعنی ان کا مذکورہ فرق کی تعلیل کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی وہ صحیح ہے کیونکہ تذکر میں انابۃ (رجوع الی اللہ) ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ" (نہیں نصیحت پاتا مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔) اور کافر اہل انابۃ سے نہیں اور فرمایا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ عقل والے ہی نصیحت پاتے ہیں۔ یعنی پاکیزہ عقول اور پاک قلوب والے اور کافران میں سے نہیں تو پھر وہ اہل تذکر بھی نہیں اور اس کا امر مبین (واضح ہونا) تذکر کے منافی نہیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ

کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بہت تھوڑا دھیان کرتے ہیں۔ باوجودیکہ اُلوہیۃ کے شواہد ہر اہل بصیرت کے سامنے ظاہر اور ہر باخبر کے ہاں ظاہر ہیں، علاوہ ازیں انہوں نے جو اپنی تقریروں میں فرق بتایا کہ نفی کہانت میں تذکر ضروری ہے کیونکہ کہانت کا معاملہ پوشیدہ ہے بہ نسبت شعر کے۔ (یہ بھی ایک اجنبی امر ہے صحیح علم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

۴۳ تَنْزِيْلٌ نازل کیا ہوا مصدر بمعنی مفعول مبالغہ کے لئے ہے۔ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ جبریل علیہ السلام کے ذریعہ نازل فرمایا سعادتمندوں کی تربیت اور انہیں خوشخبری دینے کے لئے اور بدبختوں (کافروں) کو ڈرانے کے لئے، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ اسے روح امین نے آپ کے قلب پر اتارا تاکہ آپ ڈرانے والوں سے ہوں اور فرمایا وَمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا تاکہ آپ ہوں اہل ایمان کو بشارت دینے والے اور کافروں کو ڈرانے والے۔

۴۴ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ (اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے (جیسے شعراء باتیں بنا لیتے ہیں یعنی اگر (حبیب محمد) (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہماری طرف وہ بات منسوب کرتے جو ہم نے نہیں کہی جیسے تمہارا گمان ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا " اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ کیا کافر کہتے ہیں کہ اس نے بات بنائی ہے بلکہ یہ مؤمن نہیں۔

فائدہ: بعض کے ذکر میں اشارہ ہے کہ ان کی تھوڑی سی بات بنائی ہوئی بھی اس مؤاخذہ کے قابل ہے جس کا ذکر آرہا ہے چہ جائیکہ وہ زیادہ باتیں بنالیتے۔

نکتہ: افتراء کو تقول سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کی بناء تکلف ہے کیونکہ وہ قول منقول (اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے۔)

حلِ لُغات

کشاف میں ہے اَلتَّقَوُّلُ قول گھڑنا کیونکہ (افتعال) میں تکلف ہوتا ہے گھڑنے والے سے اور گھڑے ہوئے اقوال کو اقاویل کہنا ان کی تحقیر مطلوب ہے کیونکہ افعولہ کا صیغہ حقارت بھرے امور میں مستعمل ہوتا ہے اور عجیب وغریب اقوال پر بھی جیسے اعجوبہ ہر وہ شئ جس سے تعجب ہو۔ اضحوکہ ہر وہ جس سے ہنسی آئے۔ گویا اقاویل اقوولہ کی جمع از قول ہے اگرچہ یہ لغت کے ناقلین سے منقول نہیں لیکن اس کا افعولہ کی جمع پر آنا بھی تحقیر کے لئے کافی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ اقوال کی جمع نہیں کیونکہ اقاویل کیلئے لازم ہے کہ یہ تین سے کم پر مستعمل نہیں ہوتا۔ اس تقریر یہاں اقاویل اقوال کے معنیٰ ہے اسکی جمع نہیں اور ابن الشیخ کے حواشی میں ہے کہ اقاویل اقوال کی جمع ہے اور اقوال قول کی جیسے اناعیم انعام کی جمع ہے اور وہ نعم کی ۴۵ لَاَخَذْنَا مِنْهُ تو ضرور ہم اس سے بدلہ لیتے۔ یہ " بالیمین " سے حال ہے یعنی قوت سے۔ یمین سے قوت مراد ہے۔

حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کے باب سے ہے کہ اجمال کے

بعد تفصیل لائی گئی ہے۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے۔

حل لغات الوتین بمعنی نیاط القلب یعنی دل کی رگ گردن توڑ کر کاٹ دیتے۔ نیاط گاڑھی رگ جس کا رنگ سفید ہے نلی کی طرح اسی سے قلب معلق ہے کہ اگر وہ رگ کٹ جائے تو فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔ المفردات میں ہے کہ الوتین ایک رگ ہے جو جگر کو سیراب کرتی ہے جب وہ کٹ جائے تو فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔

نکتہ: لاہلکنا ولضربنا نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ جب بادشاہ کسی پر ناراض ہوتے ہیں تو اسے اسی طرح بری موت مارتے ہیں کہ اسے سیدھے ہاتھ قتل کرتے اور سامنے کھڑا کر کے تلوار مارتے اور گردن اڑاتے ہیں اگر کوئی چاہے کہ اسکی گردن پر ضرب واقع ہو تو اسے بائیں ہاتھ سے پکڑتے ہیں اگر چاہے کہ اس کی گردن کے اگلے حصہ سے اسے مارا جائے تو اسے سیدھے ہاتھ سے پکڑتے ہیں۔ اور سامنے کھڑے ہو کر اس کی گردن اڑا لیتے ہیں بندھے ہوئے انسان پر یہ بہت گراں ہوتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اب یہ تلوار مجھے کاٹے گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے الاخذ بالیمین سے تعبیر فرمایا ہے۔

المفردات میں ہے کہ "لاخذنا منہ بالیمین" بمعنی ہم اسے منع اور دفع کرتے۔ اسی لئے الاخذ بالیمین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "خذ بیمین فلان" بعض نے کہا "الیمین بمعنی القوة" ہے یعنی ہم اس سے بدلہ لیتے اپنی قوت و قدرت سے بعض نے کہا یہاں مراد ہے کہ ہم اس سے بولنے کی قوت و قدرت سلب کر لیتے۔ اور باء صلہ کی یعنی زائدہ ہے اور قوت کو یمین سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ قوت کا تعلق دائیں جانب میں ہے یہ محل کا ذکر کر کے حال مراد لینے یا ملزوم کا ذکر کر کے لازم مراد لینے کے قبیل سے ہے۔ فَمَا مِنْكُمْ تو تم میں اے لوگو مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ کوئی ایک اس سے (قتل یا مقتول سے) یہ حاجزین (بچانے والا نہ ہوتا) کے متعلق ہے۔ حَاجِزِيْنَ بمعنی دافعین، یہ احد کی صفت ہے کیونکہ وہ عام ہے اسی لئے کہ نفی کے سیاق میں واقع ہے۔ جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث شریف میں ہے۔ "لم تحل الغنائم لاحد اسود الناس غیرنا" تمام لوگوں کے لئے غنیمتیں حلال نہیں ہمارے سوا۔ اور احد محلاً مرفوع مبتدا ہے۔ اور مِنْ زائد نفی کی تاکید کے لئے اور منکم اسکی خبر ہے اب معنی یہ ہوا کہ تم میں قوم کا کوئی فرد نہیں جو مقتول سے دفع کر سکے یا اسے قتل اور ہلاکت سے بچا سکے۔ ہلاکت اور قتل کا مفہوم ثم لقطعنا منہ الوتین سے حاصل ہوا۔ یعنی تم میں کوئی بھی بچانے اور دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

فائدہ نحویہ: مذکورہ تقریر نحوی بنوتمیم کے قاعدہ واصل پر ہے کہ وہ مبتدا و خبر ما کے داخلہ کے قائل نہیں۔ اور کبھی حاجزین کو ما کی خبر بنایا جاتا ہے۔ لغت حجازیہ پر امید ہے یہی اولیٰ ہے اس مذہب پر ما مشابہ بلیس ہے۔

من احد نا کا اسم اور حاجزین منصوب اسکی خبر اور منکم حال مقدم ہے کیونکہ یہ دراصل احد کی صفت ہے (تقدیم سے حال بنانا پڑا) خلاصہ یہ اس میں تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر از خود کوئی شئے بڑھاتے یا گھٹاتے، کتاب اللہ میں تبدیلی کے ارادہ سے یا اپنے طور کوئی بات کہتے اس کے سوا جو آپ پر وحی آئی ہے تو اللہ تعالےٰ عقاب میں مبتلا فرماتا حالانکہ آپ اللہ کے ہاں مکرم ترین ہیں تو پھر دوسروں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو قصداً کتاب اللہ میں تغیر کرتا یا از خود کوئی بات کہتا ہے جیسے (اس کی تحریف سے) کئی فرقے گمراہ ہوتے۔

۴۷ وَاِنَّهٗ اور بے شک وہ قرآن "لَتَذْكِرَةٌ" البتہ پند ونصیحت ہے۔ لِّلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کے لئے، جو شرک اور حب دنیا سے بچتا ہے تو وہ اس قرآن سے نصیحت پاتا اور نفع اٹھاتا ہے بخلاف مشرک اور اس کے دنیا کی طرف مائل اور جس پر اسکی محبت کا غلبہ ہے تو وہ قرآن مجید کو جھٹلاتا ہے اور نفع بھی حاصل نہیں کرتا۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے "التذکیر والتذکرہ" یاد دلانا اور حرف کو مذکر بنانا۔ اسی سے حدیث شریف ہے "فذکروہ ای فاجلوہ" اسے نصیحت کرو یعنی اسکی بزرگی بڑھاؤ۔ اسی لئے نصیحت سے اس کی بزرگی میں اضافہ کرنا ہوتا ہے ۴۸ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ط اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ بعض تم میں جھٹلانے والے ہیں یعنی اے لوگو کچھ تم میں ایسے ہیں جو قرآن کی تکذیب کرتے ہیں ہم انہیں ان کی تکذیب کی وجہ سے سزا دیں گے۔

فائدہ: حضرت مالک رحمہ اللہ نے فرمایا اس امت پر اس آیت سے سخت تر وعید شدید اور کوئی آیت نہیں

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بعض لوگ الہام کے مکذبین بھی ہیں وہ بھی وحی کے مکذبین میں داخل ہیں۔ کیونکہ ہر دونوں (الہام ووحی) من اللہ ہیں لیکن اہل حجاب نور الہام کو اندھے کی طرح نہیں دیکھتے اسی لئے وہ کیسے الہام کا اقرار کر سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۴۹ وَاِنَّهٗ اور بے شک وہ قرآن لَحَسْرَةٌ حسرت ہے۔ قیامت میں ندامت کا موجب ہے عَلَى الْكٰفِرِيْنَ کافرین پر یعنی قرآن کے مکذبین پر جب وہ اس کے مصدقین اور اہل ایمان کے ثواب کا مشاہدہ کریں گے اور دنیا میں بھی انہیں اہل ایمان و اہل تصدیق القرآن پر حسرت ہوتی ہے جب ان کی دولت کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر تکذیب کی طرف راجع ہو جو مکذبین میں ہے۔

۵۰ وَاِنَّهٗ اور بیشک وہ قرآن لَحَقُّ الْيَقِيْنِ بیشک یقینی حق ہے۔ وہ یقین کہ جسمیں کسی قسم کا شک نہ ہو۔

فائدہ: حق و یقین دونوں کا ایک معنی ہے۔ ان کے ایک کا دوسرے کی طرف مضاف ہونا اضافۃ الشئ الی نفسہ لازم آتا ہے جیسے حب الحصید۔ لیکن چونکہ اس سے تاکید مطلوب ہے اس لئے ایسی اضافت جائز ہے کیونکہ

وہ حق وہ ہے جو ایسا ثابت ہو کہ اسکی طرف شک کو راہ نہیں ایسے یقین

حل لغات المفردات میں ہے کہ یقین علم کی صفت ہے۔ اس کا درجہ معرفت و درایۃ اور ان کے بھنوں کے زائد ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔ ان کے درمیان بھی فرق ہے جو اسی کتاب (تفسیر ا کے نمبر ہیں) مذکور ہے۔ شرح الفصوص میں ہے سے سورۃ الواقعہ کے آخر میں ہم نے بیان کیا (وہاں دیکھ لیں)

فائدہ : امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا معنیٰ حق یقین ہے یعنی ایسا حق کہ اس میں بطلان نہیں اور ایسا یقین کہ اس میں شک نہیں پھر ان دونوں وصفوں (حق، یقین) کو ایک دوسرے کیطرف تاکید کے لئے مضاف کیا جاتا ہے۔

فائدہ : زمخشری نے کہا یقین کے لئے حق الیقین کہا جاتا ہے مثلاً کسی عالم کو تم کہتے ہو " العالم حق العالم اور جد العالم، اس سے تمہاری مراد ہے کہ وہ خلاصۂ عالم ہے اور اس کی حقیقت کہ اس میں کسی دیگر شئی کی ملاوٹ نہیں

تقریر حاضر و ناظر : حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حق الیقین وہ جو بندے کو معرفت بالحق متحقق ہوں کہ غیوب کا مرئیات (عام نظر آنے والی اشیاء) کی طرح عینی مشاہدہ کرے اور مغیبات کا احکام سنائے اور سچائی سے خبر دے۔

صدیق اکبر کا عقیدہ حاضر و ناظر : حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدہ (حاضر و ناظر) کی خبر دی جب آپ نے ان سے پوچھا کہ " مَا اَبْقَیْتَ لِنَفْسِکَ " آپ اپنے لئے کیا چھوڑ آئے ہیں عرض کی " اللہ و رسولہ " اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے تحقق بالحق والانقطاع عن کل ماسوا اللہ اور آپ کے ساتھ وقوف کے صدق کی خبر دی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی کیفیت کا سوال نہ کیا کہ اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے گھر میں کیسے وہ اسی لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے صدق کا عرفان اور اس کے انتہائی مقام پہ فائز المرام ہونے کا علم تھا[1]

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کا قصہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا " کَیْفَ اَصْبَحْتَ " صبح کیسی ہوئی عرض کی اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا مومن حق ہو کر صبح کی۔

فائدہ : اس میں حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمان کی حقیقت کی خبر دی اور حضور سرور عالم صلی اللہ

---

[1] : حاضر و ناظر کی حقیقت کے منکرین عبرت حاصل کریں اگر ضد اور تعصب کا مرض دل میں نہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی لئے سوال کیا کہ وہ اپنے میں ایک عظیم دعویٰ کے مدعی تھے ۔ (جس کی تفصیل فقیر اویسی غفرلہ نے (صدائے نوی شرح مثنوی) میں عرض کی ہے)، جب انہوں نے اس کی خبر دی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کچھ نہ فرمایا بس یہ فرمایا کہ تو نے معرفت حاصل کر لی اسی پر ثابت قدم رہو۔ یعنی تم نے حقیقت ایمان کا راستہ معلوم کر لیا ہے اب اس راستہ کو نہ چھوڑنا یہانتک کہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤ۔ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حال مستور تھا یہانتک کہ اس کی تفصیل پوچھی گئی اور واضح کر دیا گیا اگرچہ آپ جانتے تھے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اور یہی مقام حق الیقین تھا۔

فائدہ: یقین اس علم کا نام ہے کہ اس میں التباس نام تک نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ رب العزۃ جل جلالہ کا علم یقین سے موصوف نہیں ہوتا۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ، تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم اپنے عظمت والے رب اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو یعنی اسکی تسبیح کرو اس کے عظیم اسم کے ساتھ مثلاً "سبحان اللہ" اس کے لئے پاکی اس سے کہ وہ بناوٹی بات پر راضی ہو اور شکر ہے اس پر کہ اس نے دمی سے نوازا۔ سبح کا مفعول محذوف ہے اور باسم ربک کی باء استعانت کی ہے جیسے "ضربتہ بالسوط" میں نے اسے ڈنڈے سے مارا، حرف کے واسطے سے یہ دوسرا مفعول بحذف المضاف ہے۔ "العظیم" اسم کی صفت ہے۔ ہوسکتا ہے یہ ربک کی صفت ہو۔ اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے رکوع میں پڑھا کرو۔ اسی پر علماء کی جماعت کا التزام ہے۔ (فتح الرحمٰن)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کی تنزیہ و تقدیس عین تشبیہ میں تیرے رب کے نام کی یعنی تیرے رب کے مسمّٰی کی کیونکہ اہل ذوق و ارباب الحق (صوفیہ کرام) کے نزدیک اسم مسمّٰی کا عین ہے (علم کلام والوں کے نزدیک عین ولا غیر شرح عقائد) (اویسی غفرلہ)

حضرت القاشانی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منزہ و مقدس ہے غیر کے شائبہ سے اس لئے اپنی تنزیہ و تقدیس شائبہ غیر سے بیان فرمائی ساتھ اس کے جو اس کا منزّہ و مقدّس ہے۔ غیر کے شائبہ سے۔ اسم اعظم ہے جو تمام اسما کو حاوی ہے کہ تیرے شہود میں نفس و قلب سے تلوین ظاہر نہ ہو ورنہ رویۃ انینیۃ یا انانیت سے محجوب ہو جاؤ یا کم از کم مشبّہ (اللہ کو تشبیہ دینے والا) ہو جاؤ گے۔ مسبح (تسبیح کہنے والا) نہیں ہو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا ایک سبب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مکہ سے اس ارادہ پر نکلا کہ آپ کو اذیت پہنچاؤں گا (معاذ اللہ) لیکن آپ مجھ سے پہلے مسجد الحرام میں تشریف لے گئے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا آپ نے

مسجد میں پہنچتے ہی نماز کی نیت باندھ لی میں پہنچا تو آپ نماز میں سورۃ الحاقہ پڑھ رہے تھے جب میں نے قرآن مجید کی روانی کو سنا تو دل میں خیال کیا کہ یہ شاعر ہی تو ہیں جیسے قریش کا الزام ہے لیکن جب آپ نے پڑھا: انه لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاھن قلیلا تذکرون تنزیل من رب العالمین۔ یہ رسول کریم کا قول ہے شاعر کا قول نہیں بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کاہن کا قول ہے بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو یہاں تک کہ آپ نے سورۃ الحاقہ ختم فرمائی تو میرا دل آپ کی اس سورۃ کی قرات سے متاثر ہوا اور اسلام کے قبول کرنے کا گویا ایک سبب یہ بھی ہوا۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے اس سورۃ الحاقہ کی تفسیر سے اللہ کی مدد سے ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۱۶ھ میں فراغت پائی۔ الحمد للہ وبرکتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیر اُویسی غفرلہٗ نے اس سورۃ الحاقہ کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۷ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ ۸ دسمبر ۱۹۸۸ء بروز جمعرات شام ساڑھے چار بجے کو فراغت پائی۔

وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ٥

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور (پاکستان)

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ

اٰيَاتُهَا ۴۴	(۷۰) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ (۷۹)	رُكُوْعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾
مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ
كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾
اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚۖ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ
يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ
وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُـْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ
ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚۖ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ
وَتَوَلّٰى ۙ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۙ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ
هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۙ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ﴿۲۴﴾
لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ﴿۲۶﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۚ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ

رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

سورۃ المعارج کی چوالیس آیات مکیہ ہیں اور اس کے ۲ رکوع ہیں

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۔ ترجمہ: ایک مانگنے والا وہ عذاب مانگتا ہے[۱] جو کافروں پر ہونے والا ہے اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں[۲]۔ وہ ہوگا اللہ کی طرف سے جو بلندیوں کا مالک ہے[۳] ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے[۴] تو تم اچھی طرح صبر کرو[۵] وہ اسے دور سمجھ رہے ہیں[۶] اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں[۷] جس دن آسمان ہوگا جیسی گلی چاندی[۸] اور پہاڑ ایسے ہلکے ہوجائیں گے جیسے اون[۹] اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا[۱۰] ہوں گے انہیں دیکھتے ہوئے مجرم آرزو کرے گا کاش اس دن کے عذاب سے[۱۱] چھٹنے کے بدلے میں دیدے اپنے بیٹے اور اپنی جورو اور اپنا بھائی[۱۲] اور اپنا کنبہ جس میں اس کی جگہ ہے[۱۳] اور جتنے زمین میں ہیں سب پھر یہ بدلہ دینا اسے بچالے ہرگز نہیں[۱۴] وہ تو بھڑکتی آگ ہے[۱۵] کھال اتار لینے والی بلا رہی ہے[۱۶] اس کو جس نے پیٹھ دی اور منہ پھیرا[۱۷] اور جوڑ کر سینت رکھا[۱۸] بے شک آدمی بنایا گیا ہے بے صبرا[۱۹] حریص جب اسے برائی پہنچے تو وہ سخت گھبرانے والا[۲۰] اور جب بھلائی پہنچے تو روک رکھنے والا[۲۱] مگر نمازی[۲۲] جو اپنی نماز کے پابند ہیں[۲۳] اور وہ جن کے مال میں ایک معلوم حق ہے[۲۴] اس کے لئے جو مانگے اور جو مانگ بھی نہ سکے تو محروم رہا[۲۵] اور وہ جو انصاف کا دن سچ جانتے ہیں[۲۶] اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈر رہے ہیں[۲۷] بیشک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں[۲۸] اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں[۲۹] مگر اپنی بیبیوں یا اپنے ہاتھ کے مال کنیزوں سے کہ ان پر کچھ ملامت نہیں[۳۰] تو جو ان دو کے سوا اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں[۳۱] اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرتے ہیں[۳۲] اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں[۳۳] اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں[۳۴] یہ ہیں جن کا باغوں میں اعزاز ہوگا[۳۵]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ‏ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ ⓵ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ایک سائل وہ عذاب مانگتا ہے جو واقع ہونے والا ہے ۔

حل لغات اسوال بمعنی الدعا والطلب سے کہا جاتا ہے ۔ دعا بکذا واستدعاو طلبہ (اسے بلایا اس سے مانگا۔ اسی سے قول ہے باری تعالیٰ کا یدعون فیھا بکل فاکھۃ یعنی جنت ہر میوہ طلب کریں گے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایک سائل نے مانگا وہ عذاب جو لامحالہ نازل ہونے والا ہے وہ مانگے یا نہ مانگے یعنی اسے اس کی طلب و استدعا ہو یا نہ ہو۔

فائدہ: لسان عرب کے توسعات سے عام ہے نظیر کو نظیر اور نقیض کو نقیض پر محمول کرنا سائل کا باء سے متعدی ہونا حمل النظیر علی النظیر کے قبیل سے ہے کیونکہ سائل دعا کا نظیر ہے اور وہ باء سے متعدی ہوتا ہے یہ تضمین سے متعدی ہونے کے قبیل سے نہیں یعنی یہ نہ کہا جائے کہ سائل دعا کے معنیٰ کو متضمن ہے اسی لئے اسی کی طرح باء سے متعدی ہوا ہے یہ زمخشری کا گمان ہے حالانکہ اسی نے تضمین کے فوائد میں (سورۃ النحل کی تفسیر میں) لکھا کہ تضمین کا معنیٰ دونوں معنوں کا مجموعہ عطا کرنا اور دعا و سائل کے جمع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ ان کا دستور ہے کہ ان میں کسی ایک کا ذکر دوسرے سے مستغنی کر دیتا ہے ۔

سائل کون تھا: اس کا سائل نضر بن الحارث از بنو عبد الدار تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور جمہور نے بھی اسے اختیار فرمایا ہے اس نے استہزاً و انکاراً کہا۔
اَللّٰھُمَّ اِنۡ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الۡحَقَّ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝
اے اللہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے ہاں دردناک عذاب لے آ۔

نکتہ آیت میں صیغہ ماضی (یعنی واقع ہے یَقُوۡعُ ہونا تھا) اس کے وقوع پر تحقق پر دلالت کے لئے ہے یا دنیا میں اور وہ یوم بدر کے دن کا عذاب ہے کہ اسی جنگ میں نضر بن الحارث بری طرح مارا گیا یا اس سے عذاب آخرت مراد ہے یعنی جہنم ۔

حکایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل سبا کے کسی ایک سے کہا کہ تمہاری قوم کتنی جاہل تھی کہ ایک عورت کو مملکت کا سربراہ بنایا اس نے کہا جناب آپ کی قوم میری قوم سے بہاہل تر ہے ۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت کے جواب میں کہا ان کان ھذا ھوالحق فامطر علینا حجارۃ من السَّمَاءِ اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا ۔ یوں کہدیتے ان کان ھذا ھوالحق فاھدنا ۔ اگر یہ حق ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نصیب فرما ۔ تو حضور علیہ الصلوۃ

والسلام اس وقت دعا کرتے تو قوم کو ہدایت نصیب ہو جاتی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ سائل سے خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ نے کافروں کے تقاضا پر ان کے لئے جلدی کا عذاب مانگا اور فرمایا یا اللہ ان کی سخت گرفت فرما اور انہیں اسی طرح قحط میں مبتلا فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا قحط تھا اور سَأَلَ سائل ان کے قول کی حکایت ہے کہ انہوں نے ایک مخصوص سوال (مذکور) کیا یہ اسی طرح ہے جیسے دوسرے مقام میں ہے۔ یسئلونك عن الساعة (آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اور فرمایا متی هذا الوعد (یہ وعدہ کب ہے) وغیرہ کیونکہ معہود وہی عذاب ہے جو کافروں پر واقع ہو گا نہ وہ جو نضر بن حارث نے مانگا تھا۔ اس تقریر پر سوال کا مطلب یہاں تفتیش اور استفسار ہے کیونکہ کافروں کا سوال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے ہمیشہ سوال بطور انکار و استہزاً ہوتا تھا۔ مثلاً عذاب واقع ہو گا یا نہ کن لوگوں پر واقع ہو گا کب واقع ہو گا وغیرہ وغیرہ با بمعنی من ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی فاسئل به خبیراً (اس کے متعلق خبیر سے سوال کر) میں با بمعنی عن ہے ای فاسئل عنه کیونکہ حروف عاملہ ایک دوسرے کے قائمقام آیا کرتے ہیں اسمیں علما کا اتفاق ہے۔

فائدہ امام واحدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعذاب میں با زائدہ تاکید کے لئے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی وهزی الیك بجذع النخل (کھجور کے تنے کو کھینچئے) میں یعنی بعذاب عذاباً واقعا کے معنیٰ میں ہے۔ جیسے تم کہتے ہو سالته الشیئ و سالته عن الشیئ۔ میں نے اس سے شے کا سوال کیا ان ہر دونوں کا ایک معنیٰ ہے۔

③ لِلْكَافِرِينَ ۔ کافروں پر۔ یہاں لام بمعنیٰ علیٰ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی وان اسأتم فلها (اگر برائی کرو گے تم ان پر یعنی نفسوں پر) میں لام بمعنیٰ علیٰ ہے یا لام بمعنی با ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی وما امروا الا لیعبدو الله (اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیئے گئے) میں لیعبدوا بمعنیٰ بان یعبدوا ہے یا لام اپنے معنیٰ پر ہے اب معنیٰ ہو گا کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر عذاب واقع ہو گا بر بنا تقدیر اس کے متعلق وَاقِعٌ ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ یہی حال ہے دنیا کی خواہشات اور ان غلط گمان والوں کا جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جتنا جرائم و معاصی کرتے چلے جائیں ہم پر عذاب نہ ہو گا۔

تفسیر عالمانہ لَيْسَ لَهُ اس عذاب کے لئے کوئی نہیں دَافِعٌ ③ مِنَ اللهِ اللہ تعالیٰ سے بچانے والا جب وقت آگیا اور اس حکمت نے اس کے وقوع کو واجب کیا۔ ذِي الْمَعَارِجِ وہ بلندیوں کا مالک ہے یہ اللہ کی صفت ہے کیونکہ اسمائے مضافہ سے ہے جیسے فالق الاصباح وجاعل الليل

بسکنا (وغیرہ وغیرہ)

حل لغات المعارج معرج (بفتح المیم) کی جمع ہے یہاں بمعنی مصدر ہے یعنی جانے صعود (چڑھنا) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا العروج بمعنی اوپر کو جانا المعارج بمعنی المصاعد بمعنی ہوا بلند درجوں کا مالک۔ اس سے نہ افلاک جو ترتیب دار ایک دوسرے کے اوپر یعنی سات آسمان۔ کرسی۔ عرش مراد ہیں۔

④ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ ملائکہ عروج کرتے ہیں وہ ملائکہ جو عروج ونزول پر مامور ہیں نہ ان کے غیر جو نگران وغیرہ ہیں کیونکہ بعض ملائکہ وہ ہیں جو آسمانوں سے ہرگز نہیں اترتے اور بعض وہ ہیں جو زمین سے آسمان کی طرف ہرگز عروج نہیں کرتے وَالرُّوْحُ اور روح یعنی جبریل علیہ السلام ان کا علیحدہ ذکر ان کے ممتاز اور افضل ہونے کی وجہ سے ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا تنزل الملائکۃ والروح (ملائکہ اور روح یعنی جبریل علیہ السلام اترتے ہیں) جبریل علیہ السلام نزول کے ملائکہ میں بھی مذکور ہوئے اور عروج والوں میں بھی (الیہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف یعنی امر کے سقوط کی جگہ سے عرش کی طرف اور اس طرف جہاں اللہ کی جانب سے ان پر اوامر کو نزول ہوتا ہے یہ ایسے ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا - انی ذاھب إلیٰ ربی میں اپنے رب کی بارگاہ کی طرف جاؤں گا یعنی اس جگہ پر جس طرف مجھے جانے کا حکم ہے اس معنیٰ پر عرش کی طرف عروج اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ عرش صفت رحمانیہ کی جلوہ گاہ ہے اور اسی سے ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی ابتداء ہوتی ہے یا معنیٰ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے بنو آدم کے اعمال کو ملائکہ زمین سے لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں اور روح بھی اس معنی پر الیہ کی ضمیر سے مراد مشہد (حاضری کی جگہ) مراد ہوگی (فِیْ یَوْمٍ) اس دن میں "الیٰ کی طرح اس کا متعلق بھی تعرج ہے كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے) وہ پچاس ہزار جو لوگوں کی گنتی کے مطابق ہے جیسے اللہ نے اسے دوسری جگہ پہ تصریح فرمائی کہ" فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون (ایک دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے اس سے جو تم شمار کرتے ہو۔ خمسین کان کی خبر ہے یہ تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے یہ دراصل کمقدار مدۃ خمسین الف سنۃ تھا (یعنی پچاس ہزار سال کی مدت کی مقدار کی طرح)۔

خمسین الف سنۃ کی تحقیق بلیغ اس مقدار کو سمجھنے سے پہلے ایک تمہید کی تقدیم ضروری ہے (۱) بروج ۱۲ ہیں جیسے اس شعر میں ہے ؎

چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان و اسد
سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی و دلو و حوت

جیسے (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزا (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب [illegible] جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت۔

(۲) دولت عرشیہ کا مبدا میزان سے ہے پھر اس سے حوت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اسمیں ارواح سماویہ و صور اصلیہ کلیہ تعلیہ عرش کے جوف میں پیدا فرمائے۔

(۳) ہر برج کے لئے ایک مخصوص یوم ہے۔

(۴) بروج ستہ (۱) میزان (۲) عقرب (۳) قوس (۴) جدی (۵) دلو (۶) حوت کی مدت اکیس ہزار سال ہے۔

(۵) حمل سے برج سنبلہ تک کا حکم پچاس ہزار سال ہے۔

(۶) سنبلہ کے دور کی مدت سات ہزار اور آخرت میں ہوگا۔

(۷) دور سنبلہ کے اوّل میں بموجب الٰہی جو بذریعہ وحی حکم ہوا تو اس وقت نوع انسانی کا ظہور ہوا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتویں ہزار سال کے آخری ہزار میں مبعوث ہوئے۔

(۸) اجزائے برزخیہ جو احکام دور سنبلہ اور دور میزان درمیان میں ہیں وہ آخرت سے مخصوص ہیں۔

(۹) جب بارہ بروج کا دور مکمل ہوگا تو میزان (برج) کی طرف حکم منتقل ہوگا اور وہ قیامت کبریٰ کا زمانہ ہے۔

(۱۰) ہم (امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک پلڑا ہزار کا جو دنیا کا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت میں لیا ہے دوسرا پلڑا آخرت اور حشر کے لئے گویا ہم نے میزان ثانی کے ہزار اوّل کا نصف حصّہ ہمیں اس دنیا میں ملا اور اس کا دوسرا نصف آخرت کے لئے ہے اسی لئے اخبار قیامت کے قیام کے لئے اور دنیا کا آخری حصّہ صرف پندرہ سو سال ہے۔ بعض علمآ کے نزدیک گویا میزان ثانی کے الف ثانی کا نصف اوّل دنیا میں ہے اسی لئے بعض علمائے شرع نے فرمایا کہ دنیا پندرہ سو سال سے آگے متجاوز نہ ہوگی[۱] لیکن یہ ان کا تخمینہ صحیح نظر نہیں آتا) کیونکہ اب ہم پندرھویں صدی میں گذر رہے ہیں اور جو علامات حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کے متعلق بتائے ان کا ابھی آغاز ہو رہا ہے اور ان کو پورا ہوتے ہوتے صدیاں گذرینگی بات وہی قرین قیاس صحیح معلوم ہوتی ہے جو سیدنا حضرت ابن العربی قدس سرہ نے بتائی (والعلم عند اللہ) اضافہ اُویسی؛

(۱۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ زمانہ دنیا کے امتزاج باآخرت میں ہوئی ہے اس ابتدائی روشنی کی طرح جو نہار شرعی کے آغاز میں ہوتی ہے اس کے بعد طلوع شمس تک وقت کھلکر سامنے آجاتا ہے یہ زمانہ مبعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیٰ قیام الساعۃ کو اسی طرح سمجھو کہ جونہی طلوع شمس کے بعد

---

[۱]: یہ تخمینہ حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ کے کشف کے خلاف ہے۔ انہوں نے قیام قیامت کا تخمینہ بیسویں صدی ہجری بتایا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب نور الہدیٰ۔

تدریجاً روشنی خوب پھیلتی جاتی ہے ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مبارکہ سے احکام آخرت طلوع الشمس من المغرب تک واضح اور روشن ہوتے جائیں گے اسی لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہیں اور قیامت دو گھوڑوں کی دوڑ کی طرح اکٹھے مبعوث ہوئے یعنی دونوں متساوی ہیں ظاہر ہونے میں۔

علامات قیامت از لسان نبوت

(۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک انسان کے ڈنڈے کا کونہ اس سے بات نہ کرے۔

(۲) یہاں تک کہ اس کی ران اس سے یہ نہ کہے کہ اس کے گھر والوں نے اس کے بعد کیا کیا ہے۔

(۳) آخری زمانہ میں اکثر لوگ جمادات و نباتات و حیوانات کی گفتگو سنیں گے جیسا کہ روایات صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔

باب اوّل

(۱) یوم کے مراتب واحکام ہیں (۱) یوم آن کو بھی کہا جاتا ہے وہ ادنیٰ وقت جسے زمان کہا جاتا ہے یعنی وقت کا پہلا حصہ اس کے بعد وہ زمانہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کل یوم ھو فی شان اس کی ہر آن میں نئی شان یعنی زمانہ فرد کو بھی یوم کہا جاتا ہے کیونکہ شان اسی میں پیدا ہوتی ہے اور یہ تمام زمانوں سے چھوٹا اور دقیق تر اور تمام زمانوں میں ایسے سرایت کرتا ہے جیسے مقید میں مطلق۔

(۲) یوم ہزار سال کا بھی ہوتا ہے اسے یوم الٰہی اور یوم آخرت بھی کہتے ہیں جسے اللہ نے فرمایا وان یومًا عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (اور بے شک ایک دن تیرے رب کے نزدیک ہزار سال کی طرح ہے اور فرمایا یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون اللہ تعالیٰ امر کی تدبیر فرمایا آسمان سے زمین کی طرح وہ اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتا ہے ایک دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جسے تمام شمار کرتے ہو۔

(۳) یوم پچاس سال کا ہوتا ہے اور الی ما لا نہایۃ کا بھی جیسے اہل جنت کا یوم ان کے بڑے ایام کی کوئی حد نہیں کہ جس سے آگاہی ہو سکے تو یہ ایک دن پچاس ہزار کا ہے وہی یوم المعراج ہے وہی یوم القیمہ (جن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

(۴) فتوحات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر اسم کا ایک خاص یوم ہے کہ صرف اسی سے متعلق ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے وہ یہ کہ یوم الرب ایک ہزار سال کا اور یوم ذی المعارج پچاس ہزار سال کا۔ ہر ہزار سال کا ایک دورہ ہوتا ہے جس میں اہل دنیا کے لئے قیامت صغریٰ ہوتی ہے کہ ان کے احکام و شرائع اور انواع ایسا کل

والنفوس تبدیل ہوتے ہیں اور انسان کے لئے سات ہزار کا ایک اور خاص دورہ ہوتا ہے اور ایک دورہ پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے اسمیں ہی قیامت کبریٰ قائم ہوگی اسمیں تمام عالم اور اس کے مکین فنا پا جائیں گے۔

فائدہ ملائکہ کا زمین سے آسمان کی طرف عروج اور آسمان سے زمین کی طرف نزول احکام الٰہی و نفاذ امر الٰہی کے لئے چھ آخری بروج (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزا (۴) سرطان (۵) اسد اور (۶) سنبلہ کی مدت میں ہوتا ہے۔ اور ان کا دورہ بھی پچاس ہزار سال کا ہے جیسے پہلے گذرا۔

(۵) عارفین کے نزدیک نزول ملائکہ کا نام عروج ہے اگرچہ حقیقی عروج ہے نیچے سے اوپر جانا اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کی ہر موجود میں تجلی اور ایک وجہ خاص ہے جس کی حفاظت وہ خود فرماتا ہے اور ملائکہ کا نزول و عروج ہمیشہ اللہ کی طرف ہوتا ہے چونکہ وہ تحیر اور مکان اور جہت سے پاک ہے اسی لئے ملائکہ کا ہر عروج بھی عروج اور نزول بھی عروج ہے اگرچہ وہ سفلیات میں ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ علی و اعلیٰ ہے اس کی ہر صفت ہمیشہ عالی ہے اور ملائکہ کے پر صرف ظہور اثر کے لئے بنائے گئے بخلاف پرندوں کے تاکہ ہر موجود کو معلوم ہو کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عاجز مخلوق ہے انہیں ذاتی طور پر کوئی قدرت اور طاقت نہیں اور نہ ہی اس سے زائد تصرف کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں طاقت عطا فرمائی ہے اس معنیٰ پر جب بھی ملائکہ اپنے پروں سے نیچے اترتے یا اوپر اڑتے ہیں اپنی اسی طبع و فطرت پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پیدا فرمائی بخلاف پرندوں کے (کہ یہ سیدھے پروں سے بھی اڑتے ہیں) اسے اچھی طرح سمجھ لے) ایسے ہی ملائکہ کا عروج و نزول ایک طویل دن میں ہوگا یعنی قیامت میں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے اجرا کے لئے جس پر وہ چاہے گا اور امر نافذ کرے گا جیسے اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوگا اور وہ یوم طویل پچاس ہزار سال کا ہوگا اس دنیا کے سالوں کی مقدار پر (حدیث شریف) سے اسی دن کی مقدار معلوم ہوتی ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر وہ سونے و چاندی کا مالک جس نے ان کا حق ادا نہ کیا یعنی زکوٰۃ نہ دی تو قیامت کے دن سونا چاندی آگ سے گرم کر کے اس کی کروٹ اور ماتھا اور پیٹھ داغی جائیگی جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو پھر انہیں گرم کیا جائے گا وہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ اب سونے و چاندی کا مالک سوچ لے کہ اسے بہشت چاہیئے اگر اس کا کوئی اور گناہ نہ ہوا ہو اور اسے اللہ تعالیٰ معاف کر دے تو مالک ہے یا دوزخ اگر وہ اس کے خلاف ہے یعنی سونے چاندی کا حق ادا نہ کیا تو (رواہ مسلم)۔

قیامت کے پچاس اڈے (موقف) مروی ہے کہ قیامت میں پچاس موقف (اڈے) انتظار گاہیں ہیں ہر موقف پہ بندے سے دینی امور میں سے سوال ہوگا اگر کوئی جواب نہ دے سکا تو اسے اسی موقف (انتظار گاہ) پر یوم الٰہی یعنی ایک ہزار سال ٹھہرنا پڑے گا اور وہ دور رات میں بسر ہوگا اسے دن نصیب نہ ہوگا کیونکہ اہل جنت کے لئے ہمیشہ دن ہی دن اور اہل نار کے لئے ہمیشہ

رات ہی رات ہے۔ ایسے ہی نور کے لئے ظلمات نہیں اور اہل ظلمات کے لئے نور نہیں۔

سبق اس سے عقلمند کو سوچنا چاہیئے کہ یوم آخرت کے اوّل یوم کا یہ حال ہے نا معلوم اس کے اور دنوں کا کیا حال ہوگا جس کا ایک ایک دن (پچاس ہزار سال) کا ہے۔

مژدہ بہار اے مومنو! یہ طوالت (پچاس ہزار سال) کافر اور عاصی (بے فرمان) کے لئے ہوگی۔ اہل ایمان مطیع (اللہ کے فرمانبردار) کے لئے تو بہت ہی کم وقت گذریگا۔

حدیث شریف حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی گئی قیامت کا دن تو بہت بڑا طویل ہوگا کیسے گذرے گی، آپ نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہٖ انہ لیخف علی المؤمنین حتی یکون اخف من صلوٰۃ مکتوبۃ یصلیھا فی الدنیا۔

مجھے اسی ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ مؤمن پر اتنا خفیف تر ہوگا جتنا کہ وہ ایک وقت کے فرض نماز دنیا میں پڑھتا تھا۔

نکتہ یہاں نماز کی تمثیل میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ کافر نے دنیا میں نمازیں ضائع کیں دراصل ایک دن پچاس نمازیں تھیں تو گویا وہ ایک نماز کا عذاب ایک ہزار سال ہوگا یہی وجہ ہے کہ قیامت میں بھی اسے سجدہ کا حکم ہوگا جو وہ نہ دے سکے گا۔

فائدہ: نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال ہے اور عروج ملائکہ کی مسافت بھی پچاس ہزار سال ہے تو اسفل عالم سے عرش کے سراپردہ ان کے درمیان کی مسافت بھی پچاس ہزار سال ہو۔ کیونکہ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ یوم قیامت کا طول وعروج ملائکہ کی پچاس ہزار سال کی مسافت ہے۔ ایسے ہی بتانا ہے کہ ان کا نزول عرش کی طرف ہوگا اسی سے حکم لے کر احکام کو اپنے مقام تک پہنچائیں گے اور باربار تکرار۔ اس سے معارج کا طول بتانا مطلوب نہیں اس لئے کہ (یہ دوسری احادیث سے ثابت ہے) مرکز زمین پہلے آسمان کے مقعر تک پانچسو سال کی مسافت ہے۔ ایسے ساتوں آسمانوں کا اندازہ ہے تو اس کا مجموعہ تا عرش نو ہزار سال ہوگا۔ یہ نظر ظاہری کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت وہ اس سے بہت زیادہ مسافت ہے بلکہ وہ گنتی کے نفوس سے خارج ہے جیسے اس کی طرف اشارہ آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ازالۂ وہم جس نے یہ کہا کہ عرش وکرسی کے درمیان اتنا مسافت ہے جیسے دوسری مسافتیں آپس میں اس کی کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ صحیح روایت میں ہے کہ جنت کے سو درجات ہیں جسے اللہ نے راہِ خدا میں جدوجہد کرنے والوں کے لئے تیار فرمائے ہیں اس کے ہر درجہ کی مسافت آسمان وزمین کے درمیانی خلاء کے برابر ہے اس تقریر پر کرسی (جو بہشت کا صحن ہے) اور عرش (جو بہشت کی چھت ہے) کے درمیان پانچسو سال کی مسافت انہی

درجات کے مطابق ہوگی اس اعتبار سے ارض الکرسی کے درجہ سافلہ تک عرش کی طرف گنتی کی جائے تو پچاس ہزار سال ہوں گے۔ اسے سوچیئے اور سمجھیئے اور یقین کیجئے جس نے مذکورہ بالا مسافت بتائی ہے وہ چند وجوہ سے صحیح نہیں۔

(۱) یہاں مراد یہ ہے کہ اسفل عالم اعلیٰ تک کتنا مقدار ہے وہ ہمارے نزدیک پچاس ہزار سال ہے نہ کہ صحن جنت اس کی چھت تک پچاس ہزار سال تک اس لئے جو علت بتائی ہے وہ دو عرشوں کے درمیان کی مسافت اس سے زائد ہو جاتی ہے جبکہ دو عرشوں سے نیچے کی مسافت زائد ہے اور یہ بیّن اور واضح ہے اس کی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اگر قائل مذکور کی بات مان لی جائے تو وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا (یعنی کل مقدار پچاس ہزار سال کی مسافت سے اس قول پر مسافت بڑھ جاتی ہے۔

(۲) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمان و زمین کی درمیانی مسافت بتانا حد بندی کے لئے نہیں بلکہ اس کی وسعت اور اس کے ابتدائی کے طول کا اظہار ہے جسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ مقام کا تقاضہ ہے۔

(۳) وہ حدیث جو قائل نے بیان کی ہے وہ اس پر دلالت نہیں کرتی درجات جنت کے درجہ اخیرہ کی انتہا عرش کے درجہ سافلہ تک یہی ہے بلکہ وہ حدیث اس بیان سے ساکت ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ممکن ہے وہ مسافت اس سے زائد ہو جو قائل نے بتائی ہے اس لئے کہ مجاہدین اور دینی امور کے لئے جدوجہد کرنے والے کے جنت میں درجات مختلف ہوں گے۔ کسی کے طویل کسی کے کم مقدار وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں بہشت کی چھت جو عرش کو بتایا گیا ہے اس سے بھی بہشت کی چوٹی مراد ہے یعنی وہ جگہ جہاں بہشت کی حدود ختم ہو جائیں یعنی اس کے بعد عالم ترکیب کا دائرہ ختم ہو جاتا ہے۔

کائنات کی انتہا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا:

جہاں عالم ترکیب کی انتہا ہوئی وہاں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج قدم مبارک رکھا۔ (اور پھر اوپر عرش اور لامکاں کو تشریف لے گئے) یاد رہے کہ محدب کرسی سے جنت کے اسفل کے درمیان جنت کی چوٹی جو کہ محدب عرش ہے کی کوئی حد نہیں اس کی مزید تحقیق سورۃ الاعلیٰ پ ۳۰ میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: آیت کریمہ یہ بیان شافی جب مستحق ہوگیا تو اسی پر اعتبار کرنا چاہیئے جو حکما الٰہیہ نے فرمایا وہ اقوال چھوڑیئے جو اہل جدال و نزاع (گمراہ) لوگوں نے بتائے۔ مثلاً کہا کہ یوم میں ان معارج کے ارتفاع کی غایت کا بیان ہے اور اس کی درازی کا بعد محض تمثیل و تخیل ہے وہ آیت کا معنیٰ کرتے ہیں کہ اس سفر کو طے کیا جائے تو پچاس ہزار سال کی مسافت ہوگی دنیا کے سالوں کے برابر (یعنی وہ اس کو محض ایک خیال سمجھتے ہیں (جیسے دور حاضرہ کے بعض سائنسدان کہتے ہیں کہ اوپر خلاء ہی خلاء ہے وہ حقائق جو شریعت مطہرہ نے بتائے

ہیں وہ کچھ نہیں (معاذاللہ) ۔ اضافہ اویسی غفرلہ

تردید اہل بطلان :

اگران باطل پرستوں کی بات مان لی جائے کہ یہ مسافت محض خیالی ہے یا اس وقت ہے جب معارج کی تفسیر آسمانوں کے بغیر مانی جائی حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ سمٰوٰت کا وجود وہ اہل بطلان بھی مانتے ہیں جب معارج کی تفسیر سمٰوٰت مان لی جائے گی تو پھر مسافت کو محض خیال و تمثیل کیسے کہا جا سکتا ہے۔ [1]

اہل بطلان کا دوسرا گروہ :

یہ گروہ کہتا ہے تعرج الملٰئکۃ والروح الی العرش! کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ اور روح (جبریل علیہ السلام) پچاس ہزار سال کو دنیا کے ایک دن کی طرح طے کرتے ہیں جبکہ اسے عام آدمی پچاس ہزار سال میں طے کرے وہ اس لئے کہ ان کا طیران (اڑنا) تیز ہے۔

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہٗ

اس دوسرے گروہ کا خیال بھی باطل ہے اس لئے کہ ملائکہ کرام کا طیران تو لحظی (لمحہ بھر) ہے وہ اعلیٰ اوج (ابتدا) سے تحت الثریٰ کے اسفل تک آن واحد (آنکھ جھپکنے) میں پہنچ جاتے ہیں ان کے لئے پچاس ہزار سال کی مسافت یوم معروف (دنیوی دن) میں طے کرنے کا خیال غیر واضح (غلط اور سراسر غلط) ہے۔

اہل بطلان کا تیسرا گروہ :

یہ کہتے ہیں کہ آیت میں یوم سے مراد ایام دنیا کے اول سے کر اس کے انقضاء (اختتام) تک مراد ہے اور وہ پچاس ہزار سال ہے لیکن یہ معلوم نہیں کتنا گذرا اور کتنا باقی ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

تردید از صاحب البیان (رحمۃ اللہ علیہ)

یہ قول بھی درست نہیں اس لئے کہ ایام دنیا تو اس سے زائد ہیں جو انہوں نے بتائے ہیں جیسا کہ اہل اخبار سے مخفی نہیں اور میرے نزدیک وہ مقدار تین سو ساٹھ ہزار سال ہے ایام سن معروف کی مقدار پر اس پر یہ دلیل ہے جو کہا گیا ہے کہ انسان کی عمر جمع الآخرۃ کی جامع ہے اور اس کی تحقیق پہلے کسی جگہ پر کر چکے ہیں۔

اہل بطلان کا چوتھا گروہ :

یہ کہتے ہیں کہ یوم دنیا کے ایام سے ایک دن مراد ہے اسمیں امر الٰہی عروج کرتا ہے۔ اسفل الارضین کے منتہیٰ سے اعلیٰ السمٰوٰت کے منتہیٰ کی طرف اور اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے اور وہ یوم جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جیسے آلٓمٓ سجدہ میں ہے وہ باعتبار نزول الامر آسمان سے زمین کی طرف اور باعتبار عروج از ارض الی السماء ہے اور نزول کے پانچ سو سال تو عروج کے بھی پانچسو سال۔ اس معنی پر ایک ہزار سال ہوا۔

---

[1] آج کے سائنسدان یہی کہہ رہے ہیں جو اہل بطلان کہہ گئے ہیں۔ اویسی غفرلہ

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس گروہ نے طنبور کا ایک اور نغمہ گایا ہے وہ یہ کہ اس نے عروج کا اعتبار اسفل الارضین سے کیا ہے تاکہ مسافت طویل ہو۔ ظاہر ہے کہ اسفل الارضین سے عروج کا اعتبار ہو تو مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اسی زمین سے آسمان تک پانچسو سال اور اسفل الارضین کا قول مانا جائے تو یہ مسافت بہت زیادہ ماننی لازم ہوگی اس سے اہل بطلان کا قول خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔

اہل بطلان کا پانچواں گروہ: یہ گروہ کہتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ حفظہ ملائکہ جو آدم کے اعمال لے کر محل قرب کرامت کو جاتے ہیں یعنی آسمان پر تو وہ ایک یوم میں جاتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ان کے غیر ملائکہ کے لئے دنیوی سالوں کی طرح کہ وہ اگر اسے طے کرنا چاہے تو پچاس ہزار سال میں طے کرے گا کیونکہ فرشتہ تو منتہی امر الٰہی ہے اسفل السافل سے منتہی امر الٰہی ساتویں آسمان اوپر کی طرف عروج کرتا ہے اگر بنو آدم اسے طے کریں تو ان کے لئے پچاس ہزار سال کی طرح ہوں گے۔

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس گروہ کی تردید ہم پہلے عرض کر چکے ہیں وہ یہ کہ ملائکہ کی پرواز لمحہ بھر کی ہے ان کے لئے یوم کا تصور کیا معنٰی؟ ازیں اس گروہ نے حفظہ ملائکہ کو کیوں مخصوص کیا جبکہ وہ بھی ملائکہ ہیں صرف اس لئے کہ وہ بنو آدم کے اعمال اٹھا کر جا رہے ہیں تو اس بوجھ سے ان کی پرواز میں کمی آجائے گی ان کی پرواز اور مدبرات ملائکہ کی پرواز میں فرق کیوں فلہٰذا یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ آیت مطلق ہے انہوں نے مطلق کو مقید کیسے کر لیا۔

اہل بطلان کا چھٹا گروہ: یہ کہتے ہیں کہ فی یوم واقع کے متعلق ہے اب معنٰی یہ ہوا وہ یوم طویل قیامت میں ہوگا جسمیں عذاب واقع ہوگا اور اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ جملہ معترضہ ہے جو ظرف اور اس کے متعلق کے درمیان واقع ہوا۔

تردید از صاحب روح البیان یہ گروہ اور زائد غلطیوں کا شکار رہا وہ اس لئے کہ اس سے یوم القیمۃ مراد لے کر اس کے متعلق تعرج کو بنانے میں کونسی خرابی لازم آتی ہے جیسے ہم پہلے بیان کر کے آئے ہیں۔

سوال: اللہ نے خود کو اس مقام پر ذی المعارج سے کیوں موصوف فرمایا ہے۔

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ ملائکہ کا مصاعد الافلاک کا عروج و نزول صرف اور صرف امر الٰہی سے ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "یتنزل الامر بینھن" ان کے درمیان امر الٰہی نازل ہوتا ہے اور اس کے امر سے ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو لطف سے نوازتا ہے اور دشمنوں پر قہر و غضب برساتا ہے نیز اسمیں کناد

کو بھی ڈرانا ہے کہ وہی آسمانوں سے ملائکہ کے ذریعہ سے عذاب نازل فرماتا ہے جیسے امم سابقہ مکذبہ کے حالات ان کے سامنے ہیں نیز اسمیں انھیں زجر بھی ہے کہ اتنے طویل دن میں محاسبہ ہوگا تو وہ اس کے عذاب کے موجبات سے بچ جائیں یہ وہ ہے جو مجھے اس مقام پہ لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ (والعلم عنداللّٰہ)

باب دوم

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ ذی المعارج ہے کہ اھل الشہوات واللذات کو عذاب میں ایک مرتبہ سے اوپر کے مرتبہ تک چڑھاتا ہے اور ایسے ہی ہر اوپر چڑھانے والے سے بڑھ کر چڑھانے والا ہے نفوس کی سیڑھی سے قلوب کی سیڑھی تک پھر وہاں سے ان کے سر تک پھر وہاں سے ان کی روح تک انھیں ہر پہلے عذاب سے دوسرا عذاب سخت دیتا ہے اور تعرج الخ کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواطر روحانیہ بالخصوص خاطر جبریل یعنی روح اوپر کو عروج کرتی ہے ایک یوم میں جس کی مقدار اللّٰہ کے ایام کے مطابق پچاس ہزار سال ہے اور ایام اللّٰہ سے ایام اسما مراد ہیں جو اللّٰہ کے اسم جامع کے تحت ہیں (اسے سمجھ لے)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللّٰہ نے فرمایا کہ ذی المعارج یعنی اوپر چڑھانے والا یعنی مراتب ترقی کی طرف مثلاً مقام طبائع سے مقام معاون بالاعتدال کی طرف پھر مقام نبات کی طرف پھر مقام حیوان کی طرف پھر مقام انسان کی طرف۔ مدارج انتقالات میں جو ایک دوسرے کے اوپر نیچے مرتب ہیں پھر منازل سلوک انتباہ و یقظہ و توبہ اور انابت کے علاوہ دوسرے طریقے جن کی طرف اہل سلوک نے اشارہ کیا ہے منازل یقین و مناہل قلب سے مراتب فنا میں یعنی افعال میں یعنی فنا پانا وغیرہ وغیرہ کہ ان کی کثرت ان گنت ہے۔ اس لئے کہ اللّٰہ کی ہر صفت کے بالمقابل ایک مصعد ہے جو متقدم مصعد کے سوا ہے مقام صفات میں فناء الفنا فی الصفات کی طرف عروج کرتے ہیں ملائکہ یعنی وجود انسانی میں وہ قوی جو ارضیہ و سمائیہ ہیں طرف حضرت ذاتیہ کے جو قیامت کبری کی جامع ہے ایک یوم میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے اور وہ یوم بلند ذات والے معارج بلند کے مالک اللّٰہ کے ایام میں سے ہے وہ ایام ستہ سرمدیہ جو ابتدائے ازل سے تا انتہائے ابد ہیں۔ ہاں وہ یوم ہزار سال کا ہے جس کا ذکر وان یوماً عند ربك كالف سنة مما تعدون۔ اور بیشک ایک یوم تیرے رب کے ایک ہزار سال کا ہے جو تمہاری گنتی میں ہے) کے ایام سے ایک ہے جسمیں عذاب کا وقت مقرر ہے اور وعدہ پورا کرنے کی گھڑی ہے جس کے لئے فرمایا ویستعجلونك بالعذاب و لن يخلف الله وعده (اور آپ سے جلدی کا عذاب مانگتے ہیں اور اللّٰہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ اور فرمایا يدبر الامر من السماء الى الارض ثم يعرج اليه فى يوم كان مقداره الف سنة مما تعدون۔ (اللّٰہ امر کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین

کی طرف پھر چڑھتا ہے اس کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جسے تم گنتے ہو) ۔ اور وہ اس ہفتہ کا آخری دن ہے وہی عالم دنیا کی کل مدت ہے جو حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور نبوت میں ختم ہوگا جس کے لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری امت نے استقامت پائی تو ان کا ایک دن ہے ورنہ آدھا دن اور ساتھ ہی فرمایا" میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے مبعوث ہوئے۔ تو یہ یوم ایام ربوبیت وتدبیر سے ایک ہے اور وہ ایام جو از ایام الوہیت ہیں تو ان کی مقدار ابتدائے ربوبیت یا سماء اللہ غیر تلنا ہیہ ہے۔ اور وہ اپنی لاتنا ہی کے باوجود اسماء سبعہ میں مندرج ہیں وہ اسماء سبعہ یہ ہیں۔

۱۔ الحی

۲۔ العالم

۳۔ القادر

۴۔ المرید

۵۔ السمیع

۶۔ البصیر

۷۔ المتکلم

ان ہر ایک کی ربوبیت مطلقہ ہے۔ بہ نسبت طرف ربوبیات ان اسماء کے جو ان میں مندرج ہیں اور ان پر ان کی ربوبیت ہے بہ نسبت اپنے دوسرے اسماء کی ربوبیت کے تجلی ذاتی کے ساتھ مقید ہے جیسے یہ اسم مذکور ایام دنیا کا ساتواں ہے تو دنیا کی مدت بھی ایام الٰہی کا ساتواں ہے۔ وہ یوم الٰہی ایام دنیا کو اسماء ربوبیت میں ضرب دینے سے حاصل ہوا۔ یعنی ۷×۷=۴۹ رانچاس سال ہوئے۔ اس کا آخری دن پچاسویں کا ایک ہے۔ اور وہی ایام اللہ سے ایک یوم ہے۔ یہی قیامت کبریٰ کا دن ہے۔

تفسیر عالمانہ ⑤ فاصبر صبرًا جمیلًا ہ تو صبر کرو اچھی طرح۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جس میں جزع اور شکوہ الی غیر اللہ نہ ہو کیونکہ عذاب اس طویل مدت میں واقع ہوگا جس میں ملائکہ اور روح عروج کریں گے۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا صبر جمیل سے مراد بظاہر حوصلہ وتحمل و بردباری کرنا ہے اور ابن بحر رحمہ اللہ نے فرمایا کشادگی کا بلا عجلت انتظار کرنا اور یہ سَأَلَ کے متعلق ہے اس لئے کہ کافروں کا سوال محض استہزائی اور مبنی بر سرکشی اور وحی کی تکذیب پر مبنی تھا اور اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلآزاری ہوتی ہے یا آپ کو فتح و نصرت میں دیر ہو جانے پر ملال تھا۔ (تو صبر جمیل کا حکم ہوا)۔

⑥ اِنَّهُمْ بیشک، وہ اہل مکہ یَرَوْنَهٗ اس عذاب کو سمجھ رہے ہیں یعنی جو عذاب واقع ہوگا ان کا اپنا گمان اور اپنا خیال تھا۔ بَعِیْدًا "دُور" یعنی محال سمجھ کر اسے دُور سمجھ رہے ہیں جیسے کہا کرتے ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا (الآیۃ) کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور کہتے ہیں من یحیی العظام وھی رمیم ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ چورا چورا ہو جائیں گی اسی لئے اس کے متعلق سوال کرتے اور ان کے بعید سمجھنے کا سبب ان کی اس عذاب کے استحقاق سے لاعلمی تھی۔ جیسے کوئی اپنے مخالف سے کہے کہ ھٰذا البعید۔ یہ دور کی بات ہے جب اس کا اس کے وقوع و امکان کا رد مطلوب[1] ہو۔

⑦ وَنَرٰىهُ قَرِیْبًا (اور ہم اسے قریب سے دیکھ رہے ہیں) جانتے ہیں کہ وہ قریب ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ اپنی استعداد کے مطابق عذاب کے مستحق ہیں یعنی ایسا عذاب تو ہمارے لئے آسان ہے کیونکہ ہم بڑی قدرت والے ہیں ہمارے لئے کوئی بعید نہیں اور نہ مشکل ہے۔ خلاصہ یہ کہ بُعد سے بُعد امکانی اور قرب سے قرب امکانی مراد ہے۔

فائدہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ للہ تعالیٰ کے ان کے متعلق فیصلے موت۔ بعث۔ حساب وغیرہ کو بعید سمجھتے ہیں اپنی لمبی چوڑی آرزوؤں کے مطابق اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں کیونکہ جس شے نے ہونا ہے وہ قریب ہے اور جس نے نہیں ہونا وہ بعید ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو گذر گئی وہ دنیا میں ہے ہی نہیں ہاں جو باقی ہے وہ ایسے ہے جیسے کپڑے کو پھاڑ کر دو حصہ کر لیا جائے اسے سینے کی ضرورت ہو اور سوئی صرف ایک تھی تو وہ ٹوٹ گئی (یا گم ہو گئی) شاعر نے کہا ہے ؎

هل الدنیا وفیها جمیعًا

سوی ظل یزول مع النهار

ترجمہ: دنیا اور اس کا تمام سر و سامان صرف شبنم کا ایک قطرہ ہے جو وہ بھی آفتاب کی گرمی میں مٹ جائے۔

؎ ما ہمچو مسافریم در زیر درخت

چوں سایہ برفت زود بردار درخت

ترجمہ: ہم درخت کے نیچے مسافر کی طرح ہیں۔ جب درخت کا سایہ نہ رہے تو پھر درخت کو جلد اٹھا لو۔

---

[1]: حضرت خواجہ نظام الاولیا دہلوی قدس سرہٗ نے ظالم بادشاہ کے لئے فرمایا ہنوز دلی دور است۔ ابھی دہلی دُور ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ، تفصیلی واقعہ فقیر کی کتاب بے ادب بے نصیب میں پڑھئے۔ اویسی غفرلہٗ۔

ومن عجب الایام انک قاعد
علی الارض فی الدنیا وانت تسیر

فسیرک یا ھذا کسیر سفینہ
بقوم قعود والقلوب تطیر

ترجمہ: نیرنگیٔ زمانہ سے تعجب ہے کہ تو دنیا میں زمین پر بیٹھ کر سیر کر رہا ہے۔ تیری یہ سیر کشتی کی سیر کی طرح ہے کہ اس پر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں لیکن ان کے قلوب اڑ رہے ہوتے ہیں۔

(۸) یَوْمَ تَکُوْنُ السَّمَآءُ کَالْمُھْلِ۔

تفسیر عالمانہ جس دن آسمان ہوں گے گلی چاندی کی طرح۔

حل لغات المہل خبث الحدید اور اس جیسی اور دھاتیں جو مہلت سے اور تدریجاً پگھلائی جاتی ہیں یا زیتون کا گاڑھا تیل جو تخامت (گاڑھے پن) کی وجہ سے آہستگی سے بہتا ہے۔

فائدہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے مہل سے پگھلی چاندی مراد لی ہے یا اس سے قیر سیاہ روغن یا قطران (تارکول) مراد ہیں۔ یوم قریباً کے متعلق ہے یعنی اس دن ممکن ہوگا متعذر نہ ہوگا۔ یعنی اس کا امکان ظاہر ہو جائے گا۔ ورنہ امکان کسی خاص وقت سے مخصوص نہیں یا اس کا متعلق محذوف مؤخر ہے کہ دراصل یوم تکون السماء کالمھل یکون الخ تھا یعنی اس دن ہوں گے بڑے اھوال اور ہولناک امور کہ جن کی صفت بیان نہیں کی جا سکتی۔

(۹) وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ۔ اور ہو جائیں گے پہاڑ اون کی طرح۔

حل لغات العہن بمعنی رنگی ہوئی اون۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کالعھن المنفوش۔ جیسے دھنکی ہوئی اون العہن کی تخصیص اس لئے ہوتی ہے کہ وہ رنگی ہوئی ہوتی ہے جیسے اللہ نے دوسرے مقام پر فرمایا فکانت وردۃ کالدھان۔ تو ہو جائے گا آسمان گلاب کے پھول سا جیسے سرخ نری)۔ اب معنی یہ ہوا کہ پہاڑ ہو جائیں گے رنگین اون کی طرح مختلف رنگ پہاڑوں کے۔ مختلف رنگوں کی وجہ سے ان میں بعض سفید ہوں گے بعض سرخ بعض کالے سیاہ جو وہ خلا میں ریزہ ریزہ ہو کر اڑیں گے تو رنگین اون دھنی ہوئی کی طرح نظر آئیں گے جب انہیں ہوا اُڑائے گی۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ پہاڑوں کی پہلی تبدیلی بہتی ہوئی ریت کی طرح پھر دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح پھر اڑتی غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

(۱۰) وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا (اور کوئی دوست کسی دوست کی بات نہ پوچھے گا) کوئی قریب والا دوسرے

سے حالات نہ پوچھے گا اور نہ اس سے بات کرے گا اس لئے کہ ہر ایک اپنے معاملات میں مبتلا ہو کر کسی کی خبر گیری نہ کرے گا جب قریبی عزیزوں کا یہ حال ہو گا تو پھر دور والوں اور اجنبیوں کی بات کون پوچھے گا۔ تنکیر تعمیم کی ہے۔

يُبَصَّرُوْنَهُمْ انہیں دیکھتے ہوئے۔ جملہ مستانفہ ہے پہلی ضمیر حمیم اول کے لئے دوسری دوسرے کے لئے ہے جمع کی ضمیر دوستوں کے عموم کی وجہ سے ہے یعنی ہر ایک کے بہت دوست نہ یہ کہ دو دوست۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے التبصیر بمعنی بینا کرنا بمعنی تعریف و بمعنی ایضاح دوسرے مفعول ثانی کی طرف باسے متعدی ہوتا ہے اور کبھی باء تعدیہ محذوف ہوتی ہے اسی قاعدہ پر ہے یبصرونہم یعنی یبصرون تضعیف سے ہے کہ اس کے دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہونا حرف باء ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ بصّرتہ بہ میں نے اسے دکھایا کبھی جارہ محذوف ہوجاتا ہے اور جب فعل مفعول کی طرف منسوب ہو تو پھر جارہ محذوف نہیں ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے بصرت زیداً اور وہ جو آیت میں ہے اسی قبیل سے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ دوست دوست کو دکھائے جائیں گے اور وہ نہ ایک دوسرے سے پوشیدہ ہوں گے اور نہ ایک دوسرے سے سوال کرنے سے کچھ مانع ہو گا صرف وہ اپنے عرق میں غرق ہوں گے اور قیامت میں انسان کے سامنے کوئی نہ ہو گا سوائے اپنے ساتھیوں کے، وہ اس وقت اپنے باپ۔ بھائی۔ اقرباء۔ رشتہ داروں کو دیکھے گا تو سہی لیکن نہ ان سے کوئی سوال کرے گا نہ کوئی اور بات کیونکہ اسے اپنی پڑی ہو گی۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس وقت تھوڑی دیر کے لئے تو پہچان ہو گی پھر اجنبی محسوس ہوں گے۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ مجرم آرزو کرے گا یعنی کافر۔ بعض نے کہا ہر مذنب (گنہگار) کو (کاش) یہ تو تمنا ئیہ ہے حکایت ہے ان کی آرزو کی۔ يَفْتَدِيْ نجات کے بدلے میں دیدے۔ فدا کر دے۔ الفداء بمعنی انسان کا اپنے بچاؤ کے لئے بدلہ دینا۔

مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ۔ اس دن کے عذاب سے۔ وہ عذاب جس میں وہ مبتلا ہوں گے یوم کی جیسے تفصیل کی گئی ہے وہ مطلب ہے تو بکسر المیم ہو گا کیونکہ اس کی طرف عذاب مضاف ہے بعض قرأتوں میں بفتح المیم ہے اس وقت وہ مبنی ہے بوجہ اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کے بِبَنِيْهِ اپنے بیٹے۔ یہ دراصل بنین تھا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے جمع کا صیغہ اس لئے ہے کہ بیٹوں کی کثرت انسان کو فطرتاً مرغوب ہے وَصَاحِبَتِهٖ اور اپنی جورو زوجہ جس کے ساتھ زندگی بسر کی وَاَخِيْهِ اور اپنا بھائی جو اس کا دنیا میں معین و مددگار تھا یہ جملہ مستانفہ ہے اس بیان کے لئے کہ انسان کو اپنی پریشانی اور دکھ درد کی اتنا مشغول ہو گی کہ آرزو کرے گا کاش کوئی اس کے کام آسکے اور کوئی جگری دوست وغیرہ اسے مل جائے جسے اپنے بدلہ میں دے کر چھٹکارا پا سکے یہ صرف اپنے خیالات

میں گھر ہوگا اسے اتنی فرصت نہ ہوگی کہ ان سے کوئی بات کرسکے یہ سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ اسے جب قدرت ہوگی تو سوال کیوں کرسکے گا اس کے جواب میں کہا گیا یود الخ (۱۳) وفصیلتہ اور اپنا کنبہ۔

حل لغات فصیلتہ دراصل وہ ٹکڑا جو جسم سے علیحدہ کرلیا جائے لیکن اس کا اطلاق آباء اقربین اور اولاد پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اولاد بھی گویا ابوین کے جسم کا ایک ٹکڑا علیحدہ ہوئی اس معنیٰ پر والدین اس کے لئے مفعول ہیں اسی وجہ سے اولاد فصیلہ ہوئی لیکن آیت میں آباء اقربین اور دیگر قریبی کنبہ مراد ہے۔ بنیہ میں اولاد کا ذکر آچکا ہے الّتِی تُؤْوِیْہِ وہ جس میں اس کی جگہ ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے اوی الی کذا اس نے اسے جگہ دی اور اپنے ساتھ ملایا۔ و آواہ غیرہ اور اس نے غیر کو جگہ دی اور اپنے ساتھ ملایا جیسے اللہ نے فرمایا اوی الیہ اخاہ یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائی کو جگہ دی اور اپنے ساتھ ملایا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اسے وہ کنبہ نسب یا شدائد میں اپنے ساتھ ملاتے اور جگہ دیتے اور وہ اس سے پناہ پاتا یعنی دنیا میں اسے وہ لوگ پناہ دیتے اور دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے۔ (۱۴) وَمَن فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (اور جتنے زمین میں سب) جن و انسان اور جملہ مخلوق " من تغلیب کے لئے ہے ثُمَّ یُنْجِیْہِ اس کا عطف یفتدی پر ہے یعنی تمنا کرے گا کہ کاش وہ ان سب کو فدیہ میں دے اور فدیہ دے کر چھٹکارا پالے۔ ثم نجات پانے کے استبعاد کے لئے ہے یعنی اس کی آرزو ہوگی کاش یہ سب اس کے قبضے میں ہوتے اور وہ انہیں اپنی نجات میں فدا کرکے چھٹکارا پالیتا لیکن اس کا چھٹکارا نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ وہ مجرم روح جو نفس کے رنگ سے رنگا جائے گا آرزو کرے گا کہ کاش وہ یوم فراق و احتجاب کے دن کی ہولناکی سے بچنے کے لئے فدا کرے بیٹے یعنی قلب اور اس کے صفات اور صاحبہ یعنی نفس اور اخی یعنی اپنا سر اور فصیلہ یعنی اس کے توابع اور اس کے گروہ ومن فی الارض یعنی اپنی تمام بشریت کی زمین یعنی قوائے روحانیہ وجسمانیہ پھر وہ فدیہ اسے نجات نہیں دیں گے یعنی ان سے اسے کوئی نفع نہ ہوگا اس لئے وہ استعداد کو فاسد اور وقت کھو چکا ہے۔

تفسیر عالمانہ (۱۵) کَلَّا (ہرگز نہیں) مجرم کو آرزو سے روکنا ہے اور تفریغ ہے کہ فدیہ دے کر چھٹکارا ممتنع ہے یعنی ایسے نہیں ہوگا جیسے وہ آرزو کرے گا کیونکہ وہ جرائم کی وجہ سے ظلمانی ہیآت (کیفیات) میں ہوگا اور عذاب کا مستحق ہوگا تو پھر اس کے لئے نجات کیسی۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قیامت میں اہل نار کا آسان تر یہ عذاب ہوگا کہ اس سے پوچھا جائے گا کہ اگر زمین کی ہر شئے تیرے قبضہ میں ہو تو دے کر عذاب سے نجات چاہتا ہے عرض کرے گا یونہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تیرے سے اس سے بھی معمولی کام کا ارادہ کیا حالانکہ تو ابھی آدم (علیہ السلام)

کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا (لیکن تو نے شرک کیا اب تجھے عذاب سے چھٹکارا کیسا؟)۔

فائدہ حضرت قرطبی نے فرمایا کہ کلّا بمعنی ردع (روکنا) اور بمعنی حقًا (یقینًا) کے لئے آتا ہے یہاں ہر دونوں جائز ہیں دوسرے معنیٰ آیت کا مضمون ینجیہ پر مکمل ہوجاتا ہے اسی لئے اس پر وقف ہے اور کلّا دوسرے جملہ کا ہے جو اس کے قریب ہے لیکن محققین پہلے معنیٰ میں لیتے ہیں اس لئے سجاوندی نے وقف کی علامت کلّا پر لگائی ہے۔

(اِنَّھَا بے شک وہ جہنم)

سوال اس کا ذکر تو نہیں تو پھر ضمیر ہا تم نے جہنم کی طرف لوٹائی کیوں!

جواب: عذاب کا ذکر تو ہے وہی عذاب جہنم کا تو ہے اسی لئے دلالۃً جہنم مذکور ہے اور مدلول کی طرف بھی ضمیر لوٹانا جائز ہوتا ہے۔

لَظٰی بھڑکتی آگ ہے یہ جہنم کا علم (نام) ہے اور اس کا درک ثانی لظی سے منقول ہے بمعنی لہب یعنی شعلہ (بھڑکتی ہوئی آگ) وہ خالص آگ جس میں دھواں نہ ہو وہ انتہائی جلانے والی ہوتی ہے صفائی کی وجہ سے اسمیں قوت حرارت ہوتی ہے اِنَّ کی خبر ہے بمعنیٰ اسی اسم کا مسمّٰی اپنے اصلی معنیٰ پر ہو یعنی شعلہ خالص تو بلا تاویل ان کی خبر ہے جیسے حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کا معنیٰ التحقیق وہ نار جہنم کہ جس سے مجرم فدیہ دے گا وہ خالص شعلہ (بھڑکتی ہوئی آگ ہے)۔ کشف الاسرار میں ہے لظی بمعنیٰ شعلہ زن (بھڑکتی ہوئی آگ)۔

(۱۶) نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى (کھال اتارنے والی)۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں نزع الشیٔ جذبہ من مقرہ شے کو اس کی اپنی جگہ سے کھینچا وقلعہٗ اسے جڑ سے نکالا۔ الشوی بمعنی اطراف یعنی وہ اعضا جو کٹے ہوئے نہ ہوں جیسے ہاتھ پاؤں۔ نزّاعۃً محض تہویل (ہولناک ہونا) کے لئے ہے یعنی بھڑکتی ہوئی ان اعضاء کی کھال اتارنے والی جو جسم پر ہیں اور اپنی جلانے کی قوت سے انہیں جڑ سے اکھاڑنے والی ہے شدت حرارت کی وجہ سے اعضا جل جانے کے بعد دوبارہ جڑ جائیں گے جیسے وہ پہلے تھے اسی طرح ہمیشہ رہے گا۔ الشوی شواۃ کی جمع ہے بمعنی سر کا چمڑا۔ یعنی آگ سر کا چمڑا اتارے گی اور وہ جو اس پر ہے وہ تمام چھیل لے گی۔ وہ اس لئے کہ ہاتھوں اور پاؤں سے اذیت اور ظلم وجفا میں سعی کرتے اور حق سے روگردانی کرتے۔ رئیس الاعضا یعنی سر سے بالخصوص عقل سے کچھ نہ سمجھے اور عقل سر میں ہے (۱۷) تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ (بلا رہی ہے اسے جس نے پیٹھ پھیری) حق اور اس کی معرفت کی طرف اور ادبر اقبل کا بالمقابل ہے تدعو بمعنی اپنی طرف کھینچے گی اور حاضر کرے گی یہ ان کے احضار سے مجاز

ہے یعنی گویا وہ انہیں اپنی طرف کھینچ کر (عذاب میں) حاضر کردے گی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آگ شعلہ سے مجرم کو مقناطیس کی طرح سو سال دو سو سال کے راہ سے اپنی طرف کھینچ لے گی۔ اور کہے گی اے کافر، اے منافق، اے زندیق میری طرف آ۔ میں ہی تیرا ٹھکانہ ہوں۔ انہیں لفظ فصیح سے کافروں منافقوں۔ زندیقوں کو نام لے کر اپنی طرف بلائے گی اور انہیں ایسے اُچک لے گی جیسے پرندہ دانے کو اُچک لیتا ہے۔

فائدہ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ اسمیں ایسے بولنا پیدا کردے جیسے مجرموں کے ہاتھوں۔ پاؤں وغیرہ میں بولنے کی طاقت پیدا کردی تھی یا جیسے درخت میں بولنا پیدا فرمایا۔ نیز یہ بھی ہے کہ دوزخ کے دروغے بولیں گے یہاں مضاف محذوف ہوگا یہ اسناد مجازی ہے کہ فعل کا اسناد داعی کے بجائے مدعو کی طرف کیا گیا ہے وَتَوَلّٰی اور منہ پھیرا۔ طاعت سے کیونکہ جو پیٹھ پھیرتا ہے وہ منہ بھی پھیرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ من ادبر یعنی جس نے حق سے موافقات شرع کی بجائے مخالفات طبیعہ پر عمل کر کے پیٹھ پھیری۔ وتولی اور اقبال علی الآخرت وادبار عن الدنیا سے منہ پھیرا اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا نفس جحیم سے مناسبت تھی اس لئے اس نے اپنی طرف کھینچا کیونکہ الجنس الی الجنس یمیل (کند ہمجنس با ہمجنس پرواز) جنس کو جنس سے میلان ہوتا ہے لظی سے نار طبیعہ سفلیہ مراد ہے جو صرف مدبر عن الحق (حق سے منہ موڑنے والا) اور معرض عن جناب القدس وعالم النور (جناب قدس وعالم نور سے روگردانی والا) اور معدن الظلمیہ کی طرف متوجہ اور جواہر فانیہ سفلیہ مظلمہ سے محبت اور پسند کرنے والے کو بلاتی ہے اسے اپنی طبیعت یعنی نیران طبیعہ کی طرف کھینچ لیتی ہے وہی اسے اس لئے بلاتی ہے اور کھینچتی ہے کہ وہ آپس میں ہمجنس ہیں اس لئے کہ وہ اس کی روحانیۃ کو جلا دیتی ہے وہ نار افئدہ (قلوب) پر غالب ہے تو پھر اس سے نجات کیسی حالانکہ اسے اس نے خود اپنی داعی طبع سے مانگا اور لسان استعداد سے بلایا تھا۔

تفسیر عالمانہ (۱۸) وَجَمَعَ (اور جمع کیا) مال کو حرص اور دنیا کی محبت کی وجہ سے فَاَوْعٰی (تو اسے جوڑ کر سمیٹ رکھا) اسے برتن اور خزانے میں محفوظ کیا اس کی زکوٰۃ اور جو اس کے حقوق واجبہ تھے ادا نہ کئے اس کی مشغولی سے دین سے محروم رہا اور اپنے پاس اس کے جمع ہونے کی وجہ سے متکبر رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا و دولت جمع ہوجانے پر انسان کی خیالات اور تمنائیں بڑھ جاتی ہیں خلقِ خدا پر اس کی دل سے شفقت اُٹھ جاتی ہے۔ ورنہ وہ اسے ذخیرہ نہ کرتا بلکہ خرچ کرتا۔

نکتہ جمع الجمع مع ادبار وتولی میں تنبیہ ہے کہ بخل قبیح فعل اور خسیس امر ہے اور یہ مؤمن کو تو بالکل لائق نہیں۔

حدیث شریف ۱؎ ابنِ آدم کو قیامت میں لایا جائے گا گویا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بکری کا بچہ ہے اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے مال عطا کیا۔ نعمت بخشی تو نے اسے کیا کیا عرض کرے گا میں نے اسے جمع کیا بڑھایا پہلے سے وہ زیادہ ہوگیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا سب کو لے آ اس نے چونکہ راہِ خدا میں کچھ نہ دیا ہوگا اسی لئے کچھ نہ لا سکے گا حکم ہوگا اسے دوزخ میں لے جاؤ۔

حدیث شریف ۲؎ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دن لب اطہر ہتھیلی پر ڈالی پھر اس پر انگلی رکھ دی اور فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابنِ آدم تو مجھے عاجز کر سکتا ہے حالانکہ میں نے تجھے پیدا کیا اسی جیسی (ضعیف) شے سے پھر میں نے تجھے مکمل اور صحیح بنایا تو دو پاؤں پر چلتا تھا اور تجھ سے زمین کو سخت آواز تھی تو نے مال جمع کر کے راہِ خدا سے روکا یہاں تک کہ تو حلقوم تک پہنچا یعنی موت کے قریب پہنچا تو پھر کہتا تھا اب میں صدقہ کرتا ہوں اب تیرا صدقہ کیسا اور کہاں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان نے کمالاتِ انسانیہ جمع کئے یعنی اخلاقِ روحانیہ و اوصافِ رحمانیہ جمع کئے لیکن انہیں طالبین صادقین، عاشقین، محبین، مشتاقین پر خرچ نہ کیا۔ یعنی انہیں ارشاد و تعلیم اور راہِ ہدیٰ کی تلقین نہ کی۔

تفسیر عالمانہ (۱۹) اِنَّ الْاِنْسَانَ (بے شک انسان) جنس اخلاق کی خلق پیدا کیا گیا ہے درآنحالیکہ وہ ھَلُوْعًا بڑی جزع فزع کرنے والا ہے۔

حل لغات ہالع کا مبالغہ ہے از ہلع، بمعنی سرعۃ الجزع تکلیف پہنچنے پر بڑی جزع فزع کرنا پھر اسے روک نہ سکے اور خیر و بھلائی کے حصول کے وقت بہت زیادہ روکنا کہا جاتا ہے۔ ناقۃ ھلواع تیز رفتار اونٹنی۔ ارباب علم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بہترین تفسیر وہ ہے جو خود قرآن نے بیان فرمائی وہ یہ ہے (۲۰)۔ اِذَا جَزُوْعًا کی ظرف ہے مَسَّهُ الشَّرُّ جب اسے پہنچے شر یعنی فقر و فاقہ یا مرض وغیرہ جَزُوْعًا اس کی قدر و منزلت کی بے خبری سے بہت زیادہ جزع فزع کرنے والا۔ جزع کی صبر کی نقیض ہے۔

فائدہ ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الھلوع وہ ہے جو موجود شے پر خوش ہوا اور نہ ہونے پر ناخوش۔

حدیث شریف سب سے بُری عادت جو انسان کو دی گئی ہے وہ بخل ہالع اور جبن (بزدلی) خالع الہالع بمعنی محزون اور غمگین کرنے والا۔ اور خالع جو دل کو نکالے۔

ف عارفین نے فرمایا کہ تمام مخلوق مرض سے کراہت کرتی ہے کیونکہ جس کا وہ مکلف ہے حقوق کی ادائیگی مرض اسے اس کی ادائیگی سے باز رکھتی ہے کیونکہ روح حیوانی جب جسم میں کوئی درد محسوس کرتی ہے تو وہ جسم کی تدبیر سے غائب ہو جاتی ہے اسی لئے جسم امر تکلیف کو ادا نہیں کر سکتا۔

فائدہ عارفین کو موت اس لئے ناگوار نہیں کہ موت دیدار الٰہی کا سبب ہے وہ تو ان کے نزدیک اللہ کا احسان اور بہت بڑی نعمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس نبی علیہ السلام کو جب بھی موت کی خبر دی گئی تو اسے فوراً قبول کر لیا۔

(۱۶) وَاِذَا ظرف ہے منوعًا کی مَسَّہُ الْخَیْرُ جب اسے بھلائی پہنچتی ہے مال و دولت کی وسعت وغیرہ۔ (مَنُوْعًا) روکنے والا ہے۔ اللہ کی تقسیم سے جہالت کی وجہ سے اسے بہت زیادہ مانع و ممسک ہے اسے اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کے ثواب کی فضیلت معلوم ہوتی تو بخل وغیرہ نہ کرتا۔

فائدہ صحت اور تندرستی کو بخل (امساک) کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس لئے کہ غنی کبھی مرض میں اتنا خرچ کرتا ہے جو تندرستی میں نہیں کرتا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تندرستی میں خیرات و صدقہ افضل ہے۔

ہلوع جانور پناہ بخدا لباب میں ہے کہ مقاتل سے منقول ہے کہ ہلوع ایک جانور ہے کوہ قاف کے پیچھے رہتا ہے وہ روزانہ سات جنگل گھاس کھاتا ہے اور سات دریا پانی پیتا ہے گرما و سرما میں اس کا یہی معمول ہے اس سے کم پر اس کا گذارہ نہیں ہر شام کو فکر مند ہوتا ہے کہ نا معلوم میرے رزق کے لئے کل کیا ہو گا۔ اللہ نے انسان کو اسی جانور سے تشبیہ دی ہے ؎

جانورے را کہ بجز آدمیست
معدہ چو پر شد سبب بے غمیست
آدمیست آنکہ نہ سیرے بود
بر سر سیری غم روزی خورد

ترجمہ: ہر جانور آدمی کے سوا جب اس کا معدہ پر ہو جاتا ہے تو خوراک سے بے غم ہو جاتا ہے لیکن آدمی وہ ہے کہ پہلے تو سیر نہیں ہوتا۔ اگر ہو جائے تو اسے روزی کا غم ہوتا ہے۔

خورد ہمہ عمر چہ بیش و چہ کم
روزی ہر روزہ ز خوان کرم
وز رہ حرص دانش ہمچناں
ہیچ غمی نیست بجز فکر نان

ترجمہ: تمام عمر کم یا زیادہ خوان کرم سے روزی کھاتا ہے لیکن حرص و ہولسے اسے روٹی کے سوا کوئی غم نہیں۔

فائدہ: ھلوعًا وجزوعًا وممنوعًا ہر تینوں احوال مقدرہ ہیں کیونکہ ان سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ان اوصاف سے موصوف ہو وہ مذموم اور مبرّا ہے یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ مکلف اور بااختیار ہو کیونکہ یہ بعد بلوغ ہو سکتا ہے کیونکہ غیر بالغ نہ مکلّف نہ بااختیار، یا یہ احوال محققہ ہیں یہ وہ عادات ہیں جو انسان کی جبلّی ہیں جیسے متنبّی نے کہا ؎

الظلم من شم النفوس فان تجد

ذا عفة فلعلة لا یظلم

ترجمہ: ظلم نفوس کی فطرت ہے اگر عفت والے میں نہ ہو تو وہ اپنی عارضی علت (عفت) کی وجہ سے ظلم نہیں کرتا۔

اور اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ اس سے معالجہ وغیرہ سے ہٹ نہ سکیں (وہ معالجہ جو کتب اخلاق میں مذکور ہیں)۔ کیونکہ ان کی مثال پانی کی برودت ہے یہ بھی اس کے ان لوازمات سے نہیں جو اسکے وجود کو باقی رکھیں کیونکہ برودت نہ ہو تب بھی پانی ہے (تو بھی) ہاں یہ برودت پانی میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے (عارضی طور) بھی ہوتی ہے لیکن وہ اسے اسباب سے زائل بھی کر سکتا ہے سبب جیسا بھی ہو اور جب بھی چاہے۔

سوال پھر تو ہلوع انسان کو اس وقت سے ہو جب وہ گہوارے میں ہو یعنی بچپن کے وقت سے۔

جواب ہاں ایسے ہی ہے چنانچہ بچے کو بچپن میں دیکھ لیں کہ وہ ماں کے پستان کو کیسے پھرتی سے منہ میں لے کر دودھ چوستا ہے اور نہایت ہی حرص سے اور جب اسے کوئی دکھ پہنچتا ہے تو چیختا چلاتا ہے روتا ہے جب کوئی شے اس کے ہاتھ میں دیدو تو چھیننے میں اسے اپنی گرفت کے مطابق وہ شے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا بلکہ چھیننے والے کی حسب استطاعت مزاحمت کرتا ہے۔

سوال امام راغب نے فرمایا کہ اگر کوئی سوال کرے کہ انسان کو مساوی الاخلاق پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب تخلیق شہوت میں یہ حکمت ہے کہ وہ اپنے نفس کو روک سکے جب وہ اس پر حملہ کرے اور شیطان سے لڑ سکے جب وہ اس کے سامنے گناہ مزیّن کر دکھلائے کامیابی پر اللہ تعالیٰ سے ثواب اور جنت پائے یعنی جیسے وہ شہوت سے مرکب ہے ایسے عقل روکنے والا بھی اسے عطا ہوا ہے تاکہ ایسے شارع سے سیدھے راستے

کی رہبری نصیب ہو۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ شح (بخل) انسان کی جبلی فطرت ہے اس کا زوال ممکن نہیں جبتک اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت نہ ہو کہ وہ اپنے فضل و کرم سے کسی بندے کو شح (بخل) پر عمل نہ کرنے دے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومن یوق شح نفسہ ا اور وہ جو بچایا جائے نفس کے بخل سے آیت میں شحّ (بخل) کو نفس کے لئے ثابت فرمایا اس سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو اور فرمایا خلق (الانسان) ھلوعًا۔

نکتہ درحقیقت بات یہ ہے کہ انسان کے وجود نے وجود حق سے استفادہ پایا ہے اسی معنیٰ پر وہ فطرتی طور پر لینا جانتا ہے دینا نہیں جانتا۔ اسی لئے اس کی حقیقی عادت کا تقاضا ہے کہ وہ نہ صدقہ کرے اور نہ کوئی کسی کو کوئی شے دے اسی لئے وارد ہے (الصدقۃ برھان صدقہ برہان ہے یعنی اس بات کی دلیل ہے کہ اس انسان کا نفس شح (بخل سے محفوظ ہوگیا۔

لطیفہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اسی مذکورہ بالا قانون پر ایک لطیفہ مشہور ہے کہ مولوی صاحب کنوئیں میں گرے۔ قریب ڈوبنے کے تھے کسی نے اوپر سے کہا مولوی صاحب ہاتھ دو تاکہ آپ کو نکال لوں۔ اس نے کہا ہاتھ دو نہ کہو بلکہ کہو ہاتھ لو[1] (اور اسے پکڑ کر باہر آگئے)

روحانی بیماریوں کی صحت کا طریقہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ غضب نفسانی خواہش، حرص، بزدلی، بخل حسد انسان (جن میں جبلی (فطری) بیماریاں ہیں اور جو جبلی عادت ہو اس کا ازالہ محال ہوتا ہے جبتک کہ موت نہ آئے اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مصارف کا طریقہ بتایا ہے جس سے یہ بیماریاں صحت سے تبدیل ہو جاتی ہیں مثلاً فرمایا لاحسد الا فی اثنتین دو چیزوں میں حسد نہیں (علم و انفاق فی سبیل اللہ) اور فرمایا (لبغض فی اللّٰہ کسی سے بغض ہو تو اللہ کے لئے اور فرمایا لاحمیۃ جاھلیۃ جاہلیت کی حمیت نہ ہو اور فرمایا ولا تقل لھما اُفٍّ ماں باپ کو اف نہ کرو لیکن دوسری جگہ اف کی تعریف فرمائی مثلاً اف لکم مما تعبدون تمہیں اور تمہارے معبودوں پر اف اے بت پرستو۔ ایک جگہ فرمایا فلا تخافوھم ان سے نہ ڈرو۔ پھر فرمایا خافون مجھ سے ڈرو۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ اوصاف مذموم سہی لیکن انہیں صحیح مصرف میں استعمال کیا جائے تو محمود ہیں۔

---

[1] اسی طرح ایک اور لطیفہ بھی مشہور ہے ایک بخیل مر رہا تھا اسے کہا گیا کہ کچھ اللہ کے راہ میں دو جواب دیا کہ جان تو دے رہا ہوں اور کیا دوں۔ (اویسی غفرلہٗ)

فائدہ بعض فقراً درزدلیشوں نے کہا کہ ان اوصاف کو ریاضت کے ذریعہ ختم کیا جا سکتا ہے یہ صرف ان کا اپنا خیال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ زائل نہیں ہو سکتیں۔

فائدہ فقیر صاحب روح البیان (قدس سرہ العزیز) کہتا ہے کہ جس نے کہا کہ نفس (فطرۃً) امارہ ہے خواہ وہ انبیاً علیہم السلام کا ہو (پھر بوجہ نبوت اور بوجہ ولایت وہ تابع ہو جائے تو علیحدہ بات ہے) اس قائل کی تائید ان صفات کے عدم زوال کی تقریر سے ہوتی ہے اس کی تفصیل و تحقیق ہم سورہ یوسف میں بیان کر آئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ صفات کے اصول تمام بیں باقی ہیں اس لئے نفس سے جنگ کرنے کو بقاء ہے اور ترقی روحانی نفس سے جنگ کے بغیر نہیں ہو سکتی اور روحانی موت تک جاری رہتی ہے تو بقاء اصول پر نفس کے ساتھ جنگ کرنے پر مبنی ہے۔

ازالۂ وہم اصل نفس امارہ ہے لیکن کاملین (انبیاً و اولیاء) کے اثرات ظاہر نہیں جیسے ناقصین (ہمارے جیسے عوام) میں ظاہر ہوتے ہیں۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لے ورنہ وہابی ہو جائے گا)۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نفس طبعًا معدنِ شر اور ماوائے رجس ہے کیونکہ یہ عالم ظلمات سے ہے جو اس کی طرف بدل و جان مائل ہوا اور اسے خود پر مسلط کر دیا جیسے اس کا جبلی تقاضا ہے تو وہ اسے امور سفلیہ کی طرف لے جائے گا اور اوصاف رذیلہ سے موصوف کر دے گا جیسے بخل و جبن (بزدلی) جنکی طرف وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ میں اشارہ ہے کیونکہ بدن کو وہی اشیا چاہئیں جو اس کے مناسب ہیں بلکہ وہ شہوات ولذات میں دھکیل دے گا۔ کیونکہ یہ دونوں (نفس و بدن) کی مراد ہی قلب کو وجود کے اسفل مراتب کی طرف کھینچنا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کے ھلوع میں اشارہ ہے کہ وہ قبول فیض الٰہی کے لئے تدریجًا اور لحظہ بعد لحظہ مستعد ہے اور کمال تک پہنچنے کا اسے صبر نہیں کیونکہ وہ طریق سلوک میں اسمائے الٰہیہ سے کسی اسم سے متعلق رہتا ہے اسی سے متحقق اور متخلق ہوتا ہے پھر ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہاں تک کہ جملہ اسماء کا سلوک پورا کر لیتا ہے جب اسے شر پہنچتا ہے یعنی طریق سلوک میں سستی واقع ہوتی ہے تو جزع فزع کرتا اور پریشان ہوتا ہے اسے معلوم نہیں کہ یہ سستی اسے سلوک کو سرعت سے طے کرنے کا سبب اور اس کی سیر اور پرواز کی موجب ہے اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے یعنی مواہب لدنیہ اور عطایائے اسمائیہ تو وہ انہیں مستحقین سے روکتا اور ان کے طالبین سے بخل کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ (۲۲) ”اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ“ مگر نمازی۔ یہ انسان سے استثنا ہے، اس لئے کہ انسان معنی جمع ہے کیونکہ وہ اسم جنس ہے اور یہ استثناً باعتبار استمرار کے لئے ہے یعنی عام لوگ صفات رذیلہ کے خوگر اور ان پر مداومت کرتے ہیں مگر نمازی کیونکہ انہوں نے طبائع کو تبدیل کر لیا ہے اور ان کی اضداد یعنی صفات محمودہ سے موصوف

ہوئے۔

(۲۳) الذین ھُم کی تقدیم ذہن سامع میں حکم کی تقویت و تقریر کو پکا کرنے کے لئے ہے جیسے تم کہتے ہو ھو یُعطِی الجزِیلَ وہ بہت انعامات عطا کرتا ہے یہاں بھی یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ اعطائے انعامات کثیرہ کا کام کرتا ہے۔ عَلٰی صَلٰوتِہِم دَآئِمُوْن وہ لوگ اپنی نماز پر مداومت کرتے ہیں انہیں کوئی مشغلہ اس سے مشغول نہیں کرتا وہ اس کی ادائیگی پر مواظبت کرتے ہیں۔ جیسے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ افضل عمل وہ ہے جو دوام سے ہو اگرچہ قلیل ہو۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر امور مداومت سے ہوتے۔

فائدہ نماز کو دوسرے افعال سے تقدیم ثابت ہے جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلا فرض جو اللہ نے میری امت پر مقرر فرمایا وہ پانچ نمازیں ہیں اور قیامت کے قرب میں اعمال میں سب سے پہلے اُٹھ جانیوالی یہی نماز ہوگی۔ اور قیامت میں سب سے پہلے جس سے حساب ہوگا وہ یہی نماز ہے اگر اس کا حساب صحیح ہوگیا تو فلاح پاگیا اور کامیاب ہوگیا اگر ان میں فساد واقع ہوا تو خائب و خاسر ہوگیا اور یہ نماز ضروری عمل ہے جس کی ہر موڑ پر محافظت ضروری ہے مثلاً مرض میں روزے کو مؤخر کیا جاسکتا ہے لیکن نماز وقت سے مؤخر نہیں ہو سکتی ہاں اتنا نحیف و کمزور ہے کہ تیمم بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے (تو پھر مؤخر ہو سکتی ہے) اسی لئے اللہ نے ان خصال کو ختم فرمایا ہے تو بھی نماز پر جیسا کہ آخر میں فرمایا و الذین ھُم علٰی صلٰوتہم یحافظون اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت بھی نماز کے لئے تھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسمیں صلوٰۃ النفس کی طرف اشارہ ہے یعنی اس کا مخالفات شرعیہ سے تزکیہ اور صلوٰۃ القلب کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اس کا میلان الی الدنیا اور اس کی شہوات اور نقش و نگار سے تصفیہ اور صلوٰۃ اللہ کی طرف یعنی اس کا رکون (جھکاؤ) مقامات علیہ و مراتب سفیہ سے تخلیہ اور صلوٰۃ الروح کی طرف یہ مکاشفات ربانیہ و مشاہدات رحمانیہ سے ہوتی ہے اور معاینات حقانیہ سے ادا ہوتی ہے اور صلوٰۃ الخفی کی طرف اور یہ فنا فی الحق اور بقاء بالحق سے ادا ہوتی ہے اور کاملین ایسی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ (۲۴) وَالَّذِیْنَ "اور مگر وہ لوگ" فِیْ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ان کے اموال میں حق معلوم ہے یعنی حصہ معین ہے جسے وہ اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ارادہ پر اور لوگوں پر شفقت کی نیت پر اس سے زکوٰۃ فرض جس کا مقرر شدہ حصہ سب کو معلوم ہے مراد ہے (۲۵) لِّلسَّآئِلِ سائل کے لئے وہ جو سوال کرے۔

مسئلہ: جس کا ایک روز کا قوت گھر میں ہو تو اسے سوال کرنا حرام ہے۔

مسئلہ جسے معلوم ہو کہ یہ مال زکوٰۃ وغیرہ لینے کا حقدار نہیں اور دینے والوں کو معلوم بھی ہے تب بھی اسے دے تو بعض نے کہا دینے والا گنہگار ہے قیاس کا یہی تقاضا ہے کیونکہ یہ حرام پر اعانۃ (مدد کرنا) ہے ہاں ہبہ کی نیت سے دے تو گنہگار نہ ہوگا کیونکہ غنی (مالدار) کو بھی ہبہ کے طور دینا جائز ہے۔

مسئلہ لینے والے کو چاہئیے کہ دینے والے کو احسن دعا سے نوازے (مثلاً کہے آتاکم اللہ من فضلہ (تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے) والمحروم اور محروم کو جو حیا کی وجہ سے سوال نہ کرے یا توکل کی بنا پر اسی وجہ اسے لوگ سمجھیں کہ یہ غنی (مالدار) ہے اس اعتبار سے وہ لوگوں کے عطیہ سے محروم رہ جاتا ہے اسی معنیٰ پر اسے محروم کہا گیا (ورنہ اس جیسا سعادتمند اور کون)۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اُن احوال الحقائق والمعارف کی طرف اشارہ ہے جو اعمال صالحہ و احوال صادقہ کے رأس المال سے حاصل ہوتے ہیں تو اسمیں سائل کے لئے حق معلوم ہے اور سائل سے مراد وہ جو سلوک و اجتہاد کے لئے استعداد رکھتا ہے اس کے لئے لائق ہے اسے فیضیاب کیا جائے اور طلب الحق کی راہ دکھائی جائے اور محروم سے نظرانداز انسان مراد ہے جو بسبب اہل و عیال اور اپنے اسباب کے اشتغال کی وجہ سے ارض العجز پر گرا ہوا ہے تو وہ ان کی تسلی اور ان کے قلوب کو رحمت و مغفرت الٰہی سے خوش کرنے میں لگا رہتا ہے اور اپنے انفاس شریفہ کی برکات سے انہیں فیض پہنچاتا رہتا ہے اس کا بھی حق ہے تاکہ وہ کرم الٰہی اور فیض خداوندی سے محروم نہ رہے۔

تفسیر عالمانہ (۲۶) والذین یصدقون بیوم الدین اور وہ لوگ جو یوم جزا کی تصدیق کرتے ہیں اپنے اعمال سے کہ وہ اپنے نفوس طاعات بدنیہ و مالیہ میں آخرت کے ثواب طمع میں لگائے رکھتے ہیں یہ باتیں دلالت کرتی ہیں کہ وہ یوم جزا کی تصدیق کرتے ہیں ورنہ صرف قلبی و لسانی تصدیق صرف خلود فی النار سے تو نجات دے گی لیکن یہ ان لوگوں سے نہ ہوگا جنہیں احوال مذکورہ مذمومہ کے خوگروں سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو اہل یقین برہانی یا اہل اعتقاد ایمانی ہیں ساتھ احوال آخرت و معاد کے یعنی یہ لوگ متوسط قسم کے ارباب القلوب ہیں (۲۷) والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں یعنی باوجودیکہ ان کے اعمال فاضلہ ہیں۔ لیکن اپنی تقصیر اور جناب الٰہی کے عظمت کے پیش نظر اپنے نفسوں پر خائف ہیں۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علامت خوف الٰہی یہ ہے کہ بندہ ملاہی و مناہی سے اجتناب کرے۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا مومن اس خطرہ میں رہتا ہے کہ نامعلوم اس کی نیکیاں قبول ہیں یا نہ۔ تقدیم من حصر کے لئے ہے فارھبون کے امر پر تعمیل کے پیش نظر اگرچہ یہ تقویت کے لئے

بھی ہو سکتا ہے (۲۸) اِنَّ عَذَابَ رَبِّہِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ " بیشک ان کے رب کا عذاب سے مامون نہیں ۔ یعنی عذاب خداوندی ایسا نہیں کہ اس سے بے خوفی ہو یہ جملہ معترضہ اس لئے ہے کہ کسی کو لائق نہیں کہ وہ عذاب الٰہی سے بے خوف رہے اگرچہ وعبادت وطاعت میں کتنا ہی مبالغہ کرتا ہو بلکہ خوف و رجا کے درمیان رہے کیونکہ کوئی اپنی عاقبت وانجام کو نہیں جانتا۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ والذین ھم الخ سے وہ دیندار اہل خوف مراد ہیں جو مقام نفس میں نور قلب سے نفس سے روگردان ہیں نہ وہ جو نفس کی موافقت کرنے والے یا وہ جو لوگ مراد ہیں جو حجاب ومحرومی کے عذاب سے زندگی بھر ڈرتے رہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان عذاب ربھم غیر مامون اور یہ بھی ایک عذاب ہے جو انسان عجب نفس کے مرض میں مبتلا ہو کیونکہ یہ بھی موبقات (تباہ کنندگان) سے ہے اور نار جحیم میں واقع کرنے والوں سے ہے اور نار جحیم سے عقاب کی جحیم ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں)

(۲۹) وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ " اور وہ جو اپنے فروج۔

حل لغات الفرج مرد اور عورت ہر دونوں کے ستر کو کہا جاتا ہے یعنی اگلا ستر گفتگو میں ادب کو ملحوظ رکھ کر اسی لئے کہا جاتا ہے انسان کا ادب اس کے سونے سے بہتر ہے اور جار حافظون کے متعلق ہے (۳۰) حٰفِظُوْنَ "حفاظت کرنے والے" زنا سے بچنے والے ارتکاب حرام سے اس لئے کہ حفظ الفرج عفت سے کنایہ ہوتا ہے اِلَّا عَلٰی علی بمعنی من ہے جیسے کتب نحو میں ہے اَزْوَاجِھِمْ مگر اپنی ازواج پر۔ ان کی عورتیں جو ان کے نکاح میں ہیں۔ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ یا جو ان کے سیدھے ہاتھوں کی ملک ہیں) یعنی کنیزیں ان کے حلال ہونے کے دوران جیسے طہر از حیض ونفاس اور استبرا کی مدت کا گذر جانا ان کو ملکت سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ اتنا کم مرتبہ ہیں کہ گویا غیر ذوی العقل ہیں یا ان کی انوثت کی وجہ سے اس لئے کہ ان کی کم عقلی کا تقاضا ہے کہ ان کے لئے صیغہ ذوی العقول مستعمل ہو یا اس میں اشارہ ہے کہ حفاظت کے لائق مرد ہیں کہ وہ خود کو محفوظ کریں اور ان کی عزت کی حفاظت کریں ۔ فَاِنَّھُمْ تو بے شک وہ حفاظت کرنے والے غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ " ملامت کئے ہوئے نہیں"۔ ان کی عدم حفاظت میں (کیونکہ ان پر ان کا حق شرعی ہے) فلہٰذا ان سے ان پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔ نہ دنیا میں ان سے مواخذہ ہے نہ آخرت میں عذاب۔

نکتہ جو غیر شرعی طور ان کی حفاظت میں دخل انداز ہوتا ہے تو جب وہ دنیا میں لائق ملامت ہے تو آخرت میں اس کے عذاب کا کیا حال ہوگا۔

(۳۱) فَمَنِ ابْتَغٰی (تو جو طلب کرتا ہے) اپنے نفس کے لئے (وراء ذلک) اس کے ماسوا جو مذکور ہوا یعنی نکاح کے ساتھ نفع اٹھانا اور ملک یمین

(مسئلہ) نکاح کی چار عورتیں ہیں آزاد اور ملک یمین کی کوئی حد نہیں۔
فَاُولٰٓئِکَ پس طلب کرنے والے هُمُ الْعٰدُوْنَ وہی حد سے بڑھنے والے ہیں حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے تجاوز میں کامل اور اس کی انتہا کو پہنچنے والے ہیں۔

حل لغات عدا یعدو بمعنی تجاوز۔ الحد فی الظلم ظلم میں حد سے تجاوز کیا۔

مسئلہ لواطت اور جانوروں سے وطی اور زنا اسی حد سے تجاوز میں داخل ہیں۔

مسئلہ بعض نے کہا کہ ہاتھ سے منی نکالنا (استمنا) بھی اسی میں داخل ہے۔

شان نزول مروی ہے کہ بعض عربی سفروں میں مختلف طریق سے منی خارج کرتے تھے ان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے

مسئلہ اسی لئے مالکیہ نے استدلال کیا ہے کہ استمنا ہاتھ وغیرہ سے منی نکالنا حرام ہے اس لئے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کی طاقت نہ ہونے پر روزے رکھنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ شہوت فرو ہو اگر استمنا مباح ہوتا تو اس کی طرف معمولی اشارہ فرماتے کیونکہ بہ نسبت روزے کے یہ آسان تر ہے۔

مسئلہ بعض ائمہ نے استمنا کی اباحت بتائی ہے۔

مسئلہ الخلاصہ کی روایت میں ہے کہ اگر روزے دار نے روزہ کی حالت ذکر کو ہاتھ سے بار بار ٹٹولنے سے منی نکالی تو اس پر کفارہ نہیں صرف ایک روزہ کی قضا ہے۔

فائدہ اباحت کا فتویٰ حنابلہ کا ہے۔

مسئلہ بعض احناف کے نزدیک شہوت کو فرو کرنے کے لئے (نہ کرے گا تو زنا وغیرہ میں مبتلا ہو جائے گا) استمنا جائز ہے اور فرمایا (ارجوان لا یکون علیہ وبال امید ہے اس پر وبال (فی الآخرۃ) نہ ہوگا (یہ کسی بعض کا خیال ہے ورنہ احناف کے نزدیک استمنا ناجائز ہے شہوت کی تسکین روزہ کے سوا اور کوئی بہتر تدبیر نہیں۔ (تحقیق الاستمنا بالید) حواشی البخاری میں حرام ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے۔

ؔ اس کا دوسرا نام جلق ہے عموماً جوانی کے جوش و جنون سے اس بیماری میں بعض نوجوان مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جسمیں شرعی قباحت کے علاوہ جوانی کے لئے یہ بیماری بھی تباہ کن ہے فقیر نے اس کی خرابیوں کے پیش نظر ایک رسالہ لکھا ہے "استمنا و جلق" عرف جوانی سوز بیماری اس کا مطالعہ نوجوانوں کو ضروری ہے۔

۱۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین لفروجھم الی ان قال ھم العادون یعنی حلال طریقوں کے ماسوا باقی کا ارتکاب کرنے والے ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں یعنی حلال کو چھوڑ کر حرام فعل کرنے والے ہیں۔

فائدہ البغوی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ استمنأ حرام ہے۔

استمنأ بالید والوں پر عذاب: حضرت ابن جریج نے حضرت ابن عطأ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ قیامت میں ایک قوم حاملہ ہو کر اٹھے گی میرا گمان ہے کہ وہ یہی استمنأ بالید کا ارتکاب کرنے والے) ہوں گے۔

سزا یافتہ قوم حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو عذاب میں مبتلا فرمایا جو اپنے مذاکیر سے کھیلتے تھے یعنی ہاتھ سے منی نکالتے۔

مسئلہ استمنائ بالید کا ثبوت شرعی کسی کے متعلق مل جائے تو اس پر تعزیر جاری کی جائے جیسے بعض نے کہا۔

مسئلہ بعض روایات میں ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ و امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس شخص کے لئے مباح ہے جسے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو یعنی زنا وغیرہ میں ایسے ہی اپنی زوجہ اور کنیز کے ہاتھ سے منی کا نکلوانا مباح ہے (بشرط فتنہ) لیکن قاضی حسین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ عزل (منی خارج کر دینا) کے معنی میں ہے۔

مسئلہ التاتارخانیہ میں ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس فعل سے ایک سر دوسرے سر سے نجات پا جائے گا (یعنی زنا کرنے سے حد پائے گا۔ یا سنگسار ہوگا لیکن استمنأ ایسی سزا سے بچ جائے گا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کا فیصلہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہ کہتا ہے کہ جو تسکین شہوت پر مجبور ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے۔ اگر اس سے بھی شہوت کا جوش نہیں مرتا تو پھر ذکر کو پتھر مار کر بے کار بنا دے جیسے بعض صلحأ متقین نے کیا جب ان پر شہوت کا غلبہ ہوا اس طرح سے زنا سے بچنا نصیب ہوگا۔ (اگرچہ یہ ائمہ ظواہر کے خلاف ہے لیکن حق زیادہ مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے لیکن حق وہ ہے جو ارشاد نبوی ہے یعنی روزہ رکھنا اگر کسی کا نفس شریر قابو میں نہ آئے تو پھر ورع و تقویٰ کے قریب تر وہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔

(۳۲) وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ ، اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے

ہیں، یعنی ان کے حقوق میں خلل نہیں ڈالتے ۔

تحقیق امانت: امانت اسم جنس ہے وہ شے جس پر انسان کو امین بنایا جائے اللہ تعالیٰ سے وہ دین کی امانات جیسے شرائع اور احکام کہا جاتا ہے مخلوق سے وہ امانتیں جو بندے اس کے پاس حفاظت کے لئے رکھیں جمع کا صیغہ اختلاف الورع کی وجہ سے ہے اسی طرح عہد اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھی شامل ہے اور لوگوں کے عہد کو بھی یعنی وہ عقد اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر لازم کرے ایسے بندوں کے لئے اور یہ معاہد (بالکسر) معاہد (بالفتح) دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے یہاں اس کی اضافت فاعل کی طرف بھی جائز ہے مفعول کی طرف بھی ۔

عہد و امانت کا فرق سیدنا جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر اس کی محافظت جوارح اعضاء سے ہو تو اس کا نام امانت ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلب کی حفاظت علی التوحید ہو تو اس کا نام عہد ہے اور کسی شے کی حفاظت و اصلاح پر قیام ہو تو اس کا نام رعایت ہے ۔

فائدہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امانت کی خیانت اور بات کرتے وقت جھوٹ بولنے اور معاہدہ کے بعد دھوکہ اور جھگڑا کے وقت فجور کو منافقت بتایا ہے ؎

اگر می باید از آتش امانت

فرو مگذار قانون امانت

ہر عہدے کہ می بندی وفا کن

رسوم حق گذاری را ادا کن

ترجمہ: اگر تمہیں دوزخ سے امان چاہیئے تو قانون امانت کو ضائع نہ کر۔ جو کسی سے معاہدہ کرو اسے پورا کرو حق کی ادائیگی کی رسوم کو ادا کر۔

کشف القبور اور کلام باہل القبور کا نسخہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو امانت میں خیانت نہ کرے اور لوگوں کے اسرار کو چھپائے تو وہ موتی (مُردوں) کی گفتگو اور اوران کے عذاب اور نعمتوں کی آواز کانوں سے سنے گا جیسے جانور اہل قبور کا عذاب سنتے ہیں کیونکہ انہیں بولنے کی طاقت نہیں ایسے ہی جو امانت سے موصوف ہوگا وہ اپنے اعضاء کی آواز بھی دنیا میں سُنے گا کیونکہ یہ بھی زندہ ہیں اسی لئے آخرت میں ان سے شہادت لی جائے گی اور وہ شہادت دیں گے اور ظاہر ہے کہ شہادت عادل اور پسندیدہ شے کی قبول ہوتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس امانت میں اس امانت کی طرف اشارہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کو پیش کی گئی اور یہ امانت کمال المظہریہ اور تمام مضافات الہٰیہ ہے

نیز الست بربکم قالوا بلیٰ کے عہد میثاق کی طرف اشارہ ہے اور اس عہد کی رعایت یہ ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کی مخالفات شرعیہ و موافقات طبیعہ سے مخالفت نہ کرے بعض مشائخ نے فرمایا کہ امانت سے وہ معارف عقلیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عجیب الفطرۃ امور سپرد فرمائے ہیں اور عہد سے وہ میثاق مراد ہے جو ازل میں اپنے بندوں سے لیا۔ ان کی یوں رعایت کرتے ہیں کہ اسی فطرۃ کو غواشی طبعیہ اور خواہشات نفسانیہ کے دھوئیں سے غبار آلود نہیں کرتے۔

تفسیر عالمانہ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں با قائمون کے متعلق ہے تعدیہ کی ہو یا ملابست کی اور شہادات کی جمع با عتبار انواع شہادت کے ہے۔ یعنی اسے عدل کے ساتھ قائم کرتے اور درقت پر ادا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے حقوق کا احیا ہو اس کے قیام سے احکام کے وقت اس کی ادائیگی مراد ہے کسی پر بھی ہو قریبی رشتہ دار ہو یا بعید تی شریف ہو یا رذیل۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں سورج کی طرح بات روشن ہو تو اس کی گواہی دو ورنہ چھوڑ دو۔

نکتہ شہادت امانت میں مذکور ہونے کے باوجود اس کا علیحدہ ذکر اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کے قائم کرنے میں حقوق کا احیا اور تصحیح ہوگی اور اس کے چھپانے میں حقوق کی تضیع اور ابطال ہوگا۔

مسئلہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ تحمل شہادت فرض کفایہ اور اس کی ادائیگی فرض عین ہے جب اس پر معین ہو اور گواہی کی اُجرت بالاتفاق ناجائز ہے جب اسے مدعی طلب کرے اور قاضی (حاکم) اسے قریب ہے تو چلکر گواہی دے اگر آدھے دن کے سفر کی مسافت پر دور ہے تو اس کے لئے اجر لینا گناہ نہیں۔ کیونکہ اتنے سفر سے اسے ضرر لاحق ہوگا۔

مسئلہ اگر گواہ پیدل چل کر گواہی دینے کی قدرت رکھتا ہے لیکن مدعی نے اپنی طرف سے اسے سواری دی تو اس کی گواہی مدعی سے سواری لینے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

مسئلہ پیدل چل کر گواہی نہیں دے سکتا اور مدعی نے اپنی طرف سے اسے سوار کیا تو کوئی حرج نہیں۔ (لا باس بہ ہے) جائز ہے۔

مسئلہ مسلمان کے ظاہری اچھے حال (نیکی) پر اکتفا کر کے گواہی لینا کافی ہے سوائے حدود و قصاص کے اگر اس پر خصم طعن کرے تو اس کی عدالت (باطنی طور نیکی) کی تحقیق ضروری ہے یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ سراً و علانیۃً اس کی نیکی کا سوال جملہ حقوق میں

ضروری ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

فائدہ بعض نے توحید کی شہادۃ کو بھی اسی آیت میں داخل فرمایا ہے چنانچہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ قائم ہیں ساتھ حفاظت اس کے جو انہوں نے ان لاالٰہ الا اللہ کی گواہی دی اور اقرار کیا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے نہ افعال میں نہ اقوال میں۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے شاہد من العلم کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں یعنی جس کی گواہی دی تو اس کے حکم پر قائم ہوئے اور اپنے مشاہد کے حکم سے نہ کہ ان کے غیر سے صادر کیا۔

(۳۴) وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰوتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۚ اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں نماز کی تقدیم اختصاص کا فائدہ دیتی ہے جو دلیل ہے اس بات کی محافظت صرف نماز پر مقصود ہے اس سے ان کی حفاظت امور کی کی طرف تجاوز نہیں کرتی یعنی وہ اس کی شرائط کی رعایت اور اس کے فرائض و سنن و مستحبات و آداب کی تکمیل کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے اسے ضائع کر دینے سے گناہوں کے ارتکاب سے۔

فائدہ اوّل میں نماز کا دوام کا ذکر نمازوں کی ذات کی وجہ سے تھا اب حفاظت کا ذکر ان کے احوال کی وجہ سے ہے۔

فائدہ المفردات میں ہے کہ اسمیں تنبیہ ہے کہ وہ لوگ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ان کے اوقات و ارکان کی رعایت کر کے اور انہیں قائم رکھتے ہیں جیسے کہ وہ ان کے گلے کا ہار ہے کیونکہ خود نماز بھی ان کی حفاظت کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر بیشک نماز فحش اور برائی سے روکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو نماز کی محافظت کرتا ہے تو وہ نماز قیامت میں اس کے لئے نور و برہان و نجات ہوگی اور جو نماز کی محافظت نہیں کرتا تو قیامت میں اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ برہان نہ نجات بلکہ وہ قیامت میں قارون و فرعون و ہامان اور ابی بن خلف (کافروں) کے ساتھ ہوگا۔

فائدہ ابی بن خلف وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد کی جنگ میں گردن پر تیر مارا تو مکہ معظمہ کے راستہ میں مرگیا بہت شدید کافر ابوجہل سے بھی بڑھ کر سرکش تھا اس پر یہ دلیل کافی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں مارا گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے سوائے اس کے کسی اور کو قتل نہیں کیا۔

فائدہ بعض علمأ کرام نے محافظت کو ادامہ (مداومت) میں شامل فرمایا ہے جیساکہ حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اس معنی پر یہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہوگی فائدہ کی تتمیم کے لئے اور خبردار کرنا ہے کہ نماز وہ واجب ہے جو ایمان کے بعد سب سے اوّل اسی کی ادائیگی واجب ہے اور تمام واجبات و فرائض میں وہ آخری فریضہ ہے کہ جس کی رعایت ضروری ہے (جیسے گذرا) بعض علمأ نے فرمایا کہ دَائِمُوْن میں دوام کا تعلق فرائض سے اور حافظون میں محافظت کا تعلق نوافل سے ہے۔

فائدہ خلاصہ یہ کہ نماز کے ذکر میں تکرار اور ان کی وصف اوّل میں بھی نماز سے اور آخر میں بھی نماز سے دو اعتباروں سے ہے۔

(۱) اس کی فضیلت پر دلالت۔

(۲) تمام طاعات پر اس کی فوقیت اور اسمأ موصولہ کا تکرار بھی اسی لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ اختلاف الصفات بمنزلہ اختلاف الذوات کے ہے۔ نیز تاکہ تنبیہ ہو کہ ان صفات میں سے ہر صفت اس لائق ہے کہ اس کے لئے ایک علیحدہ مستقل موصوف ہو کیونکہ یہ ہر ایک صفت بہت بڑی شان والی ہے یہ نہیں کہ کون سی صفت کسی دوسری صفت کی تتمہ ہے

فائدہ بعض نے کہا کہ ان کا عطف تغایر ذاتی سے نہیں بلکہ اعتباری سے ہے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ دائمین کوئی اور تھے اور محافظین کوئی اور بلکہ اس سے ان اہل ایمان کی مدح مقصود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھے کہ ان کا اخلاق کتنا بلند تھا اور ان کے کیسے اعمال و افعال پسندیدہ تھے اس میں ان لوگوں کو ترغیب ہے جو قیامت تک آنیوالے ہیں

سوال برہان القرآن میں ہے کہ الا المصلین الخ سورۃ مؤمنین (پ۱۸) کے اوّل میں بھی مومن کی خصال محمودہ کا ذکر اسی طرح ہے لیکن اس سورہ معارج میں وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۰ کا اضافہ کیوں؟

جواب اس لئے کہ یہ شہادت وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۰ کے بعد واقع ہوئی اور اقامۃ شہادت ایک امانت ہے جسے ادا کرنا چاہیئے جب اس کی اس کے صاحب کو حاجت ہو اس سے اجیلئے حق ہے تو سورہ المؤمنین (پ ۱۸) میں اسے منجملہ از امانت بنایا گیا اور یہاں اسے امانت میں ذکر کے بعد خصوصی زیادتی سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ الا المصلین الخ کے بعد فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا والذین ھم الخ وہ لوگ صلوٰۃ القلب کی حفاظت کرتے ہیں یعنی مراقبہ کی یا صلوٰۃ النفس یعنی ظاہری نماز کی اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ تمام قرآن صورۃ میں صلوٰۃ کے لفظ واحد اور ایسے ہی سورۃ انعام میں صیغہ واحد پر متفق ہیں بخلاف سورۃ المؤمنین ر پ۱ کے کہ اس میں جمع کا صیغہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ المؤمنین میں اول میں اس کی عظیم وصف بیان فرمائی مثلاً قد افلح الخ اور آخر میں بھی عظیم جزا مذکور ہے یعنی اولئک ھم الوارثون الخ لیکن معارج و انعام رسورۃ ا میں یہ بات نہیں اسی لئے سورۃ المؤمنین میں جمع کا صیغہ موزوں ہے اور دوسری سورتوں میں ا معارج - انعام ؛ صیغہ واحد ۳۵- اولئک وہ جنکی صفات فاضلہ مذکور ہوئیں فی جنّٰت ایسی جنات میں ٹھہریں گے جن کی صفات وقدر بیان سے باہر اور جن کی کُنہ کا ادراک نہیں ہوسکتا مُّكْرَمُوْنَ اعزاز والے ہوں گے ثواب ابدی اور جزا سرمدی سے جنہیں آخرت میں اعزاز ملے گا تو گویا آج بھی اسی اعزاز والے ہیں یہ خبر کے بعد خبر ہے یا خبر یہی ہے اور فی جنات اس کے متعلق ہے مقدم ہے فواصل کی رعایت سے یا جنات کا متعلق محذوف اور وہ خبر مکرمون کی ضمیر سے حال ہے کہ دراصل کائنین فی جنّٰت تھا۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ
الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ
نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ
وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ
بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ
يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى
نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ
الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: تو ان کافروں کو کیا ہوا تمہاری طرف تیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں (۳۶) داہنے اور بائیں گروہ کے گروہ (۳۷) کیا ان میں ہر شخص یہ طمع کرتا ہے کہ چین کے باغ میں داخل کیا جائے (۳۸) ہرگز نہیں بے شک ہم نے انہیں اس چیز سے بنایا جسے جانتے ہیں (۳۹) تو مجھے قسم ہے اس کی جو سب پوربوں اور پچھموں کا مالک ہے کہ ہم ضرور قادر ہیں (۴۰) کہ ان سے اچھے بدل دیں اور ہم سے کوئی نکل کر نہیں جا سکتا (۴۱) تو انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگیوں میں پڑے اور کھیلتے ہوئے یہاں تک کہ اپنے اس دن سے ملیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے (۴۲) جس دن قبروں سے نکلیں گے جھپٹتے ہوئے گویا وہ نشانوں کی طرف لپک رہے ہیں (۴۳) آنکھیں نیچی کئے ہوئے ان پر ذلت سوار، یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ تھا (۴۴)

تفسیر عالمانہ (۳۶) فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تو کیا ہوا کافروں کو جو ایسی صفات جلیلہ مذکورہ کے موصوف ہونے سے محروم ہوئے ما استفہامیہ انکاریہ ہے محلاً مرفوع مبتدأ الذین کفروا اس کی خبر ہے لام جار علیحدہ لکھی گئی مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کی اتباع میں۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے ابو عمرو (قاری) اور الکسائی نے الف پر وقف کیا نہ کہ لام پر سورۃ نساء میں فمال ھؤلاء میں اور سورۃ کہف میں مال ھذ الکتاب اور سورۃ فرقان میں مالھذا الرسول میں اور سورۂ سأل میں فمال الذین میں اور باقی قرآنے فمال میں لام پر وقف کیا ہے خط عثمانی (مصحف) کی اتباع میں اور ابن عطیہ نے کہا کہ ایک جماعت نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے (کہ اسے علیحدہ لکھا جائے) کیونکہ یہ حرف جارہ ہے اور جارہ مجرور کا کالجزو ہوتا ہے لیکن یہ بحسب ضرورت اور انقطاع کے وقت کی بات ہے ہاں اگر کوئی ابتدا ہی اس پر (بلا ضرورت و انقطاع نفس کے وقف کرے تو پھر جائز نہیں (اس پر سب کا اتفاق ہے۔ قِبَلَكَ تمہاری طرف۔ یہ حال منوی ہے لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے۔ یعنی انہیں کیا ہے درآنحالیکہ ثابت ہیں ارد گرد تمہارے مُهْطِعِيْنَ تیز نگاہ سے دیکھنے والے یہ من قِبَلَكَ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات الاھراع بمعنی اسراع، مُهْطِعِيْنَ بمعنی مُسْرِعِيْنَ گردن اٹھا کر تیز دوڑنے والے اور دوڑتے وقت تیری طرف آنکھیں ڈال کر متوجہ ہونے والے ہیں۔

(۳۷) عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ۔ داہنے اور بائیں گروہ کے گروہ۔ جار مجرور عزین کے متعلق ہے کیونکہ یہ بمعنی متفرقین ہے اور عزین حال کے بعد حال ہے منوی ہے لِلَّذِيْنَ میں بمعنی فرقًا شتّٰی متفرق گروہ۔ یعنی گروہ کے گروہ حلقہ زدگان۔

حل لغات عزۃ کی جمع ہے بمعنی لوگوں کا ایک گروہ۔ دراصل عزوۃ تھا از عَزِوٌ بمعنی انتماء و انتساب گویا ایک گروہ اس کی طرف منسوب ہے جو دوسرے گروہ کے منسوب الیہ کا غیر ہے ولادۃ میں

یا مظاہرہ ہیں۔

شان نزول کفار جدا جدا ٹولیاں ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد حلقہ باندھ کر آپکے مبارک کلام کا استہزا کرتے ہوئے کہتے کہ کیا جیسے (حضرت) محمد (مصطفٰی) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں یہی (غریب و مسکین صحابہ رضی اللہ عنہم) جنت میں جائیں گے یہ جائیں گے تو ہم ان سے پہلے داخل ہوں گے ان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳۸) اَیَطْمَعُ کیا طمع کرتا ہے۔

حل لغات (الطمع) نفس کا میلان ایسی شے کی طرف جس کی اسے خواہش ہے ویسے اکثر طمع خواہش سے ہوتا۔

كُلُّ امْرِئٍ ہر مرد مِّنْهُمْ انہیں سے یعنی تمہاری طرف تیز نگاہ دوڑنے والے اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ یہ کہ چین کے باغ میں داخل ہو ایمان سے وہ جنت ایسی ہے کہ جسمیں چین چین کے سوا ہے کچھ نہیں نہ تکدر نہ تنغص نہ طبع میلی ہو نہ کھٹی ہو چین ہی چین ہے (۳۹) كَلَّا ہرگز نہیں انہیں زجر و توبیخ ہے اس طمع سے جو ان کے لئے خالی ہے یعنی اس طمع کو چھوڑ و اور بات ختم کرو۔ خلاصہ یہ کہ کافروں نے جو کچھ سمجھ لیا وہ بالکل غلط ہے ایسا ہرگز نہیں بلکہ ان کے لئے بہشت کی طرف راہ ہے بھی نہیں۔

سوال ان کو بہشت کا طمع کیسا جبکہ وہ تو جو کہا استہزاً کہا۔

جواب اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے باخبر ہے ممکن ہے ان میں بعض ایسے ہوں جنہیں جنت کا طمع ہو اسی معنی پر ردع (كَلَّا) سے قطع طمع ہے ان ضعیف خیال لوگوں کا جو سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے ہم کسی طریق سے کافر بھی بہشت میں جائیں نیز یدخل میں یہ احتمال بھی ہے کہ یدخل صیغۂ مجہول از افعال ہو نہ بصیغۂ معلوم لیکن ظاہر تو یہی ہے کہ یہ ان کے قول کا رد ہے کہ کہا تھا کہ ہم بہشت میں داخل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا کہ بہشت میں وہی داخل ہوگا جسے اللہ تعالیٰ داخل فرمائے اور ملائکہ کا حکم ہو کہ اسے داخل کرو علاوہ ازیں دوسرا سبب بہشت کے داخلہ کا شفاعت (محبوبانِ خدا ہے) اور شفاعت سے کفار قطعی طور پر محروم ہیں نیز یہ بھی بتانا ہے کہ دخول کا اسناد اخبار ایا انشاء ان کی طرف ہے جن سے اللہ راضی ہوا اور یہ تو اللہ کے مغضوب ہیں کیونکہ اللہ کے مکرم وہ ہیں جو مؤمن ہیں اور ان کے اعمال نیک ہیں ان کے لئے اللہ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ۔ وہی (مومن اور صالحین) بہشت میں داخل ہوں گے اور فرمایا (ادخلوا الجنۃ (اے مومنو نیکو بہشت میں داخل ہوجاؤ۔

نکتہ جنت کی تنکیر میں آگاہ کرنا ہے کہ کفار ہر طرح کی جنت سے محروم ہیں اگرچہ جنان بے شمار ہیں اور اسے نعیم سے موصوف کرنے میں بتایا گیا ہے کہ ہر جنت نعمت سے پُر ہے اور ہر جنت کی نعمت سے

محروم ہوا وہ سیدھا جہنم کے عذاب میں داخل ہوا۔ اور لفظ کل سے بتاتا ہے کہ جو اس قول کے بعد بھی ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اطاعت کرے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ جنت کا طمع کرے ورنہ ردع (کَلَّا) زجر اور اور رکاوٹ ان تمام کے لئے جو ایمان نہیں لاتے ۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ بے شک ہم نے انہیں پیدا کیا۔ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ۝ اس سے جو وہ جانتے ہیں یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا ولقد علمتم النشاۃ الاولیٰ اور بے شک تمہیں اپنی تخلیق اولی معلوم ہے۔ اور جملہ متانفہ ہے اسی لئے سجاوندی نے علامت وقف (کَلَّا) پر رکھی ہے کیونکہ اس کے نزدیک کلام وہاں ختم ہوگیا یہ تمہید ہے مابعد کے لئے جبکہ پہلے قدرت کا بیان فرمایا کہ وہ قادر ہے کہ وہ انہیں ان کے کفر بالبعث والجزا اور استہزاً بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَبِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ اور ان کے دعویٰ از راہ تمسخر کہ ہم بھی بہشت میں داخل ہوں گے کی وجہ سے ہلاک کرکے ان کے بدلے اور لوگ پیدا کرے کیونکہ وہ قدرت کا مالک ہے جیسے انہیں معلوم ہے کہ اس نے نشاۃ (تخلیق) اول میں انہیں نطفہ سے پھر علقہ سے پھر مضغہ سے پیدا فرمایا یہ اس کی قدرت کی بہت بڑی حجت اور قوی دلیل ہے جیسا کہ اس کے بعد فا فصیحہ کی خبر دیتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا شقاوۃ ازلیہ سے عداوۃ ابدیہ کے لئے بائیں ہاتھ جلالیہ قہریہ کے پھر وہ کیسے ان کی جگہ پر اتر سکتے ہیں جنہیں ہم نے سعادۃ ازلیہ سے محبت ابدیہ کے لئے دائیں ہاتھ جمالیہ لطیفہ سے پیدا فرمایا یہ تو حکمت الٰہیہ اور ارادہ سرمدیہ کے خلاف ہے ہاں نطفہ اور گلی گارہ کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اسمیں تمام مشترک ہیں۔ اعتبار ہے تو برگزیدگی اور خاصیت فی المعرفۃ کا پس جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ اللہ تعالیٰ کے جوار میں ہوگا کیونکہ ایسے خوش بخت انسان کے جسم کی مٹی درحقیقت جنت کی ہے اور اس کی روح ملکوت کے نور سے ہے اور جو اس کی معرفت سے جاہل ہے وہ اس سے بعید ہے کیونکہ درحقیقت وہ عالم نار سے ہے اور ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ (۴۰) فَلَآ اُقْسِمُ مجھے قسم ہے اس کے نظائر گذرے ہیں۔ حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فلا پس ایسے نہیں ہے جیسے کافر کہہ رہے ہیں۔ اُقْسِمُ مجھے قسم ہے۔ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ مشارق ومغارب کے پروردگار کی ۔

نکتہ مشارق ومغارب جمع کے صیغے اس لئے ہیں کہ ہر سال کی روزانہ نئی مشرق اور نئی مغرب ہوتی ہے اسی لئے سال کی موسم سرما وگرما مشارق ایک سو اسی اور مغارب کی ایک سو اسی ہے خلاصہ یہ کہ قسم ہے مشارق کے پروردگار کی یعنی سورج کے مشارق کی اور وہ ہر روز نئے نقطہ سے طلوع کرتا ہے اور قسم ہے کہ مغارب کے پروردگار کی یعنی سورج کے غروب کی روزانہ نئی جگہ ہے یا مشرق سے ہر ستارہ کی طلوع گاہ

اور مغرب سے اس کی غروب گاہ مراد ہے یعنی مشارق و مغارب سے ہر ستارہ کی مشرق و مغرب مراد ہے۔ جو کہ وہ ایک کا دائرہ افق سے نیا نقطہ ہے۔

فائدہ مشرق سے ہر نبی علیہ السلام کی دعوت کا ظہور اور مغرب سے اس کے وصال کی گھڑی مراد یا مختلف قسم کی ہدایات و خذلانات (رسوائیاں) مراد ہیں۔

(۴۱) اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ بیشک ہم قادر ہیں۔ یہ قسم کا جواب ہے عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ یہ کہ بدل دیں ان سے بہتر۔ یہاں مفعول اول محذوف ہے دراصل نُبَدِّلَ لَهُمْ تھا چونکہ وجہ معلوم ہے اس لئے حذف کیا گیا۔ خَيْرًا مفعول ثانی ہے بمعنی التفضیل بتقدیر تسلیم (جیسے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہتر ہیں ورنہ مشرکین میں خیریت کیسی یا معنی یہ ہے کہ ہم ایک بار انہیں ہلاکت میں ڈال دیں جیسے ان کے کرتوتوں کا تقاضا ہے اور ان کے بدلہ میں اور لوگ لائیں جو ان کی صفت پر نہ ہوں تو یہ تبدیلی واقع نہ ہوگی (جیسے مطلوب ہے یہ اللہ تعالٰی نے انہیں ڈرانے دھمکانے کے لئے فرمایا ہے تاکہ ایمان لائیں بعض نے کہا کہ یہ تبدیلی ہو گئی کیونکہ اللہ تعالٰی نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں مہاجرین و انصار پیدا فرما دیئے۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ اور ہم سے کوئی نکل کر جا نہیں سکتا۔ مسبوق مغلوب بھی یعنی اگر ہم ایسے کریں (تو کر سکتے ہیں) لیکن ہماری مشیت حکمت بالغہ پر مبنی ہے (اسی لئے نہیں کرتے) کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ کفار کی سزاؤں میں کچھ تاخیر ہو جائے خلاصہ یہ کہ ہم سے کوئی بھی سبقت نہیں کر سکتا اگر ہم کسی معاملہ کا ارادہ کر دیں تو کوئی بھی نکل کر نہ جائے گا اور نہ ہی ہم مغلوب ہیں کہ وہ امر کسی کے سامنے ظاہر نہ کر سکیں بعض نے مسبوق کا معنی عاجز کیا ہے یعنی جس سے کوئی نکل جائے تو وہ اس کی عجز کی دلیل ہے۔

فَذَرْهُمْ تو انہیں چھوڑ دو انہیں ان کے حال پر رہنے دو۔ يَخُوْضُوْا (وہ بیہودگیوں میں پڑے رہیں) اور باطل (امور) میں شروع ہوئے منجملہ ان کے ایک وہی جو ان میں مذکور رہا کہ ہم بھی بہشت میں داخل ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ) یہ امر کا جواب اور کفار کو تہدید و توبیخ ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ کرو جو چاہو۔ وَ يَلْعَبُوْا اور کھیلتے ہوئے۔ دنیا میں ان امور میں مشغول ہونا جو انہیں کوئی فائدہ نہ دیں اور تم اس میں مشغول رہو جس کے تم مامور ہو اور یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ حَتّٰى يُلٰقُوْا (یہاں تک کہ خود ملیں)۔ الملاقاۃ سے ہے بمعنی المعاینہ، آنکھوں سے خود دیکھنا۔ يَوْمَهُمُ اپنے اس دن کو۔ نفخہ ثانیہ کے وقت بعث (مرنے کے بعد اٹھنے کے) کے دن اور یہ اضافت ہے کیونکہ وہ دن کل مخلوق کا ہے اور یہ بھی ان میں سے ہیں یا اس لئے کہ قیامت کا فروں کا ہے اسی دن سے عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے اور اہل ایمان کا دن ہے کہ اسی دن انہیں ثواب نصیب ہوگا اس معنی پر دو یوم ہے اسی لئے اسے اضافت سے علیحدہ کیا

گیا۔ اَلَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ؕ جس کا وعدہ دیئے جاتے۔ تھے جیسے آج کہا جاتا ہے یا ہمیشہ انہیں کہا جاتا۔ یہ وعدہ سے ہے کہ جیسے وہ خود کہتے مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ کب ہے یہ الِعبَاد (ڈرانا) ہوتو بھی جائز ہے

(۴۳) یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ جس دن قبروں سے نکلیں گے۔ یَوْمَهُمْ سے بدل ہے اسی لئے اسے یوم البعث پر محمول کیا گیا ہے۔ الاجداث جدث کی جمع ہے بمعنی قبر۔ سِرَاعًا جھپٹتے ہوئے۔ یخرجون کی ضمیر جمع سے حال ہے۔ سِرَاعٌ سریع کی جمع ہے جیسے ظراف ظریف کی جمع ہے یعنی جھپٹنے والے داعی اور اس کی آواز کی طرف اس سے اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں جو صحرآئے بیت المقدس پر کھڑے ہو کر نفخ صور فرمائیں گے۔ کَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ۔ گویا وہ نشانوں کی طرف۔ مرفوع سے دوسرا حال ہے۔ نصب ہر وہ شے جو پرستش کے لئے ٹانگی جائے۔ بت وغیرہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دام جس سے شکار کیا جائے (شکار پھنس جانے کے بعد) شکاری اس کی طرف خوب دوڑتا ہے۔ اس کا واحد نصاب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ (اور وہ جو ذبح کیا جائے تھان پر)۔ عرب کا فرول مشرکوں کی عادت تھی کہ وہ پتھروں کو پوجتے تھے اور ان کے ہاں جا کر جانور ذبح کرتے تھے اخفش نے کہا یہ نصب کی جمع ہے کہ رہن اور انصاب جمع الجمع ہے۔ یُوْفِضُوْنَ۔ لپک رہے ہیں۔

حل لغات الایفاض، دوڑنا۔ اس کا اصل متعدی ہونا ہے بمعنی یُسْرِعُوْنَ۔ یعنی ان میں کون پہلے اسے ہاتھ لگائے گا اس میں انکے جاہلیت کے حال کی قباحت کا اظہار اور ان کی جہالات کا ذکر کر کے ان سے تہکم مطلوب ہے کہ ان کی کیسی گندی اور غلط عادت ہے کہ ایسی چیزوں کی طرف لپکتے ہیں جو نہ کسی کو نفع دیں نہ نقصان۔

(۴۴) خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ۔ آنکھیں نیچی کئے ہوئے۔ یہ یوفضون کے فاعل سے حال ہے اور ابصارھم خاشعۃ کا فاعل ہے بطریق اسناد مجازی کے (یعنی انکی آنکھیں خشوع سے (نیچی ہوں گی) موصوف ہوں گی حالانکہ یہ حالت ان کے سارے جسم کی ہوگی تو چونکہ خشوع کا ظہور وآثار ان میں زیادہ ہوگا اسی لئے انکی تصریح کی گئی ہے۔

فائدہ اب معنی یہ ہوا کہ ان کی آنکھیں ذلیل اور نیچی ہوں گی۔ عذاب کی وجہ سے انہیں اوپر اٹھا کر نہ دیکھ سکیں گے۔

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ان پر ذلت چڑھ جائے گی۔ یہ بھی یوفضون کے فاعل سے حال ہے یعنی ان پر شدید ذلت چڑھ جائے گی۔ ذِلَّةٌ، بمعنی خواری وغیرہ۔ ذٰلِكَ یہ یوم مذکور جس میں ہولناک اھوال واقع ہوں گے یہ مبتدا ہے اس کی خبر۔ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ وہی دن ہے جس کا وعدہ دیئے

جاتے تھے۔ دنیا میں انبیاؤ رسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانوں سے اور وہ ان کی تکذیب کرتے تھے۔ اس سے تکرار کا توہم اُٹھ گیا کیونکہ پہلا وعدہ محمول ہے آنی و استمراری پر جیسے گذرا اور یہ وعدہ ہے زمانہ ماضی پر بقرینہ لفظ کان۔

تفسیر صوفیانہ الذلۃ میں ذلۃ انانیۃ کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ قبور سے اٹھیں گے تو وہ ان صورتوں کی طرف دوڑیں گے جو انکی باطنی ہیئت کے مناسب ہوں گی یعنی انانیت والے نہایت ہی بُری صورت میں ہوں گے کہ ان کے ان کا ظاہر و باطن پر مسخ ہوچکا ہوگا جیسے ابلیس کے لئے ہوا کہ وہ بھی انانیت سے مارا گیا کہ کہا تھا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ تو جیسے ابلیس (شیطان) مقام قرب سے ہٹایا گیا اور اسے بُعد و فراق کی ذلت چڑھ گئی ایسے ہی انسانوں میں اس کے ہمنوا کا حال ہے اسی لئے سلف صالحین رحمہم الخلاق سینئہ سے خون کے آنسو بہاتے بالخصوص وہ حضرات جو اپنے میں انانیت محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ یقین کے آثار سے ہے اور توحید حقیقی یہ ہے کہ وہ بندہ اپنے نفس سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے۔ اگر انانیت میں سے اسمیں کچھ باقی ہے تو وہ اس کی دلیل ہے کہ اسمیں ناسوتیۃ ہے کیونکہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسمیں ہوتا ہے۔ مبارکباد ہو اسے جس کے اندر سے حق ٹپکتا ہے نہ کہ نفسانیت۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہی مرتبہ عطا فرمائے۔

فراغت صاحب روح البیان: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سورۃ معارج کی تفسیر سے داخل وخارج کے خالق کی مدد سے ۱ر شوال ۱۱۱۶ھ کو فراغت ہوئی اور فقیر اُویسی غفرلہٗ نے سورۃ المعارج کی تفسیر کے ترجمہ سے ۳ ج ا ۱۴۰۹ھ مطابق ۴ ار دسمبر ۱۹۸۸ء بروز بدھ فراغت پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

سُورَۃُ نُوحٍ

آیاتُها ٢٨ (٧١) سُورَۃُ نُوحٍ مَکِّیَّۃٌ (٧١) رُکُوعاتُہا ٢

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۳﴾ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ﴿۵﴾ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَہُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ اِسۡرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّ یُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا ﴿۱۲﴾ مَا لَکُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰہِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَ قَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمۡ تَرَوۡا کَیۡفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡہِنَّ نُوۡرًا وَّ

وقف لازم

جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ
يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾

سورۃ نوح مکی ہے اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں ۔

ترجمہ، شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا ۔ بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ ان کو ڈرا اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے ① اس نے فرمایا اے میری قوم میں تمہارے لئے صریح ڈرنا نے والا ہوں ② کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میرا حکم مانو ③ وہ تمہارے کچھ گناہ بخشدے گا اور ایک مقرر میعاد تک تمہیں مہلت دے گا بے شک اللہ کا جب وعدہ آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا ۔ کسی طرح تم جانتے ④ ہو عرض کی اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا ⑤ تو میرے بلانے سے انہیں بھاگنا ہی بڑھا ⑥ اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو ان کو بخشے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور ہٹ کی اور بڑا غرور کیا ⑦ پھر میں نے انہیں علانیہ بلایا ⑧ پھر میں نے ان سے باعلان بھی کہا اور آہستہ اور خفیہ بھی کہا ⑨ تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے ⑩ تم پر شرائے کا مینھ بھیجے گا ⑪ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا ⑫ تمہیں کیا ہوا اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے ⑬ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح بنایا ⑭ کیا تم نہیں جانتے اللہ نے کیونکر سات آسمان بنائے ایک پر ایک ⑮ اور ان میں چاند کو روشن کیا اور سورج کو چراغ ⑯ اور اللہ نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اگایا ⑰ پھر تمہیں اسی میں لے جائے گا اور دوبارہ نکالے گا ⑱ اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا ⑲ کہ اس کے وسیع راستوں میں چلو ۔ ⑳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۔

تفسیر عالمانہ ① اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف بھیجا ۔ اللہ تعالیٰ پنے لئے جمع کا صیغہ متکلم کے اسرار بار بار لکھے جا چکے ہیں ۔

حل لغات الارسال الامساک کا مقابل ہے یہ بھی تسخیر کے لئے ہوتا ہے جیسے ارسال الریح والمطر ہوا و برسات کو چھوڑنا اور ان کو وہ چھوڑتا ہے جسے اختیار ہو جیسے اسے ارسال الرسل رسل کرام

کا بھیجنا یا ارسال تخلیہ وترک المنع کے لئے ہوتا ہے جیسے انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین۔ بیشک ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑا یعنی انہیں نہ روکا ان سے۔

نوح علیہ السلام کا تعارف حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کا اسم گرامی عبد الغفار ہے (علیہ السلام) چونکہ آپ بکثرت گریہ فرماتے تھے اسی لئے اسی نام سے موسوم ہوئے اور آپ کو ایک جزیرہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا آپ نے وہاں کے لوگوں کو پیغام الٰہی پہنچایا۔ یہ عربی لفظ ہے اس کی وجہ اوپر عرض کی گئی ہے یا سریانی ہے بمعنی ساکن اور وہ اس لئے کہ آپ کی وجہ سے زمین نے کفار کی خباثتوں سے پاک ہوکر آپ کی وجہ سے سکون پایا۔ ایک قول کے مطابق آپ وہ پہلے نبی علیہ السلام ہیں کہ آپ کو شریعت عطا ہوئی اور اکثر علماء کے نزدیک آپ اولوالعزم رسل کرام علیہم السلام سے پہلے آپ ہیں اور شرک پر سب سے پہلے نذیر (ڈر سنانے والے) آپ ہیں کیونکہ آپ کی قوم بت پرستی کرتی تھی آپ ہی سب سے پہلے نبی علیہ السلام ہیں جن کی امت عذاب میں مبتلا ہوئی آپ شیخ المرسلین ہیں (صلی اللہ علی نبینا علیہ وآلہ وسلم) آپ چالیس سال یا تین سو پچاس سال یا چار سو اسی سال کے تھے کہ مبعوث ہوئے اور قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے اور طوفان کے بعد نوے سال دنیا میں گذارے۔

نکتہ بعض اہل تفسیر نے فرمایا کہ آپ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح روئے زمین کے رسول نہ تھے کیونکہ قرآن میں اِلٰی قَوْمِہٖ ہے اگر آپ جملہ روئے زمین کے رسول ہوتے تو آپ کے لئے کہا جاتا ارسل الی الکل الی الخلق (تمام کے رسول جملہ مخلوق کے رسول) جیسے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہا گیا۔ وما اَرْسَلْنٰكَ الا کافۃ للناس اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا اور خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

کان النبی یبعث اِلٰی قومہ خاصۃ	ترجمہ، دوسرے نبی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور
و بعثت الی الناس عامہ	میں تمام لوگوں کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

سوال اگر صرف اپنی قوم کے رسول تھے (یعنی نوح علیہ السلام) تو دوسروں کا کونسا جرم تھا کہ آپ نے تمام کافروں کے لئے عذاب کی دعا کی چنانچہ کہا رب لا تذر علی الکافرین دیارا ہ اے اللہ زمین پر کوئی جھونپڑا کافر کا نہ چھوڑ جب آپ ان کے رسول نہ تھے تو ان سے مخالفت صادر نہ ہوئی نہ ہی ان کے مجرم ٹھہرے تو پھر وہ تباہی عذاب کے مستحق کیسے؟

جواب شاید اس وقت روئے زمین پر کفار سب اس عادت پر ہوں جو آپ کی قوم کی تھی جب وہ سب ایک ہی عادۃ پر تھے تو اسی عذاب کے مستحق تھے جو آپ کی قوم تھی اسی لئے آپ نے سب

کو دعائے اہلاک میں ملایا۔

سوال یہ تقریر جواب انسان العیون کی تقریر کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا یعنی اپنے جمیع اہل زمانہ کی طرف یا ایک مخصوص جماعت کی طرف اور حضرت نوح علیہ السلام پہلی قسم میں سے تھے یعنی اپنی جمیع اہل زمان کی طرف، جو اس وقت جملہ روئے زمین پر تھے جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی کہ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے لا چکے یعنی کشتی والے اس کے بعد کوئی ایمان نہ لائے گا اور ایمان لانے والے اہل سفینہ کل اسّی ۸۰ تھے چالیس مرد اور چالیس عورتیں اور اس وقت کل آدمی صرف چار سو تھے (العوارف) بعض نے کہا کہ کل نفوس چار سو تھے آدمی اور غیر آدمی؟

جواب یہ تقریر ہمارے جواب کے منافی نہیں اس لئے کہ اہل ایمان کے سوا باقی تمام اہل ارض طوفان میں ہلاک ہوئے اور ان سب کے عذاب کی دعا بھی ہمارے منافی نہیں اس لئے انہوں نے آپ کی دعوت ترک عبادۃ الاوثان پر مخالفت کی تو دعا میں وہ بھی شامل ہوئے۔

سوال آیت وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا (اور ہم کسی کو عذاب نہیں کرتے جب تک ان میں رسول نہ بھیجیں) کے خلاف ہے تمہاری تقریر فلہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام تمام روئے زمین کے رسول تھے۔

سوال ایک قول میں ہے جسے مفسرین نے نقل کیا ہے وہ یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام قابیل کی اولاد کی طرف مبعوث ہوئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ روئے زمین کے رسول نہیں بلکہ ایک خاص قوم کے رسول تھے (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔

جواب یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں اسی لئے کہ اس وقت روئے زمین پر اکثر اولاد تھی ہی قابیل کی۔

فائدہ صحیح یہی ہے کہ نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں جو بت پرستوں کی طرف بھیجے گئے کیونکہ آپ کی قوم تھے ہی سب سے پہلے بت پرستی کی بنیاد رکھی آپ تشریف لا کر انہیں بت پرستی سے روکتے تھے۔

سوال روایات میں تو آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہی سب سے پہلے رسول ہیں اور تمہاری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں یہ کس طرح؟

جواب آدم علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں صرف اپنی اولاد کے لئے کہ آپ نے انہیں ایمان کی دعوت دی اور احکام و شرائع کی تعلیم دی فقط اور بت پرستوں کو بت پرستی سے منع اور دعوت توحید کے سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں۔

سوال تمہارے سابق دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام روئے زمین کے رسول ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے نبی پاک تمام لوگوں کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے تو نوح علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت میں مساوات لازم آگئی حالانکہ ایسا نہیں ۔

جواب نوح علیہ السلام کی رسالت عامہ اپنے ہم زمان کے لئے تھی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اپنے ہم زمان کے علاوہ آنے والی نسلوں کے لئے تا قیامت عام ہے اس سے مساوات کہاں ۔ ہماری اس تقریر سے وہ سوال اُٹھ گیا کہ طوفان کے بعد تو سوائے اہل ایمان کے کوئی نہ تھا اس معنی پر نوح علیہ السلام کی رسالت عامہ ہوئی اور نہ ہی حافظ ابن حجر قدس سرہٗ کے جواب کی ضرورت رہتی ہے انہوں نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کو یہ عموم طوفان کے بعد حاصل ہوا اصلی فضیلت نہ تھی بلکہ عارضی تھی جو بعد طوفان حاصل ہوئی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عامہ اصلی تھی ۔

اَنْ یہ کہ اَنْذِرْ قَوْمَكَ اپنی قوم کو دوزخ سے ڈرائیے ۔ بت پرستی کی وجہ سے تاکہ شرک سے رک جائیں اور اللہ وحدہٗ پر ایمان لائیں ۔ اَنْ مفسرہ ہے اس لئے کہ ارسال میں قول کا معنیٰ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اَن مصدریہ ہو اس سے حرف جارہ محذوف ہے اس کی وجہ سے فعل کی طرف اسم کو پہنچایا گیا دراصل بِاَنْ اَنْذِرْهُمْ تھا اور اس کا صلہ امر کو بنایا گیا ہے جیسے اللہ کے قول وان اقم وجهك میں کیونکہ اس کے وصل کا مدار الصیغ افعال مصدر پر دلالت کرنے کے لئے ہے اور خبریۃ و انشائیۃ میں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں اسم موصول اسمی میں صلہ کا خبریہ ہونا واجب ہے تو اس کی وجہ اور ہے اور وہ یہ کہ موصول اسمی میں یہ ضرورت ہوتی ہے کہ وہ معرفوں کی وصف بنے لیکن وہ اکیلا معرفہ کی وصف نہیں بن سکتا اسی لئے اسے صلہ دے کر موصوف بنایا جاتا ہے اور اسے صلہ چاہیئے اور وہ جملہ خبریہ ہی ہو سکتا ہے نہ کہ انشائیہ بخلاف موصول حرفی کے کہ اسے کسی کی وصف بننے کی ضرورت نہیں اسی لئے اس کا صلہ جملہ خبریہ و انشائیہ ہر دونوں برابر ہیں اسی لئے اسے مصدر پر دلالت کے وقت اس کے صلہ کو اس کے صیغہ میں معنی خاص سے خالی کیا جاتا ہے یعنی نہ اسمیں ماضی کا لحاظ نہ مضارع کا نہ استقبال کا نہ امر کا اور نہ نہی صرف اسمیں حدث کا معنیٰ رہ جا سکتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ انبیاء و اولیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) درجات قرب میں مختلف طرق پر ہیں ان کے بعض تو نور جلال سے نکلتے ہیں بعض نور جمال سے بعض نور عظمت سے بعض نور کبریا سے جو نور جمال سے نکلا تو وہ اپنی قوم کو لبسط وانس عطا فرماتا ہے اور جو نور عظمت سے نکلتا ہے تو وہ قوم کو ہیبت وجلال عطا فرماتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام عظمت الٰہی کے نور کا مشکوٰۃ تھے اسی لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے عظمت دے کر قوم کی طرف بھیجا جب قوم نے بے فرمانی کی تو اس کی قہر وجلال سے گرفت فرمائی ۔

فیر ظالمانہ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے پاس آئے۔ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ دردناک عذاب اور جلدی جیسے طوفان وغرق یا دیر سے جیسے آخرت کا عذاب الخ تاکہ کوئی عذر باقی نہ رہے جیسے خود فرمایا لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ۝ رسل کرام (علیہم السلام) کے بھیجنے کے بعد لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ ہو۔ الالیم بمعنی المؤلم یا متالم للبدن کے طور یعنی سخت دردناک الم (درد) دو قسم ہے۔

(۱) جسمانی۔ (۲) روحانی۔

اور یہ پہلے سے زیادہ اذیت رساں ہے۔ اس کے بعد گویا کہا گیا کہ نوح علیہ السلام نے کیا کیا تو فرمایا

② (قَالَ) نوح علیہ السلام نے فرمایا کافروں کو یٰقَوۡمِ اے میری قوم۔ دراصل قومی تھا انہیں اپنی کہہ کر بلایا ان سے شفقت کے طور خیر و بھلائی کے ارادہ سے اور ان کے قلوب کو خوش کرنے کے لئے (تاکہ بات مان لیں) اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ بے شک میں تمہارے لئے ڈرسنانے والا ہوں کفر و معاصی کے برے انجام کا۔

نکتہ صرف نذیر سنایا حالانکہ بشیر بھی تو تھے اس لئے کہ دعوت توحید کے لئے نذیر تاثیر میں قوی ہے اس لئے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ پہلے قہر کے خوف سے مطیع ہوتے ہیں پھر عطاء کے طمع سے بہت تھوڑے ہوتے ہیں کمال و جمال کی محبت سے اطاعت قبول کرنے والے۔

نکتہ فقیر صاحب روح البیان (قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اللہ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا قُمۡ فَاَنۡذِرۡ یہ ابتدائی مرحلہ ہے بعد کو تبشیر (خوشخبری) کا حکم ہوا جیسا کہ فرمایا وبشر المؤمنین اہل ایمان کو خوشخبری سنادو۔

قاعدہ انذار کا تعلق کفار سے تبشیر کا اہل ایمان سے اگرچہ کفار کو بشرط ایمان تبشیر ہو سکتی ہے لیکن بحالت کفر نہیں ہاں تبشیر تحکمی ان کو ہوتی ہے جیسے فرمایا فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ (کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔

مُّبِیۡنٌ ۝ حقیقۃ الامر کو تمہاری ہی میں واضح کرنے والا جسے تم خوب سمجھ لوگے یا صریح انذار ہے

③ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ کہ اللہ کی بندگی کرو۔ نذیر کے متعلق ہے دراصل بان اعبدوا اللّٰہ تھا اور عبادت کا امر افعال و قلوب و جوارح (اعضا) کے تمام واجبات و مندرجات کو شامل ہے)۔ وَاتَّقُوۡہُ اور اس سے ڈرو۔ یہ جمیع محظورات و مکروہات سے زجر کو شامل ہے وَاَطِیۡعُوۡنِ اور میری اطاعت کرو۔ ان کو رسول (نوح) کی اطاعت کا امر جمیع مامورات و منہیات و اعتقادیات و عملیات کو شامل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اطاعت کرو میرے اخلاق وصفات و افعال اور اعمال و اقوال میں، یہ اگرچہ امر تقویٰ وعبادت الٰہی میں داخل ہے لیکن علیحدہ ذکر کرنا تاکید کی بنا پر ہے یعنی نبی علیہ السلام کے جملہ اخلاق وغیرہ میں مکلّف کرنا مؤکد اور مبالغہ اور مزید ثابت ہو جائے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ دراصل اَطِیْعُوْنِیْ تھا یائے متکلم تھا اور اسے اطیعوہ نہ کہا یٰ کے ساتھ تاکہ پچھلے الفاظ سے مناسبت ہوتی یعنی واتقوہ سے اور اطاعت سے مراد ذات حق کی اطاعت مراد ہوتی آئیں تنبیہہ کردی کہ اطاعت رسول درحقیقت اطاعت الٰہی ہوتی ہے جیسے فرمایا کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور فرمایا اطیعو الرسول اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور بالطاعۃ ہیں تو رسول کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہیں واطیعونی میری اطاعت کرو نیز اطاعت کی اجابت بھی ظاہر سے معلوم ہوگی اور وہ ہے اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تفسیر عالمانہ ﴿۴﴾ یَغْفِرْ لَکُمْ تو وہ بخش دے گا تمہارے۔ یہ امر کا جواب ہے مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ کچھ گناہ۔ وہ جو زمانہ جاہلیت میں گذرے ہیں کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ گرا دیتا ہے نہ کہ بعد والے گناہ ان کا مواخذہ ہوگا اور وہ صرف ایمان سے نہ بخشے جائیں گے اسی لئے یغفر لکم ذنوبکم نہیں فرمایا (کہ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا) بلکہ من تبعیضیہ سے کیونکہ اگر مِنْ نہ ہوتا تو تمام گناہ مراد ہوتے پہلے بھی اور پچھلے بھی۔

فائدہ بعض نے اسی سے بعض وہ گناہ مراد لئے ہیں جو ایمان سے پہلے تھے اور وہ حقوق العباد سے متعلق نہیں۔

وَیُؤَخِّرْکُمْ تمہیں مہلت دے گا۔ اور عقوبات مہلکہ سے محفوظ رکھے گا جیسے قتل۔ اغراق احراق وغیرہ یعنی ہلاک اور تباہ وبرباد کرنے کے اسباب۔ کیونکہ ان کا اعتقاد تھا جو ان اسباب سے مر جائے تو وہ اپنے اجل طبعی سے نہ مرا بلکہ ان اسباب سے مرا اللہ نے بھی ان سے ان کے خیال کے مطابق خطاب فرمایا ہے ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایمان ان کے آجال بڑھا دے گا۔ (بعض التفاسیر) اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ایک مقررہ میعاد تک) جو اللہ کے ہاں متعین ہے۔ الاجل کسی شے کے لئے ایک میعاد مقرر۔ الارشاد میں ہے کہ وہ مدت انتہائی جو اللہ نے ان کے لئے مقرر فرمائی۔ بشرط ایمان واطاعت کے اس سے ثابت ہوا کہ ان کا ایک اجل علیحدہ مقرر تھا کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں گے تو اس سے متجاوز نہ ہوں گے چنانچہ فرمایا اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ بے شک اللہ کا وعدہ وہ جو تمہارے لئے مقدر ہے جب تم کفر پر ڈٹے رہے وہ اجل قریب مطلق ہے اور وہ غیر مبرم

بخلاف میعاد کے کہ وہ بعید مبّرم ہے۔

فائدہ یہاں اجل اپنی طرف اسناد فرمایا کہ اس کا خالق ہے اور اس کے اسباب کا بھی اور آیت (اذا جاء اجلہم میں بندوں کی طرف کہ وہ انہیں پہنچے گا اور وہ اسمیں مبتلا ہوں گے۔
(اِذَا جَآءَ اور تم کفر پر ڈٹے رہے لَا یُؤَخَّرُ تو ہٹایا نہیں جاتا[1] اسی لئے ایمان و طاعت میں جلدی کرو اس کے آنے سے پہلے ورنہ جب شرط محقق ہو گئی یعنی تمہارا کفر پر ڈٹ جانا تو اس نے لازمًا آجانا ہے کیونکہ شرط تنہا کا کوئی وجود نہیں جب تک اس کے ساتھ جزا نہ ہو۔ نیز اس سے وہ عذاب بھی مراد ہوسکتا ہے جو مذکور ہوا جیسے من قبل ان یاتیہم عَذَابٌ اَلِیْمٌ میں بیان فرمایا کیونکہ وہ بھی ایک حتمی وقت اجل ہے۔ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اگر تم جانتے۔ کسی شے کو تو تم اس کی طرف جلدی کرتے جس کا تم کو حکم ہو یا تم یقین کرتے کہ اجل میں تو کسی قسم کا تاخیر (پیچھے ہٹنا) نہیں اور نہ اس میں مہلت ملتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ انہوں نے علم کے اسباب اور اس کی تحصیل کے آلات حُبِ دنیا اور اس کی لذات کی طلب میں ضائع کردیئے یہاں تک کہ وہ اب اس نوبت تک پہنچے کہ اب

---

[1] : یہ اس کا قانون ہے لیکن اس کی قدرت کے بھی قائل ہیں کہ وہ اپنے قانون قدرت کو بدل بھی دیتا ہے کب جب اس کا کوئی محبوب کہے جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں تقدیریں

اس پر ایک واقعہ شاہد ہے کہ مصر کے ایک بزرگ شیخ محمد شربینی نہایت عبادت گذار اور برگزیدہ انسان تھے ایک مرتبہ ان کا اکلوتا بیٹا سخت بیمار ہوا اور قریب المرگ ہو گیا مگر موصوف پھر بھی ہمہ تن مصروفِ عبادت رہے۔ آپ کی اہلیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ آپ کو تو محبت خداوندی کا خزانہ نصیب ہو چکا۔۔ پس اگر ہمارا یہ بیٹا مر بھی جائے تب بھی آپ کو کوئی پرواہ نہ ہوگی البتہ ماں تا کی ماری کہاں جاؤں گی۔ خدارا اپنے بیٹے کی صحت یابی کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دعا کیجیئے۔ مگر آپ بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ملک الموت بچے کی روح قبض کرنے کے لئے مریض کی بالین پر پہنچ گیا۔ ملک الموت ہو یا کوئی اور فرشتہ، خدا کی مشیت اور ارادے کے بغیر قدم نہیں اٹھاتا۔ امام نبہانی نے امام شعرانی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ جب شیخ نے ملک الموت کو بچے کے سرہانے دیکھا تو ان پر اپنی اہلیہ کی گریہ وزاری کا اثر ہوا اسی وقت ملک الموت کی طرف متوجہ ہو کے اور فرمایا (ترجمہ)۔۔۔۔ (اے ملک الموت) اپنے رب کے پاس واپس لوٹ جا، کیونکہ اس بچے کی موت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے (جامع کرامات الاولیا از یوسف بن اسماعیل النبہانی، جلد اوّل۔ ص ۲۹۹ نیز جمال الاولیا از اشرف علی تھانوی، ص ۲۰۲)

انہیں موت کے عدم وقوع کا شک ہو رہا ہے ۔ ؎

روزے کہ اجل در آید از پیش و پست
شک نیست کہ مہلت ند ہد ما
یا نرسد در آں دم از ہیچ کست
برباد شود جملہ ہوا و ہوس ست

ترجمہ: اس روز کہ تیرے پیش و پس کے باوجود تیرا اجل آجائے گا اسمیں شک نہ کرنا کہ وہ تجھے لمحہ بھر کی مہلت دے ۔ اس لحظہ میں کسی سے تجھے مدد نہ مل سکے گی پھر تیری تمام ہوا و ہوس برباد جائے گی۔

⑤ قَالَ (عرض کی) اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے نوح علیہ السلام نے عرض کی اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس سے پہلے آپ اور آپ کی قوم کے درمیان کیا گذری اور ان کی آپس میں کیا باتیں ہوئیں باوجودیکہ اتنا عرصہ دراز تک ان کے ساتھ گذارا اور نہایت جدوجہد سے انہیں دعوت دی بہت کچھ سمجھایا اور ان سے سختیاں جھیلیں بالآخر نہ مانے آپ نے ہر طرح کے اسباب علل استعمال فرمائے کوئی کارگر ثابت نہ ہوئے ۔ جس پر انہیں کہنا پڑا رَبِّ اے میرے پروردگار اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا میں نے اپنی قوم کو شب و روز دعوت دی ۔ ایمان و طاعت کی طرف بلا یارات دن بغیر کسی کمی کے مسلسل ۔ یہ دونوں دَعَوْتُ کی ظرف ہیں اس سے دعوت پر مداومت مراد لی ہے ۔ کیونکہ زمانہ ان دونوں میں منحصر ہے ۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ آپ رات کو ان کے گھروں پر اور دن کو ان کی مجلسوں میں تشریف لے جاتے ۔

حکایت نوح علیہ السلام رات کو جس کے گھر تشریف لے جاتے تو اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے ۔ صاحب خانہ پوچھتا کون؟ آپ فرماتے نوح (علیہ السلام) کہتا ہے کہ " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں)۔

⑥ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا ۔ میری دعوت نے ان کے فرار (بھاگنا) کو ہی بڑھایا اس سے کہ جس کی میں نے انہیں دعوت دی ۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ میری تابعداری اور میرے دین اور اس سے جو تیری وحی کے مجھ پر آثار ہیں سے بھاگ گئے ہیں الفرار بمعنی بھاگنا اور وہ لَمْ یَزِدْھُمْ کا دوسرا مفعول ہے ۔

سوال زیادہ کی نسبت دعا کی طرف کیوں حالانکہ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے ۔

جواب چونکہ دعا (دعوت) سبب ہے اسی لئے مجازاً اس کی طرف فعل کا اسناد ہوا ۔

قاعدہ زاد یزاد دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے زادہ اللہ خیراً و زیدہ فزادوازداد (قاموس) اللہ نے اس کی خیر و بھلائی بڑھائی اسے اللہ تعالیٰ نے بڑھایا تو وہ بڑھ گیا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اختیار سے نوح علیہ السلام کی دعوت سے ان کو بھاگنے میں بڑھاتا ہے۔

⑦ وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا ایمان کی طرف۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب میں نے ارادۂ موجبہ برائے وقوع اسما امور کے انضمام سے خالی کر کے لسان امر سے انہیں بلایا کیونکہ ایسے امر مجرد عن الارادۂ پر ضروری نہیں کہ مامور بہ واقع ہو جائے ہاں اگر مقرون بالارادۂ ہو تو اس کا ضروری ہے[1]۔

لِتَغْفِرَ لَهُمْ (کہ تو انہیں بخشے۔ اس کے سبب جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ۔ انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں یعنی دعوت سننے سے اپنے کان بند کر دیئے جعل کا کان بند کرنے سے کنایہ ہے اور اسے حقیقی معنیٰ پر لینا بھی جائز ہے کہ وہ دعوت نہ سننے کے ارادہ پر کانوں میں روئی وغیرہ ٹھونس لیتے ہوں۔ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ اور اوڑھ لئے اپنے کپڑے۔

حل لغات الاستغشاء (کپڑے اوڑھنا) تاج المصادر ماخوذ از غشاء بمعنیٰ الغطاء دراصل کپڑا اوپر اوڑھنے کو کہا جاتا ہے چونکہ اسمیں ستر (ڈھانپنا) کا معنیٰ پایا جاتا ہے اس لئے اس معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے استغشاء کا اصل معنیٰ طلب الغشی یعنی ستر کی طلب لیکن یہاں طلب کا معنیٰ مطلوب نہیں بلکہ صرف تغطی و ستر (ڈھانپنا) مطلوب ہے۔

سوال : سین تو طلب کے لئے ہوتا ہے تو پھر اس کی طلب کو چھوڑنا کیوں ؟

جواب یہ مبالغہ کے لئے بھی آتا ہے تو یہاں مبالغہ مراد ہے۔ الثیاب ثوب کی جمع ہے اسے ثوب الغزل سے لیا گیا ہے بمعنیٰ رجوع یعنی اس کا اس حالت کی طرف رجوع کرنا جو اس کے لئے مقدر تھی اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے کپڑوں میں خود کو خوب چھپایا۔ یعنی اپنے بدن کے تمام اعضاء یہاں تک کہ آنکھیں بھی تاکہ نوح علیہ السلام کو نہ دیکھ سکیں اس لئے کہ انہیں آپ کا دیکھنا بھی گوارا نہ تھا کیونکہ باطل حق دیکھنے سے کراہت کرتا ہے اس لئے کہ ان دونوں

---

[1] اسی قبیل سے ہے حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرۃ کی ماں کا اسلام اور دیگر امور مقرون بالارادۃ کہ جس سے مامور بہ وقوع پذیر ہوا لیکن مخالفین ایسی دقیق باتوں کو کیا سمجھیں۔ ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ۔

[2] اس سے وہابیہ کا اعتراض رفع ہوا کہ نبی نوح علیہ السلام کو اختیار تھا تو کفار کیوں ایمان نہ لائے یا حضور علیہ السلام کی دعوت بلکہ محنت برائے ابو طالب وغیرہ مؤمن نہ ہوئے تو ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام صرف دعوت پر مامور ہوئے ہیں

کو آپس میں تضاد ہے۔ ایسے ہی قیاس کرو متکبر اور کافر اور مبتدع (بدمذہب) کو متواضع و مؤمن وسُنّی کو۔[1] یا اس لئے خود کو کپڑوں سے چھپا لیتے کہ کہیں انہیں نوح علیہ السلام پہچان نہ لیں تو پھر وہ اپنی توحید کے لئے بلائیں گے۔

فائدہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ یہ دوسرا معنیٰ کچھ نہیں اس لئے کہ نوح علیہ السلام کی دعوت تو ہمہ گیر تھی مرد ہو یا عورت تو پھر پہچان لینے کا کیا معنیٰ کیونکہ آپ کی دعوت کے لئے پہچان شرط نہیں تھی اس سے اشتباہ کا فرد مومن مدفوع ہے اس لئے کہ مؤمن نہایت اقلیت میں تھے وہ ہر حالت میں پہچان لئے جاتے تھے ہاں منہ ڈھانپ لینے سے یہ ثابت ہوجاتا کہ یہ اہل فرار سے ہے کیونکہ اس دور میں پردہ کا حکم نہ تھا اور نہ ہی رواج تھا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ منہ ڈھانپنے سے مراد ہے انکا نوح علیہ السلام کی دعوت کی طرف میلان نہ کرنا اور بالکل قبول نہ کرنا، کیونکہ جس میں یہ ہو وہ دوسرے کا کلام سننا گوارا تک نہیں کرتا۔

وَاَصَرُّوْا اور ڈٹ گئے۔ اڑے رہے اور ڈھیٹ پڑ گئے کفر پر اور کفر و معاصی پر قائم رہے۔ قوت القلوب میں ہے کہ الاصرار کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گویا قلب پر عقد ہے کہ جب بھی گناہ پر قدرت پائے اسے کر ڈالے یا یہ کہ اس سے ندامت و توبہ کی امید منقطع ہو اور بڑا اصرار گناہوں کی طلب میں سعی کرنا ہے۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے کہ الاصرار بمعنی کسی شے پر قائم ہونا اور اس کی طرف کان لگانا کہا جاتا ہے۔ اصر الحمار علی العانۃ حمار ریوڑ پر قائم ہوا۔ العانۃ حمر وحش کا ریوڑ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب ان پر دو کان سر سے ملا کر کھڑا ہو اور ان کی طرف متوجہ ہو کبھی انہیں ادھر سے ہٹائے تو کبھی ادھر سے پھر کفر و معاصی پر متوجہ ہونے پر استعارہ کیا گیا ہے اسے اکباب سے تعبیر کرنا بھی اسی لئے ہے کہ اسے اسی گدھے سے تشبیہ دیگئی ہے جو مذکورہ بالا طریقے سے ریوڑ پر کھڑے ہو کر ان کو ادھر ادھر سے ہٹاتا ہے اور ان کی خوب نگرانی کرتا ہے ان کو اس گدھے سے تشبیہ دے کر ان کی اتنی مذمت کافی ہے کہ وہ بحالت مذکورہ ریوڑ کے ہٹانے اور انہیں دانت سے کاٹنے کی وجہ سے بہت برا لگتا ہے۔

وَاسْتَکْبَرُوْا اور غرور کیا۔ میری اتباع و طاعت سے تکبر کیا اور انہیں عار نے مارا۔ اِسْتِکْبَارًا ۚ بڑا غرور شدید۔ کیونکہ انہوں نے کہا کیا ہم تیری اتباع کریں جبکہ تیرے تابعدار ذلیل ترین لوگ ہیں۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ جو گناہوں پر اصرار کرے اس کی ضلالت میں دلیری بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ بُرے اعمال و افعال کو اچھا سمجھتا ہے اور اچھے اعمال کو بُرے پھر تکبر و غرور کرنے لگ جاتا ہے اور خود کو اولیاء اللہ سے بلند قدر خیال کر کے ان کی کوئی بات نہیں مانتا۔

---

[1] معلوم ہوا کہ سُنّی حقیقی وہی ہے جسے بدمذاہب سے فطرتی طور نفرت ہو ورنہ وہ صرف نام کا سُنّی ہے۔

فائدہ حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اسمیں نفاق پیدا ہوجاتا ہے جسمیں نفاق پیدا ہو وہ کفر کا خوگر ہوجاتا ہے۔

(۸) ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ (پھر میں نے انہیں دعوت دی) جِهَارًا ؕ دعوت اعلانیہ۔ یعنی میں نے انہیں کھلم کھلا دعوت دی ان کی محفلوں میں۔ الجہر بمعنی حاسّہ سمع کے لئے شے کا بہت زیادہ ظاہر ہونا۔

(۹) ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ؕ پھر میں نے انہیں اعلان بھی کیا اور آہستہ و خفیہ بھی کہا۔ اس میں ان کے عموم حالات کا ذکر ہے اس سے پہلے ان کے عموم اوقات کا ذکر تھا یعنی میں نے کبھی یوں دعوت دی اور کبھی یوں۔ پھر کبھی ایسی حالت میں اور کبھی دوسری حالت میں غرضیکہ پوری جدوجہد کی ہے وجوہ مختلفہ برتے اور مختلف طریقے استعمال کئے اس معنیٰ پر ثم تفاوۃ الوجوہ کی وجہ سے ہے کیونکہ اعلانیہ خفیہ تبلیغ سے زیادہ سخت ہے اور مجمع میں تنہائی بہ نسبت زیادہ بوجھ ہے۔ اعلان اسرار کی نقیض ہے۔ کہا جاتا ہے اسررت الی فلان حدیثاً میں نے فلاں کو خفیہ بات کہی یعنی ایسی پوشیدہ بات کہی کہ کسی کو آگاہی نہ ہوئی اور جھرت بہٖ میں نے اسے ایسا اعلانیہ کہا کہ اس سے غیر بھی آگاہ ہوا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ثم تراخی کے لئے ہو بعض وجوہ کا دوسرے بعض سے زمانہ میں تاخیر سے واقع ہونے میں مثلاً نوح علیہ السلام نے پہلے انہیں خفیہ طور نصیحت کا آغاز فرمایا ہو انہوں نے آپ سے مذکورہ بالا چار امور کا مظاہرہ کیا ہو۔

(۱) جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ الخ (۲) وَاسْتَغْشَوْا الخ

(۳) وَاَصَرُّوْا الخ (۴) اسْتَكْبَرُوا الخ

اس کے بعد آپ نے اعلانیہ اور خفیہ ہر دونوں طریق سے وعظ فرمایا ہو کہ انہیں مجمعوں میں وعظ سنا کر پھر فرداً فرداً خفیہ نصیحت فرمائی ہو۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے بعض کو اعلانیہ وعظ کیا اور بعض کو خفیہ تنہائی میں نصیحت کی۔

ایذاؤں کا نمونہ بعض تفاسیر میں ہے کہ نوح علیہ السلام کو ایسی اذیتیں پہنچائی گئیں جنہیں بیان نہیں کیا جاسکتا دن کو آپ کو کفار کئی بار مارتے یہانتک کہ سخت بیمار پڑجاتے لیکن آپ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان سے آپ کو پوشیدہ رکھے کہ وہ آپ کا وعظ سن سکیں لیکن دیکھ نہ سکیں کیونکہ وہ جونہی آپ کو دیکھتے تو ایذاؤں پر اتر آتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی آپ نے اسی طریق سے عرصہ دراز تک انہیں پیغام ربانی پہنچایا تب بھی وہ ایمان نہ لائے بالآخر آپ نے دوبارہ دعا مانگی کہ جیسے آپ پہلے ان کے ساتھ کھلم کھلا رہتے ایسے ہی چنانچہ اسی طرح ہوا۔ یہی معنی ہے اعلنت لہم واسررت لہم کا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۥ یعنی مقام توحید سے اتر کر میں نے انہیں مقام العقل و عالم النور کی طرف دعوت دی پھر میں نے اعلانیہ تقریر کی معقولات ظاہرہ سے اور مخفی باتیں سنائیں مقام قلب میں اسرار باطنہ سے تاکہ وہاں معقول کے ذریعہ وہاں پہنچ سکیں۔

تفسیر عالمانہ ⑩ فَقُلْتُ - میں نے انہیں دعوت دینے کے بعد کہا اس کا عطف دعوتُ پر ہے اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ اپنے لئے توبہ کر کے کفر و معاصی سے تاکہ کہیں موت سے استغفار فوت نہ ہو جائے۔ اِنَّهٗ بے شک اللہ تعالیٰ كَانَ غَفَّارًا ۥ ہے بخشنے والا تائبین کو کہ گویا ان کے گناہ تھے ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ كَانَ غَفَّارًا کا معنی ہے کہ وہ ازل میں مغفرت کا مرید (ارادہ کرنے والا تھا) کہ فلاں وقت مقرر پر فلاں کے لئے مغفرت ہو گی اور فلاں وقت فلاں کے لئے یعنی مغفور لہ کی مغفرت کے وقت۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ غفار کا معنیٰ بندے پر فضل و احسان کرنے والا اور بندے کا کام ہے عبودیت میں ان امور پر ندامت جو غفلت از خدا گذشتہ ایام میں ضایع ہوا۔

حدیث شریف میں ہے جسے استغفار کی توفیق دی گئی ہے اس سے مغفرت بھی روکی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرماتے تھے کہ استغفار کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف استغفار کا الہام ہوتا ہی نہیں جس کے لئے عذاب کا ارادہ فرماتا ہے۔

محبوب بندے بعض علماء کرام سے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے نزدیک محبوب تر وہ بندے ہیں جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کے قلوب مساجد سے متعلق رہتے ہیں اور صبح اٹھ کر استغفار کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ جب میں زمین پر عذاب کا ارادہ کرتا ہوں تو ان کا ذکر سامنے آ جاتا ہے ان کی وجہ سے عذاب کا ارادہ ترک کر دیتا ہوں۔

فائدہ غفار میں غفور کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے اور غفور غافر سے۔

حل لغات الغفر بمعنیٰ الستر والتغطیہ (ڈھانپنا) اسی سے ہے مغفر (سر کی حفاظت کے لئے لوہے سے سر ڈھانپنے کا آلہ) اس لئے کہ وہ ستر کو ڈھانپتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفر للذنوب کا مطلب ہے گناہوں کو ڈھانپنا اور اپنے فضل و کرم سے انہیں معاف کرنا یہ صرف بندے کی توبہ سے نہیں بخشے جاتے نہ ہی اس کی طاعت سے بلکہ استغفار و توبہ و طاعت تو اظہار عبودیت کے لئے ہے اور اپنی محتاجی بروئے کار لانا ہے۔

فائدہ بعض اخبار میں ہے کہ اگر بندہ زمین کے برابر گناہ لائے تب بھی میں اسے بخشش دوں گا بشرطیکہ شرک نہ کرے۔

حکایت ایک بابا ایک نوجوان کے ساتھ حج کو گیا جب احرام باندھا کہا لبیک آواز آئی لالبیک یعنی تیری حاضری نامقبول۔ اس کے باوجود بھی بار بار لبیک کہتا۔ نوجوان نے کہا" بابا لالبیک نہیں سُن رہے فرمایا سن رہا ہوں نہ صرف آج بلکہ میں تو ستر (۷۰) سال سے سن رہا ہوں۔ نوجوان نے پوچھا پھر کیوں خواہ مخواہ کئی سالوں سے دکھ اُٹھا رہے ہو بابا رو پڑا اور فرمایا اور کونسا دروازہ ہے جہاں جا کر فریاد کروں (بخشے نہ بخشے ہم تو در پر پڑے ہیں) آواز آئی ہم نے تجھے قبول کر لیا۔ ؎

ہمہ طاعت آرند و مسکین نیاز
بیا تا بدرگاہ مسکین نواز
چو شاخ برہ آریم دست کہ
بے برگ ازیں بیش نتواں نشست

ترجمہ: تمام لوگ طاعت کرتے ہیں لیکن میں مسکین عجز و نیاز کرتا ہوں اے مسکین خدا کی درگاہ میں آجا ہم بھی ننگی شاخ کی طرح خالی ہاتھ پیش کرتے ہیں کہ جب تک شاخ کے پتے نہ جھڑیں وہ شاخ پھل دار نہیں ہوتی۔

تفسیر عالمانہ یُرْسِلِ السَّمَآءَ برساتا ہے بارش۔ السماء سے بارش کنایہ جیسے شاعر نے لکھا ہے کہ ؎ اذا نزل السماء بارض قوم۔ جب کسی قوم کی زمین میں بارش برستی ہے بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل ماء السماء تھا۔ عَلَيْكُمْ (تم پر) مِّدْرَارًا۔ درآنحالیکہ بہت سے برسنے والا ہو۔ از الدر ور بمعنی سیلان و انصباب بہت زیادہ بہنا یعنی ہم تم پر پے در پے اور بے ہنگام بارش برساتے ہیں۔ ارسال میں مبالغہ ہے بہ نسبت انزال کے۔ اسی طرح مدرار بھی مبالغہ کا صیغہ ہے مفعال میں مذکر و مؤنث برابر ہیں کہا جاتا ہے رجل او امرأۃ مفطار مرد یا عورت زیادہ روزہ نہ رکھنے والا رکھنے والی یرسل شرط محذوف کا جواب ہے دراصل یوں ہے ان لیستغفروا یرسل السماء اگر استغفار کرو گے تو بارش برسائے گا۔

فائدہ نحویوں کا کہنا ہے کہ یہ ایسی مثالوں میں مضارع امر کا جواب ہے دراصل استغفروا الخ تھا ان کی عبارت میں تسامح ہے کیونکہ جب امر واضح ہے تو پھر تاویل کی کیا ضرورت ہے یرسل کی لام مکسورہ ہے جب السماء سے ملا کر پڑھا جائے کیونکہ لام ساکن کو متحرک اسی طرح کرنا ہوگا گویا قوم نوح (علیہ السلام) نے اپنی حقانیت پر علت بنائی اور اسی پر ڈٹ گئی اور کہا کہ جب ہم حق پر ہیں تو اسے کیسے چھوڑیں اگر ہم باطل پر ہیں تو پھر اب ہمارے

خدا عرصہ دراز تک کے ہمارے گناہ کا کیا کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں حکم فرمایا کہ توبہ واستغفار کرلو تمہارے تمام گناہ دھل جائیں گے بلکہ وہ استغفار تمہیں منافع و فوائد سے مالا مال کردے گی اسی لئے انہیں جلد ی کے فوائد کا وعدہ فرمایا کیونکہ وہی ان کے دلوں پر زیادہ اثر ہوگا یعنی مغفرت اور انہیں یہی محبوب تر بھی ہوگا وہ اس لئے کہ نفس نقد مدعا کے قانون کا زیادہ حریص ہے اسی لئے جواب امر میں فرمایا یرسل السماء الخ نہ مغفرت کہ یرسل کے بجائے فرمایا یغفر لکم الخ تاکہ نقد دعا میں رغبت کریں اور اس کا مشاہدہ کرکے پھر اس کے بعد اور اس کی برکت سے مغفرت کا قیاس کریں۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ طاعت برکات وخیرات یعنی دنیوی خیر و بھلائی کا سبب ہے اور معصیت خراب عالم کا موجب ہے اسی لئے کہ معصیت قہر الٰہی کے ظہور کے اسباب سے ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بار بار کی دعوت کو ٹھکرانے پر ان پر چالیس سال نہ بارش ہوئی نہ عورتوں نے بچے جنے بعض ستر سال کہتے ہیں پھر ان سے نوح علیہ السلام نے ایمان کا وعدہ لیا اور فرمایا ایمان لاؤ گے تو قحط دور ہوگی خوشحال ہوجاؤ گے بلکہ تمہاری تمام پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔

فائدہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ یہی قول حکمت الٰہی کے موافق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ بندوں کو خیر و شر میں مبتلا کرکے اپنے قریب کرتا ہے۔ قریش کا حال کس سے مخفی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا سے یوسف علیہ السلام کے قحط کی طرح سات سال قحط میں مبتلا رکھا تاکہ وہ شرک سے باز آجائیں لیکن وہ ظالم ایسے ضدی ثابت ہوئے کہ اتنی بہت بڑی تکلیف و تنبیہ کے باوجود اپنی غلطیوں سے باز نہ آئے۔

⑫ وَّيُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ یعنی تمہارے تک پہنچائے گا۔ اور تمہیں عطا فرمائے گا۔ مدد و قوت مال و بنین سے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ویزدکم قوۃ الی قوتکم تمہاری قوت میں اضافہ فرمائے گا۔ وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اور تمہارے بنادے گا یعنی پیدا فرمائے گا جَنّٰتٍ باغات درختوں اور پھلوں والے وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اور بنادے گا تمہارے لئے ان میں اَنۡهٰرًا نہریں۔ جاری جو انہیں انگوریوں سے مزین اور خشکی سے حفاظت اور قلوب کو خوش اور نفوس کو تر و تازہ کریں گی۔

نکتہ جنات اور انہار کی تقدیم میں لطا ہر یہی ہے کہ معلوم ہو کہ یہ بھی مستقل نعمتِ الٰہیہ ہیں۔

تنگدستی کے دفعیہ کا نسخہ حضرت حسن (بصری) رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کسی نے قحط کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا استغفار بکثرت کیا کرو۔ ایک اور نے روزی کی تنگی کی شکایت کی تو

ایک اور نے اولاد کی کمی کی شکایت کی۔ مزید کسی دوسرے نے کھیتی کی خشکی کی شکایت کی آپ نے سب کو فرمایا کہ استغفار بکثرت کرو۔ ربیع بن صبیح نے کہا لوگوں کی شکایات مختلف ہیں آپ نے سب کو ایک ہی وظیفہ استغفار بتایا آپ نے اس کا جواب اسی آیت سے دیا۔

نکتہ فتح الرحمٰن میں ہے استسقاً میں بھی استغفار کا حکم اسی لئے ہے کیونکہ استسقاً بمعنی ایک خاص وجہ سے پانی مانگنا اور قاعدہ ہے کہ جب زمین خشک ہو جائے اور بارش بند ہو تو بالاتفاق استسقاً سنت ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہ اور آپکے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نماز استسقاً کے لئے اہل ذمہ کو ساتھ نہ لے جایا جائے۔ باقی تین آئمہ رحمہم اللہ نے ان کا ساتھ لے جانا منع نہیں کیا ہاں انہیں مسلمانوں کے اختلاف سے بھی روکا ہے لیکن یہ بھی فرمایا کہ وہ علیحدہ استسقا بھی نہ کریں اس کی مختصر سی تشریح سورۃ البقرہ میں گذری ہے۔

④ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا تمہیں کیا ہوا کہ اللہ سے عزت کی امید کی امید نہیں کرتے۔ انکار ہے اس سے کہ اس کے لئے کوئی سبب ہو۔ اللہ تعالیٰ سے وقار کی رجاً کی نفی کا یہاں رجاً بمعنی اعتقاد ہے یعنی گمان کیونکہ رجاً اعتقاد سے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ ظن ہے۔

حل لغات الوقار دراصل سکون وحلم کو کہا جاتا ہے اور یہاں بمعنیٰ عظمت ہے کیونکہ وہی اکثر اس کا سبب بنتا ہے اور لاترجون مخاطبین کی ضمیر سے حال ہے اور اسمیں عامل استقرا کا معنیٰ ہے جو لکم میں ہے لله مضمر کے متعلق ہو کر وقار کا حال اگر وہ اس سے مؤخر ہوتا تو اس کی صفت بنتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کونسا سبب تمہیں حائل ہے کہ تمہارا حال یہ ہے کہ اعتقاد نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ سے عظمت کا موجب ہے اس کی تعظیم بالایمان والطاعۃ کا یعنی اسمیں تمہارے لئے کوئی سبب نہیں باوجودیکہ جملہ حالیہ کا مضمون متحقق ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم اللہ کی عظمت کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی تمہارا اس سے کوئی اچھا اعتقاد ہے کہ جس سے تم اس کی نافرمانی سے ڈرو۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں رجاً بمعنی خوف اور وقار بمعنیٰ عظمت ہے یعنی تم اللہ کی عظمت کا خوف نہیں کرتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور نہ اس کی توقیر و تعظیم کے پیش نظر اس سے ثواب کی امید رکھتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم طلب نہیں کرتے اور نہ ہی تم اسے استعمال کر کے اس کے ماتحت کے تمام اسماء کو حاصل کرتے ہو تاکہ تم جمیع اسماء سے جو اسمیں ہیں سے متحقق ہو کر اس کے مظہر اور جلوہ گاہ بن جاؤ۔

تفسیر عالمانہ ⑤ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔ حالانکہ تمہیں اس نے طرح طرح بنایا۔

حل لغات کہا جاتا ہے فعل کذا اطوراً یعنی طور تارۃ تارۃ اس نے طرح طرح کا کام بنایا کیا کبھی ایسا کبھی ویسا اور عدا طورہ ان یتجاوز حدہ وقدرہ وہ اپنی حد اور قدر سے متجاوز کیا ہوا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اب ایسی حالت میں ہو جو سراسر منافی ہے اس کے کہ جس حال پہ تم ہو وہ یہ کہ تمہیں معلوم ہے اس نے تمہیں پیدا کیا ایک طرح سے دوسری طرح یعنی ایک حال سے دوسرے حال پر عناصر سے پھر غذاؤں سے پھر خلطوں سے پھر نطفوں سے پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے پھر ہڈیوں سے پھر گوشتوں سے پھر اور صورت میں اٹھان دی ایسی توقیریں اور ایسے شانوں میں قوت قاہرہ اور احسان تام ہیں علم کے باوجود تقصیر کوتاہی کی عقلمند سے صادر نہیں ہوتی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اطواراً میں ان سات اتوار کی طرف اشارہ ہے جو آیت ذیل میں ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۠ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا۔ پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانے والا۔

(پ۱۸ سورۃ المؤمنون ع ۱)

فائدہ یہی تارات واحوال سبع (سات) بعض کے بعض پر مرتب اور ہر ما بعد اپنے ماقبل سے اشرف اور انسان کا حال ان تمام متقدم سے احسن ہے۔ ؎

چوں صورت تو بت نہ نگارند بکشمیر
چوں قامت تو سرو نہ کارند بکشور
گر نقش تو پیش بت آزر بنگارند
از از شرم فرو ریزد نقش بت آزر

ترجمہ: تیری صورت جیسا نہ تو کشمیر کا بت ہے اور نہ ہی تیرے قد جیسا کسی ولایت میں کوئی سرو ہے۔
اگر تیرا نقش آذر کے بت کے آگے رکھیں تو آذر کا بت مارے شرم کے سر جھکا دے گا۔

فائدہ بعض نے اس اطوار سے مراد لیے ہے کہ تم پہلے بچے تھے پھر جوان ہوئے پھر بوڑھے بعض نے کہا اس سے مراد لیے

ہے کہ تم میں بعض طویل القامت ہیں بعض پستہ قد بعض قوی ہیں بعض ضعیف (کمزور) تخلیق وعادات میں بھی مختلف جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا واختلاف السنتکم والوانکم تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا۔

فائدہ بعض نے کہا اس اطوار سے مراد یہ ہے کہ تمہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد کے لئے نکالا پھر تمہیں پیدا کیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے حج کے لئے اعلان کیا پھر تمہیں پیدا کیا جب حضور سرور عالم معراج پر تشریف لائے اور تمہیں ان کی زیارت سے مشرف فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ تمہیں مختلف اطوار پہ پیدا فرمایا کہ تم میں بعض اہل معرفت ہیں بعض اہل محبت ہیں بعض اہل حکمت ہیں بعض اہل توحید ہیں بعض اہل شوق ہیں بعض اہل عشق ہیں اہل فنا ہیں بعض اہل بقا ہیں بعض اہل خدمت ہیں بعض اہل مشاہدہ ہیں۔ ایسے ہی ارواح قدس کے طور کو نور جبروت سے اور طور عقول ہادیہ عارفہ کو نور ملکوت سے اور طور قلوب شائقہ کو معاون قربتہ اور طور اجسام الصدیقین کو تراب الجنۃ سے پھر ہر طور غیب سے اپنے معدن کی طرف لوٹے گا۔

تفسیر عالمانہ (۱۵) اَلَمْ تَرَوْا اے میری قوم کیا تم نہیں دیکھتے۔ استفہام تقریری ہے رؤیت بمعنی علم ہے شاید یہ انہوں نے اپنے بڑوں سے سن رکھا تھا یا رؤیت بمعنی ابصار ہے۔ اس عجائب کا مشاہد مراد ہے جو اس پر دال ہے کہ وہ کمال علم وقدرت والا ہے کَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے سات آسمان در آنحالیکہ طِبَاقًا ایک پر ایک ہیں۔ یعنی ایک دوسرے پر متصابق ہیں۔ جیسے سورۃ ملک میں گذرا۔ دلیل لائی کہ وہ انہیں لوٹائے گا کیونکہ وہ بڑی قدرتوں کا مالک ہے جیسا کہ انفس کے دلائل دال ہیں کیونکہ انسان کا نفس جملہ اشیاء سے اسے قریب تر ہے (ربط) اب دلائل آفاق بیان فرمایا ہے بعد اس کے کہ دلائل انفس بیان فرمائے چنانچہ فرمایا (۱۶) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا اور ان میں چاند کو روشن کیا۔ کہ وہ زمین کو اندھیری رات میں روشن کرتا ہے۔

سوال چاند آسمان دنیا میں ہے اور اس کی روشنی کی نسبت ساتوں آسمانوں کی طرف کیوں؟

جواب ہر آسمان آنا شفاف ہے کہ اسے کوئی درمیانی شے حاجب نہیں ہوتی تمام کو ایسا دیکھا جاتا ہے گویا وہ ایک کو دیکھ رہا ہے علاوہ ازیں ان کے کسی ایک میں شے ہے وہ گویا سب میں ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس وابن عمرو وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے کہ سورج و چاند اور ستاروں کے چہرے آسمانوں کی طرف اور پشتیں زمین کی طرف ہیں لفظ سراج کا بھی یہی تقاضا ہے اس لئے کہ اس کے نور کا ارتفاع اوپر کو ہوتا ہے اگر وہ ایسے نہ ہوں تو ان کی شدت حرارت سے زمین کی جملہ اشیاء جل کر راکھ ہو جائیں۔

اس لئے کہ ان کے نور کو زمین اور آسمانوں کے لئے نور اور سراج بنایا اس تقریر پر آنے والی آیت کا مضمون یوں ہوا کہ وَجَعَلَ الشَّمْسَ فِيهِنَّ سِرَاجًا یعنی اس میں فیہن محذوف ہے پہلے کے ذکر پر اعتماد کر کے وَجَعَلَ الشَّمْسَ اور بنایا سورج کو اور چوتھے آسمان میں ہے بعض نے کہا کہ پانچویں میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ گرمیوں میں چوتھے میں اور سردیوں میں ساتویں میں ہوتا ہے اگر وہ ہمیشہ چوتھے پہ یا پہلے آسمان پہ چمکے تو کوئی شے اس کی تاب نہ لا سکے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

آفتابے کز وے ایں عالم فروخت
اندکے گر پیش آید جملہ سوخت

ترجمہ: سورج کہ جس نے جملہ عالم دنیا روشن کر رکھا ہے اگر وہ تھوڑا سا آگے آجائے تو جملہ عالم جل جائے گا۔

سِرَاجًا "چراغ" یہ تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے یعنی سورج سراج کی طرح ہے جو فجر کے وقت سے رات کی تاریکی دور کرتا ہے اہل دنیا زمین پر اس کی روشنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جملہ آفاق کا نظارا کرتے ہیں جیسے گھر والے چراغ کی روشنی میں گھروں کی اشیاء کو دیکھتے ہیں لیکن چاند میں یہ نہیں کیونکہ وہ فی الجملہ نور ہے۔

نکتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لئے چراغ کہا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے فرمایا ہے وَسِرَاجًا مُنِيرًا کہ آپ کے نور نے کفر و نفاق کی تاریکی ایسی دور فرمائی کہ زمین سے اس کا نام تک مٹ گیا۔ ؎

چراغ دل چشم و چراغ جان
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ شمع ملت سنت او از پرتو احکام او رخشاں

دریں ظلمت سرا گر نہ چراغ افروختے شرعش
کجا کس را خلاصی بودے از تاریکی طغیاں

ترجمہ: ہمارے دل و جان کے چشم و چراغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ ملت شمع۔ آپ کے احکام کے پرتو سے روشن ہے۔ اسی ظلمت سرا (دنیا) میں اگر آپ کی شرع پاک چراغ روشن نہ کرتی تو طغیان (گمراہی) کی تاریکی سے کسی کو نجات نصیب نہ ہوتی۔

فائدہ عوام کے نزدیک چراغ گویا سورج سے نور لیتا ہے کیونکہ وجہ تشبیہ کی مناسبت یہی ہے کہ وہ ظلمۃ اللیل کو دور کرتا ہے اور یہ بھی اس لئے کہ اسے رات کو استعمال کرتے ہیں۔

سوال پھر چراغ کو چاند سے تشبیہ مناسب ہے کیونکہ چاند کا نور بھی عرضی اور سورج سے مستفاد ہے اسی لئے چراغ کی تشبیہ اسی سے اولی ہے بہ نسبت تشبیہ بہ سورج کے علاوہ اس میں دوسری خرابی یہ ہے کہ نہایت ادنیٰ کی اعلیٰ سے تشبیہ کیسی۔

حضرت الشیخ صدر الدین القنوی قدس سرہٗ نے شرح اربعین میں فرمایا کہ الضیاً بمعنی نور کا ظلمت سے

جواب امتزاج اور ذات قمر میں کوئی ایسی شے نہیں جو سورج میں امتزاج پیدا کر سکے یہاں تک ان کے مابین ضیاً کا نتیجہ نکالا جا سکے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چاند کو نور کہا نہ کہ سورج کو جو چراغ کا مشبہ ہے کیونکہ وہ اس شجرہ مبارکہ کے مشابہ ہے جس میں جہات نہیں ہیں اور وہ حضرت جامعہ الاسما والصفات ہے۔

⑰ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ اور اللہ تعالیٰ نے اگائے ہیں تمہارے لئے زمین سے سبزے یعنی عجیب سبزے اور تمہیں ان سے عجیب و غریب طریقے سے پیدا فرمایا تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے واسطے یا سبب کو اس سے پیدا کیا اس لئے کہ تمہیں نطفوں سے پیدا کیا اور وہ نطفے انگوریوں سے اور انگوریاں زمین سے پیدا شدہ میں انبات انشأ سے استعارہ ہے کیونکہ وہ حدوث و تکون از ارض پر زیادہ دلالت کرتا ہے کیونکہ حسب انہیں تقلین ہو جائے کہ ان کا اصل تو سبزیاں ہیں تو مان جائیں گے کہ وہ محدث (نئی مخلوق) ہیں ایسے جیسے سبزیاں انبات کے بجائے نبات اس لئے کہ وہ مصدر مؤکد ہے انبتکم کا مجذف الزوائد اسے اسم مصدر کہا جاتا ہے جیسے آئیوالا مضمون بتاتا ہے۔ (یعنی وَ یُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا)۔

فائدہ بعض نے کہا کہ نباتا حال ہے مصدر نہیں اس میں تنبیہ ہے کہ انسان من وجہ نبات (سبزی) ہے اس لئے اس کی طرح اسے زمین سے پیدا کر کے اس کی زمین سے ہی نشوونما ہوئی اگرچہ نبات (سبزی) اس میں ہر چند زوائد ہیں اور سبزی زمین سے اُگتی ہے خواہ اس کی ساق (پنڈلی) ہو جیسے درخت یا نہ جیسے عام گھاس سبزیاں وغیرہ لیکن نبات عام عرف میں وہ جس کی ساق (پنڈلی) نہ ہو (جیسے گھاس وغیرہ) یعنی وہ جسے حیوان کھائیں یعنی چارہ وغیرہ۔

فائدہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ انبتکم الخ کا مطلب یہ ہے کہ اے انسانو تمہاری غذا زمین سے ایسی چیز بنائی جس سے تمہارے اجسام بڑھتے ہیں جیسے سبزیاں کہ پانی سے بڑھتی ہیں مٹی کے واسطہ سے تو اس کی غذا بھی یہی نشأۃ (زمین) ہے اور اس کا نشوونما بھی اسی سے جس سے وہ پیدا شدہ ہے۔

⑱ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا پھر تمہیں زمین میں لوٹائے گا کہ مرنے کے بعد تم اس میں مدفون ہو گے وَ یُخْرِجُكُمْ اور اس سے تمہیں نکالے گا۔ بعث وحشر کے وقت اِخْرَاجًا نکالنا یقیناً محققاً اس میں کوئی شک نہیں۔ اولیاء کو جزا اور اعدا کو سزا کے لئے۔ یہاں ثم کی بجائے واؤ لائی گئی کہ وہ ثم کے معنی کی بھی جامع ہے اور یُعِیْدُكُمْ کا معنی بھی اخراج میں ہے تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اخراج اور اعادۃ فی القبر ایک شے ہے ایسا نہیں کہ ایک محقق الوجود ہو اور دوسری نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بشریت کی زمین سے اخلاق و صفات کے سبزے اگائے پھر تمہیں اس زمین میں بقا بعد الفنا کے ساتھ لوٹائے گا ساتھ طریق رجوع الی الاحکام باللہ

کے نہ طمع اور میل طبعی سے اور نکالے گا یعنی ظاہر کرے گا نہیں تصرف فی العالم پر غلبہ دے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ کہ تمہاری قدرت و استطاعت سے۔

تفسیر عالمانہ (۱۹) واللہ اور اللہ تعالیٰ نے (اسم جلیل کا تکرار تعظیم و تمین و تبرک کے لئے ہے جَعَلَ لَكُمُ بنایا تمہارے لئے یعنی تمہارے منافع کے لئے۔ اَلْاَرْضَ زمین کو۔ اس کا تفصیلی بیان سورۃ ملک وغیرہ میں گذرا۔ بِسَاطًا بچھونا فراش اور بچھونے کی طرح فراخ بچھی ہوئی اس پر تم ایسے چلتے پھرتے ہو جیسے گھروں میں اپنے فروش اور بچھونوں پر۔

فائدہ ابو حیان نے فرمایا آیت کا ظاہر بتاتا ہے کہ زمین گیند کی شکل میں نہیں بلکہ بچھونے کی طرح ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے بچھونا اس پر آسانی سے چلنے پھرنے کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ وہ اصل میں گیند کی طرح اس کی بار بار تحقیق گذری ہے اس پر کھیتی اور باغات وغیرہ کا وجود منافی نہیں کیونکہ اس کا دائرہ (گھیرا) عظیم ہے جیسے مرغی کے انڈے اور شتر مرغ کے انڈے میں فرق ہے کہ مرغی کا انڈہ چھوٹا ہے اس پر وہم ہو سکتا ہے کہ زمین پر کچھ نہ ہو سکے گا لیکن شتر مرغ کے انڈے سے یہ وہم دور ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کا گھیرا عظیم (بڑا) ہے۔

(۲۰) لِتَسْلُكُوْا تاکہ تم چلو۔ سلوک سے بمعنی دخول نہ کہ سلک سے بمعنی ادخال۔ مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا وسیع راستوں میں۔

حل لغات سبل سبیل کی جمع اور فجاجًا فج کی بمعنی فراخ راستہ تجرید کر کے یہاں معنی صرف فراخ لیا گیا سبلًا کی صفت ہے بعض نے کہا کہ اس سے وہ راستہ مراد ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان المفردات میں ہے کہ الفج وہ راستہ جسے دو پہاڑوں نے گھیرا ہوا ہو اب مطلق فراخ راستے کو کہا جاتا ہے۔

مِنْ ماقبل سے متعلق ہے اتخاذ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ تم چلو در آنحالیکہ لینے والے ہو زمین سے راستے پھر اس میں آنے جانے کے لئے تصرف کرو یا یہ (مِنْ) مضمر سے متعلق اور وہ سبلًا سے حال ہے یہ کائنۃ من الارض اگر یہ متاخر ہوتا اس کی صفت ہوگا اس کا چلنے کے لئے بچھونا بنانے اس کے منافی نہیں کہ اس سے اور کام لئے جائیں جیسے اس پر نیند و استراحت اور کھیتی۔ باغات وغیرہ

فائدہ سلوک دو قسم ہے۔
(۱) جسمانی یعنی حرکۃ اینیہ جو مقصد تک پہنچائے۔
(۲) روحانی یعنی حرکت کیفیت جو مقصود تک پہنچائے ان ہر دونوں کے بے شمار فوائد ہیں جیسے طلب علم۔ حج تجارت وغیرہ اور جیسے تحصیل محبت و معرفت و انس وغیرہ

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واللہ جعل لکم الخ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بدن کی زمین

بچھونا بنائی ہے تاکہ اس میں جو اس کے راستوں پر چلو اور فراخ راستوں پر نکل جاؤ اس کی جہتوں میں سماء الروح کے راستوں سے توحید کی طرف ہے جیسے حضرت (علی) امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے سے آسمان کے راستے پوچھو میں زمین کے راستوں کی بہ نسبت انہیں زیادہ جانتا ہوں اس سے آپ کی مراد وہ راستے ہیں جو کمال تک پہنچاتے ہیں یعنی مقامات و احوال جیسے زہد۔ عبادت۔ توکل اور رضا وغیرہ اسی لئے ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم مبارک کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

ترجمہ: نوح نے عرض کی اے میرے رب انہوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے کے پیچھے ہو لئے جسے اس کے مال اور اولاد نے نقصان ہی بڑھایا ﴿٢١﴾ اور بہت بڑا داؤں کھیلے ﴿٢٢﴾ اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ﴿٢٣﴾ اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بہکایا اور تو ظالموں کو زیادہ نہ کرنا مگر گمراہی ﴿٢٤﴾ اپنی کیسی خطاؤں پر ڈبوئے گئے۔ پھر آگ میں داخل کئے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پایا ﴿٢٥﴾ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ ﴿٢٦﴾ بے شک اگر تو انہیں رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور اگر ان کے اولاد ہو گی تو وہ بھی نہ ہو گی مگر بدکار بڑی ناشکر ﴿٢٧﴾ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو

اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا مگر تباہی۔

تفسیر عالمانہ (۲۱) قَالَ نُوحٌ نوح علیہ السلام نے عرض کی۔ طول عہد کی وجہ سے لفظ حکایت عہد کا اعادہ کیا گیا۔ حکایہ مناجات رب کے ساتھ یہ پہلے قائل کا قول ہے اسی لئے حرف عطف نہیں لایا گیا یعنی درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی، رَبِّ اے میرے پروردگار اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ انہوں نے میری نافرمانی کی۔ میری نافرمانی اور مخالفت پر مداومت کی کہ جو کچھ میں نے کہا انہوں نے اس کے خلاف کیا باوجودیکہ میں نے ان کی وعظ و نصیحت سے رہبری میں بڑی جد وجہد کی وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا اور اس کی اتباع کی جس نے ان کے خسارہ میں اضافہ کیا۔ یعنی ان رؤسا کی اتباع پر مداومت کی جنہیں مال نے مغرور بنایا ہے اور اولاد نے فریب دیا ہے وہی مال اور اولاد ان کے آخرت کے خسارہ کے اضافہ کا سبب ہیں اب ان کا خسارہ کے سوا اور کوئی کام نہیں۔

نکتہ اس وصف سے انہیں موصوف کرنے میں انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی رؤسا کی اتباع محض ان کی مال اور اولاد کی وجاہت کی وجہ سے ہے کہ جب انہیں امور دیکھے تو یقین کر لیا کہ یہی اتباع کے لائق ہیں جیسے کفار قریش نے کہا لولا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ہ یہ قرآن اس مرد عظیم پر کیوں نہ نازل ہوا جو ان دو بستیوں کے درمیان رہتا ہے۔ انہوں نے بھی اتباع کا موجب مال و اولاد کو سمجھا۔

فائدہ آیت سے ثابت ہوا کہ اکثر مال و اولاد کی زیادتی پہلے ہلاکت روحانی اور دین کی گمراہی کا موجب بنتی ہے پھر یقین سے گمراہ کرنے کا سبب ہوتی ہے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت کے نظم سے سمجھا گیا کہ مال و اولاد عین خسارہ ہیں اور ان کی زیادتی ان کے خسارہ کے اضافہ کا سبب بنی۔

ازالہ وہم اگرچہ اس کی حقیقت یونہی ہے لیکن کبھی مال و اولاد سعادت ابدیہ کا بھی سبب ہیں جب ان پر شکر کیا جائے اور انہیں وجوہ خیر و بھلائی پر خرچ کیا جائے اور فریب و دھوکہ کا سبب اس وقت ہیں جب منعم کی نعمت کی ناشکری کی جائے۔ پھر یہی دائمی عذاب کا وسیلہ ہیں جو ان سے خیر و بھلائی سے ہٹ کر فائدہ اٹھاتا ہے وہ سعادت آخرت سے محروم ہو جاتا ہے اس کی مثال اس کی ہے جو وہ حلوہ کھائے جس میں زہر ملا ہوا ہے تو اسے ہلاکت کے سوا چارہ نہیں کیونکہ ہر لقمہ اس کے بارے میں ہلاکت ہی ہلاکت بنتی ہے پھر ایسے شخص کا کیا اعتبار جیسے ایسی

ہلاکت نصیب ہوئی۔ ؎

توغافل دراندیشہ سود و مال

کہ سرمایۂ عمر شد پائمال

ترجمہ: تو نفع و مال کے فکر میں غافل ہے اس طرح سے تیری عمر کا سرمایہ ضائع ہوگیا۔

(۲۲) وَمَكَرُوْا اور انہوں نے مکر کیا اس کا عطف صلہ پر ہے کیونکہ بڑا مکر بڑوں کے لائق ہوتا ہے۔ جمع کا صیغہ باعتبار معنی کے ہے المکر بمعنی خفیہ حیلہ۔ کشف الاسرار میں ہے المکر لغت میں انتہائی حیلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو بمعنی اخفاء و تدبیر۔ مَكْرًا كُبَّارًا بڑا مکر۔ بڑا انتہائی مکر بالتخفیف بھی پڑھا گیا ہے پہلا زیادہ بلیغ ہے اور بالتخفیف کبیر سے جیسے طُوّال و طُوال وطویل۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دین سے لوگوں کو دین حق سے باز رکھنے کے کئی حربے استعمال کرتے تھے۔

نکتہ چونکہ توحید اعظم المراتب ہے اسی لئے اس سے منع اور شرک بھی اعظم الکبائر ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے مکرا کبارًا سے موصوف فرمایا ہے۔

(۲۳) وَقَالُوْا اور کافروں کے رؤسأ نے اپنے تابعدار اور عوام کفار کو کہا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبودوں کو مت چھوڑو۔ ان کی پرستش مطلقًا نہ چھوڑنا اور نہ ہی نوح علیہ السلام کی بات ماننا۔ مکروا کا اتبعوا پر جس نے عطف ڈالا وہ کہتا ہے اس کا معنیٰ وقالوا یعنی ان کے بعض نے بعض کو کہا اس معنیٰ پر قائل کل نہ ہوئے (بلکہ بعض ہوئے)۔

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۔ اور نہ چھوڑو ودا وسواع یغوث یعوق اور نسر کو۔

نکتہ پچھلے دو رسموں سے عطف چھوڑ دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تاکید انتہا کو پہنچی تو معلوم ہوا کہ ان کا مقصد ہر ہر فرد ہے نہ ان کا مجموعہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو ان پانچوں کی پرستش کو نہ چھوڑنا اس تقریر پر عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے انہیں خصوصیت سے بھی اسی لئے ذکر کیا گیا اگرچہ عموم میں وہ پہلے مندرج تھے اس لئے یہ ان کے سب سے بڑے بت تھے اور سب سے بڑھ کر معظم و معبود تھے۔

عرب میں بت بعینہٖ یہی بت عرب کو منتقل کئے گئے چنانچہ ود کلب قبیلہ کے پاس جو دومۃ الجندل میں تھے بضم دال (ومہ) اسی لئے انہیں عرب میں وُد کے عبد وُدّ ود کا بندہ عبادتگذار) نام رکھے۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وُدّ بت کا نام ہے یا تو اس لئے کہ انہیں اس سے محبت و عقیدت تھی یا اس لئے کہ وہ سمجھتے کہ اس کی اور اللہ تعالیٰ کی آپس میں محبت ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے اور سواع ہمدان کا بت تھا۔ ہمدان بکسر المیم ایک قبیلہ ہے یمن میں اور یغوث مذحج کا بت تھا۔ مذحج ہمچوں مجلس بالذال المعجمہ اس کے آخر میں جیم اسی لئے عرب عبد یغوث نام رکھتے تھے۔ یعوق مراد کا تھا مراد ہمچوں غراب ایک

قبیلے کا باپ تھا اس کا یہ نام اسی نمرد کی وجہ سے تھا ۔ نسر حمیر کا بت تھا دبکسر الخا دسکون المیم بروزن درہم ایک جگہ ہے صنعاء الیمن میں ۔

فائدہ بعض نے کہا عرب میں یہ بت بعینہٖ منتقل نہیں بلکہ ان کے اسمآ منتقل ہو کے ان جیسے عربوں نے بت تیار کئے اور ان کی پرستش کرتے تھے کیونکہ اتنا عرصہ دراز تک ان کا بعینہٖ ان کا باقی رہنا نا ممکن ہے کیونکہ زمانہ طوفان میں تمام دنیا تباہ و برباد ہو چکی تھی اور انہیں نوح علیہ السلام نے کشتی میں بھی نہیں رکھا تھا کیونکہ آپ تو ان کی بیخ کنی کے لئے مبعوث ہوئے پھر کیسے انہیں ساتھ رکھتے ۔

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہٗ ان کے مٹ جانے کا قول محل نظر ہے اس لئے کہ طوفان نے انہیں ساحل جدہ میں دفن کر دیا تھا وہ وہاں مدفون تھے مشرکین عرب کے ملعونوں نے نکال لیا تھا ۔ اس کی نظیر آدم علیہ السلام کی لغات کا قصہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ نے مختلف لغات مٹی کے گارہ پر لکھ کر انہیں آگ سے پکا کر رکھ چھوڑا تھا جب تمام دنیا طوفان میں غرق ہوئی تو وہ لغات مدفون پڑی ہیں یہاں تک ہر ایک قوم نے اپنی بولی کو مدفونہ لغات سے حاصل کر کے لکھا ۔ اسماعیل علیہ السلام کو کتاب ملی ۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ نام (ودًا سواعا الخ) نیک لوگوں کے اسمآ تھے جو آدم و نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں گذرے بعض نے کہا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے ان کے وصال سے لوگ بہت بڑے مغموم محزون ہوئے ان کی قبور کے گرد جمع ہو گئے اور ہر وقت قبور گھیرے رہتے یہ ارض بابل میں تھے جب ابلیس نے ان کا حال دیکھا تو وہ آدمی کے بھیس میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہیں ان کے فوٹو اور مجسمے بنا دوں جنہیں دیکھ کر تم انہیں یاد کرو ۔ چنانچہ اس نے تانبے، پیتل، لکڑی اور لوہے کے مجسمے تیار کر کے انہی صلحآ کے نام پر رکھ دیئے جب وہ بڑا عرصہ گذر گیا اور ان کے ابناء اور ابناء الابناء مر گئے تو آنے والی نسلوں کو بتایا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو ان کو پوجتے تھے تم بھی انہی پوجو چنانچہ وہ ابلیس کے کہنے پر اسے پوجنے لگے ۔ مہلا بیل بن قینان کے زمانہ میں یہ رسم بد (بت پرستی) تھی ۔

عرب میں بت پرستی کا رواج ان لوگوں کے بعد یہ رسم (بت پرستی) عرب میں دور جاہلیت میں شروع ہو گئی اس کی وجہ وہ ہوئی جو گذرا کہ ابلیس نے وہی مجسمے (جو طوفان سے پہلے چھپا دیئے گئے تھے) ابلیس نے اہل عرب کو نکال دیئے یا عمرو بن لحی نے سب سے پہلے بت کعبہ معظمہ پر لگائے ایک جن کی تابعداری میں جس نے اسے کہا کہ جدہ (شہر) سے جا کر بت لے آ ۔ انہی کی نوح و ادریس علیہما السلام کے زمانہ پرستش ہوتی تھی ان بتوں کے نام یہ ہیں ود ۔ سواع الخ عمرو بن لحی وہاں سے یہ بت مکہ معظمہ میں لایا اور ان کی پرستش کی دعوت عام کی اس طرح سے عرب میں بت پرستی عام پھیل گئی (عمرو بن لحی) نے تین سو چالیس سال عمر پائی اور اس کی

اولاد (بیٹے۔ پوتے۔ پرپوتے وغیرہ) ایک ہزار اور نہایت بہادر تھے اسی لئے اس کی اور اس کی اولاد میں مکہ معظمہ پر پانچسو سال سلطنت رہی اس کے بعد سلطنت قریش کو منتقل ہوئی ان کی بھی بت پرستی کے رواج میں مکہ معظمہ پر پانچسو سال سلطنت رہی گویا بیت اللہ پورا ایک ہزار سال بت پرستی کا مرکز رہا۔

امام شعرانی قدس سرہٗ کی ایک تقریر امام شعرانی قدس سرہٗ نے فرمایا اس کی ایجاد (بتوں کا بنانا) دراصل قوت تنزیلیہ کو مضبوط کرنے کے لئے علماء متقدمین نے کی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے منزہ سمجھانے کے لئے کوشش کرتے عوام کو دیکھا کہ تعطیل (اللہ کو معطل سمجھنا) کی بیماری میں مبتلا ہو رہے ہیں بلکہ معطل کو رائج کر دیا تو علماء نے بت بنائے اور ان پر ریشمی لباس اور زیور اور گوہر (موتی) پہنا کر ان کی تعظیم وغیرہ سے سکھائی تاکہ عوام ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا مفہوم سمجھیں جو ان کے عقول سے غائب ہے بلکہ ان علماء سے بھی لیکن ان علماء کو ایسا کرنا جائز نہ تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی اجازت نہ تھی۔

فائدہ سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ اسماء ان لوگوں نے کہاں سے حاصل کئے یہ اسماء تو بہت قدیم الایام ہیں تھے نامعلوم ہند سے لئے یا کہاں سے۔ ہاں مذکور ہے کہ ان کی بت پرستش نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد شروع ہوئی۔ شاید ابلیس نے ہی وہ القا کیا جو جاہلیت اولیٰ یعنی نوح علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے ہوتا تھا۔

فائدہ تکملہ میں ہے کہ حضرت تقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اسماء جو سورۃ میں ہیں۔ کو ربین نفر آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے یغوث ان سب سے بڑا تھا۔ سریانی نام۔ اسماء رائج ہو گئے انہوں نے اپنے بتوں کے نام رکھدیئے اس خیال پر یہ سبعہ ہیں اور ان کے اندر جن بولتے تھے اس وجہ سے وہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے اس کے بعد یہ رسم بد (بت پرستی) عرب میں سب سے پہلے عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس بن مضر نے رائج کی اگرچہ یہ بیماری پہلے بھی عرب میں سرایت کر چکی تھی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ود (بت) مرد کی شکل اور سواع (بت) عورت کی شکل میں یغوث شیر کی شکل میں یعوق گھوڑے کی شکل میں نسر (گدھ) وہ بڑا پرندہ جو اشیاء کو نگل لیتا ہے میں تھے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے وہ معبود جن کی تم پرستش کرتے ہو جن پر تم اپنی خواہشات سے ان پر ٹوٹ پڑے ہو وہ تمہارا بدن ہے جس کی تم اپنی خواہشات سے پرستش اور اس سے محبت کرتے ہو اور سواع نفس ہے اور یغوث اہل و عیال ہے اور یعوق مال اور نسر حرص ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ اَضَلُّوْا اور بیشک رؤساء (سرداروں) نے گمراہ کیا یہ جملہ حالیہ ہے کَثِیْرًا بڑی مخلوق کو یا بتوں نے گمراہ کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا رب انھن اضللن کثیرا من الناس

ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

سوال اَضۡلَلۡنَ میں اگر بت مراد ہیں تو صیغہ جمع مذکر ذوی العقول کیوں ؟

جواب چونکہ مشرک انہیں معبود مانتے تھے اور انہیں عقلاً کے اوصاف سے موصوف کرتے تھے اگویا ان کے فہم پر انہیں ذوی العقول کہا گیا اور کہا جاتا ہے ۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ اور تو ظالمین کوسوائے گمراہی کے نہ بڑھانا۔ ان کا شرک کرنے سے کیونکہ شرک عظیم ظلم ہے اس لئے کہ ظلم اصل میں شے کو غیر جگہ پر رکھنے کو کہتے ہیں ۔ اور یہاں اس سے بڑھ کراور کیا شے بُری ہوگی کہ خسیس مخلوق کواور اس کی عبادت کو خالق فرد صمد اور اس کی عبادت پہ رکھا گیا۔

فائدہ اسی جملہ کا عطف رب انهم عصونی الخ پر ہے گویا نوح علیہ السلام نے کہا اے پروردگار انہوں نے میری نا فرمانی کی اور اے پروردگار تو نہ بڑھا مگر گمراہی میں ۔ لبعض نے کہا کہ یہ حکایت سے ہے نہ کہ محکی سے یا یہ کلام الٰہی سے ہے نہ کہ نوح علیہ السلام سے تو گویا نوح علیہ السلام لے یہ دونوں قول کہے بغیر ماقبل پر عطف ڈالنے کے اس معنیٰ پر اللہ نے ان کے ایک بتقدیر قول سے شروع فرمایا دوسرا واؤ کو قال کے نائب کھڑا کر کے عطف سے بیان فرمایا اس تقریر پر عطف الانشاء علی الاخبار لازم نہیں آتا یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف مقدر پر ہو کہ دراصل فاخذلهم قالوا تھا اس تقریر پہ محکی سے ہے اور ضلال سے مراد ان کا ظلم اور ہلاکت اور یہ بھی ان کے ظلم میں ہے ان کا مکر اور امر دینی کے بجائے دنیا کے مصالح کی ترویج ۔

سوال حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے کہ انہیں گمراہی سے ہٹائیں نہ یہ کہ ان کے لئے گمراہی کی دعا کریں اکہ وہ گمراہی میں بڑھ جائیں علاوہ ازیں نوح علیہ السلام کی دعا ان کی رضا کو بھی متضمن ہے کیونکہ جو کسی کے لئے کوئی دعا کرتا ہے تو وہ اس کام کو پسند کرتا ہے تو دعا کرتا ہے یہ انبیا علیہ السلام کے حق میں ناجائز (بلکہ ممتنع) ہے کہ وہ کسی کے لئے دعا کریں کہ وہ گمراہی میں بڑھ جائے اور ایسی دعا کو کفر کو متضمن ہوتی ہے اور انبیا علیہم السلام سے ایسا فعل توبہ توبہ۔

جواب ممکن ہے اس کا یہ جواب ہو کہ نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت مانگی ہو جب آپ پر وحی ہوئی کہ انہ لا یؤمن من قومك الا من قد امن ۔ بیشک تمہاری قوم سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا مگر وہی جو ایمان لا چکے اور ظاہر ہے کہ کفر اس وقت لازم آتا جب اسے مستحسن (اچھا) سمجھا جاتا اس کی نظیر موسیٰ علیہ السلام کی دعا بھی ہے کہ آپ نے فرعونیوں کے لئے کہا واشدد علیٰ قلوبهم ۔ (اور ان کے دل سخت کر دے) دیکھئے کوئی کسی اس شریر کی موت چاہے جس کے دل میں کفر رچ گیا ہے تاکہ اللہ عذاب دے کر اس سے بدلہ لے تو کفر نہیں (تو نوح علیہ السلام کی دعا بھی اسی قبیل سے تھی) اب مطلب یہ ہوا کہ ظالم لوگ گمراہی میں بڑھیں تاکہ ان کے عذاب میں اضافہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے فرمایا انما نملی لهم لیزدادوا اثما بیشک ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ گناہ میں بڑھیں۔ اور فرمایا انی ارید ان تبوٓء باثمی واثمك فتكون من اصحاب النار (ہابیل نے قابیل کو کہا کہ) میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا

اور تیرا گناہ دونوں تیرے پلڑا میں پڑے اور تو دوزخی ہو جائے۔

فائدہ نوح علیہ السلام نے جب دعوت کا آغاز کیا آپ کے معاصرین نے نہ مانا پھر ان کی اولاد کو دعوت دی وہ بھی نہ مانے ایسے ہی سات قرون تک مسلسل یہ لوگ نہ مانے جب ان سے مایوس ہوئے تو پھر مذکورہ بالا دعا مانگی۔

(۲۴) مِمَّا خَطِيٓـَٔتِهِمْ (اپنی کیسی خطاؤں پر یعنی قوم نوح (علیہ السلام) خطاؤں کی وجہ سے اور ان اعمال سے جو سراسر صواب کے خلاف تھے یعنی کفر و معاصی سے اور ما جار و مجرور کے درمیان زائدہ ہے تاکہ حصر کے لئے جو مِمَّا خَطِيٓـَٔتِهِمْ کی تقدیم سے حاصل ہوئی ہے۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ ان کا طوفان میں غرق ہونا ان کے معاصی و خطاؤں سے تھا۔ اس سے منجمین (نجومیوں) کے دعویٰ کی تردید و تکذیب مطلوب ہے انہوں نے کہا کہ وہ اس لئے غرق ہوئے کہ روضاع فلکیہ کا تقاضا یونہی تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسا کہنا بھی کفر ہے کیونکہ اس سے مذکورہ بالا آیت کے صریح خلاف ہے۔

فائدہ ما کا ابہام تاکید کے علاوہ ایک فائدہ اور بھی ہے وہ ہے ان کے خطاؤں کی تفخیم کا اظہار یعنی انہوں نے معمولی گناہوں کا ارتکاب نہیں بلکہ بڑے بڑے عظیم معاصی و خطیآت کے مرتکب ہوئے تھے اور جو کہتا ہے کہ یہ مازائدہ نہیں تو وہ کہتا ہے یہ نکرہ کا ہے اور یہ تکثیر خطیآت کا مقام ہے کیونکہ انہوں نے کامل ایک ہزار گناہ کئے اور خطیآت جمع سالم ہے اور قرینہ کے بغیر ذہن سے اور پر اس کا اطلاق جائز نہیں لیکن رضی (نحوی) کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ جمع سالم و تکثیر ہر دونوں مطلق جمع کے لئے آتی ہیں بلا لحاظ قلت و کثرت کے اس معنیٰ پر ہر دونوں سالم و تکثیر ہر دونوں (قلت و کثرت) کی صلاحیت رکھتی ہیں اسی لئے بعض نجومیوں نے کہا کہ یہ دونوں (سالم و تکثیر) ہر دونوں (قلت و کثرت) کے لئے مشترک ہیں ان کا استدلال آیت مانفدت کلمات اللّٰہ (کلمات اللّٰہ ختم نہ ہوں گے) سے ہے۔

أُغْرِقُوا دنیا میں طوفان سے غرق ہوئے کسی اور سبب سے نہیں۔ اسمیں ہر طرح کے خطاؤں کے ارتکاب پر زجر ہے فَأُدْخِلُوا نَارًا پھر آگ میں داخل کئے گئے۔ نارًا کی تنکیر یا تو تعظیم و تہویل کے لئے ہے یا اس لئے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ان کی خطاؤں کی وجہ سے ان کے لئے خاص قسم کی نار تیار فرما رکھی تھی۔ اس سے یا تو قبر کا عذاب مراد ہے کیونکہ وہی غرق ہونے کے بعد پہلے یہی ہے وہ اگرچہ وہ بظاہر پانی میں تھے لیکن درحقیقت نار میں تھے کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ کوئی کہیں مرے پانی میں یا آگ میں یا اسے درندہ کھائے یا پرندہ اسے اسی طرح کا عذاب پہنچے گا جو قبر میں مدفون کو ہوتا ہے۔

فائدہ ضحاک نے کہا کہ وہ ایک جانب میں پانی میں غرق تھے یعنی ان کے اجسام دوسرے جانب سے نار میں یعنی ان کی ارواح اس طرح سے وہ نار و ماء کے عذاب کے جامع ہوئے جیسے ایک شاعر نے کہا ؎

الخلق مجتمع طور　　مفترق

والحادثات فنون ذات اطوار

لا تعجبین لاضداد اذا اجتمعت

فالله یجمع بین الماء والنار

ترجمہ: مخلوق جمع بھی ہے مفترق بھی۔ حادثے گوناں گوں اور طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ اضداد کے اجتماع سے تعجب نہ کرو۔ اللہ پانی اور آگ کو جمع کر سکتا ہے۔

فائدہ یا اس سے عذاب جہنم مراد ہے اور فا تعقیبیہ ان کے تعقب کو ان کے اغراق کے بمنزلہ قرب و تحقق کے کیا گیا گویا ان کے غرق ہوتے ہی ان پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔ اغراق و تعذیب کے زمانوں کو ایک دوسرے سے ملایا گیا جیسے حدیث شریف میں ہے من مات فقد قامت قیامتہ جو مرا اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی علاوہ ازیں نار سے آدھی نار مراد ہے وہ ہے برزخ میں صرف ارواح کے لئے دوسری کامل ودہے جو میدان حشر کے بعد اجسام وارواح ہر دونوں کے لئے اسی طرح جہنم پر نعیم بہشت کی نعمتوں کا قیاس کیجئے۔

فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بالمقابل کوئی مددگار نہ پایا۔ یعنی ان کے کسی ایک کوئی مددگار نہ پایا جو اس کی مدد کرے اللہ کے قہر و انتقام کے عذاب سے۔

فائدہ اس میں کافروں کو تعریض ہے کہ انہوں نے بتوں کو معبود بنائے رکھا اپنی نجات کی امید پر لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ان کی مدد پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتے (فائدہ) ان کے بتوں کو انصار کہنا ان سے تہکم ہے اور

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا سے حال متقدم ہے اور جملہ استینافیہ ہے آگاہی کے لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوئی اور اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی تسلی اور عاصی کو عذاب اور اس کے اسباب سے تخویف (ڈرانا) ہے۔

(۲۶) وَقَالَ نُوْحٌ اور نوح علیہ السلام نے کہا۔ جب نوح علیہ السلام ان کے ہدایت پانے سے بالکل نا امید ہوئے اغلب نشانیوں یا اللہ کے خبر دینے سے۔ رَّبِّ میرے پروردگار لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ زمین پر نہ چھوڑ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اپنے ساتھ اور اس کے ساتھ جو تجھ سے احکام لائے گئے کفر کرنے والوں کو۔ حال متقدم ہے دَيَّارًا بسنے والا۔ ہے کوئی ایک جو زمین پر چلے پھرے آئے جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کافروں کی بنیادیں اکھیڑ ڈالیں کر انہیں تباہ و برباد کیا۔ اس کا حکم بھی اسی جملہ سابق پر عطف ہے اور مما خطیئاتہم جملہ معترضہ ہے جو نوح علیہ السلام کے دعا کے درمیان واقع ہے تا کہ آگاہ ہو کہ انہیں جو کچھ ہوا اغراق و احراق یہ سب ان کے اعمال کی شامت سے ہوا۔ نیز آگاہ کیا گیا کہ ان خطاؤں کی وجہ سے وہ اس ہلاکت و تباہی کے مستحق بھی تھے اسی لئے یہ نفس اغراق و احراق کی حکایت ہے ملی طریق اس حکایت کے جو نوح علیہ السلام اور ان کے درمیان احوال و اقوال جاری ہوئے ورنہ یہ

ان کی اس دُعا کی حکایت سے مؤثر ہوتا دیاّر ان اسمائے سے ہے جو نفی عام میں مستعمل ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے۔
مابالدار دیار دار میں کوئی بسنے والا نہیں۔ یا مابالدار دیوں کوئی دار میں بسنے والا نہیں۔ جیسے قیام و قیوّم یعنی دار میں کوئی نہیں یعنی اسمیں کوئی سکونت پذیر نہیں۔ دیاّر بروزن فیعال از دور یا دار ہے دراصل دَیوار تھا اس پر بھی قانون جاری ہوا جو سیّد پر جاری ہوا۔ پہلے قاعدہ پر دیاّر کا معنیٰ ہوا کہ یہاں کوئی نہ رہے کہ زمین پر پھرے اور آنے جانے دوسرے پر معنیٰ یہ ہوا کہ کوئی ایک ایسا نہ ہو جو دار میں اترے اور اسمیں سکونت پذیر ہو۔

فائدہ بعض نے دیار کا دوران سے اشتقاق کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ اس سے مشتق ہوتا تو طوفان کے بعد زمین پہ کوئی جن ہوتا نہ شیطان اور یہ معنیٰ مراد ہی نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ کافروں میں سے کوئی بھی دار میں سکونت پذیر نہ ہو یعنی کوئی انسان (کافر) نہ بچے۔

تحقیق صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ فقیر صاحب البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ اس کا جواب آسان ہے وہ یہ کہ نوح علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ روئے زمین پر امت دعوت میں سے کوئی کافر بھی روئے زمین پر نہ رہے اور جن و شیطان نوح علیہ السلام کی امت دعوت میں سے نہ تھے کیونکہ نوح علیہ السلام (ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح) ثقلین کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔
اور نہ ہی دیاّر از دار ہے ورنہ اسے دوّار کہا جاتا کیونکہ دار دراصل دور تھا واؤ الف سے تبدیل ہوئی کیونکہ عین ضعیف حرکت کی حامل نہیں اس تقریر پر دوّار ہونا چاہیئے واؤ صحیح شدہ سے کیونکہ اسے یا سے تبدیل کرنے کا کوئی قانون نہیں۔

(۲۷) اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ (بے شک تو اگر انہیں رہنے دے گا) روئے زمین پر کل یا بعض کو اور انہیں ہلاک نہیں کرے گا یہ نوح علیہ السلام کی دعا کی وجہ ہے اور دین کی غیرت کا اظہار ہے نہ کہ نفسانی خواہش کے غلبہ سے یُضِلُّوْا عِبَادَكَ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے سیدھے راستہ حق سے بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے عِبَادَكَ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی تیرے مومن بندوں کو گمراہ کر دیں گے اس میں اشارہ ہے کہ اہل دراصل وہی بندے ہیں جو اہل ایمان ہیں لیکن اس میں نظر ہے وہ یہ کہ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ تیرے بندوں کو تیرے راستہ سے روکیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا وصدوعن سبیل اللّٰہ (اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا)۔ اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کا کوئی ایک اپنے چھوٹے بچے کو نوح علیہ السلام کے پاس بچے کو لے جا کر کہتا اس شخص سے بچنا یہ جھوٹا ہے (معاذ اللہ) کیونکہ مجھے باپ نے وصیت کی تھی کہ یہ جھوٹا ہے۔ چنانچہ جب وہ مر جاتا تو وہی بچہ جوان ہو کر نوح علیہ السلام کا مخالف ہو جاتا اور کہتا کہ مجھے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس سے بچنا یہ جھوٹا ہے (معاذ اللہ) وَلَا يَلِدُوْٓا اور نہ جنیں گے۔ اِلَّا فَاجِرًا مگر فاجر (بدکار)

حل لغات انزالفجر بمعنی شے کا نوب چرجانا جیسے فجر الانسان السکر (بالکسر نہر کا بند) اور وہ شے جو نہر کو روکے ، یعنی انسان نے نہر کا بند توڑا۔ الفجور بمعنی دیانت کا ستر پھاڑنا۔

كَفَّارًا بڑا ناشکرا (بہت بڑا کفرو) کفران (ناشکری) والا۔

حل لغات امام راغب اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کفور سے زیادہ بلیغ ہے یعنی کفران نعمت میں بڑا اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جنیں گے ایسے جو بدکاری اور کفر کریں گے یہی وجہ ہے کہ ان کا اٹھنے زمین سے اُٹھ جانا بہتر ہے اور اس کا حقیقی علم تجھے ہے نوح علیہ السلام نے ان کی یہ صفت ان کے بعد بلوغ کی بیان کی ہے کہ ان کی اولاد بعد بلوغ ایسے ہو جائے گی اس معنیٰ پر یہ مجاز ہے گویا نوح علیہ السلام نے قبل از وقت معذرت کرلی کہ ان پہ اعتراض وارد ہو کہ آپ نے تو ان سب کے استیصال (تباہی و بربادی) کی دُعا فرمائی حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی اولاد میں سے بعض ایمان لاتے لیکن یہ تقریر غلط ہے اس لئے کہ نوح علیہ السلام نے ان کی تباہی و بربادی کی دعا از خود نہیں بلکہ وحی ربانی کے مطابق مانگی جیسا کہ سورۃ ہود میں ہے کہ و اوحي الى نوح انه لن يؤمن الا من قد آمن اور نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے مگر وہ جو ایمان لا چکے۔

سوال ممکن ہے کہ یہ دعا وحی سے پہلے ہو اور تمہاری تقریر تب صحیح ہو سکتی ہے جب معلوم ہو کہ نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس وحی کے بعد کی اور یہ معلوم نہیں ؟

جواب وحی کے بعد دُعا ہذا کا قرینہ واضح ہے وہ یہ کہ آپ نے یہ دُعا اس وقت مانگی ہوگی جب ان کے لئے عذاب کے آثار دیکھے تو یہ دعا گویا آپ کے اواخر سے ہے اور وحی سے پہلے۔

فائدہ ایک مثال مشہور ہے کہ سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے (اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بُرے سے بُرا پیدا ہوتا ہے) لیکن یہ قاعدہ اکثریہ ہے (کلیہ نہیں) اسی قاعدہ پر کہا گیا ہے (ذطاب اصل المسعات فروع۔ جب کسی کی اصل نیک ہو تو فروع بھی نیک ہوں گے۔ اسی سے ہے الولد سرّ لابیہ اولاد اپنے باپ کا راز (مظہر) ہوتی ہے۔

نکتہ اس کی وجہ بھی یہی بتائی جاتی ہے کہ جب اولاد جوان ہوگی تو وہ اپنے باپ کے عادات پر عمل کرے گی یا اس کی طبائع سے سرقت (اثر حاصل) کرے گی بلکہ بہت سے لوگوں کی صحبت سے بھی اثرات حاصل ہوتے ہیں نیک یا بُرے (لیکن یہ بھی اکثریہ قاعدہ ہے کلیہ نہیں)۔

صاحب روح البیان کی تقریر فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے فیہ ما فیہ (اس میں ایک راز ہے) جو واضح ہے وہ یہ کہ اس میں جلال و جمال کا ظہور ہوتا ہے کبھی جمال باپ میں ظہور ہوتا ہے تو وہ بیٹے کے باطن میں ہوتا ہے۔ جیسے قابیل بن آدم علیہ السلام میں ہوا کہ وہ جلال جو آدم علیہ السلام کے باطن میں تھا وہ قابیل میں ظاہر ہوگیا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے مثلاً وہ جمال جو آدم علیہ السلام

کے باطن میں تھا وہ ہابیل میں ظاہر ہوا اور تا قیامت مخالفت و موافقت کا یہی حال رہے گا۔

فائدہ بعض اکابر نے فرمایا کہ یہ اعتذار نوح علیہ السلام قیامت میں کریں گے جب مخلوق آپ سے شفاعت کے لئے عرض کرے گی تو فرمائیں گے میں نے تو اپنی امت کو دعوت دی لیکن وہ نہ مانی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا ولا یلدوا الا فاجرا کفارا اور یہ اعتذار دُعا سے نہیں اس حیثیت سے کہ وہ دُعا ہے۔

فائدہ اسمیں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان کی یہ دُعا انہیں عدم قبول ایمان کی علامات دیکھکر کی کہ انہیں کامل ایک ہزار سال آزمایا لیکن ان سے سوائے کفر و فجور کچھ صادر نہ ہوا۔ اگر انہیں وحی کے ذریعہ یہ حکم ہوتا تو معذرت نہ کرتے (جیسے القاشانی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام قوم کی دعوت سے ملول اور دل تنگ ہو گئے آپ پر غضب کا غلبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ قوم کو تباہ و برباد کردے اور ان پر قہر کی آگ برسائے۔ آپ نے ان کے ظاہری حال کے مطابق ایسا فرمایا تھا کیونکہ وہ محجوب کہ جس پر کفر کا غلبہ ہو وہ اپنے جیسے کافر کو جنے گا۔ اس لئے کہ وہ خبیث نطفہ جو اس میں نشو و نما پائے گا وہ بھی اس کی طرح خبیث محجوب ہی ہوگا اسی کی طرح ہی ہیئتہ مظلمہ (تاریکی سے بھرپور) ہوگا اور وہ وہی قبول کرے گا جو اس کے اصل میں ہوگا کیونکہ جیسا بیج ویسا پھل لیکن "الولد سر لابیہ" کے قاعدہ پر ان کی توجہ نہ رہی جبکہ اولاد پر کبھی غالب حال باطنی بھی مؤثر ہو جاتا ہے اس لئے کہ بہت سے کافر باقی الاستعداد صافی الفطرۃ نقی الاصل ہوتے ہیں بوجہ استعداد فطری" کے صرف اس پر غلبہ پا گئی ہے ظاہری عادت اور آبا کا دین اور قوم کے ساتھ نشست و برخاست اسی لئے وہ ظاہری طور ان کے دین پر ہو گیا ورنہ اس کا باطن تو اسلام (کی فطرت) پر ہے اسی لئے وہ کبھی مسلمان بچہ کو جنتا ہے اسی نوری حالت کی وجہ سے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آب[1] تو اسی ہیئتہ غضبیہ ظلمانیہ جو ان کے باطن پر غالب تھی پیدا ہوئے کیونکہ وہ اسی حالت محجوبہ کیوجہ سے اپنے ابن کنعان کے لئے کہہ بیٹھے تھے۔

فائدہ بنی نوح علیہ السلام کی دعا مذکور از روئے وحی نہ تھی اس ایک دلیل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کے غضب کو نوح علیہ السلام کے غضب سے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نرمی کو ابراہیم علیہ السلام کی نرمی سے تشبیہ دی ہے۔

---

[1] یہ اس تحقیق کے خلاف ہے جو ہم بارہا اس تفسیر میں لکھ چکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر تھا بلکہ تارخ تھا آپ کا چچا تھا چنانچہ ابن المنذر صحیح سند کے ساتھ حضرت جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا لَیْسَ آزَرُ بِاَبِیْہِ اِنَّمَا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ تَارَخ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہیں بلکہ تارخ ہے۔ امام ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی سے روایت کرتے ہیں کہ اِنَّہٗ قِیْلَ لَہٗ اسْمُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْم اٰزَرَ فَقَالَ بَلْ

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

عتاب اور رحمۃ للعالمین بعض عارفین نے کہا کہ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عتاب (محبوبانہ) فرمایا اس کا سبب یہ ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ماہ تک کا نزول کے لئے غضب کی دعا مانگتے رہے وہ بھی غیرت ربانی کی وجہ سے اور وہ جو اس کے مستحق تھے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ نازل ہوئی اور عتاب کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو سباب لعان بنا کر نہیں بلکہ رحمۃ بنا کر مبعوث کیا تاکہ آپ ایسے نااہل لوگوں کے لئے رحم فرمائیں نہ کہ غضب کی دعا۔ گویا اللہ نے فرمایا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ ان پر غضب کے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

اِسْمُہٗ تارخ کہ ان سے کہا گیا کہ ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے تو انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ تارخ ہے۔ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ آزر کے باپ نہ ہونے پر ایک عجیب و غریب استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن ضرد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہو گئی تو آپ کے چچا آزر نے کہا۔ کس نے اس سے آگ کو دفع کر دیا۔ تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ کا ایک شرارہ بھیجا جس نے آزر کو جلا کر رکھ دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آزر ان ایام میں ہلاک ہو گیا تھا جن ایام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا آپ نے اس کے لئے استغفار کیا۔ کیونکہ آپ نے اس سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ پھر جب آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے استغفار ترک کر دیا اور یہ قرآن سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعہ آگ کے بعد ہجرت فرمائی۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ اور اس وقت آپ کی عمر سینتیس برس کی تھی ہجرت کے بعد آپ نے پہلے حران میں قیام کیا پھر اُردن میں پھر مصر میں اور مصر کے بعد شام میں پھر جب آپ کی عمر نوے برس کی ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے بحکم رب العالمین آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بیت اللہ شریف کے پاس چھوڑا اور واپسی پر اللہ کی بارگاہ میں دعا کی ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم اور اسی دعا میں یہ بھی کہا ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔ جب آپ پر آزر کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو چکا تھا تو آپ نے بیزار ہو کر اس کے لئے استغفار ترک کر دی تو پھر تقریباً پچاس برس کے بعد اس کے لئے کیسے دعا فرما سکتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ یہ دعائے بخشش حقیقی والدین کے لئے تھی آزر کے لئے نہ تھی کیونکہ آزر کے لئے دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا تھا لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں چچا تھا۔ (الحاوی للفتاوی ص۲۱۶)

بجائے رحمت کی دعا مانگتے تو بہتر تھا کیونکہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جب ان کے لئے دعائے خیر فرماتے تو میں ان کے حق میں آپ کی دعا قبول کرتا اس لئے کہ مجھے تو آپ کی فرحت و سرور چاہیئے۔ جب ان کے لئے رحمت کی دعا مانگتے تو میں انہیں طاعت کی توفیق بخشتا وہ اطاعت کرتے آپ اس سے خوش ہو جاتے اور جس وقت آپ نے ان پر لعنت کی اور دعائے خیر سے محروم فرمایا تو میں نے آپ کی دعا قبول کر لی کیونکہ وہ سرکش تھے اور زمین پر فساد پھیلانے والے۔ پھر ان کی گرفت بھی اس لئے ہوئی کہ آپ نے دعا کی اور لعنت بھی۔

اب خلاصہ یہی ہوا کہ گویا آپ نے ان کو سرکشی میں زیادتی کا موقعہ دیا جس کی وجہ سے انکی گرفت ہوئی نہ آپ دعا کرتے نہ ان میں طغیان و سرکشی میں اضافہ ہوتا نہ میں انہیں گرفتار کرتا۔ گویا اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر متنبہ فرمایا کہ آپ کو اللہ نے ہی ایسے آداب سکھائے ہیں (جنکی وجہ سے آپ تمام مخلوق سے ممتاز ہیں)

حدیث شریف میں ہے خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ ادبنی فاحسن تادیبی مجھے میرے اللہ نے آداب سکھائی اور احسن تادیب فرمائی۔ اسی لئے اس کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے لئے دعا فرماتے اللھم اغفر لقومی فانہم لا یعلمون۔ اے اللہ (تعالیٰ) میری قوم کو بخش اس لئے کہ وہ لاعلم ہیں۔

رحمت نبوی کا کیا کہنا ایک شب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے قیام میں آیت ذیل پڑھتے گذار دی۔

ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم فانک انت العزیز الحکیم۔

ترجمہ: اگر انہیں عذاب کرے تو تیرے بندے ہیں اگر انہیں بخشدے تو عزیز حکیم ہے۔

تمام شب اسی کو پڑھتے گذارا۔ ہاں اس سے قبل دعا کی رعل و ذکوان وعصیہ (قبائل) پر اور قریش سرداروں پر کہ اللھم علیک بفلاں اللھم علیک بفلاں اے اللہ فلاں کی گرفت اور فلاں کو پکڑ۔

سبق اے بندۂ خدا لازمی ہیں اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کر۔ اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا خود متولی ہوگا۔

نوح نجی اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اہل معرفت نے کہا کہ جب نوح علیہ السلام نے قوم پر غصہ کیا تو ان کی تباہی کی دعا کی اور نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم پر غصہ کیا تو کہا اللھم اھد قومی فانہم لا یعلمون اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ جاہل ہیں۔

مسئلہ کسی خاص کو معین کر کے اس کے کفر کا دعویٰ نہ کیا جائے کیونکہ نا معلوم اس کا خاتمہ کیسا ہو (اچھا ہو)۔

مسئلہ مطلقاً کفار و فجار کے بارے میں بد دعا کی جاسکتی ہے اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی دعا سے محروم رکھا جنہوں نے مسلمانوں کو اذیتیں پہنچائیں اس مسئلہ کا یہی جواب ہے جو اس رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا (۴۱) رَبِّ اغْفِرْ لِیْ اے میرے پروردگار میرے گناہ بخش دے۔ اس سے وہ ترک اولیٰ مراد ہے جو نوح علیہ السلام سے صادر ہوا ہوگا۔ وَلِوَالِدَیَّ اور میرے ماں باپ کے گناہ آپ کے باپ کا نام لمک بن مُتوشلخ تھا بروزن فامل ہمچوں مُتَدَحْرِجْ یا المیم اور تا متشددہ مغمومہ و فتح الشین المعجمہ سکون اللام بعض نے بفتح المیم لکھا ہے آپ کی والدہ کریمہ کا اسم گرامی سمخا بنت الوش تھا (رضی اللہ عنہم) آپ کے ماں باپ مؤمن تھے۔

قاعدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نوح علیہ السلام کے اوپر تا آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام کے آبا میں سے کوئی کافر نہ تھا ایسے ہی ان کی امہات)۔

فائدہ اشراق التواریخ میں ہے کہ نوح علیہ السلام کی ماں کا نام قنوس بنت کامل تھا اور کشف الاسرار میں ہے کہ ان کا نام ہیجل بنت لاموس ابن متوشلخ تھا اس کی چچازاد اور دونوں (نوح علیہ السلام کے والدین) مسلمان اور حضرت ادریس علیہ السلام کی ملت پر تھے۔ بعض نے کہا کہ یہاں والدین سے آدم وحوا علی نبینا وعلیہم السلام مراد ہیں۔ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ اور وہ جو میرے گھر میں داخل ہے بعض نے بیت سے منزل اور بعض نے مسجد مراد لی ہے کیونکہ وہی اللہ کا بیت (گھر) ہے۔ اگرچہ وہ من وجہ اللہ کا گھر ہے بعض نے کہا کہ بیت سے سفینہ (کشتی) مراد ہے کیونکہ ضروریات کے پورا کرنے اور گرمی و سردی وغیرہ سے حفاظت کے لئے بمنزلہ گھر کے ہوتی ہے (مؤمناً) در آنحالیکہ وہ داخل ہونے والا مؤمن ہو اس قید سے آپ کی عورت واعلہ اور بیٹا کنعان نکل گیا کیونکہ نوح علیہ السلام نے ان کے خروج پر تب جزم کیا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ (ھلک وہ تمہارے اہل سے نہیں وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مؤمن مرد اور عورتوں کے گناہ میں از آدم تا قیامت بعض نے کہا کہ آپ نے اس سے امت مرحومہ مراد لی تھی۔

فائدہ یاد رہے کہ اس میں پہلے نوح علیہ السلام نے انہیں خاص فرمایا جو نسب اور دین میں قریب تھے کیونکہ یہی لوگ آپ کی دعا کے زیادہ مستحق تھے اس کے بعد عام مومن مرد اور عورتوں کو داخل فرمایا۔

اہل اموات کا حال قبور میں اور ان کا سرمایہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میت قبر میں ڈوبے ہوئے فریادی کی طرح ہوتا ہے اس وقت اسے اپنے باپ، بھائی اور دوست کی دعاؤں کا انتظار ہوتا ہے اسے دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل ارض کی دعائیں اہل قبور کی قبور میں پہاڑوں کی مانند داخل فرماتا ہے یعنی اگرچہ دعا بظاہر معمولی محسوس ہوتی ہے لیکن اہل قبور کے لئے قبور میں بہت بڑا سرمایہ بنتی ہے اور زندوں کا اموات کا بہترین ہدیہ و تحفہ ان کے لئے استغفار ہے۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا اور ظالموں کو نہ بڑھا مگر ہلاکت اور تباہی یعنی سختی میں ۔

حل لغات تبارًا بمعنی سونا کوٹنا ۔

نکتہ پہلے فرمایا ولا تزد الظلمین الا ضلالا اور ظالموں کو نہ بڑھا مگر گمراہی میں اس لئے کہ وہ وقد اضلوا کثیرًا بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ۔ کے بعد واقع ہوا اور یہ ثانی یعنی الا تبارًا واقع ہوا ہے ۔ لا تذر علی الارض الخ کے بعد ۔ اسی لئے پھر دونوں موقعہ محل کے تقاضا پر لایا گیا ہے گویا ہمجنس کو ہمجنس کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ۔

فائدہ نوح علیہ السلام کی بظاہر دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالمین و کافرین سے آپ کی مراد آپ کے زمانہ میں جو زمین پر مشرق و مغرب کے درمیان پھیلے ہوئے تھے آپ کا مقصد تھا کہ موجود کافروں کو اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کرے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی چنانچہ طوفان ہمہ گیر اٹھا اور کافروں کو تمام کو غرق کر کے رکھ دیا ۔

نجومیوں کا غلط قول نجومی غلط کہتے ہیں کہ اس سے صرف جزیرۂ عرب کے کفار غرق ہوئے نہ کہ باقی تمام روئے زمین پر کیونکہ یہ قرآن کے ظاہر کلام کے خلاف ہے اور تفسیر العلمآ اور اصحاب التواریخ کے اقوال کے سراسر خلاف ہے ۔

فائدہ طوفان کے بعد پھر لوگ از سر نو پھلے پھولے تو الدو تناسل کا سلسلہ شروع ہوا اور اعراف عالم میں پھیل گئے مشارق و مغارب کو آباد کیا اب اور قیامت تک نسل آدم انہی طوفان کے بقایا اہل سفینہ اہل ایمان کی اولاد ہے

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ ظالم کا ظلم عام ہو جائے اور وہ اس پر اصرار کرے تو اسے نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی بلکہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر بددعا کی جائے اور اس کے مددگاروں پر بھی ۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کافروں کے ساتھ ان کے بچے بھی غرق ہوئے لیکن عذاب کے طور پر نہیں بلکہ ان کے آباؤ امہات پر عذاب کو اور زیادہ سخت کرنے کے لئے انہوں نے بچوں کو بھی غرق ہوتے دیکھا جو ان کی عزیز ترین متاع تھے ۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کافر ایک ہی ہلاکت میں تباہ ہوتے ہیں لیکن مصادر مختلف میں ظاہر ہوتے ہیں ۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کافروں کے بچوں کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی برات معلوم ہے لیکن انہیں عذاب کے طور پر غرق نہیں کیا ۔ کیونکہ بہت سے بچے غرق اور اور حرق اور دیگر ہلاکتوں کے اسباب سے مرتے ہیں لیکن وہ ان کے لئے عذاب نہیں ہوتا ۔

اعجوبہ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آنے سے چالیس سال پہلے قوم کی عورتوں کو بانجھ بنا دیا اور مردوں کی اصلاب (نطفوں سے) خشک کر دیں، اسی لئے طوفان کے غرق ہونے کے وقت ان کے ساتھ نہ لڑکے

تھے نہ مجنون ۔ بس وہی بالغ مرد عورتیں غرق ہوئیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وقوم نوح کذبوا الرسل اغرقنا ھم اور قوم نوح نے جب رسل کرام (علیہم السلام) کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کیا تو تکذیب کرنے والوں کے بچے اور مجنون نہ تھے۔

فائدہ الا مسئلہ الاقحمہ میں ہے کہ اگر بچے انہیں تباہ بھی ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کونسا فرق پڑتا ہے جبکہ اس نے خود فرمایا قل یملك من اللہ شیئا ان اراد ان یھلك المسیح بن مریم وامہ ومن فی الارض فرمایئے کون مالک ہے اللہ تعالیٰ سے سوا کسی شے کا اگر وہ ارادہ کرے مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور جملہ روئے زمین والوں کی ہلاکت کا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ ظاہر ہے کہ اطفال مع الآباء والامہات ہلاک ہوئے کیونکہ نوح علیہ السلام نے انہیں بھی آباء امہات کے ساتھ لاحق فرمایا چنانچہ فرمایا وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا۔ اس لئے کہ جو آگے چلکر فسق وکفر کرے وہ فاسقوں وفاجروں میں داخل ہے اس لئے آپ نے ان کے بعض کے استحقاق پر بالاصالۃ اور بعض کے لئے بالتبع سب کے لئے عموماً اور مطلقاً ہلاکت کی دعا فرمائی جیسے مومنین ومومنات میں عموماً وخصوصاً سب کے لئے نجات کی دعا فرمائی ہے کیونکہ مغفور لا محالہ ناجی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآن فہمی حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عادت کریمہ تھی کہ جب بھی کسی خاص آیت کے بارے میں کچھ کہنا ہوتا تو مجھے فرماتے عکرمہ کل یہی آیت مجھے یاد دلانا تاکہ اس کے متعلق کچھ کہہ سناؤں ایک رات آپ نے یہی آیت رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ الخ تلاوت فرمائی اور مجھے حسب دستور صبح کو یاد دلانے کا فرمایا جب صبح ہوئی میں نے عرض کیا تو فرمایا اے عکرمہ حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کی ہلاکت کی دعا فرمائی تو مستجاب ہوئی پھر جملہ اہل ایمان مرد عورتوں کی مغفرت کی دعا فرمائی تو (امید ہے) اللہ تعالیٰ قیامت میں تمام اہل ایمان مرد عورتوں کو بخشے گا۔

نجات کی اقسام بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اہل نجات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) نوح علیہ السلام کی دعا

(۲) اہل ایمان کی اپنی دعا جس کا وہ مستحق ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت مذنبین (گناہگاروں) کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رب اغفرلی ولوالدی الخ میں والدین سے عقل کلی ونفس کلی اور ولمن دخل بیتی الخ سے روح وقلب اور وللمؤمنین سے قوائے روحانیہ اور المؤمنات سے وہ نفوس جو نور روح وقلب کے تحت ہیں بسبب نور ایمان کے مراد ہیں ولا تزد الظّٰلمین ہیں ظالموں سے

نفس کا فر اور خواہشات نفسانی ظالم مراد ہیں اور تبار (ہلاکت) سے فنا فی الروح والقلب مراد ہے اس تاویل پر تو بددعا نہ ہوئی بلکہ دعائے خیر ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رب اغفر لی بمعنی استرنی اے اللہ مجھے فنا فی التوحید کے ساتھ مجھے اپنے ڈھانپ ولوالدی میری روح اور نفس کو جو کہ وہ دونوں قلب کے ابوین ہیں ولمن دخل بیتی اور وہ جو میرے مقام یعنی حضرت القدس میں مؤمن فی التوحید ہو کر داخل ہوا وہ ارواح مراد ہیں جو ایمان لائے اور ان کے نفوس یعنی انہیں بھی مقام الفنا فی التوحید تک پہنچا و تزد الظلمین ہیں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ظلمت نفوس سے عالم نور سے محجوب ہو کر اپنا حصہ ناقص کر دیا ان کی تبار ہلاکت سے ان کا بحرہیولی اور شدۃ حجاب میں غرق ہونا مراد ہے اس تقریر پر یہ ان کے لئے بددعا ہے نہ کہ دعا (جیسا کہ مخفی نہیں)۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فتوح سے سورۃ نوح کی تفسیر بدھ کے دن ۲۴ شوال المکرم ۱۱۱۶ھ میں ختم ہوئی اور فقیر اویسی غفرلہٗ القدیر نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے سورۃ نوح کی تفسیر کے ترجمہ سے ۹ ج ۱۴۰۹ھ سب ساڑھے آٹھ بجے فراغت پائی

الحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

۹/۵/۱۴۱۰ھ مطابق ۱۸/۸۸ش

سُوْرَةُ الْجِنِّ

اٰيَاتُهَا ٢٨	(٧٢)	سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ	(٤٠)	رُكُوْعَاتُهَا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا
عَجَبًا ۝١ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝٢ وَّ
اَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝٣ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ
سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝٤ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا ۝٥ وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ
فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝٦ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝٧
وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝٨ وَّاَنَّا
كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝٩
وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝١٠ وَّ
اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝١١ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ
نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝١٢ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا
بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝١٣ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ
وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝١٤ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا

لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾
لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾
وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ
يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

سورۃ جن مکیہ ہے اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا۔ تم فرماؤ کہ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا(۱) کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے(۲) اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے نہ اس نے عورت اختیار کی اور نہ بچہ(۳) اور یہ کہ ہم میں کا بے وقوف اللہ پر بڑھ کر بات کہتا تھا(۴) اور یہ کہ ہمیں خیال تھا کہ ہرگز آدمی اور جن اللہ پر جھوٹ نہ باندھیں گے(۵) اور یہ کہ آدمیوں کے کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ لیتے تھے تو اس سے اور بھی ان کا تکبر بڑھا(۶) اور یہ کہ انہوں نے گمان کیا جیسے تمہیں گمان ہے کہ اللہ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا(۷) اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے پایا کہ سخت پہرے اور آگ کی چنگاریوں سے بھر دیا گیا ہے(۸) اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سننے کے لئے کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سنے وہ اپنی تاک میں آگ کا لوکا پائے(۹) اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والوں سے کوئی برائی کا ارادہ فرمایا گیا ہے یا ان کے رب نے کوئی بھلائی چاہی ہے(۱۰) اور یہ کہ ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح کے ہیں ہم کئی راہیں پھٹے ہوئے ہیں(۱۱) اور یہ کہ ہم کو یقین ہوا کہ ہرگز زمین میں اللہ کے قابو سے نہ نکل سکیں گے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے باہر ہوں(۱۲) اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت سنی اس پر ایمان لائے تو جو اپنے رب پر ایمان لائے اسے کسی کمی کا خوف اور نہ زیادتی کا(۱۳) اور یہ کہ ہم میں کچھ مسلمان ہیں کچھ ظالم تو جو اسلام لائے انہوں نے بھلائی سوچی(۱۴) اور رہے ظالم وہ جہنم کے ایندھن ہوئے(۱۵) اور فرماؤ کہ مجھے یہ وحی ہوئی ہے کہ اگر وہ راہ پر سیدھے رہتے تو ضرور ہم انہیں وافر پانی دیتے(۱۶) کہ اس پر انہیں جانچیں اور جو اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے وہ اسے چڑھتے عذاب میں ڈالے گا(۱۷) اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو(۱۸) اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جن اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں(۱۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا

تفسیر عالمانہ (۱) قُلْ (اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی قوم سے اُوْحِيَ اِلَيَّ میری طرف وحی کی گئی ہے۔ الخ کیا گیا ہے بطریق وحی کے اور اللہ کے اعلام (جتلانا) سے خبر دیا گیا ہوں۔

حل لغات الایحاء بمعنی الاعلام فی خفاء۔ مخفی طریق سے جتلانا اس طریقہ سے خبر دینے کا یہ فائدہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ آپ رسول الثقلین (انس وجن) ہیں اور شرک سے رد کنا اور توحید پر برانگیختہ کرنا ہے اور تنبیہ ہو کہ جن باوجودیکہ سرکش اور غیر جنس ہیں وہ بھی ایمان لائے ہیں تو پھر انسان کو باوجودیکہ سہل الطبیعہ اور ہمجنس ہونے ایمان نہ لائے (تو اس کی بدقسمتی ہے)۔

اَنَّهُ (بے شک) یہ بالفتح ہے اس لئے کہ اوحی کا فاعل ہے اور ضمیر شان کی ہے یہ شان اور بات یہ ہے اِسْتَمَعَ (سنا) قرآن یا سورۃ طٰہٰ یا اقرأ محذوف ہے مابعد دلالت کی وجہ سے محذوف کیا گیا ہے۔

حل لغات الاستماع بمعنی سننا المستمع یعنی جو قصداً کسی شے کی سننے کا قصد کرنے والا اور اس طرف کان لگانے والا۔ سامع وہ جو اتفاقاً کسی شے کو سن لے اس کا اس کے متعلق قصد نہ ہو۔ اس معنیٰ پر ہر مستمع سامع ہے لیکن ہر سامع مستمع نہیں۔

نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (ایک جماعت جنوں کی)

حل لغات نفر تین سے دس کو کہتے ہیں یعنی وہ جنوں کا گروہ تین سے زائد اور دس سے کم تھے۔ القاموس میں ہے کہ النفر دس سے کم مرد نفیر کی طرح اس کی جمع انفار ہے۔ المفردات میں ہے النفر گنتی کے چند مرد جنہیں جنگ سے بھاگنے کی قدرت ہو بمعنیٰ باہر جانا۔

فائدہ جنّ جمع ہے اس کا واحد جنی ہے جیسے روم اور رومی وغیرہ۔

جن : جس طرح انسانوں کا وجود ہے اسی طرح جنوں کا بھی وجود ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے عربی زبان میں جس لفظ میں جیم نون جمع ہوتے ہیں اس میں پوشیدگی کے معنیٰ ملحوظ ہوتے ہیں دل چونکہ مخفی رازوں کا خزانہ ہے اور دل کی بات ظاہر نہیں ہوتی پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے عربی زبان میں دل کو "جنان" کہتے ہیں اسی طرح عربی زبان میں ڈھال کو "جُنّہ" کہتے ہیں کیونکہ ڈھال کی آڑ میں آدمی چھپتا ہے اور ڈھال سے آدمی آڑ میں آجاتا ہے یونہی دیوانگی عقل کو پوشیدہ کر دیتی ہے اس لئے عربی زبان میں دیوانگی کو "جنون" کہتے ہیں ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہو چونکہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اُسے عربی میں جنین کہا جاتا ہے۔ باغ اپنے پتوں اور درختوں سے زمین کو ڈھانپ لیتا ہے اُسے عربی زبان میں جنت کہا جاتا ہے دیکھ لیجئے ان سب لفظوں میں جیم اور نون موجود ہے گویا عربی کے جس لفظ میں جیم نون جمع ہوں گے ان میں پوشیدگی دار نظر نہ آنے کی حقیقت موجود ہوگی۔ لفظ "جن" بھی اسی قبیل سے ہے کہ یہ مخلوق چونکہ نظر نہیں آتی اس لئے اسے جن کہا جاتا ہے۔ جب قرآن پاک سے اس مخلوق کا وجود ثابت ہے تو پھر ایک مسلمان کے لئے کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کا

(باقی اگلے صفحہ پر)

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملنے سے قبل جنوں اور شیطانوں نے آسمان کے قریب اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے وہاں پہنچ کر آسمانی باتیں فرشتوں سے سن آیا کرتے تھے اور پھر ان باتوں میں بہت سا جھوٹ بھی ملا کر کاہنوں سے کہا کرتے تھے۔ کاہن ان باتوں کو اپنی پیش گوئیوں کے رنگ میں بیان کر کے اپنا سکہ جماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے جب نبوت سے سرفراز فرمایا تو سارے جنوں اور شیاطین کو آسمان سے روک دیا گیا۔ پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی آسمان کے قریب جا سکے اور اگر کوئی گیا تو آسمان کے ستاروں سے ان پر آگ کے شعلے مارے گئے اور یہ ستارے گویا ان کے لئے آتش برسانے والے ٹینک بن کر ان کا پیچھا کرنے لگے۔ ایک دن جن اور شیاطین ابلیس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ سبب کیا ہے، جو ہم اب آسمان پر نہیں جا سکتے اور اگر کوئی گیا بھی تو اس پر آگ کے شعلے مارے گئے۔ ابلیس نے کہا کہ ضرور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

انکار کرے اور طرح طرح کی تاویلیں کرتا پھرے اور اپنی محدود عقل اور ناپائیدار فلسفہ کے ڈھکوسلوں سے یوں کہے کہ "جن" کوئی مخلوق نہیں اور یہ تو ایک جنگلی قوم کا نام ہے جو پہاڑوں میں بسنے کے باعث لوگوں سے مخفی رہتی تھی اس لئے اُسے جن کہا گیا ہے۔ اس قسم کی خود ساختہ اور رکیک تاویلات سے قرآن پاک کی متعدد آیات کا انکار لازم آتا ہے قرآن پاک میں دیگر آیات کے علاوہ صاف صاف یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنَ النَّارِ — اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا۔

فائدہ اس آیت شریفہ میں خدا تعالیٰ نے انسان کے مقابلہ میں ایک دوسری قوم کی خلقت کا بیان فرمایا ہے اس سے پہلے فرمایا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ یعنی انسان کو تو کھڑکھڑی مٹی سے پیدا کیا۔ اور پھر آگے فرمایا کہ جن کو جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ مخلوق ہیں اور جن کوئی انسانی مخلوق نہیں جو پہاڑوں میں رہنے والی ایک قوم تھی بلکہ یہ دوسری ہی مخلوق ہے جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اور آگ میں چونکہ لطافت ہوتی ہے اس لئے جن اپنے لطیف مادّہ کی وجہ سے نظر نہیں آتے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع ہے اس نے جہاں پانی اور مٹی سے مخلوق بنائی ہے وہاں اس نے اجسام غیر محسوسہ اور نظر نہ آنے والے عناصر سے بھی مخلوق پیدا فرمائی ہے اور چونکہ اجسام لطیفہ میں بہ نسبت اجسام کثیفہ کے طاقت و استحکام زیادہ ہوتا ہے اس لئے ایسی مخلوق قوی اور دیرپا بھی ہوتی ہے چنانچہ ہوا بجلی وغیرہ کو دیکھئے اس میں طاقت بھی زیادہ ہے اور سرعت سیر بھی زیادہ۔ ہوا اور بجلی اپنی اسی لطافت کی وجہ سے آناً فاناً دُور پہنچ جاتی ہے۔ یہ وائرلیس، ریڈیو، ٹیلیفون اور دیگر آلات اسی بجلی کی لطافت کے باعث ہماری آوازوں کو بھی دُور دُور تک پہنچا دیتے ہیں۔ جن چونکہ آگ سے بنائے گئے ہیں اس میں بہ نسبت خاکی مخلوق کے قوت بھی زیادہ ہوتی ہے اور عمریں بھی طویل الغرض جن ایک مخلوق ہے اور ان کا نظر نہ آنا اُن کی لطافت کے باعث ہے۔

کوئی نہ کوئی نیا حادثہ زمین پر ہوا ہے۔ اب تم تمام روئے زمین پر اس کے مشرق و مغرب میں ایک ایک گاؤں ایک ایک شہر ہر ایک آبادی میں پھر جاؤ اور دیکھو کہ کس جگہ کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جس کی وجہ سے ہم آسمان پر جائیں تو ہم پر یہ ستارے آگ بن کر ٹوٹ پڑتے ہیں چنانچہ یہ جن اور شیاطین روئے زمین پر بکھر گئے اور تجسس کرنے لگے کہ زمین پر کہاں کوئی نیا واقعہ ہوا ہے۔ جب یہ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تو حجاز کے میدان میں عکاظہ بازار کے قریب کھجوروں کے درختوں کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نماز فجر کی جماعت کرا رہے تھے جنات نے بھی آپ کی قرأت سُن لی اور ایسے متاثر ہوئے کہ آپس میں کہنے لگے یہ وہی بات ہے جس کے سبب سے ہم آسمان پر جانے سے روکے گئے۔[1]

فائدہ اس میں دلیل ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت جنوں کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اگر آپ نے انہیں دیکھ لیا ہوتا تو یہ واقعہ وحی کی طرف منسوب نہیں ہوتا کیونکہ قاعدہ ہے جو امر کا آپ مشاہدہ فرما لیتے اسے وحی (جلی) کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا ایسے ہی آپ ان کی حاضری اور قرآن سننے کی طرف بھی متوجہ نہیں تھے اور نہ ہی آپ نے عمداً انہیں قرآن سنایا بلکہ وہ تو اتفاقاً وہاں سے گذرے اور ایسے ہی اتفاقیہ طور بعض اوقات وہ قرآن لیتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبردار کیا کہ جنوں نے آپ کا قرآن سنا ہے اس کی تفصیل سورۃ الاحقاف میں گذری ہے اس لئے ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے۔

جنات کیا ہیں: جن اجسام رقیقہ ہیں انس وملائکہ کی صورت کے خلاف ہیں انسان کی طرح عاقل ہیں صاحب معجزہ (صاحب کرامات) کے سوا ان سے کوئی کلام نہیں کر سکتا بلکہ وہ عوام کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں ان پر عنصر ناری غالب ہے یا ہوائی۔ پہلے پر اللہ تعالیٰ کا قول خلق الجان من مارج (جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا) پر دلالت کرتا ہے۔ وہ لوگوں سے مخفی رہتے ہیں عوام کے سامنے ظاہر نہیں ہوتے۔ آیت مذکورہ کے مطابق وہ ناری مشہور ہیں کہ گویا وہ کُل کے کُل نار سے مرکب ہیں ہاں جس پر عنصر نار غالب ہے وہ ناری

---

[1] پھر وہیں مسلمان ہو گئے یہ واقعہ صاحب روح البیان نے اختصار سے لکھا ہے میں نے اس کی کچھ تفصیل لکھدی ہے اور یہ واقعہ بخاری ج ۲ ص ۴۳ میں بھی ہے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ امرھم لینذروا الجن ویدعوھم الی اللہ ویقرؤا علیہم القرآن۔ حضور علیہ السلام نے انہیں حکم فرمایا کہ وہ دوسرے جنات کو ہمارا پیغام سنا کر ڈرائیں اور انہیں اللہ کی طرف بلائیں اور قرآن سنائیں۔

مسئلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو امتیاز حاصل ہے کہ آپ دونوں عالم کے رسول اور خدا کی ساری مخلوق کے آقا و مولیٰ ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے انی ارسلت الی الخلق کافۃ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۲) یعنی میں ساری مخلوق کا رسول ہوں۔ یہ جو میں نے آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کا ایک گروہ کا ذکر فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اور ایمان لانے کے بعد وہ مبلغ اسلام بن کر جنوں میں تبلیغ اسلام کرنے لگے۔

ہیں اور جن پر ہوا کا عنصر غالب ہے وہ ہوائی ہیں پرندوں کی طرح کہ جس پر پانی کا عنصر غالب ہے وہ مائی (پانی والا) ہے جیسے مچھلی وغیرہ اور جس پر مٹی کا عنصر غالب ہے وہ ترابی (مٹی) والا جیسے انسان اور جملہ حیوانات وغیرہ۔

فائدہ اکثر فلاسفہ خارج میں جنات کے وجود کے منکر ہیں لیکن ان کے قدما کی ایک بڑی جماعت نے ان کے وجود کو تسلیم کیا ہے اور جو انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والے اہل ملل ہیں انکے وجود کے قائل ہیں۔

قاشانی قدس سرہ کی تقریر حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وجود میں کچھ نفوس ارضی باقوت ہیں لیکن وہ نفوس سبعیہ (درندگی) بہیمیہ (جانور) کی طرح غلیظ (سخت) وجود نہیں اور نہ ہی ان کی طرح کثیف ہیں اور نہ ہی قلیل الادراک ہیں اور نہ وہ نفوس انسانیہ اور ان کی استعداد پر ہیں تاکہ ان کا تعلق ان اجرام کثیفہ سے لازم جن پر عنصر ارضیہ غالب ہے اور نہ ہی وہ نفوس مجردہ کی طرح صاف اور لطیف ہیں تاکہ وہ عالم علوی سے متصل اور متجرد اور متعلق رہیں بعض اجرام سماویہ سے وہ متعلق ہیں ان اجرام جن کا عنصر لطیف اور ان پر ہوائیتہ و ناریہ یا دخانیتہ غالب ہے علیٰ اختلاف الاحوال۔ ان کا بعض حکماء صُور معلقہ نام رکھتے ہیں۔ ان کے علوم و ادراکات ہمارے علوم و ادراکات کی طرح ہیں چونکہ ملکوت سماویہ کی طبع کو قریب ہیں اسی لئے وہ قدرت رکھتے ہیں کہ وہ ان کے عالم سے بعض غیب حاصل کر سکیں اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہ آسمان پر چڑھ کر کلام ملائکہ کا سرقہ (چوری) کر سکیں یعنی نفوس مجردہ سے۔ اور چونکہ وہ ارضیہ بھی ہیں اسی لئے ضعیف ہیں بہ نسبت قوائے سماویہ کے ان قویٰ سے متاثر ہوتے ہیں لیکن ان کی بلندی پر پہنچنے سے قاصر ہو کر ان سے مار کھا کر نیچے گرتے ہیں اسی لئے ان کے علوم کی انتہا کا ادراک نہیں کر سکتے ہیں اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کواکب کی شعاعوں سے ان کے اجرام دخانیہ کو شعاع پہنچے تو وہ جل بھی جاتے ہیں اس سے ہلاک بھی ہو جاتے ہیں اسی لئے وہ افق سماوی پر چڑھنے سے جھڑکے جاتے ہیں اسی وجہ سے وہ نیچے گرتے ہیں۔ اور یہ امور امکان سے خارج بھی نہیں اس کی خبر سچے اہل کشف و عیاں نے دی ہے جیسے انبیاء و اولیاء (علی نبینا علیہم السلام) بالخصوص ان سب سے کامل ترین ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور یہ جو وجود انسانی میں ہے اس کے غیب باطن میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے۔

فَقَالُوْا تو کہا جنوں نے اپنی قوم کو جب ان کے پاس لوٹے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا بے شک ہم نے سنا ہے قرآن ایک کتاب جو لسان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر پڑھی جا رہی تھی عَجَبًا (عجیب) مصدر ہے بمعنی عجیب مبالغہ کے طور اس کی جگہ پہ مستعمل ہوا ہے۔

حل لغات عجیب وہ ہے جو اپنے ہم شکلوں اور ہم جنسوں سے خارج ہو یعنی وہ کلام عجیب ہے جو عام لوگوں سے حسن نظام میں بالاتر ہے پھر اس کے دقت کا معنیٰ کا کیا کہنا۔

فائدہ حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وہ کلام ہے جس کی عجیب ترکیب ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اہل لسان تھے۔

حکایت جن صحابی رضی اللہ عنہ کی حضرت عیذار بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب آئے اور وہ اپنا ایک عجیب قصہ بیان کرنے لگے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم چند احباب ایک سفر میں جا رہے تھے کہ راستے میں ہم نے ایک زخمی سانپ کو دیکھا جو تڑپ رہا تھا (المتشحط بالحاء المہملۃ یعنی الاضطراب فی الدم) خون میں لت پت، ہم نے دیکھا کہ وہ تڑپتے ہوئے مر گیا ہے۔ ہمیں اس پر رحم آیا۔ اور ہم میں سے ایک صاحب نے اپنا عمامہ پھاڑ کر اس میں اُسے لپیٹا۔ اور ایک گڑھا کھود کر اس میں دفن کر دیا۔ فرماتے ہیں دوسرے روز ہم اپنی منزل میں بیٹھے تھے کہ دو عورتیں آئیں جو بالکل اجنبی اور بہت خوبصورت تھیں انہوں نے ہم سے پوچھا کہ تم میں سے عمرو بن خابر کو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم اس سوال سے حیران رہ گئے اور پوچھا عمرو بن خابر کون؟ اور دفن کرنے کا کیا مطلب؟ وہ بولیں آپ میں سے کسی نے راستے میں کسی سانپ کو دفن کیا ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا۔ ہاں ہمارے اس ساتھی نے اپنا عمامہ پھاڑ کر اس میں ایک زخمی سانپ کو ضرور دفن کیا ہے۔ وہ بولیں کہ وہ آخری جن تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سنا تھا یہ کافر و مسلمان جنوں میں لڑائی کے درمیان جنگ میں شامل ہو کر شہید ہوا۔ پھر کہا کہ تم نے اگر یہ کام دنیا کے لئے کیا تو اس کا بدلہ ہم ادا کریں۔ ہم نے کہا ہم نے اللہ کی رضا پر انہیں دفنایا۔ کہا تم نے اچھا کیا یہ کہکر چلی گئیں۔

فائدہ جس نے سانپ کو عمامہ پھاڑ کر لپیٹا وہ صفوان بن معطل مرادی صاحب افک رضی اللہ عنہ اور جن کا نام عمرو بن خابر[1] تھا۔

---

[1] علامہ دمیری حیوٰۃ الحیوان ج ۲ ص ۱۷۴ میں لکھتے ہیں کہ ان عورتوں نے یہ بھی کہا کہ یہ سانپ جو آپ نے دفن کیا ہے دراصل وہ جن تھا جو بڑا تہجد گذار اور روزے رکھنے والا تھا اور اس نے نبی آخر الزمان صلی اللہ وآلہ وسلم کی خبر آپ کی تشریف آوری سے چار سو سال پہلے سُن لی تھی اور یہ اسی وقت ایمان بھی لے آئے تھے۔

فوائد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہ سینکڑوں سال پہلے ہی آپ کی تشریف آوری کے ڈنکے بج رہے تھے اور خوش نصیب تھے وہ افراد۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے بھی پہلے ہی آپ پر ایمان لے آئے اور کس قدر بدنصیب اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کی صداقت کے ظاہر و روشن نشان دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ بھائیو! یہ قسمت کی بات ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کا جتنا شکر بھی ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں خوش نصیب کیا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں غلام بنایا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

(۲۱) يَهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ (کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے۔ حق وصواب و دنیا و دین کی بہبودی کی جیسے حضور علیہ السلام کی دُعا میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ۔ اے اللہ مجھے رشد الہام فرما یعنی مصالح دنیا و دین کی رہبری فرما۔

فائدہ اس میں توحید و تنزیہ داخل ہیں۔

حل لغات حقیقت رشد کی ہے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بعض نے کہا کہ الرشد ہمچوں قفل غیٰ (گمراہی) کی نقیض اس کا اطلاق امور دنیویہ و اخرویہ ہر دونوں پر ہوتا ہے اور الرشد ہمچوں ذہب ظرف امور اخرویہ پر۔

فَاٰمَنَّا بِهٖ تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ قرآن پر لیکن اس پر ایمان لانے میں اس پر ایمان لانا ضروری ہے جو اسے لے آئے۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

داخل اندر دعوت او جن و انس

تا قیامت امتش ہر نوع و جنس

اوست سلطان و طفیل او ہمہ

اوست شہنشاہ و خیل او ہمہ

ترجمہ: آپ کی دعوت میں جن و انس ہیں تا قیامت آپ کی امت ہیں ہر نوع و جنس۔

(بقیہ حاشیہ صـ۲۴۰)

جن کا قتل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ تلاوت پاک فرما رہے تھے کہ ایک جن سانپ کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور آپ کے پاس سے گزرا آپ نے سانپ سمجھ کر مار ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد دو شخص مسجد میں آئے اور شاہ صاحب کو اٹھا کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ مدعی نے بادشاہ کے روبرو کہا کہ میرے بیٹے کو ان شاہ صاحب نے قتل کر دیا ہے۔ مجھے قصاص ملنا چاہیئے اس پر بادشاہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو قتل کر دینے کا حکم دینے والا ہی تھا کہ وہاں ایک بوڑھا جن موجود تھا اس نے کہا کہ شاہ صاحب پر قصاص واجب نہیں ہے کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مَنْ قُتِلَ فِیْ غَیْرِ زِیِّهٖ فَدَمُهٗ هَدَرٌ یعنی جس شخص کا قتل کیا جانا جائز تو نہ ہو مگر وہ ایسی قوم کے لباس و وضع میں ہو جس کا قتل کیا جانا جائز ہے تو اسے اگر کوئی قتل کر دے تو اس کا خون معاف ہے۔ اس بوڑھے جن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ جن سانپ کی شکل میں تھا جس کا قتل کر دینا جائز ہے اس لئے شاہ صاحب نے جبکہ اسے سانپ ہی سمجھ کر قتل کیا ہے تو اسی حدیث کے بموجب شاہ صاحب بے قصور ہیں اور ان پر کوئی قصاص نہیں۔ بادشاہ نے یہ حدیث سن کر شاہ صاحب کو رہا کر دیا اور وہ دو جن آپ کو اپنی جگہ پر پہنچا آئے۔ (التحریر الافخم صـ۵۵)

آپ سلطان ہیں باقی آپ کے طفیل ہیں آپ شہنشاہ ہیں باقی تمام آپ کی رعیت۔
وَلَنْ نُّشْرِكَ اور ہم ہرگز شریک نہیں کریں گے۔ آج کے بعد ہرگز یعنی حق کے بعد بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ اپنے پروردگار کے ساتھ۔ کسی کو مطابق اس کے کہ اس پر دلائل توحید ناطق ہیں یعنی موجودات میں سے کسی ایک کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں گے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اس لئے ایمان کی تکمیل اسی میں ہے کہ شرک وکفر سے بیزاری ہو۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ میں بیزار ہوں اس سے کہ تم شریک کرتے ہو، چونکہ قرآن معجزہ اور عجیب وغریب کتاب اور بھلائی راہ بتاتا ہے وہ شرک کی جڑ کٹنے اور دین میں مکمل طور داخل ہونے کا موجب ہے خلاصہ یہ کہ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ کا سبب اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ اسی لئے وَلَنْ نُّشْرِكَ الخ کا عطف واؤ سے ہے ورنہ فاء سے ہونا چاہیئے۔

③ وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا اور بے شک ہمارے رب کی شان بلند ہے (اَنَّهٗ بالفتح ہے اور ایسے مابعد کے جملے جو اَنَّ سے شروع ہیں اور وہ گیارہ ہیں اس کا عطف اَنَّهُ اسْتَمَعَ پر ہے اسی معنیٰ پر یہ تمام کلام وحی ہوگا جو جنات کے کلام کے مطابق ہے بطریق الحکایۃ گویا کہا گیا ہے قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ کیت کیت (یعنی فرمایئے کہ مجھ پر ایسے ایسے وحی کی گئی ہے) ان عبارات سے وہ سوال دفع ہوا جو کہا جاتا ہے کہ اگر اِنَّا ظَنَنَّا وَسَمِعْنَا وانہ کان اجال وانا لمسنا السماء ان جیسے اور جملوں کا عطف اَنَّهُ استمع پر ڈالا جائے تو جائز نہیں کیونکہ یہ تمام باتیں وحی نہیں کیونکہ یہ تو وہ باتیں ہیں جو جنات اپنی خبریں دے رہے ہیں (جواب اوپر ہوگیا کہ بطریق الحکایۃ وحی نہیں)۔

فائدہ جس نے (انہ کو) بالکسر پڑھا ہے اس نے قول کے بعد کے محکی پر عطف ڈالا ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ ان کے کل کا قول کے تحت مندرج ہونا واضح ہے اِنَّهٗ کے بارے میں بالفتح و بالکسر پر اور اقوال بھی ہیں اقرب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمارے ربّ کی شان بلند ہے جیسے ہم ثناء (نماز) میں کہتے ہیں) وتعالیٰ جدر بنا یعنی تیری عظمت کی شان بلند ہے اور تعالیٰ کا اسناد عظمت کی طرف بطور مبالغہ ہے جو عرب کے قول جد فلان فی غنی۔ فلاں کی تونگری کی شان بلند ہے کو جانتا ہے اس سے یہ محاورہ مخفی نہیں۔ کیونکہ انکا اس قول کا مطلب یہ ہے اس کی قدرت اور غلبہ عظیم ہے کیونکہ ملک وسلطنت میں انتہائی عظمت ہوتی ہے یا اس کا غناء (تونگری) عظیم ہے یہ اَلْجَدّ سے مستعار ہے بمعنیٰ بخت و دولت اور حظوظ دنیویہ خواہ بمعنیٰ ملک مستعمل ہو یا بمعنی الغنی کیونکہ الجد لغت میں بمعنیٰ عظمت اور دادا کو بھی جد کہا جاتا ہے اور نانا کو بھی وہاں بھی بمعنیٰ الحظ والبخت ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں مجدود ای محظوظ (یعنی محظوظ ہے) اللہ کے سلطان و غناء ذاتی کو بخت بادشاہوں کے بخت وغناء سے تشبیہ دی گئی ہے اسی لئے استعارۃً اس کا اطلاق ہوا۔

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ اس نے عورت اختیار کی نہ بچہ۔ اس میں اس کی بلندیٔ شان کے حکم کا بیان ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا کہ وہ کیا شے ہے جو اللہ کی شان بلند ہے فرمایا کہ اس نے نہ عورت

اختیار کی کہ وہ عورت کی ضرورت سے کمال درجہ شان بلند رکھتا ہے نہ ہی اسے لڑکیوں کی ضــــرورت ہے جیسے ظالم لوگ کہتے ہیں۔

فائدہ اس کی وجہ یہ ہے جب جنوں نے حضور علیہ السلام سے قرآن سنا اور توحید و ایمان سے واقف ہوئے تو اس غلط عقیدہ سے متنبہ ہوئے جو کافر دل جنوں کا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ کے قائل تھے کہ اسکی زوجہ و اولاد ہے تاکہ وہ فوت ہو جائے تو اس کے بعد اس کی اولاد کام کر سکے (معاذ اللہ) اسی لئے ان مؤمن جنوں نے

اللہ تعالیٰ کی عظمت و تنزیہ بیان کی اس کی عظمت و سلطان و غنا سے کیونکہ زوجہ ضرورت کے لئے اور اولاد نسل بڑھانے کے لئے ہوتی ہے اور یہ امکان و حدوث کے لوازم ہیں اور اللہ تعالیٰ حدوث و امکان سے منزہ ہے علاوہ ازیں یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے لئے تصور و ادراک کے دائرہ سے خارج ہے کہ اس کی کوئی کیفیت بیان کر کے اسے جنس میں داخل کرے اور اس کی زوجہ ثابت کرے جو اس کی جنس کے تحت ہو یا اولاد ہو جو اس کی نوع سے اس کی مماثل ہو اور نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اگر نصاریٰ کے قول کے مطابق مسیح علیہ السلام اس کا بیٹا مانا جائے تو لازماً ماننا پڑے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زوجہ مریم ہے (معاذ اللہ) کیونکہ بیٹا ثابت ہو تو زوجہ بھی ثابت کرنی پڑے گی جو کہ وہ باپ کی صاحبہ ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ صاحبہ میں نفس کی طرف اور ولد میں قلب کی طرف اشارہ ہے اس معنی پر روح زوج کی طرح تو گویا نفس قلب دونوں کا اب ہے حالانکہ وہ فی الحقیقت ہر علاقہ سے مجرد ہے اسے بدن سے اس لئے تعلق ہے تاکہ قدرت الٰہی کا ظہور ہو اور تاکہ جہت صفات سے تکمیل ہو۔

تفسیر عالمانہ (۴) وَاَنَّهٗ اور شان یہ ہے كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا اور ہمارا بے توف کہتا تھا) ہمارا جاہل یعنی ابلیس یا سرکش جن اس معنیٰ پر یہ اسم جنس ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس سے ابلیس مراد ہے کیونکہ وہ بھی جن ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کان من الجن ففسق عن امر ربہ (وہ جن تھا اور اپنے رب کے حکم سے نکل گیا)

حل لغات السفہ بمعنی عقل کی کمی اور اس کی نقیض جہل ہے (قاموس) امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ السفہ بدن میں ہلکا پن پھر یہ خفۃ النفس میں مستعمل ہوتا ہے بوجہ نقصان عقل کے اور امور دنیویہ و اخرویہ میں اور آیت میں دین میں وہ خفۃ مراد ہے جو اخروی سفہ (بے وقوفی) ہے (المفردات) ۔ عَلَى اللّٰهِ اللہ پر۔ یہ یقول کے متعلق ہے علیٰ اس لئے لائے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان تھا نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔

شَطَطًا (حد سے بڑھ کر)

حل لغات شطط ظلم وغیرہ کی حد میں متجاوز ہونا۔ المفردات میں ہے بُعد میں افراط یعنی ان کا قول صاحب بُعد از قصد ہے اور حد سے متجاوز ہے اسے مصدر سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے اور حد سے تجاوز یہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف عورت اور اولاد کی نسبت کی۔

عالم بے عمل کی مذمّت آیت میں اشارہ ہے عالم بے عمل جاہل کے حکم میں ہے دیکھئے اگرچہ ابلیس اہلِ علم تھا لیکن جب علم کے مقتضٰی پر عمل نہ کیا تو اُسے سُفیہ جاہل کہا گیا اسی لئے ایسے عالم بے عمل کی تقلید (اتباع)، ناجائز ہے اس جیسے اہلِ علم شیطان کے تابعدار ہیں اور شیطان نار (جہنم) کی دعوت دیتا ہے کیونکہ وہ اس سے پیدا کیا گیا ہے۔

۵ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اور یہ کہ ہمارا خیال تھا۔ اَنْ مخففہ از ثقیلہ ہے یعنی شان یہ ہے کہ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (انس و جن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھیں گے) اپنے سفیہ (بے وقوف) کی تقلید میں اعتذار کے طور کہا یعنی ہمیں خیال تھا کہ شان اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی جھوٹ نہ باندھے گا اسی لئے ہم نے اس کی بات کی اتباع کی اور تصدیق کی کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی عورت اور اولاد ہوگی لیکن جب ہم قرآن سنا اور اس کے سبب سے ہم پر حق واضح ہوگیا تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ وہ (بے وقوف) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں۔

كَذِبًا مصدر (مفعول مطلق) قولاً کا مؤکد ہے اس لئے کہ کذب بھی قول کا نوع ہے۔

فائدہ تفسیر صوفیانہ انس میں قوائے روحانیہ کی طرف اور جن میں قوائے طبعیہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ انس سے حواس ظاہرہ اور جن سے قوائے باطنہ مراد ہیں اس سے ہمیں وہم ہوا کہ شاید بصر اس کی شکل اور رنگ کا ادراک کرلے گی اور کان اس کی آواز سن لیں گے اور وہم وخیال نے ہدایت سے پہلے اور روح کے نورانی ہونے سے پہلے سمجھ رکھا تھا کہ شاید یہ حق اور واقعے کے مطابق ہوگا لیکن پھر جب اس وحی (القاء) سے جو قلب پر وارد ہوا بواسطۂ روح القدس ہم نے معلوم کیا کہ ہم تو اس کے ادراک کے حق میں نہیں اور نہ ہم اس لائق ہیں کہ اس کا ادراک کرسکیں۔ کیونکہ اس کی نہ کوئی شکل ہے نہ اس کا کوئی رنگ ہے نہ اس کی آواز ہے اور نہ وہ وہم وخیال میں آسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کلام کی جنس سے نہیں جو بنایا ہوا اور فکر وخیال سے گھڑا ہوتا ہے اور جو قیاسات عقلیہ یا مقدمات وہمیہ اور تخلیہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبیل مخلوق سے نہیں نہ جنسًا نہ نوعًا نہ صنفًا نہ شخصًا تو پھر کیسے اس کی عورت اور اولاد کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

۶ وَّاَنَّهٗ اور بے شک شان یہ ہے كَانَ تھے جاہلیت کے دور میں رِجَالٌ کچھ مرد مِّنَ الْاِنْسِ انسانوں سے۔ كَانَ کی خبر يَعُوْذُوْنَ (پناہ لیتے تھے) ہے۔

حل لغات العوذ بمعنی التجاء الی الغیر اور اس سے متعلق ہونا بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی۔

فائدہ اس میں دلیل ہے کہ جنوں کی انسانوں کی طرح بھی عورتیں ہوتی ہیں کیونکہ جب ان کے رجال ہیں تو ان کی عورتوں کا ہونا لازم ہے اسی لئے ان کے حق میں ہے کہ انہیں توالد و تناسل ہوتا ہے لیکن وہ ابلیس اور

اس کی ذریعت کی طرح مہلت دیئے ہوئے ہیں۔

جنات کی شرارت سے بچنے کا طریقہ اہل تفسیر لکھتے ہیں کہ عرب میں ایک شخص تھا کہ جب وہ کسی سفر میں کسی وادی اور ویران جنگل میں شب باش ہوتا اور اسے جنات سے خوف ہوتا تو کہتا اعوذ لبیّد ھذا الوادی من شر سفہا وقومہ (میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں ہوں اس کی قوم کے سفہا کی شرارت سے) اس سے اس کی مراد جنات ہوتے اور سید الوادی سے اس کا سردار مراد ہوتا۔ اس طرح سے وہ امن و سکون سے رات بسر کرتا اور صبح تک سکون سے سوتا۔

بہرحال جب جنات نے قرآن سنا تو کہا کہ ہمارے راستے جن والنس نے روک دیئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَـزَادُوْهُمْ (تو اس سے ان کا بڑھا) اس کا عطف یَعُوْذُوْنَ پر ہے اور ماضی کا صیغہ تحقیق کے لئے ہے یعنی پناہ لینے والے مرد انسانوں نے بڑھایا جنات کا رَهَقًا تکبر، یہ زاد کا دوسرا مفعول ہے یعنی تکبر اور سرکشی اور بغاوت کو اس لئے کہ رھق (محرکۃ بفتحتین) کئی معانی پر آتا ہے (۱) السفہ (بے وقوفی۔ (۲) اکوب الشر (۳) ظلم۔ آکام المرجان میں ہے کہ اسی لئے منتر پڑھنے والے ان کے اسمأ سے اجابت کرتے اور ان کے بادشاہوں کے اسمأ سے کیونکہ یہ انہیں ان کی قسمیں دیتے ہیں جبکی وہ عظمت مانتے ہیں اسی وجہ سے انہیں انسانوں پر ریاست و شرافت حاصل ہوتی اور ان سے جو چاہتے حاصل کر لیتے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ انسان ان سے اشرف ہیں اور قدر و منزلت کے لحاظ سے وہ ان سے معظم تر ہیں لیکن جب انسان انکے سامنے جھک گئے اور ان سے پناہ مانگنے لگ گئے تو وہ جنات ان کے لئے بمنزلہ اکابر کے بن گئے کیونکہ چھوٹے بڑوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں پھر وہ ان کی ضروریات پورے کرتے یا یہ معنیٰ ہے کہ پناہ لینے والوں کی جنات نے گمراہی بڑھائی کہ انہیں گمراہ کیا اور جب انہوں نے ان سے پناہ لی تو امن میں آگئے اس سے سمجھے کہ یہ امن انہیں جنات سے ملا ہے اسی لئے شیاطین کی اطاعت میں رغبت کی اور ان کے وساوس قبول کر لی اس وقت فاء اخبار کی ترتیب کے لئے ہے۔ اور زیادۃ کا اسناد انس وجن کی طرف باعتبار سببیت کے ہے۔

شان نزول حضرت کردم بن ابی السائب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کسی ضرورت کے لئے مدینہ پاک کی طرف روانہ ہوا یہ وہ دور ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا۔ راستہ میں ہم نے رات ایک بکریوں کے چرواہے کے ہاں گذاری۔ آدھی رات کے وقت بھیڑیا آیا اس نے اس کے ریوڑ سے بکری اٹھائی تو چرواہے نے پکارا یا عامر الوادی جارکٔ اے وادی کے سردار تیری پناہ۔ اس کو کسی نے جواب دیا جسے ہم نے نہ دیکھا وہ کہتا تھا یا سرحان ارسلہ۔ اے بھیڑیا اسے چھوڑ دے تو وہ اٹھائی بکری کے پاس آیا یہاں تک کہ بھیڑیئے سے کھینچ کر ریوڑ میں پھینکی ہم نے دیکھا کہ بکری کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں اپنے نبی علیہ السلام پر یہ آیت اتاری وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ الخ

جنات سے پہلے پناہ لینے والا کون حضرت مقاتل نے فرمایا کہ جنات سے سب سے پہلے یمن کی ایک قوم نے پناہ لی ان کے بعد قبیلہ نے اس کے بعد عرب میں عام شائع ہوگیا اسلام آیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ لی گئی اور جنات سے پناہ لینے کی رسم متروک ہوگئی۔

درندوں سے بچنے کا وظیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ جس وادی (جنگل) میں درندوں سے خطرہ ہوتو کہو اعوذ بدانیال وبالجب من شر الاسد دانیال (علیہ السلام) اور کنوئیں کے نام سے پناہ لیتا ہوں شیر کے شر سے۔

قصۂ دانیال علیہ السلام یہ اس قصۂ دانیال (علیہ السلام) کی طرف اشارہ ہے جو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے الشعب میں روایت کی کہ دانیال علیہم السلام کو کنوئیں میں ڈالکر اوپر سے درندے چھوڑے گئے۔ دیکھا گیا کہ درندے دانیال علیہ السلام کے قدم چوم رہے تھے اوران کے سامنے عاجزی کا اظہار کررہے تھے۔ دانیال علیہ السلام کے پاس اللہ کا فرشتہ تشریف لایا آپ نے پوچھا کہ آپ کون ہیں فرمایا میں آپ کے رب تعالیٰ کا قاصد ہوں۔ مجھے اللہ نے آپ کے پاس طعام دے کر بھیجا ہے۔ دانیال علیہ السلام نے کہا الحمد للہ الذی لا ینسی من ذکرہٗ تمام تعریفیں اس کے لئے جو اسے نہیں بھلاتا جو اسے یاد کرے۔

حکایت بخت نصر و دانیال علیہ السلام ابن ابی الدنیا نے روایت کی کہ بخت نصر کے دو شیر شکاری تھے انہیں اس نے کنوئیں میں ڈالا اور دانیال علیہ السلام کو بھی اسی کنوئیں میں پھینک دیا ان شیروں نے آپ کو کوئی نقصان نہ دیا چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیروں سے آزمائش کی اب ان کے نام استعاذہ روا رکھا کہ جب کسی شر کا دفعیہ مشکل ہو تو ان کے نام استعاذہ کیا جائے (حیوٰۃ الحیوان)

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے نام سے استعاذہ جائز ہے بشرطیکہ استعاذہ کرنے والا اہل توحید ہو اور اعتقاد ہو کہ تاثیر من اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قویٰ ظاہرہ قویٰ باطنہ کو سہارا اور تقویت دیتے ہیں ان سے محارم کے ارتکاب ومناہی مع دواعی وہمیہ واسباب شہویہ وغضبیہ وخواطر نفسانیہ کا عمل صادر ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ⑦ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اور بے شک ان انسانوں نے گمان کیا جیسا تمہیں گمان ہے۔ اے جنو! یہ اس وقت ہے کہ یہ کلام مومن جنوں کا ہو کافروں کے لئے جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ کا کلام مبارک سن کر اپنی قوم میں گئے یا جنوں نے گمان کیا اے کافرو! اس وقت ہے جب یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہو اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا اللہ تعالیٰ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا ان مخففہ ظَنُّوْا کے دو مفعولوں کے قائمقام ہے اور کوفیوں کے مذہب

کے مطابق عمل پہلے فعل کو دیا گیا ہے اس لئے کہ لفظ مَا کَمَا ظَنَنْتُمْ میں مصدریہ اور اس کا مدخول فعل بتاویل مصدر ہے اور فعل عمل میں بہ نسبت کے مصدر کے اقویٰ ہے اور لعثت سے رسالت مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو ہرگز رسول بنا کر نہیں بھیجے گا یا موسیٰ علیہ السلام کے بعد کہ وہ تشریف لا کر مخلوق پر حجت قائم کرے۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا ان پر ایمان لاؤ ان کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کرو جو بعض انسانوں نے کیا (یعنی ان کی پیروی کرو)۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اس کے بعد قیامت مراد ہے یعنی ان کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ موت کے حساب و جزا کے لئے کے لئے ہرگز نہیں اٹھائے گا۔

تفسیر صوفیانہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ اس میں انس و جن اہل غفلت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انکی اللہ تعالیٰ پر بدگمانی تھی اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خواب غفلت سے ہرگز بیدار نہ فرمائے گا بلکہ انہیں اسی طرح لذات میں مستغرق اور شہوات میں منہمک رکھے گا انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ مطلقاً قبور سے تمام کو اٹھائیگا اور ان کے اجسام و قلوب و ارواح کو حیاۃ باقیہ سے زندہ کرلے گا اس لئے کہ اہل نوم بوجہ شعور کے انقطاع اہل یقظہ (بیداری والوں) کو نہیں پہچانتے اس طرح پہلے تو اللہ تعالیٰ کا عجز ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ (اور بے شک ہم نے آسمان کو چھوا) یعنی آسمان تک پہنچنے کی طلب کی تاکہ سنیں کہ ملائکہ حوادث کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں تاکہ اُن سے سُن کر ہم کاہنوں میں پھیلائیں۔

فائدہ لَمَسْنَا طلب کے لئے مس سے مستعار ہے اور لمس ہاتھ سے ہوتا ہے ہر دونوں کو مشابہت ہے وجہ تشبیہ ہر دونوں کا شے کے حال معلوم کرنے کا وسیلہ ہونا ہے اسی لئے اس وسیلہ کو مس و لمس سے تعبیر کرتے ہیں۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللمس بمعنیٰ شے کا ادراک ظاہری جسم سے مس کی طرح اور اسے طلب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اسی سے ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی کہ میری عورت لامس کے ہاتھ کو نہیں چھوڑتی یعنی ضرورتمند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتی اس سے گویا اس نے اپنی عورت کے تضییع مال کی شکایت کی (کشف الاسرار)۔

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا تو ہم نے اسے پایا پہرے سے بھر دیا گیا ہے پہرے دار اور حفاظت کرنے والے ہیں یعنی فرشتے انہیں منع کرتے ہیں

حل لغات حَرَسًا جمع حارس کی بمعنی حافظ جیسے خدم خادم کی جمع ہے لیکن یہ لفظاً مفرد ہے اسی لئے اس کی صفت شدید [illegible] ہے یعنی [illegible] اگر یہ [illegible] جمع ہوتا تو اس کی صفت شِدَادًا ہوتا۔ مُلِئَتْ وجدناہا کے مفعول سے حال ہے اگرچہ وَجَدْنَا بمعنیٰ اَصَبْنَا۔

وصادفنا ہے اور دوسرا مفعول ہے اگر یہ افعال قلوب سے ہو۔ اب معنیٰ ہوگا فعلمنا ھا مملوءۃ تو ہم نے اسے پر جانا اور حرسًا تمیز ہے۔

وَّ شُهُبًا اور آگ کی چنگاریاں اس کا عطف حرسًا پر ہے اور اس کے اعراب کا حکم حرسًا کے مطابق ہے۔

حل لغات شُہُبًا شہاب کی جمع ہے وہ شعلہ جو کواکب کی نار سے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی کہا گیا ہے اور اس کی تحقیق گذری ہے۔

(۹) وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ اور یہ ہم بیٹھتے تھے۔ اس سے قبل مِنْهَا آسمان میں سے مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ بیٹھنے کی جگہیں سننے کے لئے خالی تھیں۔ پہرے اور چنگاریوں سے ان سے ہمارے مقاصد حاصل ہوتے تھے یعنی ہم انہوں کی طرف۔ القاء کے لئے فرشتوں کی باتیں سننا یا وہ جگہیں انتظار اور سماع کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ لِلسَّمْعِ نَقْعُدُ کے متعلق ہے بروجہ اوّل نَقْعُدُ لاجل السمع یا اس کا متعلق مضمر ہے اس وقت مقاعد کی صفت ہوگا دراصل عبارت یوں ہے۔ مقاعد کائنۃ للسمع۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ مقاعد ای مواقع جگہیں اخبار از آسمان سننے کے لئے ہر زندہ جن کے لئے آسمان پر جانے کا علیحدہ دروازہ تھا جو وہاں سے ملائکہ کی باتیں سنتا تھا۔

حدیث شریف بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ملائکہ بادل میں اترتے ہیں (العنان بالفتح معنی سحاب (بادل) آپس میں بیان کرتے ہیں وہ امر جو آسمان پر فیصلہ ہوا اس سے شیاطین چرا کر کاہنوں میں القاء کرتے اس میں وہ سو جھوٹ طرف سے ملاتے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان دونوں قولوں میں موافقت یوں ہے (یعنی اسمیں کہ وہ شیاطین آسمان سے باتیں چراتے اور یہ کہ بادل سے حاصل کرتے) بعض دفعہ ملائکہ بادل میں اتر کر باتیں کرتے اور بعض دفعہ وہ آسمان میں باتیں کرتے اور شیاطین (جنات) کے لئے آسمان پر چڑھنا ایک تھوڑے سے عرصہ کے لئے بھی شرعًا منع ہے کیونکہ ان کے اجسام لطیف ہیں اس لئے کہ وہ ناریہ ہیں یا ہوائیہ یا دخانیہ بس اسی لئے ان پر آگ اور ہوا اثر انداز نہیں ہوتیں جب وہ ان کے کرّوں سے گذرتے اگر مان لیا جائے کہ ایسا نہیں تو پھر یہ ماننا ہوگا کہ ان کا آسمان پر چڑھنا استدراجًا تھا اور اللہ تعالیٰ حکمتوں اور اسرار کا مالک ہے۔

فَمَنْ شرطیہ ہے يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ تو اب جو اب سننے بیٹھنے کی جگہوں میں سنے کسی جگہ میں اور استماع کو طلب کرتا ہے۔ اَلْاٰنَ بمعنیٰ اس زمانہ میں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد اور اللبائب میں ہے یہ ظرف حالی استقبال کے لئے استعارہ کیا گیا ہے۔ يَجِدْ لَهٗ اپنے لئے پائے۔ شرط کا جواب اور ضمیر من کی ہے یعنی اپنی

ذات کے لئے پاتا ہے۔ شِهَابًا رَّصَدًا آگ کا لوکا یعنی چنگاری۔

حل لغات رصد بمعنی انتظار کی استعداد (یعنی اس کے لئے چنگاری انتظار میں ہے کہ جونہی یہ سننے کے لئے اوپر جائے تو وہ اسے رجم سے روکتے ہیں یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ چنگاری والے اس کے منتظر ہوتے ہیں تاکہ اسے اس چنگاری سے ماریں جو ان کے پاس ہیں یہ اسم مفرد جمع کے معنیٰ میں ہے جیسے حرس مفرد بمعنی جمع ہے شہاب سے ملائکہ مراد ہیں بحذف المضاف یہ بھی جائز ہے کہ رصدًا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منسوب ہو۔

فائدہ

تفسیر صوفیانہ آیت میں طلب قوی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قلب کے آسمان میں داخل ہوتے ہیں تو وہ قلب کو ملکیہ ورحمانیہ کے نگران گھیرے ہوئے پاتے ہیں جو اس کی خواطر نفسانیہ وشیطانیہ کے طرق سے نور قلب کی نار سے (جو نور رب سے منور ہے) سے حفاظت کر رہے ہیں۔

فائدہ اگرچہ بعثت نبوی سے پہلے بھی یہ چنگاریاں تھیں لیکن بعثت کے بعد زیادہ اور واضح ہوگئیں یہاں تک کہ ان سے ہر انس وجن آگاہ ہوگیا اور جنات کی چوری چھپے باتیں سننا بالکل بند ہوگئیں تاکہ لوگوں پر اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (وحی الٰہی کی طرف منسوب ہیں کاہنوں کے اقوال سے جو ان شیاطین سے حاصل ہوئے جو انہوں نے اہل سما کے اقوال سے چرائے سے ملتبس نہ ہوں جس پر فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شدید دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ ایک حادثہ اور کمال اور کثرت پر دلالت کرتا ہے یعنی بعثت کے بعد نگران اور چنگاریاں بڑھائی گئیں یہاں تک کہ آسمان بھر گیا۔ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ کا مطلب یہ ہے کہ بعثت سے پہلے ہم آسمان میں بعض جگہیں بیٹھنے کی خالی پاتے کہ وہاں نگران اور چنگاریاں نہیں تھیں لیکن اب وہ تمام جگہیں نگرانوں اور چنگاریوں سے پر ہوگئی ہیں جب جنات نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ارض کے لئے کچھ ارادہ فرمایا ہے چنانچہ کہا۔

(۱۰) وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے لئے کسی شر کا ارادہ کیا گیا کہ آسمان کی ہمارے جانے سے حفاظت کی گئی ہے أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا یا ان کے لئے کسی خیر وبھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے یعنی وہ خیر وبھلائی جو ان کی مصلحتوں کو زیادہ موافق ہو۔ استفہام حکمت پر اطلاع کے عجز کے لئے ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ دو چیزوں کا تردد (خیر اشر میں) استفہام مخصص ہے اور یہ کہ یہ فعل مضمر جسکی مابعد تفسیر کرتا ہے کا فاعل ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نہیں جانتے کہ اس سے خیر وبھلائی مراد ہے یا شر۔ اسی تقریر کو مفسرین نے راجح کہا ہے کیونکہ یہی دو معطوفوں کے درمیان موافق ہے کہ دونوں جملے فعلیہ ہیں اور باء ہر دونوں میں ان کے ماقبل کے متعلق ہے اور جملہ استفہامیہ مفعول کے قائم کے مقام ہے۔

مسئلہ اللہ کی طرف خیر کی نسبت کی جائے اور اس کی طرف شر کی نسبت کرنا بے ادبی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام (کی حکایت میں ہے وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے

شفا دیتا ہے ۔

مسئلہ صاحب الانتصاب نے فرمایا کہ جنوں کا عقیدہ تھا کہ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں اسی لئے ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا اور گمراہی کے لئے ادبًا فاعل کو مضمر کر دیا اس اعتبار سے انہوں نے حسن الاعتقاد والادب کو جمع کیا۔

تفسیر عالمانہ ⑪ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ (اور بے شک ہمارے ہیں بعض نیک ہیں) اپنی ذات کے لحاظ سے اور معاملات میں اپنے غیروں کے ساتھ صلاح (نیکی) سے موصوف ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ بحسب فطرۃ سلیمہ کے مقتضی کے صلاح و خیر کی طرف مائل ہیں نہ کہ شر و فساد کی طرف جیسے نفوس شریرہ کا مقتضی ہے اور یہ قصر ادعائی ہے گویا انہوں نے ان بعض کے سوا دوسروں کی صلاح و خیر کا کسی قسم کا اعتبار نہیں کیا اس تقریر پر صالحون مبتدا اور منّا اس کی خبر مقدم ہے اور جملہ انّ کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ صالحون جار و مجرور کا عمل اور ظرف کے قائمقام ہے اس لئے کہ اسے مبتدا پر اعتماد ہے ۔

وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ اور کچھ دوسری طرح کے ہیں یعنی قوم سے صلاح میں کم ہیں یہاں موصوف محذوف ہے کیونکہ تفصیل منّ کے وقت موصوف کا حذف جائز ہے یہاں تک کہ عربی کہتے ہیں منّا ظعن و منا اقام (ہمارے بعض کوچ کر گئے اور بعض مقیم ہیں) اسے ان کی مراد منا فریق ظعن و منا فریق اقام ہے ۔ دون ظرف یعنی یہ علی الوجہ ۔ مذکور صلاح میں ادنیٰ درجہ کے ہیں یعنی صلاح میں کامل نہیں نہ کہ ایمان نہ تقویٰ میں جیسے بعض نے وہم کیا یہ ان کا حال استماع القرآن سے پہلے کا ہے جیسا کہ اگلا مضمون بتاتا ہے کہ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا (ہم ہیں مختلف طریقوں والے) ہاں استماع القرآن کے بعد ان کا حال اور ہو گیا جس کا ذکر وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى الی ان قال وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ میں آئے گا (ان شاء اللہ) یعنی استماع القرآن سے پہلے ہم مختلف الاحوال تھے یہ تقسیم مذکور کا بیان ہے اور یہاں مضاف مقدر ہے کیونکہ ذوات مختلف نہیں احوال کا اختلاف مراد ہے ۔

اہل مذہب جن علماء کرام فرماتے ہیں کہ جن قدریہ ۔ جبریہ ۔ مرجیہ و خوارج روافض اور شیعہ ۔ سنی وہابی دیوبندی مرزائی وغیرہ ہوتے ہیں ۔

حل لغات المفردات میں فرمایا کہ طرائق کی جمع طرق اور طرق کی جمع طرائق ہے اور ظاہر یہ ہے الطرائق طریقہ کی جمع ہے جیسے قصائد قصیدہ کی جمع ہے ۔

فائدہ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا میں اشارہ ہے کہ وہ مختلف درجات رکھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھم درجات وہ درجات والے ہیں ۔ الطریق سے مراد وہ ہے جو پاؤں سے طے کیا جائے اسی سے استعارہ ہے انسان کا مسلک کہ جس پر وہ چلتا ہے کسی فعل میں محمود (اچھا) ہو یا مذموم (برا) بعض نے یہ طریقۃ النخل سے لیا ہے اس کی درازی

کے طریق تشبیہ ہے ۔

حل لغات القد معنیٰ شے کو طول میں کاٹنا اور قد بمعنیٰ محدود ہے اسی لئے قامۃ الانسان کو قد کہا جاتا ہے ۔ تقطیعۃ کی طرح اور القدد بمعنی قطعۃ یعنی وہ قد ہے جیسے قطعۃ قطع سے اور الطرائق قدد سے اسی لئے موصوف ہیں کہ وہ تقطع و تفرق پر دلالت کرتے ہیں القاموس میں ہے کہ القدد انسانوں کا وہ فرقہ (گروہ) جو ہر ایک اپنی خواہش نفسانی علیحدہ رکھتا ہو۔ اسی سے ہے کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۔ یعنی فرقے جو مختلف خواہشات نفسانی پر بٹے ہوئے ہیں اور اس وقت جنوں کے مختلف فرقے تھے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت القاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ یعنی قوائے مدبرہ جو نظام معاش اور صلاح بدن پر مامور ہیں مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی مفسدات جیسے وہم و غضب و شہوت و معاملہ جو خواہشات کے مقتضی پر ہوں اور متوسطات جیسے قوائے نباتیہ طبعیہ کہتی ہیں کہ ہم مختلف مذاہب ہیں ہر طریق اور رہرو جسے جس پر اللہ تعالیٰ نے متعین فرمایا اور جو کام ہمارے سپرد کیا۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الصالحون سے سابقین بالخیرات اور مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ سے ان سے ادنیٰ مرتبہ والے انہیں سے ہیں مقتصدین جنہوں نے اعمال صالحہ و سیئہ کو مخلوط کیا۔ بہرحال اپنے نفوس پر ظلم کرنے والے وہ کنا طرآئق قددا میں مندرج ہیں۔ اس تقریر پر اس میں جملہ مستانفہ اور تخصیص کے بعد تعمیم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دون بمعنی غیر ہے اس معنیٰ پر پچھلی دو قسمیں اسی میں داخل ہیں ۔

⑫ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ (اور بے شک ہمیں یقین ہوا) ابھی ہم نے استدلال اور آیات القرآن میں تفکر سے

تفسیر عالمانہ ظن بمعنی یقین ہے کیونکہ ایمان ظن سے حاصل نہیں ہوتا ۔ اس میں ان کے ساتھیوں کی ترغیب و ترہیب مراد ہے اور وہ علم (الیقین) سے ہو سکتا ہے نہ کہ صرف گمان سے ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ میں ظاہر کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں)

اَنْ بے شک شان (بات) یہ ہے کہ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ (ہم اللہ تعالیٰ) سے ہرگز نہ نکل سکیں گے، اس حکم سے جو اس نے ہمارے لئے ارادہ فرمایا ہے درانحالیکہ ہم ہیں فِی الْاَرْضِ زمین میں جہاں بھی ہوں گے اس کے کناروں پر۔ فِی الْاَرْضِ نُّعْجِزَ کے فاعل سے حال ہے ۔

حل لغات الاعجاز بمعنی عاجز کرنا۔

وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا (اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے باہر ہوں) هَرَبًا ، لن نعجزہ سے حال

لہ جیسے فرقہ مرزائی فرقہ رافضی۔ وہابی دیوبندی وغیرہ اور اہلسنت کو جماعت کہا جاتا ہے ۔ ۱۲ اُویسی غفرلہٗ

ہے بمعنی ہاربین سے زمین سے بھاگ کر آسمان پر یا کسی پناہ دینے والے یا جبل قاف کی طرف یہ کہ ہم اس زمین سے بھاگ نہ جائیں گے اگر وہ ہمارے لئے اس امر کا ارادہ فرمائے یا ہمیں طلب فرمائے کیونکہ ہمارا ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف یا مرٹ جانا اس کے لئے برابر ہے یا انہیں سے اس سے ہمارا بھاگنا غیر مفید ہے۔
فی الارض کی قید میں اشارہ ہے کہ باوجود اس کی وسعت کے سوائے اللہ تعالیٰ سے نہ نجات کی امید ہے نہ بھاگنے کا فائدہ۔

(۱۳) وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى (اور بے شک جب ہم نے ہدایت سُنی) قرآن سنا جو اس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو مضبوط تر ہے اٰمَنَّا بِهٖ ہم بلا تاخیر اور بلا تردد ایمان لائے فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ (تو جو اپنے رب پر ایمان لائے) اور اس پر جو اس نے ہدایت نازل فرمائی فَلَا يَخَافُ تو اسے کوئی خوف نہیں۔
یہاں مبتدا خبر مقدر ہیں اسی لئے اس پر فاء داخل ہوئی۔ اگر مبتدا خبر مقدر نہ ہوتے تو کہا جاتا لا یخف فعل کے مرفوع ہوئے اور وجوب ادخالی فا کا فائدہ یہ ہے کہ اسمیں دلیل ہے کہ مومن ضرور نجات پائے گا اور یہ نجات صرف مؤمن سے مخصوص ہے اس کے غیر سے نہیں۔ بَخْسًا (کمی کا) جزا میں نقصان کا وَّلَا رَهَقًا ۙ اور نہ زیادتی کا کہ اس پر ذلت چڑھ کر اسے ڈھانپ لے یا یہ معنیٰ ہے کہ اسے نہ جزا کی کمی کا خوف نہ ظلم کا کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ کسی کے حق میں کمی کرے گا اور نہ کسی پر ظلم ہوگا اسی لئے مومن کمی اور زیادتی کی جزاء و سزا سے نہیں ڈرتا۔

مسئلہ اس میں دلیل ہے کہ جو ایمان والا ہے اس پر حق بنتا ہے کہ وہ حقوق العباد سے اجتناب کرے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنے نفسوں اور اموال کے بارے میں امن میں ہوں۔

فائدہ حضرت الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خود پر امان واجب اور لازم کرے جو شک کرنے والوں کے خوف میں ہے اس نے ابھی ایمان کی حقیقت کو نہیں پایا۔

(۱۴) وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ اور بے شک ہم میں کچھ مسلمان ہیں۔ قرآن سننے کے بعد وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ اور کچھ ظالم ہیں طریق حق سے ہٹے ہوئے۔ یعنی ایمان و طاعت سے۔

حل لغات القاسط بمعنی حق سے روگردانی کرنے والا۔ المقسط بمعنی العادل کیونکہ وہ حق کی طرف راجع ہے کہا جاتا ہے قسط جار حق سے ہٹ گیا اقسط عدل و انصاف کیا۔

فائدہ قاسط کا لفظ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ پر مستعمل ہوا اسی سے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا تُقَاتِلُ النَّاكِثِينَ وَالْقَاسِطِينَ وَالْمَارِقِينَ ۔ تم ناکثین و قاسطین ۔ اور مارقین سے جنگ کرو گے ۔

فائدہ ناکثین سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لشکر مراد ہے اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جا ملے اور انہیں اونٹ پر سوار کر کے بصرہ لے گئے اسی لئے اس جنگ کا نام جنگ جمل (اونٹ) ہے ۔ قاسطین سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۔

لے جنگ جمل و صفین کیوں ہوئیں یہ طویل داستان ہے لیکن اس سے صاحب نظر اس عقیدہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والے واقعات کو ایسے جانتے ہیں گویا ان کے سامنے واقع ہو رہے ہیں اسی کو اہلسنت علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں اور ما فی الغد (کل کیا ہوگا) کا علم بھی اسی میں ہے جس کی نفی میں مخالفین ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ حدیث خمس لا یعلمهن الا الله پانچ علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا نہ نبی (علیہ السلام) نہ ولی ۔ اور جو مانے وہ مشرک ۔ انہیں ایک ما فی الغد (کل کیا ہوگا) بھی ہے ۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے جیسے فرمایا ویسے ہوا ۔ اور ہونا تھا کیونکہ آپ کے منہ سے جو بات نکلی وہ ہو کر رہی اس میں اہلسنت کا عقیدہ ہے ۔ جنگ صفین و جمل ہر دو نوں میں حق پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے سیدہ عائشہ وسیدنا امیر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا جو مبنی بر غیر صواب تھا اور یہ قاعدہ مسلّم بہ شیعہ و سنی ہے کہ جو اجتہاد مبنی بر غیر صواب ہو تو بھی مجتہد قابل ملامت نہیں اور مسائل شرعیہ کو متحکم کرنے کے لئے ایسے اجتہادات انبیاء علیہ السلام سے بھی سرزد ہوئے جیسے داؤد و سلیمان علیہ السلام کے قصے قرآن مجید میں متعدد ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اجتہادات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ اسی اجتہاد پر اپنے بڑے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا وہ قرآن مجید میں مفصل ہے اب کونسا پاگل ہوگا جو انبیاء علیہم السلام کے اس اجتہاد پر برا بھلا کہنے کی جرأت کرے گا اگر کرے گا تو اس کا اپنا ایمان خطرہ میں ہوگا انبیاء علیہم السلام کی شان میں کمی نہیں آئیگی ایسے حضور امام الانبیاء نے اجتہاد کے باب درجنوں واقعات عملی طور دکھائے اگرچہ یہ اصول اسلامی ہے کہ انبیاء علیہم السلام مبنی بر غیر صواب پر اللہ تعالیٰ آگاہ فرما دیتا ہے اور وہ مبنی بر غیر صواب دائمًا نہیں رہتا اور اجتہاد غیر انبیاء علیہم السلام میں یہ بات نہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اجتہادات بھی درجنوں ہیں تو اہل اسلام میں سوائے خوارج مزاج کے کسی نے ان کو مطعون نہیں کیا ایسے ہی سیدہ صدیقہ و سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو مطعون کرنا سوائے روافض کے اور کون ہو سکتا ہے ۔ ایسے ہی جملہ صحابہ و آئمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ قاعدہ یاد رکھیئے ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طعن تشنیع سے روکا ہے اسی لئے ہم اس بحث کو نہ چھیڑیں بعض کم فہم سُنی بھی اسمیں ملوث ہیں ۔ اللہ ہدایت دے ۔ ۱۲ ۔
(اویسی غفرلہ)

کا لشکر مراد ہے اس لئے وہ حق وصواب سے ہٹ گئے کہ خلیفہ حق سے جنگ کی اس کا نام جنگ صفین ہے مارقین سے خوارج مراد ہیں اس لئے کہ وہ دین حق سے خارج اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ حلال سمجھی خوارج کے سربراہ تھے عبداللہ بن وہب الراسبی اور حرقوص بن زہیر البجلی یہ ذوثدیہ سے مشہور تھا اور یہ جنگ نہروان سے موسوم ہے یہ ایک جگہ ہیں ہے جو بغداد سے چار فرسخ (۱۲ میل دور واقع ہے

فَمَنْ اَسْلَمَ پس جس نے گردن جھکائی (اسلام لائے) جیسے ہم نے کیا اسلام قبول کیا ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جن کا کلام ہو یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا وہ جو آنے والی آیات ہیں ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان کی طرف ہے جو اسلام لائے اور جمع باعتبار معنیٰ کے ہے۔ تَحَرَّوْا تو انہوں نے سوچی۔

حل لغات اَلتحری دراصل قولاً و فعلاً اس کی طلب جو لائق تر ہو۔ یعنی طلب وقصد کیا۔

رَشَدًا بھلائی

حل لغات کہا جاتا رشد ہمچو لنصر وفرح۔ رَشَدًا اور ارشادًا بمعنی ہدایت پائی (قاموس) بمعنی عظیم اہتدا طریق دحق وصواب کی طرف جو انہیں دار الثواب تک پہنچا دے اس معنی پر تحری الرشد اس سے مجاز ہے بعلاقہ سببیہ خلاصہ یہ کہ انہوں نے راہ راست کا قصد کیا اور وہ اس سے اس مقصد تک پہنچ جائیں گے

(۱۵) وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ اور بہرحال ظالم۔ سنن الہدیٰ سے ہٹنے والے۔ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا تو وہ جہنم کے ایندھن ہوئے۔

حل لغات الحطب وہ شے جو جلانے کے لئے تیار کی جائے یعنی انہیں ایندھن بنا کر جلایا جائے گا جیسے انسانوں میں سے کافروں کو۔

حجاج کے سامنے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی حق گوئی

جب حجاج (ظالم) نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو آپ سے پوچھا کہ آپ میرے حق میں کیا سمجھتے ہیں فرمایا انت قاسط عادل حاضرین خوش ہوگئے اور کہا کیا خوب فرمایا اے حجاج آپ کے بارے میں کہ تو انصاف و عدل والا ہے حجاج نے کہا جاہلو اس نے مجھے جاہل اور کافر کہا اس نے یہی آیت تلاوت کی وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور آیت ثم الذین کفروا بربھم یعدلون (پھر وہ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ اپنے بتوں کو برابر کا خدا مانتے ہیں)۔

بی بی حق گو اور حجاج ظالم بعض نے یہی واقعہ ایک بی بی کی طرف منسوب کیا ہے جیسے کہ صحاح میں ہے اس سے بھی حجاج نے یہی سوال کیا تو بی بی نے کہا انت قاسط عادل تو جاہل کافر ہے۔
شاید یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعے اسی اتفاق سے وارد ہوئے ہوں۔

(۱۶) وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا (اور یہ کہ وہ سیدھے رہتے)۔ ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور قطعی طور جملہ کا عطف انہ استمع پر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وحی کی رب تعالیٰ نے کہ بے شک شان (بات) یہ ہے کہ اگر جن یا انس یا ہر دونوں سیدھے رہتے۔ عَلَى الطَّرِيقَةِ (راہ پر) جو کہ ملت اسلام ہے لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا تو ضرور ہم انہیں وافر پانی دیتے۔

حل لغات الاسقاء والسقی کا ایک ہی معنیٰ ہے (پلانا) اور امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ السقی والسقیا کسی کو پانی پینے کے لئے دینا الاسقاء اس کے پانی کسی شے میں دے دینا اور پھر وہ اسے جس طرح خرچ کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے اسقیتہ نہرًا میں نے اسے نہر کا قبضہ دیا کہ وہ اسے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ الاسقاء زیادہ بلیغ ہے اور غدق از باب علم بمعنی غزا۔ بہت پانی ہوا۔ مبالغہ کے طور اس سے الماء (پانی) موصوف ہوتا ہے اس کی کثرت کی وجہ سے رجل عدل کی طرح پانی کے ذکر کی تخصیص محض اس کی وسعت کی وجہ سے ہے اگرچہ اصل معاش اصل پانی ہے نہ کہ اس کی کثرت اور چونکہ عرب میں پانی قلیل الوجود ہے اسی لئے ان کے لئے اسے غدق سے موصوف کیا گیا۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جہاں پانی ہوگا وہاں سبزہ زار ہوگا جہاں سبزہ زار ہوگا وہاں مال ہوگا اور جہاں مال ہوگا وہاں فتنہ اٹھے گا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے انہیں کثیر مال بے روک ٹوک دیا اور ان پر دنیا میں رزق کی فراوانی کی خلاصہ یہ کہ ہم نے انہیں خشک سالی کے بعد خوشحالی بخشی اور رزق فراخ عطا فرمایا۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جن بھی کھاتے پیتے ہیں اسمیں تفصیل ہے اور وہ گذر چکی۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ استقامت علی الطریقہ سے طریقہ سنت پر قائم رہنا اور صلاح کی طرف مائل ہونا اور الاسقاء سے قلوب کو محبت کے پانی سے فیضیاب فرمانا مراد ہے۔

(۱۷) لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ تاکہ ہم انہیں آزمائیں۔ اس پانی دینے اور توسیع رزق پر کہ وہ کیسے شکر کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا وبلوناھم بالحسنات اور انہیں ہم نے مال و اسباب سے آزمایا۔ یا اس پانی کے بارے میں آزمایا لیکن دونوں کا مطلب ایک ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تاکہ ہم انہیں دنیوی زندگی میں آزمائیں کہ وہ شکر کا حق کس طرح ادا کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں روحانی رزق اور معنوی غذا کی طرف اشارہ ہے کہ ان پر شکر سے قائم رہنا ضروری ہے اور وہ ہے طاعات کے طریقوں اور عبادات کی قسموں اور خدمات کے امور سے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ اور جو اپنے رب تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرے۔ اس کی عبادت سے یا اس کی پند و نصیحت اور وحی سے۔ يَسْلُكْهُ (وہ اسے ڈالے گا) عَذَابًا صَعَدًا ۙ چڑھتے عذاب میں۔ جو معذب (عذاب دیئے ہوئے) پر چڑھ جائے گا اور اس پر ایسا غالب ہو جائے گا کہ وہ اس کے ہٹانے کی طاقت نہ رکھے گا یہ (فعلاً) مصدر ہے اسے مبالغہ کے طور صفت بنایا گیا جیسے کہا جاتا سلکت الخیط فی الابرہ۔ میں نے سوئی میں دھاگہ ڈالا۔ یعنی اللہ اسے چڑھتے عذاب میں داخل کرے گا جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ماسلکلم فی لیقر تمہیں کس نے دوزخ میں داخل کیا یہاں جار محذوف ہے اور بلا واسطہ فعل مفعول پر داخل ہے اور اس کی روگردانی کا یہ مطلب ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے دائمی عذاب میں داخل کرنے کی تصدیق نہیں کرتا تھا ورنہ اگر اسے راہ راست نہ بخشا جاتا تو کم از کم اسے بقدر جرم عذاب ہوتا۔

پہاڑ دوزخ کا مروی ہے کہ صعدٗ دوزخ میں ایک پہاڑ ہے کہ جب مجرم اس پر ہاتھ پاؤں رکھے گا تو جل جائیں گے اور جب انہیں اٹھائیگا تو صحیح وسالم ہو جائیں گے۔

ولید بن المغیر کافر کا ٹھکانہ بعض نے کہا کہ صعدٗ ایک صاف ستھرا پہاڑ ہے جس میں ولید بن مغیرہ کو ۴۰ (چالیس) سال یوں عذاب دیا گیا کہ اسے زنجیروں سے جکڑ کر اوپر سے نیچے گرایا جاتا رہیگا اسی طرح چالیس سال کے بعد پھر اسی طرح تا ابد۔ (پناہ خدا)

(۱۸) وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور بے شک یہ مسجدیں اللہ کی ہیں، اس کا عطف انہ استمع پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ مساجد خاص اللہ تعالیٰ کی ہیں اور انمیں صرف اسی کی عبادت ہو بالخصوص المسجد الحرام اسی لئے اسے بیت اللہ (اللہ کا گھر) کہا جاتا ہے۔

مسئلہ مساجد سے وہ جگہیں مراد ہیں جو نماز کے لئے تیار کی جائیں جیسے کنائس (گرجے) بیع (یہود کے عبادتخانے) اور مساجد اہل اسلام۔[1]

---

[1] **لطیفہ** خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ مساجد صرف میری ہیں لیکن دنیا بھر میں چکر لگائیں تو کوئی ایک مسجد نہ ملے گی جو صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اگر مساجد پر غیر اللہ کے نام کے غلبہ سے شرک لازم نہیں آتا تو پھر غوث رضی اللہ عنہ کے بکرے نے کونسا جرم کیا ہے کہ اس کا نام لو تو فوراً شرک کے فتویٰ زد میں آ جاؤ۔ حالانکہ جو بھی غوث کے نام کا بکرا کہتا ہے اس کی نیت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے گا۔ کوئی ایک سُنّی مسلمان تلاش کرنے

(باقی اگلے صفحہ پر)

ازالۂ وہم غیر اللہ کی طرف مسجد کا منسوب ہونا دوسری وجہ سے ہے یا بوجہ مسجد کے بانی کے یا اس جگہ کی نسبت سے کہ جہاں مسجد واقع ہے۔

پہلی مثال مسجد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی مسجد نبوی اس لئے اس کے بانی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

دوسری کی مثال مسجد بیت المقدس وغیرہ وغیرہ یہ اس کے منافی نہیں کہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی ہیں اب ان پر غیروں کا نام کیوں یہ نسبت اعتبارات سے ہے۔

فائدہ سب سے بڑی شان والی مسجد الحرام پھر مسجد المدینہ (مسجد نبوی شریف) پھر مسجد بیت المقدس پھر جامع مساجد پھر مسجد محلہ پھر سڑکوں عام شاہراہوں کی مساجد پھر صرف گھروں میں تعمیر کردہ مساجد۔

فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ اللہ تعالیٰ[1] کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔ (اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان نے لکھا) ای لا تجعلوا احدا غیر اللہ شریک للہ فی عبادۃ یعنی نہ بناؤ کسی غیر کو عبادت اللہ کا شریک۔ جب اشراک (شریک بنانا) مذموم ہے تو اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا کتنا بڑا زیادہ ہوگا۔

فائدہ علامہ کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مساجد میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو جیسے گرجوں عبادتخانوں میں یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و حضرت مسیح (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کو الوہیت سے یاد کرتے ہیں اور جیسے مشرکین بیت اللہ کے ارد گرد پکارتے ہیں۔ لبیک لا شریک لک الا شریک ھو لک تملکہ وما ملک (ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک سوائے اس کے جو وہ اور اس کی ہر مملوک شے تیرے لئے ہے) بعض نے کہا کہ مساجد سے تمام روئے زمین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو مسجد بنایا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میرے لئے زمین کو مسجد اور

---

[1] یہی ترجمہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کیا جیسا کہ اوپر ہم نے آیت کے تحت لکھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

پر نہ ملے گا جو ذبح کے وقت غوث یا کسی پیر فقیر کا نام لیتا ہو یا اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو وہ صرف بکرے وغیرہ پر نام لیتا ہے تو وہ عرف ہے جیسے مساجد پر غیر اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو عرف ہے ورنہ تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن صرف نسبت سے ہم نے مسجد کے نام پر رکھا ہے اسی کو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔

اور اس کی مٹی کو پاک بنایا۔ اسی لئے روئے زمین کے کسی ٹکڑا پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ (شریک بنا کر) کسی کو یاد نہ کرو۔

دل را بجز از یاد خدا شاد مکن
با یاد روئے از کسے دیگر یاد مکن

ترجمہ: دل کو یاد خدا کے سوا شاد نہ رکھ۔ اس کی یاد کے ساتھ کسی کو یاد نہ کر۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ غیر اللہ کو اللہ کے شریک بنانے سے بیزاری میں راز یہ ہے کہ غیر اللہ تعالیٰ عدم محض اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود لذاتہ ہے۔ اللہ تو مخلوق کے ساتھ ہے لیکن مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں کیونکہ وہ مخلوق کے ہر ذرہ کو جانتا ہے لیکن مخلوق اسے نہیں جانتی اس معنی پر مخلوق کے ہر زمان و مکان و حال میں ساتھ ہے۔ لیکن مخلوق اس کے ساتھ نہیں (کیونکہ وہ زمان و مکان اور حال سے منزہ ہے) کیونکہ وہ اسے جانتے ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ کیسے ہوں۔ اگرچہ وہ ایمان لانے کی حد تک اسے جانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ نہیں ان کی مثال اندھے کی ہے کہ وہ یہ تو جانتا ہے کہ وہ زید کا جلیس (ہمنشین) ہے لیکن وہ اسے دیکھ نہیں رہا۔ بخلاف اہل مشاہدہ کے کہ وہ ان آنکھوں والے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں جن کے ذریعے سے وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں (وہ ہے بصیرت کی آنکھ) اس سے ثابت ہوا کہ دما اللہ مع اللہ دما الخلق مع اللہ کی طرح نہیں۔ یہی ہے معنی فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ہ کا۔

فائدہ سجدہ اگرچہ بظاہر غیر اللہ کو محسوس ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی جہت کو ہے اور اللہ جہات سے منزہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سجدہ غیر اللہ کو نہیں بلکہ اللہ کو ہے کیونکہ وہ ہر شے کو محیط ہے اسی لئے جہاں جہاں سجدہ ہوگا اسی کو ہوگا۔

مسئلہ غیر اللہ کو سجدۂ تعظیم اگر بحکم خدا تعالیٰ ہے تو جائز ہے جیسے آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیم کیا اگر وہ سجدہ بحکم خدا تعالیٰ نہیں ہے تو وہ مردود ہے جیسے بت پرستوں کا اصنام کو۔

سوال جب ہر جگہ سجدہ اللہ کو ہی ہوتا ہے پھر تعمیر مساجد کا کیا فائدہ۔

جواب مساجد کی تعمیر تعظیماً ہے جیسے قبلہ کی تعیین ادباً ہے ورنہ ہر طرف سجدہ کرنا جائز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (جدھر منہ پھیرو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے)۔

مضمون توراۃ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے توراۃ میں لکھا دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین پر میرے گھر مسجدیں ہیں اور مسلمان جب اچھا وضو کرکے مسجد میں آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا زائر (زیارت کرنے والا) ہوتا ہے ہر وہ جس کی زیارت کی جائے کا حق ہے کہ وہ زائر کی تعظیم و تکریم کرے۔

فائدہ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جو مسجد میں جائے تو وہ اللہ کی زیارت کی نیت کرے۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ وہ مساجد (قلوب) جو گندگیوں (برائیوں) سے صاف ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی تجلیات ذاتیہ وصفاتیہ واسمائیہ کے لئے خاص ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اسماء جزئیہ کو شریک نہ بناؤ یعنی قلوب کی مساجد کو اسم اللہ الاعظم کے لئے پاک کرو کہ وہ اس کی جلوہ گاہ ہے نہ کوئی اور جگہ۔ حضرت ابن عطا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے اعضاء وہ مسجدیں ہیں جن کے لئے تجھے حکم ہے کہ تجھے حکم ہے تو ان پر سجدہ کر اور انہیں خالق کے سوا کسی کے آگے نہ جھکا وہ سات اعضاء یہ ہیں:

(۱) چہرہ (۲،۳) دو ہاتھ
(۴،۵) دو گھٹنے (۶،۷) دونوں پاؤں

نکتہ ان ساتوں اعضاء کو سجدہ کا حکم اس لئے ہے کہ انسانی حرکات کا مدار ان مفاصل (جوڑوں) پر ہے جو چلنے شے کو پکڑنے اور دوڑنے میں یہی کھلتے اور بند ہوتے ہیں اور انہی سے ہی برائیوں کا ارتکاب اور شہوات کا اجراء ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سجدہ کا حکم فرمایا تاکہ وہ ان غلطیوں کا کفارہ ادا کریں اور سجدہ ریزی سے ان کے گناہ وخطا معاف ہو تو وہ پاک وصاف ہوں۔

تفسیر عالمانہ (۱۹) وَاَنَّہٗ اور منجملہ وحی کے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجی گئی (شان عبد)۔ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ (جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا) عبد سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ نام آپ کے لئے اس لئے مقرر ہوا کہ عبد اسم اللہ (اعظم) کی طرف مضاف ہے اور حقیقی عبد آپ ہی ہیں اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ کے جمعاً مظہر بھی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لئے اسی اسم کے سوا اور کوئی اسم محبوب نہ تھا۔

فائدہ اس لئے کہ جس طرح عبادت وعبودیت کا حق آپ نے قائم کیا اور کسی کو اس کی اقامت کی قدرت نصیب نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ منازل ملکی سے اوپر کے عروج کے وقت بھی آپ کو اسی اسم سے یاد کیا گیا چنانچہ فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اور پھر مدارج فلکی سے قرآن مجید کے نزول کے وقت بھی آپ کو اسی اسم سے یاد کیا گیا چنانچہ فرمایا تبارک الذی نزل القرآن علٰی عبدہٖ۔

آں بندہ شعار بندگی دوست
کز جملہ بندگان گزین اوست

داد ند بندگیش را ہے
کانرا کہ ندیدہ ہیچ شاہے

ترجمہ: وہ ذات جو بندہ شعار اور بندگی کو دوست رکھتے ہیں۔ وہی تمام بندوں سے برگزیدہ ہیں انہیں بندگی کا اس لئے راہ دکھلایا کہ ان جیسا شہنشاہ کسی نے نہ دیکھا۔

فائدہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عبد اللہ سے یاد کرنے آگاہی بخشی گئی کہ صرف آپ ہی عبودیت و عبادت کا تقاضا پورا کرنے والے ہیں کہ صرف آپ ہی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں کہ آپ کو ہی اس کی حقیقی نیاز کا طریقہ نصیب ہے اور بس کیونکہ وہ اس کلام کے قائمقام واقع ہے جو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف وحی ہوئی جب میں عبادت کے لئے قیام میں تھا یہ اس قراۃ پر ہے کہ اِنَّہٗ کو مفتوح پڑھا جائے لیکن نافع و ابوبکر (رحمہما اللہ) کی قراۃ پر تو وہی معنٰی متعین ہے کہ آپ ہی صرف عبادت و عبودیت کا تقاضا پورا کرنے والے ہیں اور بس۔

فائدہ اس میں قریش کو تعریض ہے کہ وہ خود کو عبدود و عبد یغوث و عبد مناف و عبد شمس وغیرہ کہلواتے۔ عبد اللہ نہیں کہلواتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے بھی قائل تھے۔

سوال ان کے بعض کے اسماء عبد اللہ بھی تو تھے پھر تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ عبد اللہ نہیں کہلواتے۔

جواب: عبد اللہ نام رکھنے کی حد تک تھا اس سے اس کا معنٰی مطلوب نہیں ہوتا (جیسے تسمیہ باسماء کا قاعدہ ہے۔

یَدْعُوْہُ اس کی بندگی کرتا ہے۔ یہ قام کے فاعل سے حال ہے اور یدعوہٗ بمعنٰی یعبدہٗ ہے اس کی عبادت کرتا ہے اور یہ آپ کا نخلہ میں صبح کی نماز کے قیام کی طرف اشارہ ہے (جس کا قصہ پہلے گذرا)۔ کَادُوْا قریب تھے جن یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں۔

حل لغات لِبَدًا لبدۃ (بالکسر) کی جمع ہے جیسے قربۃ و قرب وہ شے جو کسی دوسری سے پر لپٹی جائے یہاں شرا کین (ٹھٹھ ہو کر (ہجوم کرنے والے) گویا وہ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں ہجوم کی وجہ سے گویا وہ نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر گرتے ہیں تعجب سے جب آپ کی عبادت کو دیکھ کر

لے روح البیان ص ۱۹۸ ج ۱۰ اس میں ان تحریف کنندگان کا رد ہے جو یَدْعُو کو یَدْعُو کا معنٰی چھوڑ کر مطلقًا پکارنے کے معنٰی میں لے کر صرف یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کے پکارنے کو شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں۔
(اُویسی غفرلہٗ)

جب آپ سے قرآن سنا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کے پیچھے نماز کی اقتداء میں قیام وقعود وسجود کرتے دیکھا اس لئے کہ ایسا طریقۂ عبادت انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا اور وہ کلام سنا کہ اس کی نظیر پہلے کہیں سنی گئی۔

فائدہ قرأۃ بالکسر ہوا ور مقولہ جن کا ہو تو کا دو کی ضمیر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف راجع ہو گی جو آپ کی اقتداً میں نماز ادا کر رہے تھے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ دونوں قرأتوں میں اشکال ہے وہ یہ کہ اگر وہ مراد ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے جسے مفسرین نے اپنا مذہب بتایا یعنی جنات کا حضور علیہ السلام پر ہجوم کرنا اس لئے کہ نخلہ میں جنات صرف سات تھے یا نو اور اس کا معنیٰ اژدھام نہیں اس لئے کہ ازدھام کثیر جماعت پر بولا جاتا ہے اور وہ (جنات) سات تھے یا نو تھے اور ایسی قلیل جماعت پر اژدھام کا اطلاق نہیں ہوتا اور یہاں مکان بہ فراخ تھا اور قاری یعنی حضور علیہ السلام جنات کو قریب تھے اور یہ تمام اژدھام کے معنیٰ کے مطابق نہیں ہاں یہ ازدھام جحون (نام مقام) میں جنات کا ضرور تھا جبکہ حضور علیہ السلام نخلہ (نام مقام) سے جحوں کو لوٹے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس اشکال سے چھٹکارا نہیں۔ ہاں یوں اس کا جواب دیا جائے کہ جنات رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک جانب قریب ہونے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو گئے کہ ہر ایک دوسرے سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے اور آپ کی قرأت سننے کے لئے سبقت کر رہے تھے جو اژدھام کی صورت اختیار کر گیا۔

فائدہ یہاں بعض نے تعیین عدد پر بحث چھیڑی ہے لیکن اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر وہ مراد ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو وہ ان کا مشاہدہ تھا جیسے ہم سورۂ احقاف میں بیان کر آئے ہیں اور اسے بطریق جمایان کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا جیسے ہم سورۃ ہذا کے ابتداء میں کہہ آئے ہیں کہ اس وقت آپ کے ساتھ اور کوئی صحابی نہ تھا سوائے چند محدود کے۔ بعض روایات میں ہے کہ صرف زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے (انسان العیون) پھر بھی اس سے اژدھام کی صورۃ نہیں بنتی تو پھر کیوں نہ کہا جائے واللہ اعلم بمرادہ (اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ خود ہی خوب جانتا ہے)۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ
لَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ

مُلۡتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ
لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ
فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ
مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَهٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی
غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّهٗ یَسۡلُكُ مِنۡۢ بَیۡنِ
یَدَیۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ
وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیۡهِمۡ وَاَحۡصٰی كُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: تم فرماؤ میں تو اپنے رب ہی کی بندگی کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا ﴿۲۰﴾ تم فرماؤ میں تمہارے کسی برے بھلے کا مالک نہیں ﴿۲۱﴾ تم فرماؤ ہرگز مجھے اللہ سے کوئی نہ بچائے گا اور ہرگز اس کے سوا کوئی پناہ نہ پاؤں گا ﴿۲۲﴾ مگر اللہ کے پیام پہنچانا اور اس کی رسالتیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں ﴿۲۳﴾ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ دیا جاتا ہے تو اب جان جائیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم ﴿۲۴﴾ تم فرماؤ میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا میرا رب اسے کچھ وقفہ دے گا ﴿۲۵﴾ غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا ﴿۲۶﴾ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے ﴿۲۷﴾ تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیام پہنچا دیئے اور جو کچھ ان کے پاس سب اس کے علم میں ہے اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے ﴿۲۸﴾

تفسیر عالمانہ ﴿۳۰﴾ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَدۡعُوۡا فرمایئے میں تو اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں (اَدۡعُوۡا کا معنی مفسر نے اَعۡبُدُ لکھا ہے معلوم ہوا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اولیاء کی ندا کو اس آیت سے شرک ثابت کرنا قرآن کی تحریف ہے ۔

ف یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں (ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون) کہ وہ پہلی آیت کا مصداق بنا کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفع و نقصان کی ہر طرح کی ملکیت کی نہ صرف نفی کرتے ہیں بلکہ ایسے عقیدہ کو شرک کہتے ہیں

رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ (اپنے رب ہی کی اور اس کا شریک نہیں ٹھہراتا) اپنے رب کی عبادت میں اَحَدًا (کسی کو) اور یہ کوئی نئی بات نہیں اور بُری ہے جو تعجب کا موجب یا میری عداوت پر اکسانے کی بات ہو یہی میرا حال ہے تمہارا بھی ایسا ہونا چاہیئے (۲۱) قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ۔ فرمائیے بیشک مالک نہیں۔ طاقت نہیں رکھتا۔ لَکُمْ تمہارے لیے مشرکو۔ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ہ برے اور بھلے کا گویا اس کا مطلب یہ ہے میں نفع ونقصان اور گمراہی وہدایت کا مالک نہیں ہوں اور نہ ہی وہ میرے ہاتھ میں ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی ضار (ضرر پیدا کرنے والا) نافع ہادی ومضل (گمراہی پیدا کرنے والا ہے) ہر دونوں کا متقابل متروک ہے جبکہ اس کا متقابل ان کے دوسرے میں ذکر ہے اسے احتباک کہا جاتا ہے ہر اس شئے کو حذف کرنا جس پر اس کا بالمقابل دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ ہے کہ من حیث الوجود کے آپ کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے تو اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انک لا تہدی من احببت لیکن من حیث اس حیثیت کے آپ کا وجود حق مطلق ہے تو اس معنی پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نفع ونقصان کے مالک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انک لتہدی الی صراط مستقیم بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سیدھے راہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ضر ورشد سے مراد غی (گمراہی) وہدایت ہے یعنی ہدایت وغوایت اللہ تعالیٰ سے ہے کہ اگر وہ مجھے تم پر مسلط کرے تو تم ہدایت پا جاؤ گے نور سے ورنہ گمراہی میں پڑے رہو گے۔ اس میں میری ذاتی قوت نہیں کہ تم پر گمراہی وہدایت مسلط کر دوں۔

تفسیر عالمانہ (۲۲) قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ فرمائیے ہرگز مجھے نہ بچائیے گا (چھڑائے گا خلاص دلائے گا) مِنَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ سے اس کے قہر وعذاب سے اگر میں اس امر کی مخالفت کروں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں اَحَدٌ وہم کوئی ایک اگر میں اس کی جان بچانے کی درخواست کروں یا کوئی بھی مجھے اس سے نجات نہ دلائے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ میرے لئے (معاذ اللہ) یہی تقدیر جاری فرمائے کہ مجھے مریض کر دے یا موت دیدے وغیرہ وغیرہ

اگر آپ سے ہر طرح کی ہدایت ونفع ونقصان نفی ہو تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ سے نفی کرنے والی قوم کے عقل پر تالے پڑ گئے کہ وہ آپ کی امت کے اولیاء وعلماء اور مبلغین کو تو ہادی مانتے ہیں اور دوسری بہت سی اشیاء کے لئے نفع وضرر مانتے ہیں لیکن جن کے صدقے سب کو ہدایت اور منافع دارین نصیب ہوئے ان کے لئے نفی کرتے ہیں اس کے متعلق تفصیل ہم پ۲۰ کے حاشیہ آیت انک لا تہدی من احببت میں لکھ آئے ہیں۔

(اضافہ اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے توحید میں اخلاص ضروری ہے کیونکہ توحید کا مطلب نظر حق کے ماسوا باقی سب سے نظر پھیر لینا اور اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل متوجہ اور ماسوائی اللہ سے منہ پھیرنے اور صرف اسی پر کامل اعتماد کرنا نہ کہ اس کے غیر سے ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اور ہرگز اس کے سوا پناہ نہ پاؤں گا ۔

حل لغات کہا جاتا ہے الحد فی دین اللہ والتحد فیہ اس سے منہ پھیرا اور روگردانی کی ملجا کو ملتحد کہا جاتا ہے بمعنیٰ جا پناہ کیونکہ پناہ لینے والا اس کی طرف مائل ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں شدائد و تکالیف کے وقت اس کے جا پناہ اور رجوع کی جگہ اور سہارا گاہ نہیں پاؤں گا اسی لئے عقیدہ ہے کہ صرف وہی ملجأ و موئل (رجوع کی جگہ اور سہارا گاہ) ہے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز کے اظہار بعد اس کے پہلے غیروں کے عجز کا اظہار فرمایا ہے یعنی میں اپنی ذات کے لئے ذاتی طور مالک نہیں تو پھر تمہارے لئے کیسے مالک (ذاتی طور) ہوسکتا ہوں ۔

(۲۳) اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ (مگر اللہ کے پیام پہنچانا) یہ لا املک سے استثنأ متصل ہے یعنی اس کے مفعول سے اس لئے تبلیغ بھی تو ارشاد و نفع ہے ان کے مابین جملہ معترضہ استطاعت از نفس خود سے نفی کا مؤکد ہے اس لئے ان کے درمیان طول الفصل مضر نہیں اور مبالغہ خود کو تبلیغ سے موصوف کرنے کے مبالغہ میں دلیل ہے کہ آپ تبلیغ کو حسب استطاعت ترک نہیں فرمائیں گے خواہ تم عداوت کا کتنا زور لگاؤ مِنَ اللّٰهِ بلاغًا کی صفت ہے یہ دراصل بلاغًا کائنا منہ" تھا" یہ بلاغًا کے متعلق نہیں اس لئے مشہور قاعدہ پر تبلیغ کا عن ہے نہ کہ مِنْ اور ابلاغ تبلیغ کے قائمقام واقع ہوا ہے ۔ جیسے سلام و کلام تسلیم و تعلیم کے قائمقام واقع ہوتے ہیں یا یہ ملتحدًا سے استثناء ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سواہ کوئی پناہ نہیں کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے اس کی اعانت و توفیق سے ۔ وَرِسٰلٰتِهٖ (اور اس کی رسالات) اس کا عطف بلاغًا پر ہے بحذف المضاف اس سے بھی بلاغ مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں تمہارے لئے مالک نہیں ہوں ۔ سوائے تبلیغ کے جو اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس کی رسالات کے جو اس نے مجھے دے کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پہنچاؤں گا اور کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے فرمایا ہے یعنی قول کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی رسالات پہنچاؤں گا جو دے کر اس نے مجھے بھیجا ہے انمیں کسی قسم کی کمی زیادتی نہ کروں گا ۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاغ من اللہ سے مراد وہ احکام ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ لیتے ہیں اور رسالات وہ احکام جو بالواسطہ حاصل ہوتے ہیں ۔

فائدہ الرسالۃ سے وہ امور و احکام احوال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر مخلوق کی طرف بھیجے جاتے ہیں اس سے مصدری معنی مراد نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ تبلیغ و رسالت من اللہ مراد ہے اور رسالات جمع باعتبار احکام و امور کے جمع کے ہے جنہیں لے کر تشریف لائے ہیں۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وہ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہ ماننے (یعنی توحید کا امر جو شخص (اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم کی فرمانبرداری نہ کرے اور ان کی دعوت کا انکار کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اسی لئے کہ کلام اسی میں ہے اور یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ اس کا مخصص ہو اس کے عموم کا اسی لئے آیت میں معتزلہ کا تمسک صحیح نہیں جیسا کہ ان کا مذہب ہے کہ عاصی (گنہگار) بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ (تو بے شک ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں۔ جہنم کی آگ یعنی یا تمام جہنم میں اور جمع کا صیغہ باعتبار معنیٰ کے ہے۔ اَبَدًا ہمیشہ بلا نہایت۔ یہ ایک وہم کا دفعیہ ہے وہ یہ کہ شاید خلود سے بہت بڑی مدت مراد ہو اس کا ازالہ فرمایا کہ نہیں ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ (بلا نہایت) جہنم میں رہیں گے (۲۳) حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا (یہاں تک کہ جب دیکھیں گے) مَا يُوْعَدُوْنَ جو وعدہ دیا جاتا ہے یہ محذوف کی غایت ہے جس پر ان کا حال دلالت کرتا ہے وہ یہ کہ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی نہایت کمزور اور نہایت قلیل چند گنتی کے ہیں یہاں تک کہ وہ کہا کرتے کہ تو ہمارے سامنے ایسے ہیں جیسے پہاڑ کے بالمقابل ایک ڈھیلہ وہ اس وہم میں رہے یہاں تک کہ دیکھا وہ جو وعدہ گیا آخرت میں ان کے لئے گوناگوں عذاب ہوگا۔ فَسَيَعْلَمُوْنَ تو جان جائیں گے) اس وقت جب ان پر عذاب حلول و نزول کرے گا

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا (کہ کس کے مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم ہے) عنقریب انہیں معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار (کمزور اور گنتی کے لحاظ سے تھوڑے ہیں ان کے یا اہل ایمان کے۔ من موصولہ۔ اضعف مبتدأ محذوف کی خبر ہے اور جائز ہے کہ استفہامیہ مرفوع مبتدا اور اس کی خبر اضعف ہو اور جملہ بحذا منصوب علم (باب) کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور ناصرًا وعددًا منصوب علی التمییز ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین نے مَا يُوْعَدُوْنَ سے یوم بدر مراد لیا ہے جو بھی ہو اس میں دلیل ہے کہ کفار دنیا و آخرت ذلیل و خوار ہیں اگرچہ گنتی کے لحاظ سے کثیر اور جسمانی لحاظ سے قوی ہوں کیونکہ کافروں کا کوئی مولیٰ مددگار نہیں اور اہل ایمان دارین میں منصور ہیں اگرچہ گنتی کے لحاظ سے تھوڑے اور جسمانی لحاظ سے کمزور ہوں کیونکہ ان کا مولیٰ (مددگار) اللہ تعالیٰ ہے۔

مسئلہ حق پر اگرچہ ایک ہو تو بھی وہ سواد اعظم ہے اس لئے کہ اس کی مدد عرش الٰہی سے نازل ہوتی ہے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب

تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ: وہ تلوار جسے آسمان اپنے فیض سے مدد دے۔ تنہا تمام جہان پر قبضہ کرلے گی بغیر سپاہ کی مدد کے۔

(۲۵) قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ (فرمائیے میں نہیں جانتا) ان نافیہ ہے اَقَرِیْبٌ (کیا نزدیک ہے۔ خبر مقدم ہے کا۔ مَّا تُوْعَدُوْنَ (وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے) مبتدا ہے۔ جائز ہے کہ مَا تُوْعَدُوْنَ قریب کا فاعل ہو خبر کے قائم مقام ہے کیونکہ الف استفہام کے بعد واقع ہوا ہے اور مَا موصولہ اور عائد محذوف ہے کہ دراصل اَقَرِیْبٌ اَلَّذِیْ تُوْعَدُوْنَ۔ یہ اقائم الزید ان کی طرح ہے اَمْ یَجْعَلُ لَہٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا یا میرا رب تعالیٰ اسے کچھ وقفہ دے گا یہ وہ غایت ہے کہ جس کی مدت طویل ہے الا اگرچہ قریب مدت کے لئے بھی مستعمل ہوتی ہے مگر اس کا بالمقابل اسے طویل مدت کے لئے خاص کر گیا ہے۔

اَمَدُ و زمان میں فرق زمان و امد میں فرق یہ ہے کہ امد باعتبار غایۃ کے کہا جاتا ہے اور زمان عام ہے مبدأ و غایۃ ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ موعود (جس سے وعدہ کیا گیا وہ لامحالہ ہو کر رہے گا یہ علیحدہ بات ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کب ہوگا کیونکہ کیونکہ اس کے وقت کو متعین نہیں کیا گیا اس لئے کہ اسے مخفی رکھنے میں اس کی مصلحت ہے۔

فائدہ یہ رد ہے مشرکین کا جب انہوں نے کہا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا یہ بھی محض انکار و استہزاء کے طور کہا۔

سوال اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو بھی وقوع ساعۃ کے وقت کا علم نہیں حالانکہ آپ نے خود فرمایا انا والساعۃ کہاتین، میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ وقوع ساعۃ کا وقت جانتے ہیں اور آیت میں ہے کہ لَآ اَدْرِیْ میں نہیں جانتا کہ وہ نامعلوم قریب ہے یا بعید۔

جواب قرب سے مراد یہ ہے کہ اس کے وقوع کا وقت قریب ہے اس لئے دنیا کا جو وقت گذر گیا اس کی بہ نسبت جو باقی ہے وہ نہایت قلیل ہے۔ اتنا قدر آپ کو معلوم ہے لیکن قرب یا بمعنی کہ آنے والے لمحات میں نامعلوم کب واقع ہو وہ غیر معلوم ہے علاوہ ازیں ہر آنے والے لمحات قریب ہی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ (اللہ تعالیٰ کا امر ابھی آیا اس کے لئے عجلت نہ کرو) اور فرمایا کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار گویا وہ اس دن کو دیکھتے ہیں جو وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ گویا وہ ایسی نہیں مگر دن کی ایک گھڑی اور وہ موت

سے ہے۔ متقدمین کے لئے اور عین القیامۃ کما وقوع ہے متاخرین کے لئے جیسے نوح علیہ السلام نے طوفان سے ڈرایا لیکن اسے بعض نے نہ پایا کیونکہ وہ اس کے وقوع سے پہلے فوت ہوگئے بلکہ طوفان کی موت بحر بلا میں غرق ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ قل ان ادری الخ فرمایئے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے جو تم وعدہ دیئے گئے قیامت صغریٰ فنائے صوری اور موت طبعی اضطراری اور دخول نار اللہ الکبریٰ میں بعث (مرنے کے بعد اُٹھنا) کا وقت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے مجھے کوئی واقفیت نہیں یا کبریٰ نار کے دخول میں یعنی موت ارادی اور فنائے حقیقی میں بوجہ عدم وقوف بر قوۃ استعداد کے کہ نا معلوم وہ جلدی واقع ہو یا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی وقت مقرر فرمادے۔

تفسیر عالمانہ (۲۶) عالم الغیب وہ غیب جاننے والا وحدہٗ لا شریک، یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ ان جمیع امور کا عالم ہے جو مخلوق سے غیب ہیں یہ لام استغراق کی اور جملہ مستانفہ ماقبل کے عدم درایۃ کی تقریر کرتا ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ وہ آگاہ نہیں کرتا۔ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اپنے غیب پر کسی کو۔ فا عدم اظہار کی ترتیب کے لئے ہے کہ علم غیب علی الاطلاق پر صرف وہی متفرد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنے غیب پر کامل اطلاع نہیں بخشتا کہ جس سے پوشیدہ حال مکمل طور ایسے منکشف نہیں فرماتا جو عین الیقین کا موجب ہو کسی ایک کو اپنی مخلوق میں سے۔ (۲۷) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

حل لغات الارتضاء بمعنی پسند کرنا دراصل پسندیدہ شے کو حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سوائے اس رسول کے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند اور اختیار فرمایا بعض ان غیوب پر جو رسالت کے متعلق ہیں جیسا کہ من ارتضیٰ میں من بیانیہ سے واضح ہے اور رسالت سے تعلق جس طرح کا ہو یا تو مبادئ رسالت کہ اس کا معجزہ ہو جو کہ اسکی رسالت پر دلالت کرے یا اس لئے کہ وہ اس کی رسالت کے ارکان و احکام سے ہے۔ جیسے عام تکالیف شرعیہ جن کے مکلفین مامور نہیں اور وہ ان کے اعمال کی کیفیات اور ان کی وہ جزائیں جو آخرت میں ان پر مرتب ہیں یا وہ جس طرح احوال آخرت موقوف نہیں منجملہ ان کے قیام ساعت اور بعث (مرنے کے بعد اُٹھنا) بھی ہے اور دیگر وہ غیوب جن کا وظائف رسالت سے نہیں۔

فائدہ بعض امور ایسے ہیں (جو دونوں وجہوں) میں سے کوئی ایک رسالت سے متعلق نہیں، منجملہ ان کے قیامت کی ساعت کا وقت بھی ہے تو وہ کسی پر اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں فرماتا علاوہ ازیں اس حکمت تشریعیہ کے مخل ہے (کہ اس کے وقت کا بیان کر دے) کہ جس پر فلک رسالت دائر[1] ہے۔

---

[1] یعنی نبی علیہ السلام کو تو اس کا علم ہوتا ہے لیکن آپ کے سوا دوسرے پر ظاہر نہ کرنا مبنی بر حکمت ہے وہ بھی عوام سے ورنہ اولیاء کرام نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے جانتے ہیں جیسے روح البیان رحمہ اللہ

اولیائے کرام کے لئے علم غیب کا ثبوت اس میں ان کرامات اولیا کی نفی نہیں ہو سکتی جو کشف سے حاصل ہوں اور انتہائی مراتب کشف کا اختصاص بانبیا علیہ السلام سے مستلزم نہیں کہ ان مراتب میں سے کوئی مرتبہ بھی کسی کو ہرگز حاصل نہ ہو اور نہ ہی کوئی کسی ولی اللہ کے لئے مدعی ہے کہ وہ مرتبہ رسل کرام علیہم اللہ کو انہیں کشف کامل وحی صریح حاصل ہوا وہ کسی ولی کو حاصل ہے بلکہ اولیا کے لئے اخبار غیبی اور حق سے بلا واسطہ یا بالواسطہ (الہام وغیرہ) سے حاصل ہوا۔ دراثت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تو وہ اس مرتبہ میں اسی وراثت سے داخل ہوا۔

حکایت جنید رضی اللہ عنہ دربارہ غیبی خبر سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی نوجوان کو غیب کی خبر دیدی جب اس نے سوال اٹھایا کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ (مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے) کا کیا مطلب ہے آپ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر مکاشفہ کے بعد فرمایا تو مسلمان ہو جا اب تیرے اسلام لانے کا وقت ہے تو وہ نصرانی نوجوان مسلمان ہو گیا۔

فائدہ یہ فراست سے علم غیبی حاصل ہوا اس کے علاوہ بھی اولیا کے کشوف کے بے شمار طریقے ہیں۔

ازالہ وہم اس نجوم وکہانت وغیرہ سے غیبی خبروں کا علم خارج ہے کیونکہ وہ لوگ اہل اتقیا و اہل اصطفا برگزیدہ لوگ نہیں انبیا اولیا کی طرح اور نہ ہی ان کی خبریں بطریق الہام وکشف ہوتی ہیں بلکہ وہ تو قرائن وظنون وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے وہ اکثر جھوٹ ہوتا ہے۔

مسئلہ جو کہے کہ میں جن سے غیب کی خبر دیتا ہوں وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ جن عام انسان کی طرح غیب نہیں جانتا اور پہلے بیان ہو چکا کہ کہانت دور اسلام سے ہمیشہ تک ختم ہو گئی کیونکہ شیاطین آسمان پر جانے سے روک دیئے گئے ہیں۔

رد وہابیہ دیوبندیہ وہابی دیوبندی عوام میں تاثر دیتے ہیں کہ علم غیب خاصۂ خدا ہے وہ کسی نبی و ولی کو حاصل نہیں یہاں تک کہ وہ عطائی کے بھی قائل نہیں۔ تقویۃ الایمان وفتاویٰ رشیدیہ

تعالیٰ آنے والے صفحہ پر اس بحث کو تفصیل سے بیان فرمائیں گے دور سابق میں معتزلہ کو اولیاء کرام کے لئے قیام الساعۃ کے علم کا انکار تھا تو صاحب روح البیان کو انکار لکھنا پڑا۔ آج بدقسمتی سے **وہابی دیوبندی** خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر ہیں اولیائے کرام کی وکالت صاحب روح البیان کی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکرین کی فقیر اویسی نے خوب خبر لی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک یہاں بھی مختصر عرض کر دوں وہابیہ دیوبندیہ کے سوا تمام مسلمان متفق ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے وقوع قیامت کی گھڑی کا علم تھا۔

ہیں اس کی تصریح ہے اور جتنا غیوب کی آیات واحادیث ہیں ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ وہ غیوب تو نہیں لیکن انہیں علم الغیب للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کہا جا سکتا ان کے رد میں روح البیان کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔[2]

وقال ابن الشیخ انہ (تعالیٰ) یطلع علی الغیب الذی یختص بہ علمہ المرتضی الذی یکون رسولاً

ترجمہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب پر اسے آگاہ فرماتا ہے جو اس کا پسندیدہ ہو رسولوں میں سے۔

روح البیان ج ۱۰ ص ۲۰۱

فائدہ باقی غیر خاصہ (علم غیب) تو اس پر غیر رسل کو آگاہ فرماتا ہے یا تو انبیاء علیہ السلام کے توسط سے یا دلائل قائم کرنے اور ترتیب المقدمات سے یا یہ کہ وہ بعض اولیاء کرام لبعض غیوب فی المستقبل پر آگاہی بخشتا ہے بواسطہ ملائکہ۔

رد معتزلہ آیت میں اللہ تعالیٰ یہ مراد نہیں کہ وہ رسل کرام علیہم السلام کے سوا کسی کو غیب سے آگاہی بخشتا ہی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض غیوب پر غیر رسل علیہم السلام کو آگاہ فرماتا ہے جیسے مشہور ہے کہ فرعون کے کہنہ سنن (کاہنین) نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے ظہور اور فرعون کی شاہی ہاتھ سے نکل جانے کی خبر دی ایسے ہی بعض کاہنین نے قبل از حضور سرور عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی خبر دی ایسے ہی دیگر مغیبات کی خبریں اور ان خبروں میں سچے بھی ہوئے۔

فائدہ اہل الملل والادیان متفق ہیں علم تعبیر پر اور معبر (تعبیر دینے والا) مستقبل میں آنے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور وہ اسمیں سچا بھی ہوتا ہے اور یہ آیت ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبیٰ من رسلہ من یشاء کی نظیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ غیب پر کسی کو اطلاع نہیں کرتا لیکن رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے)۔

فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ تو مقرر کر دیتا ہے یعنی یسلک معنی یدخل یثبت ہے۔ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ یعنی اس کے آگے یعنی پسندیدہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے۔ وَمِنْ خَلْفِہٖ اور اس کے آگے پیچھے رَصَدًا پہرہ۔

حل لغات رصد محرکہ (بفتحتین) بمعنیٰ راصدون (پہرہ دینے والے) یعنی نگہبان۔ مفرد وجمع ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے (مفردات) یہ تقریر و تحقیق ہے اس علم غیب کے لئے جو رسل برگزیدہ

---

[1] دراصل یہ تقریر معتزلہ کے رد میں تھی لیکن آج کے دور میں وہابی دیوبندی کے لئے بھی یہ تقریر مفید ہے۔
اضافہ از اُویسی غفرلہ

پر ظاہر فرماتا ہے اور اس کی کیفیت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ پہرہ مقرر فرماتا ہے رسول (علیہم السلام) کے جمیع جوانب سے جب اس پر اپنا خاص علم غیب ان پر ظاہر فرماتا ہے وہ نگرانی کرنے والے ملائکہ ہوتے ہیں جو ان کی بعض شیاطین سے نگرانی کرتے ہیں جب وہ ان پر پردہ غیوب ظاہر فرماتا ہے جو رسالت سے متعلق ہیں یعنی جب جبریل علیہ السلام رسالت کا پیام لیکر نازل ہوتے تو ان کے ساتھ اور ملائکہ نگران ساتھ ہوتے ہیں جو ان کی حفاظت کرتے کہ کہیں وحی کو کوئی انس وجن سن نہ لے تو پھر وہ اپنے کاہنوں پر القاء کرے گا اور کاہنیں رسول علیہ السلام سے پہلے ہی خبر دے دیگا تو وہ امر رسالت لوگوں میں مختلط ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی وہ جسے فطرۃ اولیٰ میں تیار فرمایا اور اس کا تزکیہ اور صفائی کی قوت قدسیہ میں سے تو پہرہ مقرر کرتا ہے اس کے آگے یعنی جانب الٰہی میں اور اس کے پیچھے یعنی اس کی جہت بدنیہ سے رصدًا وہ نگران جو اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مقرر ہیں اس جانب سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس کے نگران روح القدس اور انوار ملکوتیہ و ربانیہ ہے اور وہ جانب جو بدن کی طرف ہے اس کے نگران ملکات فاضلہ و ہیأت نوریہ ہیں جو عبادات و طاعات کی ہیاکل (تشکلوں) سے حاصل ہوئیں جنوں کی خبط اور ان کے کلام کے خلط سے یعنی وساوس و اوہام و خیالات کو معارف یقینیہ و معانی قدسیہ اور واردات غیبیہ و کشوف حقیقیہ کے اختلاط سے۔

تفسیر عالمانہ (۲۸) لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب (تعالیٰ) کے پیام پہنچا دیئے۔ یہ یَسْلُكُ کے متعلق ہے اور اس کی غایۃ ہے اس حیثیت سے کہ وہ ابلاغ مرتب پر مرتب ہے کیونکہ اس سے وہ علم مراد ہے جو ابلاغ موجود بالفعل سے متعلق ہے۔ اَنْ مخففہ من الثقیلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف اور جملہ اس کی خبر ہے۔

حل لغات ابلاغ بمعنی ایصال (پہنچانا) رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ سے وہ غیب مراد ہے جو مرتضیٰ رسول پر ظاہر کرنے کا ارادہ ہے اور جمع باعتبار تعداد افراد کے ہے اور ابلغوا کی ضمیر رَصَدًا کی ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے رسول مرتضیٰ کے جمیع جوانب پہرے دار تاکہ دیکھ لے کہ شان یہ ہے کہ انہوں نے پیام رسالات اچک لینے اور اختلاط سے سالم کر کے پہنچا ئے ہیں یہاں علم سے مراد وہ [illegible] کے لئے ہو یعنی ظاہر کرنا وہ جو اسے جانتے موجود جو بالفعل موجود ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہیں مثلاً فرمایا حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ یہاں تک کہ دیکھے تم میں سے مجاہدوں کو۔ غایۃ فی الحقیقۃ وہی ابلاغ و جہاد ہے اور یہاں علم کا فعل لانا صرف ان کے معاملہ میں اہمیت کے اظہار کے اور ان پر جزا کی ترتیب کی آگاہی اور ان پر برانگیختگی میں مبالغہ اور ان میں تفرلط سے ڈرانا مطلوب ہے یا رجع کی ضمیر من ارتضٰی مرسوا۔

کی طرف راجع ہے اور صیغہ جمع من کی وجہ ہے کہ وہ معنیً جمع ہے جیسے سابقین ضمیرین اس کے افراد لفظاً کی وجہ سے تھیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ رسل کرام جن کی طرف وحی کی گئی نے رسالات رب تعالیٰ کے اپنی امتوں کی طرف اسی طرح پہنچائے جس طرح ان کے ہاں نگران ملائکہ کے ساتھ ان کے ہاں پہنچے ہیں بغیر کسی کے اچک لینے اور اختلاط کے۔

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ اور جو ان کے پاس ہے وہ اس کے علم میں ہے یعنی نگران ملائکہ یا رسل کرام علیہم السلام کے پاس یہ یسلک کے فاعل سے حال ہے باضمار قد یا اس کے بغیر علی الخلاف المشہور۔ قد اس لئے ہے کہ تاکہ معلوم ہو کہ اللہ ہر لحاظ سے مستغنی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ درانحالیکہ جو ان کے پاس ہے اسے ان کے جملہ احوال کا علم ہے۔ وَأَحْصَىٰ اور اس نے شمار کر رکھی ہے اس کا علم حد احاطہ میں ہے تفصیلی طور یعنی گن لیا ہے اس نے۔ كُلَّ شَيْءٍ ہر چیز کی گنتی ما کان (جو ہوگا) وما یکون (اور جو ہوگا) عَدَدًا ایک ایک کر کے۔ تو پھر جو ان کے پاس ہے اسے کیسے علم نہ ہو۔

فائدہ حضرت القاسم نے فرمایا کہ اس نے ہی پیدا کیا اور اس نے ہی ہر ایک کی شمار کر رکھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے شمار کر رکھی ہے مخلوق کی اور اسے علم ہے تمام مخلوق کا اس کے علم سے کوئی شے چوک نہیں جائے گی یہاں تک کہ غبار و رائی کے دانہ کے ذرات۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے اس کا کمال علم مراد ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس کے علم کا تعلق جملہ معلومات سے ہے یعنی مطلقاً کوئی شے بھی مطلقاً علم سے مخفی نہیں ہے

ہر چہ دانستنی است در دو جہاں
نیست از علم شاملش پنہاں

ترجمہ: دونوں جہانوں میں جو شے جاننے کے لائق ہے اس کے علم شامل سے مخفی نہیں۔

عدداً تمیز ہے منقول از مفعول بہ جیسے وفجرنا الارض عیونا ہیں دراصل عبارت یوں تھی احصٰی

فائدہ کل شیٔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیأ سے کلی اجمالی کے طور نہیں بلکہ وجہ جزئی کی تفصیلی کے ہے کیونکہ کبھی احصٰا سے احاطہ اجمالیہ مراد ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول میں وان تعدو نعمۃ اللہ لا تحصوھا اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو نہ گن سکو گے۔ یعنی اجمالاً بھی اس کی گنتی نہ کر سکو گے چہ جائیکہ تفصیلاً۔ اس لئے کہ اس کے احصاً کا اصل یہ ہے کہ حساب کرنے والا جب معین عقود الا عداد تک پہنچتا ہے جیسے عشرہ (دس) ماۃ (سو) الف (ہزار) تو اس پہ ایک کنکری (مثلاً) رکھتا ہے تاکہ اس عقد کمیت کو یاد رکھ سکے اسی طریقہ پہ وہ اپنے حساب کو مکمل کرتا ہے

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ معدوم شے نہیں اس لئے صا اگر معدوم شے ہو تو پھر اشیاء کو غیر متناہی ماننا پڑیگا اور احصیٰ کل شیٍٔ عدداً کا تقاضا ہے کہ وہ متناہی ہوں اس لئے کہ احصا متناہی میں ہوتا ہے اس طرح متناہی و غیر متناہی کا اجتماع لازم آئے گا اور وہ محال ہے لازم ماننا پڑا کہ معدوم شے نہیں اس طرح سے تناقض کا اندفاع ہوگیا۔ (حواشی ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ)

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قدرتوں و منتوں والے رب کی مدد سے سورۃ الجن کی تفسیر ۲ ذیقعد ۱۱۱۶ھ بروز منگل عصر کے وقت فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر سورۃ الجن کے ترجمہ سے ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۸ء بشب اتوار سوا نو بجے فراغت پائی۔

الحمد للہ علیٰ ذلک والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

(بہاولپور پاکستان)

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ

رُكُوعَاتُهَا ٢	(٣)	سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ	(٧٣)	اٰيَاتُهَا ٢٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③
اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ⑤ اِنَّ
نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ⑥ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ⑦
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ⑨ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩
وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ⑪ اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ
جَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ
وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ⑭ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا
عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ⑮ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ
فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ⑯ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ
شِيْبَا ۖ ⑰ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ⑱ اِنَّ هٰذِهٖ
تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ⑲ ع

ترجمہ: اے جھرمٹ مارنے والے ① رات میں قیام فرما
سوا کچھ رات کے ② آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرو ③ یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو ④ بے شک عنقریب
ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے ⑤ بے شک رات کا اٹھنا وہ زیادہ دباؤ ڈالتا ہے اور بات خوب سیدھی نکلتی ہے ⑥
بے شک دن میں تو تم کو بہت سے کام ہیں ⑦ اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو ⑧ وہ پورب
کا رب پچھم کا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو کارساز بناؤ ⑨ اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ اور انہیں اچھی
طرح چھوڑ دو ⑩ اور مجھ پر چھوڑ دو ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی مہلت دو ⑪ بے شک ہمارے پاس
بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب ⑫ جس دن تھرتھرائیں گے زمین اور پہاڑ
اور پہاڑ ہو جائیں گے ریتے کا ٹیلا بہتا ہوا ⑬ بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے ⑮ کہ تم پر حاضر ناظر ہیں جیسے
ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے تو فرعون نے اس رسول کا حکم نہ مانا تو ہم نے اسے سخت گرفت سے پکڑا ⑯ پھر کیسے
بچو گے اگر کفر کرو اس دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا ⑰ آسمان اس کے صدمہ سے پھٹ جائے گا اللہ کا وعدہ ہو کر رہنا ⑱
بے شک یہ نصیحت ہے جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔ ⑲

سورۃ مزمل مکیہ ہے اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

تفسیر عالمانہ ① يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (اے جھرمٹ مارنے والے)۔

حل لغات المزمل دراصل المتزمل تھا از تزمل بتیاب کپڑوں میں لپٹا اور ان میں چھپ گیا تا زا میں مدغم ہوئی مزمل پڑھا گیا یعنی دو شدوں سے۔

شان نزول (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو چادر شریف میں آرام فرما تھے تو آپ کو حکم ہوا کہ آرام چھوڑ کر عبادت کے لئے کھڑے ہو جائیں اور تہجد ادا کریں (اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ادا محبوب اور پیاری ہے۔

(۲) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ پہلے پہلے جب حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سمجھا کہ یہ کوئی جنوں میں سے ہے اسی لئے جبل حرا سے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر لوٹے تو آپ کا کاندھا متحرک تھا (خوف و ہراس سے) فرمایا زملونی زملونی (چادر اوڑھو چادر اوڑھو) آپ اسی حالت میں تھے کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور ندا دی يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔

فائدہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اے جھرمٹ مارنے والے ایک امر عظیم کا بوجھ اٹھائیے التزمل بمعنی الحمل از زملہ بمعنی احتملہ اسے اٹھایا۔

حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مزمل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمأ مبارکہ سے نہیں جس سے آپ پہچانے جائیں جیسے بعض کا مذہب ہے اور اسے آپ کے اسما مبارکہ میں شمار کیا ہے۔

فائدہ مزمل اس حالت سے مشتق ہیں جس میں آپ بوقت خطاب آرام فرما رہے تھے۔ ایسے ہی المدثر۔

فوائد اس اسم سے خطاب میں دو فائدے ہیں (۱) ملاطفت (اظہار لطف) کیونکہ عرب کی عادت ہے کہ جب کسی سے عتاب ترک کر کے اظہار لطف کریں تو اس حالت سے خطاب کرتے ہیں جس پر وہ ہو۔

حکایت علی و نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قم یا ابا تراب (اے ابوتراب اٹھ کھڑا ہو) فرمانا یہ اس وقت کی بات ہے جب (غضبها وا غضبته حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو ناراض کیا اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناراض کیا[۱]۔ (تفصیل فقیر کی کتاب آئینہ شیعہ مذہب میں ہے۔) تو حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت حضرت علی المرتضیٰ نیند میں تھے اور آپ کی کروٹ مبارک مٹی کو مس کر رہی تھی اس پر حضور نے ترک عتاب کر کے اظہار لطف کے طور فرمایا قم یا ابا تراب۔

حکایت حضرت حذیفہ ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو فرمانا قم یا نومان (اٹھ کھڑا اے نیند والے) وہ نیند میں تھے ان سے اظہار لطف فرماتے ہوئے فرمایا قم یا نومان یعنی اس سے ترک عتاب کر کے تادیباً فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ اپنے سے مانوس کرنے اور اظہار لطف سے تاکہ محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سمجھیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ عتاب نہیں لطف فرما رہا ہے۔

(۲) ہر چادر اوڑھنے والے رات کو سونے والے کو تنبیہ ہو کہ وہ رات کے قیام (نماز) اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیدار ہو اس لئے کہ اسم مشتق از فعل مخاطب کے ساتھ وہ بھی شریک ہوتا ہے جو اس طرح کا فعل کرتا اور اس صفت سے موصوف ہو۔

(۳) فتح الرحمٰن میں ہے کہ خطاب دو ہیں:

(الف) عام بہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔

---

[۱] واقعہ کی تفصیل کتاب شیعہ بہ جلاء العیون میں ہے اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا تو کوئی خطرہ نہیں لیکن باغ فدک کے بارے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض بھی نہیں ہوئیں لیکن شیعہ برابر سر اٹھائے پھر رہے ہیں۔

(ب) عام جیسے اکثر آیات ہیں لیکن خاص کے لئے کوئی دلیل ہو جس سے خصوصیت ثابت ہو سکے یہ امام احمد و حنفیہ و مالکیہ کا قول ہے اور اکثر شوافع کہتے ہیں کہ وہ خطاب عام امت کو عام نہ ہوگا جب تک دلیل نہ ہو۔

(۴) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصیت سے خطاب ہو تو کیا اسی خطاب میں امت بھی شامل ہے یا نہ۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وہ عام نہ ہوگا اور حنابلہ کے امام ابوالخطاب نے فرمایا کہ اگر کسی کے جواب میں ہو عام ہے ورنہ نہیں۔

② قُمِ الَّيْلَ (رات میں قیام فرما) بکسر المیم بوجہ التقاء ساکنین کے یعنی چادر نہ اوڑھ اور جاگ اس حال کو چھوڑ کر اسے اختیار فرمایئے جو اس سے افضل ہے اور رات میں نماز کے لئے قیام فرما۔ اللیل کی نصب علی الظرفیۃ ہے۔

قاعدہ نحویہ اگر حرف فعل اسمیں مستغرق ہو تو اس میں فی حذف کیا جائے اور فعل کو مفعول کے ساتھ ملایا جائے اور اسم کو منصوب پڑھا جائے کیونکہ جر کا عمل فعل میں نہیں رہا اسی لئے اسم کا منصوب ہونا مرفوع ہونے سے قریب تر ہے اسی لئے اسے بعض نحویوں نے کہا ہے کہ وہ مفعول بہ ہے اس کے ظاہر فی الاستعمال پر نظر کر کے اسی قاعدہ سے ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (تم میں سے کسی کو مہینہ حاضر ہو تو اس کا روزہ رکھے) اسی طرح قول باری تعالیٰ لینذر یوم التلاق (تاکہ قیامت کے دن سے ڈرائے) دو وجہوں سے ایک ہیں جیسے گذرا۔ ایسے ہی مَنْ اَحْيَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ (جس نے لیلۃ القدر کو زندہ کیا یعنی اس میں بیدار رہا) وغیرہ۔ اسمیں احیاء اگرچہ ظاہر میں لیل میں واقع ہوا ہے لیکن اس سے احیا الصلوۃ اور ذکر فی اللیل مراد ہے۔

فائدہ رات کی مد غروب شمس سے طلوع فجر صادق تک ہے۔

واہ حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری شان بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اشتیاق ہوا اس کی شان کے لائق، کہ وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناجات فرمائے تو ندا دی یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ الخ

فائدہ صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ قیام شب و مناجات شب بالخصوص (سحر گاہی) دنیا کی نہیں بلکہ جنت کی ہیں کہ حلاوت اہل ذوق کو نصیب ہوتی ہے

اِلَّا قَلِيْلًا (مگر تھوڑا)۔ اللیل سے استثناء ہے۔ ③ نِّصْفَهٗ اس کا نصف۔ اللیل الباقی سے بدل ہے استثناء کے بعد بدل الکل ہے۔ النصف شے کے دو حصوں کا ایک حصہ یعنی اس کا آدھا حصہ اٹھو۔ نصف مخرج کو قلیل سے تعبیر کرنے اس جزء کے شان کے کمال اعتداد کا اظہار ہے جو قیام سے مقارن ہے اور اس کی فضیلت سے آگاہ کرنا ہے

اور بتانا ہے کہ اس کا قیام کثرت ثواب میں اس کے اکثر میں قیام جیسی فضیلت رکھتا ہے یعنی جائز ہے کہ نصف منتفی کو قلیل سے موسوف کیا جائے بہ نسبت اس کے جو نصف مشغول بالعبادۃ ہے حالانکہ دونوں مقدار میں متساوی نہیں لیکن اس حیثیت سے کہ جو نصف فارغ ہے وہ مشغول بالعبادۃ کے بحسب فضیلت وشرافت برابر نہیں تو یہ فضیلت کا اعتبار کیفیت کا ہے کمیۃ کا نہیں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ قلّت فی النصف بہ نسبت الی الکل ہے نہ بہ نسبت اپنے بالمقابل کے ورنہ لازم آتا ہے احد النصفین جو مساوی ہیں دوسرے سے قلیل ہو (اور یہ نہیں ہوسکتا)۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ جو شے خالی از فائدہ ہو وہ ظاہر کے خلاف ہے (الارشاد)۔

اَوِانْقُصْ مِنْہُ (یا اس سے کم کرو) یعنی قیام کو اس سے نصف کرو جو ثلث کے مقارن ہے۔

قَلِیْلًا تھوڑا سا کمی۔ تھوڑا یا مقدار تھوڑی اس حیثیت سے و نصف اللیل کے نام سے نہ گر جائے۔

④ اَوْزِدْ عَلَیْہِ یا اس پر کچھ بڑھاؤ یعنی قیام کو اس نصف پر جو ثلثین کے مقارن ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ آپ نصف رات میں قیام فرمائیں یا اس سے کم یا زیادہ۔ یعنی نماز کا قیام زمانہ محدود میں فرمایئے وہ رات ہے مگر اس کے قلیل جز میں آدھا یا قیام کو آدھے سے کم کیجئے یا بڑھایئے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کمی بیشی کا اعتبار راتوں کی بڑی چھوٹی ہونے کی وجہ سے ہے یعنی آدھی رات قیام ہو جب رات دن برابر ہو جائیں کم ہو جب راتیں چھوٹی ہو جائیں زائد جب راتیں لمبی ہو جائیں۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ (اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ مذکورہ قیام کے درمیان یعنی قرآن آہستگی سے اور حروف کو خوب ظاہر کر کے کہ وہ ایک دوسرے سے واضح ہوں۔ تَرْتِیْلًا خوب ٹھہر ٹھہر کے اس حیثیت سے کہ سامع ان حروف کو گن سکے۔ اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن کو تیز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا تمہارے کسی ایک کا سورۃ کے آخر حصہ کا ارادہ نہ ہو یعنی قاری تلاوت کرنے والے کے لئے ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا) ضروری ہے تاکہ وہ خود وہ اور جو وہاں حاضر ہے حقائق آیات میں غور وفکر کر سکے مثلاً ذکر الٰہی کے وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کو دل میں جگہ دے اور وعد و وعید کے رجاؤ خوف کر سکے اور چاہیے نظم قرآن میں خلل نہ ڈالے۔

حل لغات الرتل شے کا اتساق وانتظام استقامت کے ساتھ یعنی بے تکلف بات ظاہر کرنا۔ الکشاف میں ہے ترتیل القرآن یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور آہستگی سے حروف کو ظاہر کر کے اور حرکات کو مکمل کر کے پڑھنا یہاں تک کہ متصومنہ (پڑھا ہوا) کو ثغر مرتل (ایک ایک ہو کر دانتوں کا اکھڑنا) سے تشبیہ ہے دانتوں کی سفیدی سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ کہ اسے تیز نہ پڑھے اور نہ اسمیں جلدی کرے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شر السیر الحقحقۃ وشر القراۃ الھذرمۃ بری رفتار بے تحاشا دوڑنا اور بری قراۃ تیز پڑھنا ہے یہاں تک کہ پڑھتے ہوئے کلام

کے الفاظ ایک دوسرے کے پیچھے دانتوں، ایک دوسرے کی درمیانی سوراخ کا فاصلہ چھوڑے ہوئے نظر آئیں۔

فائدہ ترتیل القرآن کا حکم خبر دیتا ہے کہ قیام اللیل کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی مقدار کے معلوم کرنے کے بعد نازل ہوا اگرچہ تھوڑا سا حصہ اور اِنَّا سَنُلْقِیْ بصیغۂ استقبال بہ نسبت بقیہ قرآن کے ہے۔

فائدہ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر عام ہے جو امت کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ امر اہم ہے جو سب کے لائق ہے۔

مسئلہ یہ امر وجوب کا ہے جیسے اس پر تاکید دلالت کرتی ہے یا ندب کا ہے۔

فائدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت مد کے طور تھی آپ بسم اللہ شریف اور الرحمٰن اور الرحیم کو مد کے طور پر پڑھتے تھے۔ پہلے دو (بسم اللہ الرحمٰن) کی مد قدر الف کے طبعی ہے اور آخر الرحیم کی عارضی ہے کہ وہ سکون کے ساتھ ہے اسلئے اسمیں تین وجہیں جائز ہیں۔

(۱) طول بمقدار تین الف

(۲) توسط بمقدار دو الف

(۳) قصر بمقدار ایک الف

فائدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین مجود (تجوید سے پڑھنے والا) تھے اسی طرح پڑھتے جس طرح آپ پر نازل ہوا۔

فائدہ تجوید بمعنی حروف کو اپنے مخارج میں حسین کر کے پڑھنا اور انکی صفات کے حقوق ادا کرنا جیسے جہر و ہمس ولین وغیرہ اور یہ بغیر تکلف کے پڑھنا چاہیئے یعنی قرأۃ میں ادائے مخارج میں زیادتی کر کے مشقت کا ارتکاب اور اس کی صفت کے بیان میں مبالغہ نہ ہو خلاصہ یہ کہ ترتیل میں تمطیط سے تحفظ ضروری ہے تمطیط بمعنی تجاوز عن الحد ورحدر میں ادماج و تخلیط نہ ہو یعنی قرأۃ ایسی ہو کہ گویا حروف و کلمات ایک دوسرے میں لپیٹے ہوئے ہیں بوجہ برابر طریق کی زیادتی کے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرأۃ بمنزلہ بیاض کے ہے اگر قلیل ہو تو گندم گوں ہے زائد ہو تو برص ہے گھنگرالے بالوں کے اوپر ہو تو چھوٹے بالوں کی حیثیت ہے اس سے آگے بڑھے تو وہ قرأۃ ہی نہیں

تجوید کی اقسام

تجوید تین قسم ہے۔

(۱) ترتیل۔

(۲) حدر۔

(۳) تدویر۔

ترتیل ٹھہر ٹھہر کر کے پڑھنا۔ قاموس میں ہے رتل الکلام ترتیلا یعنی اس کی اچھی تالیف و ترکیب کی اور اسمیں ٹھہر ٹھہر کے عمل کیا اور آہستگی کی۔ یہی ورش و عاصم و حمزہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا مختار ہے۔

ترتیل کے فضائل اس کی احادیث سے ہے۔ (۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کیا اس نے قرآن نہ سمجھا۔

فائدہ قوت القلوب میں ہے کہ افضل قرأۃ ترتیل ہے کیونکہ اسمیں تدبر و تفکر ہے اور قرأۃ کی افضل ترتیل و تدبر وہ ہے جو نماز میں ہو۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں سورۃ البقرہ ترتیل سے پڑھوں مجھے یہی زیادہ محبوب ہے اس سے کہ جلدی سے سالم قرآن مجید ختم کر ڈالوں (ہذا منہ عنی سرعۃ (جلدی)۔

(۳) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ شریف کو بیس بار پڑھا ہر بار اس میں نیا فہم اور ہر کلمہ میں کئی علوم تھے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو آیت میں تلاوت کروں اور اسے سمجھ کر نہ پڑھوں تو میں اس کے لئے ثواب کی امید نہیں رکھتا۔

فائدہ بعض بزرگوں کی عادت تھی کہ جب وہ کوئی سورۃ پڑھتے لیکن سمجھتے کہ اس میں توجہ نہ تھی تو اسے دوبارہ پڑھتے۔

قرآن کی وسعت علمی بعض علماء نے فرمایا کہ ہر آیت میں ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور اس سے زائد مفہوم سمجھنے والے آج نہیں ہیں (ورنہ اس سے زائد مفہوم بھی قرآن کے ہر مضمون میں موجود ہیں۔

قرب خداوندی حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بندہ نماز میں قیام کرتا ہے یعنی تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھتا ہے جیسے اسے حکم ہے تو وہ جبار (اللہ تعالیٰ) کے قریب ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ اس طرح سے قلوب میں جو حلاوت پائی جاتی ہے وہ دراصل قلب میں قرب رب تعالیٰ کے انوار و ہیں۔

تلاوت قرآن کی فضیلت قیامت میں قرآن کے پڑھنے والے کو لایا جائے گا اور اسے بہشت کے پہلے درجہ میں کھڑا کر کے کہا جلئے گا پڑھ اور اسی طرح ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں ترتیل کرتا تھا کیونکہ تیرا مرتبہ بہشت میں آخری آیت پر ہوگا۔

فائدہ قرآن مجید کے نزول سے حقائق کا فہم اور اس کے مقتضا پر عمل مطلوب ہے۔

مسئلہ نماز میں قرآن کی قرأۃ کے وقت (مقتدی کو) خاموشی واجب ہے (جیسے احناف کا مذہب ہے) اور غیر نماز میں مندوب ہے۔

مسئلہ قاری (تلاوت کرنے والے کو قرآن مجید کی آیات پڑھنے کا ایک ثواب اور سننے والے کو دو ثواب ہیں ایک سننے کا اور دوسرا خاموشی کا یا اس لئے کہ وہ دو کانوں سے سنتا ہے اور قاری (تلاوت کرنے والا) صرف زبان سے پڑھتا ہے (اس معنی پر تو اسے تین ثواب ہونے چاہئیں کیونکہ وہ پڑھنے وقت دونوں کانوں سے سنتا بھی ہے۔

مسئلہ قرآن سننے والا فرض ادا کر رہا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن کا سننا تلاوت سے زیادہ ثواب ہے سلسلۃ الذہب میں حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) صرف اوکن حواس جسمانی
وقف اوکن قوائے روحانی

(۲) دل معنی زبان بلفظ سپار
چشم بر خط و نقط و نجم گذار

(۳) گوش از و معدن جواہر کن
ہوش از و مخزن سرائر کن

(۴) در ادایش مکن زبان کج مج
حرفہائش اداکن از مخرج

(۵) دور باش از تہتک و تعجیل
کام گیر از تامل و ترتیل

ترجمہ حواس جسمانی کو قرآن مجید پر صرف کر۔ اس پر قوائے روحانی وقف کر۔

(۲) دل کو معنی میں اور زبان کو لفظوں کے سپرد کر۔ آنکھ کو خط اور نقطوں اور اعراب وغیرہ پر چھوڑ۔

(۳) کان کو اس سے جواہر کا خزانہ بنا۔ ہوش کو اس سے اسرار کا مخزن بنا۔

(۴) اس کی ادائیگی میں زبان کو ٹیڑھا میڑھا نہ کر۔ اس کے حروف مخرج سے ادا کر۔

(۵) اس کی ہتک اور عجلت سے دور رہ۔ تامل و ترتیل سے مراد حاصل کر۔

فائدہ: حدر یعنی قرأۃ میں تیزی کرنا۔

فائدہ مروی ہے کہ امت مصطفوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں چار بزرگ ایسے گذرے ہیں جو ایک رکعت میں تمام قرآن مجید ختم کرتے تھے۔[1]

① حضرت عثمان بن عفان
② حضرت تمیم الداری
③ حضرت سعید بن جبیر
④ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم۔

② حضرت ہمسر بن المنہال ایک ماہ میں ختم قرآن کے نوے ختم کرتے تھے اور جو آیت سمجھ کر نہ پڑھا گیا تو اسے دوبارہ پڑھتے

③ القاموس میں ہے کہ ابو الحسن علی بن عبد اللہ سادان بن البتنی ہمجوں عربی مقری رحمہ اللہ تعالیٰ دن میں چار قرآن مجید ختم کرتے تھے اور یہ حدر تلاوت فہمی کے ساتھ ہوتا تھا۔

آٹھ پہر میں ستر ہزار بار قرآن ختم کیا حضرت الشیخ موسیٰ السدرانی رحمۃ اللہ علیہ اکابر اصحاب الشیخ ابی مدین رضی اللہ عنہ سے انہیں کے مناقب میں مروی ہے کہ آپ کے اوراد میں ایک ورد یہ تھا کہ آپ دن اور رات میں ستر ہزار ختم کرتے تھے۔

فائدہ اس کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ دن رات کے آٹھ گھنٹے ہیں اس کے ہر ایک کے بارہ گھنٹوں میں پینتیس (۳۵) ختم ہوتے ہیں اس کے لئے یوں ہوگا کہ اس کا ہر دن اور ہر رات تینتالیس سال اور نو ماہ کے ہو جاتے ہوں گے یا اس سے بھی زائد (یہ طے زمان کے قبیل سے ہے)۔ بر تقدیر اول دن اور رات ستاسی سال اور چھ ماہ کے ہو جاتے ہونگے ان سالوں کے حساب سے ان کا ایک ختم دن کو اور دوسرا ختم رات کو ہونا ہوگا جیسا کہ عام عادت ہے یا خیال سرعۃ القاری کے اعتبار سے کم سے کم ہے (اس زائد کو خدا جانے)۔

فائدہ یہ حدر ابن عامر و الکسائی کا مختار ہے

فائدہ یہ مراتب المحدود سے متصور ہو سکتا ہے یعنی تیزی ایسی نہ ہو جس سے معنی و الفاظ بگڑ جائیں۔

حدیث شریف میں ہے بہت سے قرآن پڑھنے والوں پر قرآن لعنت بھیجتا ہے۔

---

[1] یہ کرامت اسی قبیل سے ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے مشہور ہے اور وہ معجزہ جو حضرت داؤد علیہ السلام کا مشہور ہے ۱۲۔ تفصیل فقیر کی کتاب شبیہ میں پڑھئے۔

کرامت: معجزہ کا خلاصہ یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھوڑے وقت میں تمام پڑھ لیتے تھے۔

فائدہ یہ اس کے لئے ہے جو قرآن کے معانی والفاظ میں خلل ڈالتا ہے یا قرآن اس پر لعنت کرتا ہے جو اس پر عمل نہیں کرتا۔

فائدہ حدر سمجھ نہیں آئے گا جب تک لحن کی تحقیق معلوم نہ ہو لحن دو قسم ہے۔

① جلی

② خفی

لحن جلی وہ خطا ہے جو الفاظ کو عارض ہوتا اور معنیٰ میں خلل ڈالتا ہے مثلاً ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے الصالحات کے بجائے الطالحات پڑھ دے ایسے ہی اعراب کی غلطی مثلاً مجرور کو مرفوع یا منصوب پڑھنا اس سے معنی تبدیل ہوتا ہو یا نہ جیسے کوئی (ان اللّٰہ بری من المشرکین ورسولہ میں رسولہ کو مجرور پڑھنا اور لحن خفی یہ وہ خطا ہے جو عرف وضابطہ میں خلل آجائے جیسے خفا وادغام واظہار وقلب کا ترک اور جیسے مغخم کو مُرقق (بلفظ پر کوغیر پُر پڑھنا) ایسے ہی مرقق کو مفخم پڑھنا اور ممدود کو مقصور پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ امور وہ فرض عین نہیں جن کے ترک سے عذاب یا عقاب شدید مرتب ہوتا ہے ہاں اس میں تہدید اور خوف عقاب ضرور ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ لحن خفی یہ ہے کہ جسے ماہرین قرأ کے سوا اور کوئی نہ جانتا ہو جیسے تکریر الرآت وتطنین النونات وتغلیظ اللامات وترقیق الرآت ان کے غیر محل ہے ظاہر ہے کہ یہ فرض عین نہیں تو اسی لئے ان کے مرتکب پر عقاب مرتب نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا لایکلف اللّٰہ نفساً الا وسعہا (اللّٰہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زائد تکلیف نہیں دیتا)۔

دورِ حاضرہ کے قاریوں کا رد بعض شروح الطریقہ میں ہے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ قاری (تجوید جاننے والا) دیہاتیوں اور صحرانشینوں اور لوڑھوں بوڑھیوں اور غلاموں اور لونڈیوں (عوام) کو کہے کہ تجوید کے بغیر نماز جائز نہیں حالانکہ تجوید ایسے لوگوں کے بس سے بالکل باہر ہے۔

مسئلہ واجب ہے کہ تجوید اتنا قدر سیکھ لے کہ جس سے قرآن کا لفظ ومعنیٰ صحیح ہوسکے زیادہ کوشش خلوص وحضور القلب میں ہونی چاہیئے۔ ؎

① لعنت است ایں کہ بہر لہجہ وصوت
شوق از تو حضور خاطر فوت

② فکر حسن غنا برد ہوشت
متکلم شود فراموشت

③ لعنت است ایں کہ سازت پے سیم
روز وشب با امیر وخواجہ ندیم

④ لعنت است ایں کہ ہمت تو تمام

کنت معروف لفظ و حرف وکلام

⑤ نقد عمرت ز فکرت معوج

خرج شد در رعایت مخرج

⑥ صرف کردی ہمہ حیات سرہ

در قرآت سبعہ و عشرہ

⑦ ہمچنیں ہرچہ از کلام خدا

جز خدا قبلۂ دلست ترا

⑧ موجب لعن و مائۂ طرداست

حبذا مقبلی کہ زاں فردست

⑨ معنئ لعن چیست مردودی

بمقامات بعد خشنودی

⑩ ہرکہ ماند از خدا بیک سرمو

آمد اندر مقام بعد حرو

⑪ گرچہ ملعون نشد ز حق مطلق

ہست ملعون بقدر راز حق

ترجمہ ① لعنت ہے تم پر اگر تلاوت قرآن میں صرف لہجہ اور اچھی آواز سنوارنے سے تجھ سے حضور قلب فوت ہو جاتا ہے۔

② خوش آوازی کی فکر نے تیرے ہوش اڑادیئے تجھ کو کلام والے (صاحب قرآن) بھول جاتا ہے۔

③ تجھ پر لعنت کہ تجھے زروسیم کی لالچ نے امیر اور دنیا دار کا ہمنشین بنا دیا۔

④ تجھ پر لعنت کہ تیری تمام ہمت لفظ و حروف وکلام مصروف ہوگئی۔

⑤ نقد عمر کو ٹیڑھے فکر میں تو نے ضائع کر دیا صرف مخارج حروف کی رعایت پر تیری زندگی صرف ہوگئی۔

⑥ تمام زندگی تو نے قرأۃ سبعہ و عشرہ میں صرف کردی۔

⑦ ایسے ہی کلام خدا سے تیرے دل کا قبلہ غیر خدا ہے۔

(۸) ہزار بار لعنت و پھٹکار کا موجب ہے جو مذکورہ بالا طریق پر زندگی گذارتا ہے اور مبارک ہوں مقبول خدا کو جو اس طریق سے علیحدہ ہے۔

(۹) مردود ہونے کا کیا معنیٰ ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں خوشی ہو۔

(۱۰) جو اللہ تعالیٰ سے بال برابر دُور ہے اسے مقام بُعد (دوری) میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۱) اگرچہ ایسا آدمی حقیقی لعنتی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے دوری کی وجہ سے ملعون (دور از رحمت) ضرور ہے بقدر بُعد

قرآن کے ذریعے گداگری کی مذمت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واعظ پر گذر ہوا جو قرآن مجید پڑھ کر چندہ (گداگری) کر رہا تھا آپ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھکر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرمایا کہ قرآن پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ عنقریب لوگ آئیں گے جو قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے چندہ (گداگری) کے طور سوال کریں گے۔ ایسے لوگوں کو دینا معصیت پر اعانت (مدد) کرنا ہے جیسے مسجد کے اندر سائل کو کچھ دینا معصیت پر اعانت (مدد) کرنا ہے کیونکہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے۔

فائدہ ہر نیند سے اُٹھنے کے بعد مسواک کرنا چاہیئے وہ نیند دن کو ہو یا رات کو۔ خبر میں ہے کہ قرآن کے راستوں کو یعنی اپنے مُنہ کو پاک و صاف رکھو مسواک استعمال کر کے۔

مسئلہ مسواک کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کا دوسری نماز سے ستر گنا زائد ثواب ملتا ہے۔

جہر بالقرآن کے فضائل قرآن کو جہر سے پڑھنے پر سات نیتیں کر لی جائیں۔

(۱) ترتیل جس کا وہ مامور ہے۔

(۲) قرآن اچھی آواز سے پڑھنا مندوب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ہمارے سے نہیں جو قرآن سے غنا نہیں کرتا یعنی اچھی آواز سے نہیں پڑھتا۔ غنا کا معنیٰ اچھی آواز سے پڑھنے کا مطلب ہے اس سے بہتر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ غنا سے مراد استغنا ہے یعنی قرآن مجید پڑھ کر صرف اللہ تعالیٰ پر سہارا کرے کسی دنیا والے پر سہارا نہ ہو۔

(۳) دونوں کانوں کو قرآن سنائے گا اور دل کو بیدار کرے گا تا کہ کلام الٰہی میں تدبر کیا جا سکے اور معانی کو سمجھا جا سکے یہ سب کچھ جہر سے ہوگا۔

④ اونچی آواز سے نیند کو ہٹائے گا۔

⑤ کوئی نیند سے اُٹھ کر ذکر الٰہی کرے گا اس کی بیداری اور ذکر کرنے کا سبب اس کی تلاوت قرآن بالجہر ہوگی۔

⑥ کوئی بطال و غافل اسے دیکھے گا تو وہ بھی قیام اللیل کے لئے خوشی سے اُٹھے گا اور خدمت کا مشتاق ہوگا اس طرح سے یہ اس کا نیکی و تقویٰ پر معاون ہوا۔

⑦ بالجہر سے تلاوت بکثرت ہوگی اور وہ اس طرح سے قیام اللیل کی عادت بنائے گا (قوت القلوب)

فائدہ اس طرح سے اس کے اعمال کی کثرت ہوگی جب تلاوت کرنے والے کی اتنا نیات ہوں تو ثواب بھی اتنا ملے گا اس لئے اس کا افضل عمل قرآن بالجہر ہے کیونکہ اسمیں اعمال کثیرہ ہوں اور کثیرۃ نیات سے کثرت اعمال ہو سکتے ہیں۔

فائدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کہیں جمع ہوتے تو ان میں کسی کو قرآن پڑھنے کا حکم فرماتے اور مجتمع ہو کر قرآن سنتے۔

مسئلہ شرح الترغیب میں ہے کہ قرآن بالالحان پڑھنے میں آئمہ کا اختلاف ہے امام مالک اور جمہور کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ الحان سے قرآن کے نزول کے مطابق نہ ہوگا اور نہ ہی خشوع ہوگا، الحان سے سمجھنا آسان نہ ہوگا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک الحان مباح ہے ایسے محدثین اسلاف کی جماعت بھی۔ اس لئے کہ یہ رقت کا سبب اور خشیۃ الٰہی کو ابھارنے والا ہے۔

مسئلہ احکام الافکار میں ہے کہ قرآن پڑھنے میں آواز کو حسین اور مزین بنانا مستحب ہے بشرطیکہ نقصان کرکے حد القرأۃ سے نہ نکل جائے۔

مسئلہ اگر قرأۃ میں افراط کیا یہاں تک کہ کوئی حرف بڑھا دیا یا اخفا بڑھا دیا تو ایسا الحان حرام ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ رتل بمعنی اُتل ہے اور تلاوت قرآن مجید میں کئی مقامات پہ ابلاغ آئی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ احکام قرآن پہنچاؤ اہل نفوس متمردہ یعنی اقبال علی الآخرہ سے انحراف کرنے والوں کو یعنی عوام کو یہ از قبیل ظاہری معنیٰ ہے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر آیت کا ظاہر و باطن و حد و مطلع ہے۔ اور معانی کی تفصیل فرمایئے ان اصحاب قلوب کے لئے جو قلوب اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کتاب فصلت آیاتہ ان سے خواص (اولیا) مراد ہیں اور یہ از قبیل معنی باطن ہے اور اس کے حقائق سمجھایئے اسرار کے سرداروں کو جو عین مشاہدہ میں خود کو ہلاک کرنے والے اور بحر مسانیہ میں غرق ہیں ان سے اخص الخواص مراد ہیں اور یہ از قبیل حد ہے اور ان ارباب طاہرہ کے لئے ایجاد کیجئے

جو اپنی ناسوتیہ سے فانی اور لاہوتیتہ میں باقی ہیں۔

تفسیر عالمانہ ⑤ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ بے شک ہم ڈالیں گے۔ عنقریب ہم تیری طرف وحی کریں گے یہاں وحی کے بجائے القاء قَوْلًا ثَقِیْلًا (بات بھاری) کی وجہ سے ہے اس سے قرآن عظیم مراد ہے جو مکلفین پر تکالیف شاقہ ثقیلہ پر مشتمل ہے نیز قرآن قدیم غیر مخلوق ہے اور حادث قدیم سطوت سے پگھل جاتا ہے سوائے اس کے جو مؤید من اللہ ہو جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حل لغات ثقل درحقیقت اجسام میں ہوتا ہے پھر معانی میں بھی مستعمل ہونے لگا۔

فائدہ بعض نے کہا وہ ثقیل تھا ملقیہ کے طور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ کبھی وہ آتی ہے گھنٹی کی آواز کی طرح اور وہ مجھ پر بہت سخت گراں ہوتی ہے وہ مجھ سے ہٹتا ہے یعنی دور ہوتا ہے تو میں اسے یاد کر لیتا ہوں جو وہ کہتا ہے اور کبھی میرے لئے فرشتہ مرد (بشر) کی شکل میں متمثل ہوتا ہے تو وہ میرے سے بولتا ہے تو جو کہتا ہے۔ میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔

نمونہ وحی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت سردی میں وحی اترتے دیکھا کہ جب آپ سے وہ فرشتہ علیحدہ ہوتا تو آپ کی جبیں مبارک پسینہ پسینہ ہوتی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وجہ مذکور سے جب نزول وحی ہوتا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار ہوتے تو اونٹ کے اگلے پچھلے بوجھ سے ٹیڑھے ہو جاتے اگر کسی وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی صحابی (رضی اللہ علیہ) کی ران پر سہارا لگا کر بیٹھے ہوتے تو اس کی ران کے ٹوٹنے کا خوف ہو جاتا۔ لیکن اس وقت آپ کا چہرہ اقدس گلاب کی طرح ہوتا ہے ع بسان گل کہ بعض چمن افروز اس گل کی طرح جو چمن میں روشن ہوتا ہے۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اٹھائے ہوئی شے کے بوجھ کا حامل کی لطافت حال کے مطابق ہوتا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام سے خلق میں لطیف تر اور مزاج وطبع میں اعدل اور روحانیہ ارحمانیتہ میں اکمل اور نشاۃ و فطر میں افضل اور استعداد قابلیت میں اشمل تھے اسی لئے قرآن کو جملہ کتب سماویہ جو اوامر نواہی و احکام و شرائع میں ثقل سے مخصوص کیا گیا ہے بوجہ آپ کی لطافت فطرۃ و شمول رحمت کے اور قم اللیل جملہ معترضہ ہے اس کے اور اس کی تعلیل کے درمیان اور ناشئۃ اللیل الخ میں راز یہ ہے کہ اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام اللیل کی آسانی ظاہر کرنی ہے یعنی اسے ثقل سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس قیام کی تکلیف بہ نسبت ثقل کے کالعدم ہے کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عنقریب

بوجھ الفا گیا جائے گا وہ اصعب اور اشق (سخت مشقت والا) ہے اسی لئے یہ تکلیف (قیام اللیل) اسہل ہے۔

فائدہ کشاف میں ہے کہ جملہ معترضہ لانے کا ارادہ اس لئے ہے کہ قیام اللیل بے شک سخت تکالیف میں سے ہے کہ جس کے متعلق قرآن میں وارد ہے کیونکہ رات نیند اور تھکان اتارنے کے لئے ہے تولا محالہ جو بیدار ہوگا اس کی طبعیت کے لئے بوجھ ہوگا اور نفس سے مجاہدہ کرنا ہوگا لیکن جو اس سے مانوس ہو جائے اس کے لئے اس جیسے بوجھ ہلکے ہو جاتے ہیں۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ سورۃ المزمل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اوائل میں نازل ہوئی ہے اس معنیٰ پر (اِنَّا سَنُلْقِيْ) الخ میں باقی مدت وحی کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ اس کے حروف باعتبار نون مدغم اور دونوں تنوین بائیس ۲۲ ہیں اور سین استقبال پر دلالت کرتا ہے اور باقی مجموعہ حروف مدت باقیہ پر۔

نکتہ قرآن مجید کو حمل ثقیل اس لئے کہا گیا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تتمیم مکارم الاخلاق کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ قرآن مجید تمام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اثقل ہوگا (اللہ ہی اپنی مراد کو خوب جانتا ہے)۔

تفسیر صوفیانہ یہ قول ثقیل بہ نسبت نفس ثقیلہ کثیفہ کے ہے کیونکہ اس کے حجابات تہ بہ تہ ہیں اور ادراک حق سے بہت دور ہے ورنہ بہ نسبت خفیفہ لطیفہ کے خفیف و لطیف ہے یہی وجہ ہے کہ کاملین سے تکالیف کی تھکان نہیں ہوتی کیونکہ عبادات انکے عادات کی طرح ہیں اس لئے ان سے عبادات کی کلفت اٹھ جاتی ہے بلکہ وہ ان سے الٹا ذوق و حلاوت پاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ⑥ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ (بے شک رات کا اٹھنا۔ یعنی وہ نفس جو اپنے بستر سے عبادت کے لئے رات کو اٹھتا ہے۔

حل لغات یہ نشأ من مکانہ (اپنی جگہ سے اٹھا) سے ہے اس معنیٰ پر موصوف محذوف ہے اور اضافت ملابستہ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ نفس جو رات کو اٹھتا ہے۔

هِيَ یہ خصوصیت سے اَشَدُّ وَطْأً زیادہ دباؤ ڈالتا ہے کلفت و ثقل کے لحاظ سے۔

حل لغات وطئ مصدر ہے وطی الشئ بمعنی پاؤں سے روندنا اور اس پر بوجھ رکھنا۔ وہ نفس جو رات کو عبادت کے لئے اٹھتا ہے اس کے لئے یہ زیادہ سخت ہے بہ نسبت اس کے جو دن کو عبادت کے لئے قائم ہے۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ رات کی عبادت (قیام اللیل) افضل العبادات اور مشقت سے بھرپور ہے اس

معنیٰ پر وطئی مصدر مبنی للمفعول (مجہول) ہے کیونکہ عبادت گذار پر جو اپنا بوجھ ڈال رہی ہے وہ رات کی عبادت ہے اسی لئے وہ عابد جو رات کو عبادت سے روندا ہوا ہے بہ نسبت اس کے جو دن کو عبادت سے روندا جاتا ہے زیادہ سخت ہے اور اس کی نصب علی التمیز ہے اور یہ بھی ہو کہ یہ دراصل اشد وطاء اشد ثبات قدم و استقرار رہا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اس سے مقصود رات کی عبادت کو اختیار کرنے کا بیان ہے اور خصوصیت سے قیام کا اس لئے حکم فرمایا ہے کہ اس نے رات کو لباس بنایا تاکہ لوگوں کو چھپائے اور انہیں اضطراب و انقلاب اور کسب معاش سے منع کرے اور دن کو معاش بنایا تاکہ اس میں لوگ اپنی معاش کے امور سرانجام دیں اسی لئے اس میں عبادت کے لئے ثابت قدمی مطلوب نہیں (اگر ہو تو قبولیت میں کوئی فرق نہیں دن ہو یا رات)۔

وَاَقْوَمُ قِيْلًا اور بات خوب سیدھی نکلتی ہے۔

حل لغات قِيْلًا اسم ہے القول سے یہ دراصل قِوْلًا تھا اور واؤ یاء سے بدل گئی قول اور قیل کا ایک ہی معنیٰ ہے یعنی بات میں بھی زیادہ سیدھی ہے اور ثبات و استقرار علی الصواب پر بھی یعنی رات کو نماز میں قرآن پڑھنا صواب تر ہے کیونکہ دل فارغ اور شور و شغب بند اور زبان دل کے موافق ہوتی ہے کہ جو کچھ پڑھتی ہے دل تفکر میں لگ جاتی ہے۔ ؎

خاموش شد عالم بشب تا چیست باشی در طلب

زیرکہ بانگ عربدہ تشویش خلوتخانہ بود

ترجمہ: رات کو عالم تمام خاموش ہو گیا تاکہ تو طلب الٰہی میں چستی کرے اس لئے کہ لڑنے جھگڑنے کی آواز خلوتخانہ کے لئے تشویش کا سبب ہوتی ہے۔

فائدہ نَاشِئَةَ الَّيْلِ معنی قیام اللیل ہو تو بھی جائز ہے اس وقت ناشئۃ مصدر ہے از نَشَأَ جیسے العافیۃ معنی العفو اور لسان حبشہ کے موافق ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں نشأ بھی قَامَ یا ناشئۃ معنی وہ عبادت جو رات کو ہو اس معنی پر الوطئ مصدر مبنی الافاعل ہوگا بہر حال عبادت مطلق اور قیام اللیل ہر دونوں رات کے وقت عبادگزار پر بہ نسبت دن کے قیام و عبادت کے بہت زیادہ ثقیل ہوتی ہے اب اشد وطاً کا معنیٰ اثقل و اغلظا علی المعلی نمازی پر زیادہ سخت اور زیادہ بوجھل، ہو گا رات کی عبادت بہ نسبت دن کی عبادت کے اس اعتبار سے وہ افضل بھی ہے یعنی رات کی عبادت رنج و کلفت کے لحاظ سے سخت تر ہے اس لئے کہ ترک خواب و ترک راحت نفس پر گراں ہے اسی لئے وہ عبادت افضل ہوتی ہے جو نفس پر نہایت گراں ہو۔

فائدہ ناشئۃ اللیل سے رات کی ساعات بھی مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ بھی لحظہ بہ لحظہ ایک دوسرے کے بعد حادث ہوتی ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ رات کی گھڑیاں جو حادث ہوتی ہیں ایک دوسری کے بعد لیکن حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ناشئۃ رات کی وہ گھڑیاں مراد ہیں جو عشاء کے بعد شروع ہوتی ہیں بہرحال اس تقریر پر ناشئۃ اللیل ساعات اللیل کی صفت ہے اس معنیٰ پر بھی مطلب وہی ہے کہ رات کی عبادت و قیام بہ نسبت دن کے زیادہ سخت و ثقیل تر ہے۔

فائدہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تقریر کے مطابق عشاء سے پہلے کے اوقات ناشئۃ نہ ہوں گے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں مخصوص ساعات بتایا ہے وہ ہیں نیند کے بعد اُٹھنے کی ساعات جو نیند نہیں کرتا اس کے لئے ناشئۃ نہ ہوگی۔

ابوطالب مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر قوت القلوب میں ہے کہ دو عشاؤں (مغرب و عشاء) کے درمیان نوافل پڑھنے چاہیئں یہاں تک کہ شفق ثانی غائب ہو جانے یعنی وہ سفیدی جو سرخی کے اختتام کے بعد شروع ہوتی ہے بعض نے کہا رات کی تاریکی اور ظلمت مراد ہے کیونکہ یہ وہ آخری وقت ہے جو قرص غربی شعاع شمس سے باقی رہتا ہے جو سورج اس طرف کو طے کرتا ہے اور جبل قاف کے گرد گھومتا ہے مشرق کی تلاش میں یہ وقت منتخب ہے عشاء ثانیہ کے لئے یہ دن آخری اور رات کا اول ورد ہے اسی میں نماز پڑھنے کا نام ناشئۃ اللیل ہے یعنی رات کی ساعت کیونکہ یہ رات کی یہی ساعت ہے جو ابھی حادث ہوئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت ابن عامر و ابو عامر نے وطاً کو بالکسر و المد پڑھا ہے از مواطات بمعنی موافقت اگر ناشئۃ تفسیر ہو تو اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفس کی قلب سے موافقت سخت تر ہے کہ قلب اس کی لسان ہو اگر ناشئۃ کی تفسیر قیام یا عبادت یا ساعات سے کی جائے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ تمام امور نفس پر شاق ہے از جہت قلب کی موافقت کہ اس کی لسان اس میں قائم ہے یا اس کی موافقت سخت ہے کہ قلب کو خشوع و اخلاص چاہیئے اور نفس کے لئے یہ ہر دونوں ناگوار ہیں۔

فائدہ حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ ظاہر و باطن کی موافقت یہ اس لئے مشکل ہے کہ ظاہر میں تو خلق خدا کے ساتھ رہنا ہوتا ہے لیکن جب ان کی رؤیت منقطع ہوگی تو وہ خلوص نہ ہوگا جو خلق خدا کی وجہ سے تھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ بے شک دن میں تمہیں بہت سے کام ہیں (چلنا پھرنا اور ضروریات زندگی کے امور کی سرانجام پانی میں تیرنے والے کی طرح اور شواغل میں مشغول ہونے کی وجہ سے عبادت کے لئے فراغت نہ پاسکو گے اسی لئے عبادت کے لئے رات کو لازم پکڑو۔ یہ بیان ہے قیام اللیل کے خارجی داعی (سبب) جبکہ پہلے اس سبب کا بیان تھا جو قیام اللیل کے اپنے میں ہے۔

حل لغات السبح پانی یا ہوا میں تیز جانا۔ افلاک میں ستاروں کے چلنے کے لئے استعارہ کیا جاتا ہے جیسے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وکل فی فلک یسبحون اور ہر ستارہ اپنے فلک میں پیرتا ہے۔ اور گھوڑے دوڑنے کے لئے بھی جیسے فالسابحات سَبۡحًا اور آسانی سے پیرنے والوں کی قسم۔ اور عمل میں جلدی کے لئے جیسے اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا اور تاج المصادر میں ہے السبح معاش میں تصرف کرنا اور بعض تفاسیر میں ہے کہ السباحۃ اس عمل میں ہوتا ہے جو پانی میں ہاتھوں اور پاؤں سے ہو۔ بعض نے کہا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تمہارے سے رات کو کوئی وظیفہ (عمل) رہ جائے تو اسے دن کو پورا کر لیا کرو کیونکہ تم دن کو فراغت رکھتے ہو کہ اسمیں فوت شدہ وظیفہ (عمل) کا تدارک کر سکتے ہو تاکہ تمہارے سے وہ مناجات رہ نہ جائے جو تمہارے ذمہ ہے اور یہ تفسیر مناسب بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس سے رات کا وظیفہ (عمل) رہ جائے یا کوئی اور نیک کام جو رات کو کیا کرتا ہے تو وہ اسے پڑھ لے (پورا کر لے) صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ الظہر کے درمیان یعنی گویا اس نے اسے رات کو ہی پڑھا ہے۔

مشائخ کی تلقین مشائخ (مرشدان کرام) اپنے صادق مریدین کو فرمایا کرتے ہیں کہ جب تمہارا کوئی ورد (وظیفہ) رہ جائے تو اس کی قضا پڑھ لیا کرو اگرچہ مہینہ کے بعد تاکہ نفس کو سستی کی عادت نہ ہو جائے۔

فائدہ ورد (وہ وظیفہ وعمل) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہو یا آپ کی امت کے پسندیدہ و برگزیدہ لوگوں کے یعنی وہ اوراد و وظائف جو اولیائے کرام خواص بزرگوں سے منقول ہیں (جیسے دلائل الخیرات درود مستغاث۔ حزب البحر۔ قصیدہ غوثیہ وغیرہ وغیرہ)۔

فائدہ قوت القلوب میں ہے کہ جس سے کوئی وِرد (وظیفہ وعمل روزینہ) رہ جائے تو جب بھی اسے یاد آ جائے ادا کرے لیکن قضا کی نیت سے نہیں کیونکہ قضا تو فرائض کی ہوتی ہے اور یہ اوراد و وظائف فرائض نہیں مستحبات ہیں تو انکی قضا کیسی، ہاں یہ ارادہ ہو تو جو کمی رہ گئی اس کا تدارک ہو جائے (اگرچہ یہ حضرات اس کی ادائیگی کا نام اب بھی قضا رکھتے ہیں لیکن ان کی مراد بھی تدارک مافات ہوتی ہے نہ کہ فرائض کی طرح کی قضا یا نفس کو مشقت میں ڈالنے اور اس سے سستی مٹانے کی نیت ہو تاکہ اس کی عادت عزائم پر عمل کرنے کی عادت ہو رخصت پر نہ ہو۔

(۴) وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ اور اپنے رب کا نام یاد کرو۔ رات دن اپنے رب کی یاد میں زندگی گذارو جس طریقہ سے ہو تسبیح و تہلیل و تحمید و صلوٰۃ و تلاوت قرآن اور تدریس علوم بالخصوص صبح کی نماز کے بعد اور غروب شمس سے پہلے کیونکہ یہ دونوں اوقات فیض و فتح کے ہیں اور ہمیشہ ذکر و فکر میں رہنا مقربین کی عادات سے ہے دل یا زبان سے یا ارکان سے یا قیام میں بیٹھ کر یا کروٹ پر یعنی پروردگار کو اس کے اسمائے حسنیٰ سے یاد کر۔

اسمأ الحسنیٰ کے پڑھنے کی فضیلت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اسمأ الحسنیٰ کا وِرد کرے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

فائدہ ذکر اللہ سے مراد ذکر کے واسطہ سے اس کی فکر کرنا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (اور اپنے رب کو یاد کرو جب بھول جاؤ) کیونکہ ذکر اور نسیان ہر دونوں قلب کی صفات سے ہیں جب مذکور کی تجلی پڑتی ہے تو ذکر و ذاکر ہر دونوں فنا ہو جاتے ہیں۔ جیسے میرے شیخ سیدی سندی امام اللہ روحہ شرح تفسیر الفاتحہ للقنوی قدس سرہ میں فرمایا کہ جو اسمائے مجاز یہ میں کسی اسم کا ورد کرے جتنا آسانی سے کر سکے لیکن اس پر مداومت کرے تو اسے اسی اسم کے سر (راز و رموز) اور اس کے روح کے درمیان میں بعنایت ربانی اتنا مناسبت پیدا ہو جائے گی جتنا وہ اس اسم سے مشغول ہوگا پھر جب وہ مناسبت ان کے مابین مضبوط اور مکمل ہوگی بحسب قوۃ و کمال اشتغال کے اسماء حقیقیہ کے مدلول کے درمیان اور اس شخص کے درمیان اسی مناسبت سے حاصلہ کے واسطہ اور اس کی قوت کے مطابق قوت و کمال حاصل ہوگا جب یہ مناسبت ثانیہ کی جو اسے اور اسم حقیقی سے حاصل ہوئی جو دحق اور اس کی عطا سے کمال حاصل ہو جائے گا تو پھر اسے اس کے مسمّٰی یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ اتنا مقدار پر مناسبت حاصل ہوگی جتنا اس نے مناسبت ثانیہ سے قوۃ و کمال حاصل کیا ہوگا کیونکہ بندے کے تقدس مناسبت کی وجہ اس کی دنس پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور عالم قدس کے لائق ہوتا ہے اتنا جتنا قدر اس کی دنس کا ارتفاع ہوگا اس وقت حق تعالیٰ اس کے لئے جلوہ فرمائے گا اس اسم کے مرتبہ سے بندے کی قوۃ و کمال اور اس کی استعداد کی مقدار پر اور اس پر علوم و معارف و اسرار الہیہ و کونیہ کا جتنا چاہے گا فیض بخشے گا یا وجہ عام و سلسلہ ترتیب مراتب، مراتب و حضرات وغیرہ جو وسائط و اسباب و ادوات و مواد معنویہ و صوریہ سے نہیں یا وجہ خاص سے بغیر وسائل و اغیار کے یا دونوں سے اکٹھے کیونکہ یا وجہ وہی ہو سکتی ہے یا یہی اس کے سوا تو اور کوئی وجہ ہے نہیں سوائے ان دونوں کے یکجا جمع ہونے کے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرو تو تلاوت سے پہلے کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے اپنے رب کے اسم کو یاد کرو اور وہی (اسم) تو ہے یعنی اپنے نفس کو پہچان اور اُسے بُھلا ورنہ تجھے اللہ تعالیٰ بُھلا دیگا۔ اور نفس کے کمال حاصل کرنے کی جد و جہد کر بعد اس کی حقیقت کی معرفت کے۔

تفسیر عالمانہ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

حل لغات التبتل بمعنی الانقطاع اور بمعنیٰ دنیا سے دل توڑنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سب سے توڑ کر مکمل طور عبادت و اخلاص نیت اور توجہ کلی سے اللہ کے ہو رہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ اللہ کہہ پھر انہیں چھوڑ دو یعنی نفس کو ماسوای اللہ کے فکر سے خالی کر دو اور سب سے منہ پھیر لو۔

دل دردبند و از غیرش بگسل

ہرچہ جز اوست برون کن از دل

ترجمہ دل اس سے جوڑ اور اسے غیر سے توڑ دے اس کے سوا جو کچھ دل میں ہے اسے باہر کر دے۔

سوال یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا رھبانیة اور تبتل اسلام میں نہیں۔

جواب ہماری تقریر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کے خلاف نہیں اس لئے حدیث شریف میں التبتل سے نکاح کا ترک مراد ہے اسی لئے حضرت بی بی مریم رضی اللہ عنہا پاکدامن کو البتول کہا جاتا کہ آپ (بی بی) نے مردوں سے نکاح نہیں کیا اور ان سے علیحدہ رہیں اور ہمارے نزدیک نکاح سے روگردانی ناجائز ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانکحوا الایامی اور بے عورتوں کا نکاح کرو۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیمة نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ قیامت میں تمہاری وجہ سے فخر کروں گا۔

سوال بی بی فاطمة الزہرا (رضی اللہ عنہا) کو بتول کیوں کہا جاتا ہے حالانکہ آپ (بی بی) نے تو نکاح کیا۔

جواب اس لئے کہ بی بی فاطمة الزہرا کو اسرائیلی یعنی بی بی مریم سے مشابہت تھی کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں نہ یہ کہ نکاح سے روگرداں تھیں۔ (معاذ اللہ)۔

فائدہ بعض نے کہا کہ تبتل تبتیل کی جگہ پر مستعمل ہوا ہے اس لئے تبتل بمعنی بتل نفسہ ہے یہ اپنے معنیٰ پر آیا ہے اور اس کے رعایۃ فواصل کا حق بھی ادا ہوا۔ اس لئے کہ قرآن مجید کا حسن نظم و ترتیب جملہ کتب سے اعلیٰ اور بے نظیر واقع ہوا ہے بعض نے کہا کہ یہ انقطاع چونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح نہیں کہ بالکلیہ خود کو ان عوائق سے فارغ کر لیں جو مراقبہ الٰہی سے روکتے ہیں اور قطع علائق از ماسوی اللہ نہیں فرمایا اسی لئے تبتل کے بجائے تبتیل کہا ہے اس تقریر پر یہ احتباک کے قبیل سے ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واللہ انبتکم من الارض نباتا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں سے بنایا جو اس کا اصل تھا۔ انبتکم منہا فنبتم نباتا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا پھر تم (انگوری کی طرح اُگ پڑے)۔ ایسے ہی یہاں اصل عبارت یوں تھی تبتل یبتلک عما سواہ تبتیلا تم غیروں سے منقطع ہو کر رہو وہ تمہیں ماسوائے مکمل طور پر منقطع کریگا۔ اس لئے تبتیل فضل الٰہی اور اس کی مدد کے سوا حاصل نہ ہو سکے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اپنی صفات [illegible] افعال کو فنا کر کے اور اس کی طرف

توجہ کر د اپنی صفات کو فنا کر کے اور اس کی ذات میں بقا کر۔

فائدہ تبتّل از دنیا سے مراد اگر صرف ظاہری ہو جیسے بعض لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں گذرنے اور فقر و فاقہ ظاہر کرتے رہتے ہیں جو لوگوں کے دکھاوے کے لئے ہوتا ہے جو درحقیقت باطن میں دنیا کا حرص رکھتے ہیں اور اس ظاہری طریق سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں یہ تبتّل مذموم ہے اگر باطنی ہو فقط تو وہ ممدوح ہے جیسے بعض انبیاؑ علیہم السلام اور اولیاؒ کہ باوجود دولتمندی کے خود کو دنیا کے قریب بھٹکنے نہ دیا اس لئے کہ انہیں حُبِّ دنیا بالکل نہ تھی اگر انہوں نے بظاہر دنیوی ٹھاٹھ ظاہری رکھا تو وہ بھی بارادۂ الٰہی تھا کیونکہ ان کے ارادے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع تھے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ وہ انہیں بادشاہی بخشے اور بڑی (دنیوی) دولت دے جیسے سلیمان و یوسف و داؤد و سکندر وغیرہم علی نبینا وعلیہم السلام اور بعض انبیاؑ و اولیاؒ ظاہری و باطنی ہر طرح سے فقر و فقیری رکھتے تھے جیسے اکثر انبیاء (علیہم السلام)

فائدہ کبھی تبتّل از مخلوق ہوتا وہ بھی صرف بظاہر جیسے بعض عبادت گذاروں کا حال تھا کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں کے اندر زندگیاں گذارتے تھے۔ وہ صرف لوگوں کے دل کھینچنے اور تحائف ہدایا بٹورنے کے لئے اور صرف باطناً جیسے اہل ارشاد کرتے تھے یعنی بعض انبیاؑ و اولیا (علی نبینا وعلیہم السلام) کیونکہ ارشاد دالخلق کے لئے مخلوق سے مخالطت (رل مل گذارنا) ضروری ہوتا ہے۔ باطناً و ظاہراً ہر دونوں طرح جیسے بعض وہ اولیائے کرام جنہوں نے خلوت کو اختیار فرمایا اور ویران جگہوں پر ڈیرے جمائے جہاں لوگوں کا آنا جانا نہ ہو یا بالکل کم ہو۔

نسخہ روحانی بعض بزرگوں نے فرمایا کہ سلوک الی اللہ ہوتا ہی تبتّل (علیحدگی اختیار کرنا) ہے مطلب یہی ہے کہ خواہشات نفسانی کا خلاف کر کے غیر اللہ سے روگردانی کرنا اور دائمی ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل متوجہ ہونا یہ سفر حرکت معنوی سے طے ہوتا ہے جو ایک مسافر دوسرے مسافر کی طرف جانا چاہیئے تو یہ سفر یوں ہی طے کیا جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ بندے کو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور طالب و طالب و مطلوب کی مثال اس صورت کی ہے جو آئینہ میں ہے لیکن گرد آلود آئینہ میں صورت نظر نہیں آتی اس لئے کہ آئینہ زنگ آلود ہے جب آئینہ کی زنگ ہٹالی جائے گی تو صورت صاف نظر آئے گی لیکن نہ بایں معنی کہ وہ صورت آئینہ میں کوچ کر آئی ہے جو آئینہ اس کی طرف گیا ہے بلکہ اس حجاب کو دور کرنے سے جو آئینہ پر تھا اس سے معلوم ہوا کہ حجاب خود بندے میں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو اہل بصیرت کے لئے ہر وقت اپنے نور سے جلوہ گر ہے اگرچہ موقعہ و محل اور تجلی تجلی میں فرق ہے۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں

کو عام تجلی سے نوازتا ہے لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خاص تجلی سے نوازتا ہے۔

فائدہ تجلی عام یہ ہے کہ صورۃ واحدہ ایک ہی حالت میں تمام آئینوں میں نظر آئے اور تجلی خاص یہ ہے کہ ایک ہی آئینہ میں ایک ہی صورۃ جلوہ گر ہو اسی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص وقت ہے، مخفی نہ ہو کہ وہ ایسا وقت مخصوص ہے کہ اس وقت اس تجلی میں اسے سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی کو کوئی دخل نہیں۔

سوال فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر الٰہی میں مستغرق الاوقات اور دائم الانقطاع الی اللہ ہوں جیسے دونوں مذکورہ آیتیں دلالت کرتی ہیں تو پھر دن میں کیسے بہت سے کام سرانجام دینے کا موقعہ ملتا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا۔ بے شک آپ کو دن میں بہت سے کام ہیں۔

جواب ① ذکر دائمی وانقطاع کلّی کا حکم ترقی الی العزیمۃ کے باب سے ہے جیسے کامل ترین کی شان کا تقاضا ہے۔

جواب ② دن کو ذکر و تسبیح کی مشغولی از قبیل وجوب نہیں بلکہ آپ کو مکمل اختیار ہے کہ آپ کاروبار کریں یا توکل کر کے تمام اوقات ذکر الٰہی میں مصروف رہیں۔

جواب ③ آپ کو دن ہو یا رات کاروبار کا ظاہری شغل ذکر الٰہی کے مراقبہ سے مانع نہیں جیسا کہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ - ایسے مردان خدا بھی ہیں جنہیں تجارت اور بیع ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ اور فرمایا الذین ھم علی صلوتھم دائمون وہ جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں۔

جواب ④ یہ احکام بحسب اختلاف الاحوال والاشخاص ہیں بعض وہ ہیں جو کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں بعض وہ ہیں جو ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں واللہ اعلم بالمرام (مقاصد کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے)۔

تفسیر عالمانہ ⑨ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مرفوع علی المدح ہے یعنی وہ ان دونوں کا رب اور ان کا خالق و مالک ہے اور ان کا جو ان کے مابین ہے اور ہر شے کا کشف الاسرار میں ہے کہ سرما و گرما کی مشارق و مغارب کی جنس مراد ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، جملہ مستانفہ ہے ماسوا اللہ کی نفی الوہیت سے اس کی ربوبیت کا بیان ہے یعنی کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں سوائے اس کے۔ فَاتَّخِذْہُ اسی کو بناؤ، اپنے تمام امور اور ضرورتوں کے لئے یہ فا امر کی ترتیب کے لئے اور اس کا موجب الوہیت و ربوبیت ہے اور اللہ تعالیٰ سے خاص ہے۔ وَکِیْلًا کارساز۔ جملہ امور کی اصلاح و اتمام استرشاد کے لئے

اسی کو کارساز بناؤ اور جملہ امور اسی کو سپرد کرو

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ مشرق ذات مطلقہ از حجابات تعینات الاسماء والصفات کا اور مغرب صفات واسماء کا رب ہے اور بہ مغرب اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حجب صفات کے پردوں سے مستتر ہے اور حجب صفات ہی حجب الذات ہیں اور وہی جمیع الموجودات میں متعین ہے تو اس کے سوا کوئی معبود موجود نہیں پھر اسی کو کارساز بناؤ یعنی نفس کو خودی سے مجرد کیجئے اور اپنے وجود مجازی سے بھی اور اپنے وجود مجازی کے بجائے وجود حقیقی بنایئے اور اپنی جانب چلئے۔

حکایت ایک مرید نے اپنے شیخ (مرشد) سے کہا کہ میں تجرید پر حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں شیخ (مرشد) نے فرمایا اپنے نفس سے مجرد ہو کر جا جہاں تیرا دل چاہے۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کا متولی خود ہے وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جب وہ اپنے کسی بندے کے احوال کی احسن طریق سے کفالت فرماتا ہے تو اسے ہر شغل کی کفایت کرتا ہے اور اسے تمام اغیار سے مستغنی فرما دیتا ہے پھر ایسے بندے کو کثرت حوائج ہوتی ہی نہیں کیونکہ جب اسے معلوم ہے کہ اس کا مالک و مولیٰ ہی کافی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ توحید کی علامت ہے کہ توکل کی بساط پر عیال کی کثرت ہو یعنی اس کا بظاہر کاروبار کوئی نہیں صرف توکل علی اللہ ہے اور ادھر عیالداری بھی ہے لیکن اسے فکر بھی نہ ہو وہ بندہ توحید میں کامل اکمل ہے۔

حکایت حضرت حمشاد دینوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں مقروض ہو گیا اس کی وجہ سے ایک رات کو مجھے فکر ہوئی یہاں تک پریشانی سے نیند نہ آئی تھوڑی آنکھ لگ گئی تو خواب میں میں نے دیکھا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے تو نے حق تعالیٰ سے اپنا عہد نبھایا فلہٰذا اب قرض کی ادائیگی ہمارے ذمۂ کرم ہے اس پر جاگ ہو گئی پھر ادائیگی قرض کا سبب بھی بن گیا اور اس کے بعد مجھے کبھی قصاب اور سبزی والے سے حساب و کتاب کی ضرورت نہ ہوئی۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے مخلوق کو کفیل کار بنایا تو وہ اس سے اس کا اجر مانگے گا اور کبھی اس کے مال میں خیانت بھی ہو جائے گی کبھی تصرف میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے کبھی بہتر سے کمتر اور درست و غلط بھی ہو جائے گا تو وہ کفیل راس نہ آئے گا لیکن جس نے راضی ہو کر عقیدہ جما لیا کہ اس کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے تو وہ کریم اسے بہت بڑا اجر دے گا اور اس کے مقاصد بھی مکمل طور پر پورے کرے گا اور اس پر ایسا لطف و کرم ہو گا کہ اس کے جملہ امور اور اس کے آمال (مقاصد و ضروریات) ہر آرزو تک اس کے موافق بنائے گا یعنی اس کے جملہ امور خود بخود مکمل ہو جائیں گے۔

فائدہ جس نے اللہ (تعالیٰ) کو اپنا وکیل مانا اس پر ضروری ہے کہ اس کے حقوق و فرائض اور وہ جملہ امور جو اس پر لازم

ہیں مکمل طور ادا کرے اور اس کے لئے ہر وقت اپنے نفس سے جھگڑے اس معاملہ میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ برتنے۔

وظیفہ فراخیٔ رزق حضرت زروقی رحمۃ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسم وکیل کا خاصہ ہے حوائج و مصائب کی نفی کرنا جو آندھی۔ کڑک۔ ڈراؤنی چیزوں سے ڈرتا ہے تو اسم "وکیل" کے وِرد کی کثرت کرے اس اسم کی برکت سے دُکھ مل جائیں گے اور اس پر خیر و بھلائی اور رزق کے دروازے کھل جائیں گے۔ تفصیل آئیگی۔

(۱۰) وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ) یعنی قریش مکہ کی باتوں پر کہ ان میں کوئی خیر و بھلائی نہیں یعنی وہ خرافات و بکواسات جو اللہ تعالیٰ کے بارے ہیں کہ وہ اس کا شریک ٹھہراتے اور اس کے لئے جورو اور اولاد بناتے ہیں اور آپ کے حق ہیں کہ وہ آپ کو ساحر اور شاعر و مجنون کہتے ہیں اور قرآن کے بارے میں کہ وہ اس کے مضامین کو افسانے اور قصّے کہانیاں سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ اور انہیں مکمل طور اچھی طرح چھوڑ دو۔ یہ صبر کے امر کی تاکید ہے یعنی اچھی طرح چھوڑ دو کہ اپنے دل اور تصوّر و خیال سے ان کے خیالات ہٹا دو اور نہ ہی ان کی خاطر مدارات اور نہ ہی ان کے کاروبار میں کفایت کرو بلکہ ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو جیسا کہ آنے والا مضمون بتاتا ہے۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الہجر والہجران بمعنی کسی انسان وغیرہ کو بدن یا زبان یا قلب سے جدا کرنا اور وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا میں ہر تینوں معانی محتمل ہیں اور داعی اس طرف ہے کہ ان سے جہاں تک دور رہنے کی سوچ ہو سکتی ہے وہی بہتر ہے یعنی ان سے دوری اور جدائی میں بھلائی ہے۔

فائدہ اہل حکمت نے فرمایا کہ اعدأ پر حسن مدارات کا ہتھیار تیار رکھو یعنی ظاہرًا معاملات میں صلح سلوک سے کام لو اور فرصت کو نگاہ میں رکھو تا کہ بوقت فرصت انہیں قابو میں لا سکو ؎

آسائش دو گیتی دو حرفست

با دوستاں تلطف با دشمناں مُدارا

ترجمہ: دونوں جہاں کی آسائش صرف دو حرفوں میں ہے وہ یہ کہ دوستوں سے لطف و کرم اور دشمن کے ساتھ حسن سلوک۔

(۱۱) وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ (اور مجھ پر چھوڑ دو ان جھٹلانے والوں کو) یعنی انہیں اور ان کا ہر معاملہ میرے سپرد کر دیجئے میں ہی انہیں کافی ہوں۔ نٓ والقلم میں اس کی تفصیل گذری ہے بعض نے المکذبین کو منصوب واؤ بمعنی مَعَ کے پڑھا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے مکذبین کے ساتھ چھوڑ دو اور بعض نے واؤ عاطفہ بتائی ہے اب

معنی یہ ہوا کہ مجھے میرے کام پر چھوڑ دو میں اسی طرح کروں گا جیسے حکمت کا تقاضا ہوگا اور مکذبین کو ان کے حال پر چھوڑ دو جو تمہارے اور قرآن کے ساتھ کر رہے ہیں یہ صناعت فن نحو کے مطابق ہے لیکن پہلا معنیٰ زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ نصب معیت کی دلالت پر بمنزلہ لفظ کے ہے جب فعل لازم ہو اور یہاں تو فعل متعدی ہے۔

اُولِی النَّعْمَۃِ نعمت والوں (دولتمندوں) کو۔ ارباب تنعم یعنی صاحبان ناز و تن آسان۔ ان سے قریش کے بڑے مراد ہیں کیونکہ وہ صاحبان دولت و تنعم تھے بالخصوص بنو مغیرہ۔

حل لغات نعمت (بالفتح) النون بمعنی تنعم اور بالکسر انعام اور وہ شے جو کسی انعام کے طور دی جائے اور بالضم بمعنی سرور تنعم بمعنی وہ شے استعمال کرنا جسمیں نرمی ہو نفاست ہو ماکولات و مشروبات و ملبوسات میں۔ تاج المصادر میں ہے ناز و نعمت سے زندگی بسر کرنا۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ نفس نعمت و رزق مذموم نہیں بلکہ اسے ناز و نزاکت اور نفس پروری کے طور استعمال کرنا مذموم ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرۃ معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو فرمایا اے معاذ مال تنعم (نفس پروری کے لئے نعمتوں کے استعمال) سے بچنا۔ اس لئے کہ بندگان خدا متنعم نہیں ہوتے۔

فائدہ اس میں فقراء کو تسلی ہے کہ وہ بہشت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ وَ مَھِّلْھُمْ قَلِیْلًا انہیں تھوڑی سی مہلت دو۔ مہلت دینا اور بالکل معمولی یعنی انہیں قلیل میعاد تک مہلت دیجئے ان کی سزا کے لئے جلدی نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں عذاب کریگا یعنی آخرت میں کیونکہ دنیا کی عمر نہایت تھوڑی ہے اور ہر آنے والا وقت نہایت قریب ہے اس معنیٰ پر آنے والا مضمون دلالت کرتا ہے جسمیں آخرت کے عذاب کا بیان ہے۔

فائدہ علامہ طبری نے کہا کہ اس کے اور واقعہ بدر کے درمیان نہایت تھوڑا وقفہ ہے اسی لئے بعض نے کہا کہ یہ آیت مدنیہ ہے۔

⑫ اِنَّ لَدَیْنَآ بے شک ہمارے پاس آخرت میں۔ اور اس میں جو ہم نے بے فرمانوں کے لئے تیار کر رکھا ہے عذاب کے آلات و اسباب سے یہ تفسیر اس سے بہتر ہے جو بعض نے فرمایا کہ لدینا بمعنی فی علمنا (ہمارے علم اور ہماری تقدیر میں کیونکہ یہ عاصیوں کے لئے تہدید کا مقام ہے اور آلات عذاب کا بالفعل موجود ہونے زیادہ مؤثر ہے اس سے کہا جائے کہ وہ آلات عاصیوں کے اعمال کی صورتیں قبیحہ ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصرین نے وان اعمال سیئہ کا ارتکاب کیا جنکی آخرت میں مثالی صورتیں ان کے لئے عذاب کی صورت پیش آئیں گی۔

اَنْكَالًا بھاری بیڑیاں۔ جس سے مجرموں کے پاؤں باندھے جاتے ہیں تاکہ اہانت اور عذاب ہو نہ کہ اس کے بھاگ جانے کے خوف سے۔

حل لغات نکل بالکسر کی جمع ہے لوہے کی بھاری بیڑی اور یہ امر کی تعلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تعذیب بندگاں کے اسباب ان گنت ہیں اور وہ انہیں عذاب دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اور ان سے انتقام لے بھی سکتا ہے لیکن وہ دنیا میں عیش اڑالیں اور انہیں اس کی پرواہ تک نہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ عزیز حکیم ہے وہ ایسے عیش و عشرت کے بدلہ لینے ہیں اس کے ہاں بہت سے عذاب دینے کے اسباب موجود ہیں۔ (آئیں گے تو انہیں پتہ چلے گا، اور اللہ تعالیٰ غالب کے ہاں آخرت میں وہ امور سخت ہیں وہ ان سے بدلہ لے گا۔ وَّجَحِيْمًا ۙ اور بہت بڑی آگ یہ وہ جو دوسری بڑی آگوں سے سخت اور بڑی ہے کشاف میں ہے کہ جحیم وہ نار سخت جو گرمی اور جلانے میں سخت ہے۔

۱۳ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (اور گلے میں پھنستا کھانا) وہ طعام جو گلے میں پھنس جائے اور ہڈی وغیرہ سے گلے سے نیچے نہ اترے اور نہ ہضم ہو سکے یعنی نہ ہضم ہونے والا جو حلق کو پکڑ کر نہ نیچے جانے کا نہ نیچے اترنے کا جیسے ضَرِيْعٌ (آگ کا کانٹا) اور زقوم (تھوہڑ کا درخت) یہ دونوں کے انگوروں اور درختوں سے زہر قاتل اس حیوان کے لئے جو انہیں کھائے اس سے کراہت ہے تمام لوگوں کو۔ اس سے جہنم کے ضریع اور زقوم کا اندازہ لگائیے کہ وہ کیسے ہوئے اور یہ ہنئ اور مرئ (رچنا پچنا) اور زود ہضم اور خوشگوار طعام کے بالمقابل ہے اور ہنئ و مرئ دونوں طعام اہل جنت کو ملیں گے اور مجرم (کفار) ان طعام سے اس لئے مبتلا ہوں گے کہ وہ دنیا کی نعمتیں اڑائیں لیکن ان کی ناشکری کی۔

وَعَذَابًا اَلِيْمًا اور دردناک عذاب۔ یہ عذاب کی دیگر قسم ہے کہ اس کی کہنہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسے اس پر تنکیر دلالت کرتی ہے اور یہ سب ان کے لئے تیار اور ان کے انتظار میں ہے اس معنیٰ پر اس سے ان کا ہر قسم کا عذاب مراد ہے۔

نزول آیۃ ہذا پر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال مبارک تفسیر میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو کر گرے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ دن کو روزہ سے رہے شام کو افطار کا طعام لایا گیا آپ کے سامنے یہی آیت پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا طعام اٹھا لو۔ دوسری شب کو اسی طرح طعام سامنے رکھا گیا اور آیت ہذا کسی نے پھر پڑھ دی تو فرمایا طعام اٹھا لو۔ ایسے ہی تیسری شب کو اسی طرح طعام سامنے رکھا گیا اور کسی نے یہ آیت پڑھ دی تو فرمایا طعام لے جاؤ۔ حضرت ثابت بنانی اور یزید جنیؓ اور یحییٰ رضی اللہ عنہم کو آپ کا یہ

حال اور رونے کی کیفیت سنائی گئی انہوں نے آکر آپ کو کھانا کھانے پر مجبور کیا تو ستو کے چند لقمے تناول فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ آخرت میں روحانی عذاب تین قسم ہوگا

① چاہت کی اشیاء کی جدائی کی جلن

② رسوا کرنے والی خجالت کی رسوائی

③ محبوبوں کے فوت ہونے کی حسرت

اس کے بعد جسمانی آگ میں جلنے کی نوبت پہنچے گی اس سے رسوائی و ذلت اور خجالت اور حیاء کا تحیر اور سب سے بڑی رسوائی ہوگی جب مجرم کے عیوب کھل کر اس کے سامنے آئیں گے۔

تفسیر عالمانہ [۱۴] یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ جس دن تھرتھرائیں گے زمین اور پہاڑ یہ اس استقرار کی ظرف ہے جو لدینا کا متعلق ہے۔

حل لغات الرجفہ بمعنی شدید زلزلہ و زعزعہ (سخت ہلنا) یعنی زمین و پہاڑ اللہ کی ہیبت و جلال سے تھرتھرائیں گے تاکہ علامت ہو کہ قیامت آگئی اور معلوم ہو کہ اب اللہ کا حکم جاری ہونے والا ہے اور بے فرمانوں کافروں کی گرفت کا وقت آگیا ہے۔

سوال پہاڑ تو زمین کا حصہ ہیں جب الارض کا ذکر ہوا تو الجبال کو علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب چونکہ وہ بہت بڑے اجسام اور زمین کی میخیں ہیں جب وہ تھرتھرائیں گے تو زمین کو کب قرار رہ سکتا ہے علاوہ ازیں اونچی چیزوں کا تھرتھرانا نیچی چیزوں کے تھرتھرانے سے زیادہ ظاہر ہوتی ہیں انہی کے تھرتھرانے سے جان لبوں پر آجائے گی ان کے گرنے کے خوف سے۔

وَكَانَتِ الْجِبَالُ اور سخت تھرتھرانے سے باوجودیکہ وہ سخت اور اونچے ہیں ہو جائیں گے پہاڑ كَثِيبًا ریت کا ٹیلہ۔

حل لغات کثیب ریت کا ٹیلہ (قاموس) از کتب الشئ۔ جمعہ۔ اسے جمع کیا گویا وہ دراصل فعیل بمعنی مفعول ہے پھر بوجہ غلبہ جمع شدہ ریت پر اس کا استعمال ہوا یعنی ریت کا ٹیلا۔

مَّهِيلًا (بہتا ہوا) یعنی وہ پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے۔

حل لغات هيل هيلاً سے ہے بمعنی اس حیثیت سے انہیں نیچے سے ہلایا جائے تو اوپر سے بہنے لگیں گے دھنی ہوئی اون کی طرح ریزہ ریزہ ہو جانے کی وجہ سے ایسی ریت کہ جس پر پاؤں نہ جم سکیں اس اعتبار سے اس کے اجزا جدا جدا ہو کر بہیں گے یہ مجتمع ریت کے ٹیلے ہونے کے منافی نہیں کیونکہ وہ اپنی صورت کے لحاظ سے ریت کی طرح ہوں گے اور پھر تھرتھراتے وقت ذرہ ذرہ ہو کر بہاں

کی طرح بہتے ہوئے نظر آئیں گے، خلاصہ یہ کہ اس دن ہیبت سے سخت پہاڑ ریت کے ٹیلے بنکر تھر تھرائیں گے۔

حل لغات مہیل از ھال یہیل دراصل مھیولا تھا۔ بیع از مائع کی طرح نہ فعیل از مہیل یمہل۔

سوال صرف جبال کو ریت کے ٹیلے سے تشبیہ کیوں؟

جواب یہ انہی سے خاص ہے کیونکہ زمین اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہوگی تھر تھرانے کے بعد چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفا فیذرھا قاعا صفصفا لا تری فیھا عوجا ولا امتا (اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرماؤ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا تو اس کو پٹ پر سوار کر چھوڑے گا)۔

خلاصہ یہ کہ زمین اور پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یہ فرمایا وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے پھر ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے۔ پھر پہاڑ بہتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے پھر انہیں ہوا اڑائیگی تو وہ اڑتی ہوئی غبار کی طرح نظر آئیں گے پھر زمین اپنی پہلی حالت پر آ جائے گی زمین تانبے کی ہو جائیگی جیسے تفصیل گذری ہے (پ۱۳ رکوع آخری) ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس دن بشریت کی زمین اور انانیت کے پہاڑ تھر تھرائیں گے اور تمام انانیت کے پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح ہو کر اڑتی غبار کی طرح ہو جائیں گے تعینات اعتباریہ موہومہ کو ریت سے تشبیہ اس کے سرعۃ زوال اور تتر بتر ہو جانے کی وجہ سے ہے۔

تفسیر عالمانہ (۱۵) اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ بے شک ہم نے تمہاری طرف اے اہل مکہ (ربط) اھوال آخرت سے ڈرانے کے لئے اب اھوال دنیا سے ڈرانے ہیں شروع ہو رہے ہیں رَسُوْلًا (رسول) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ آپ کا انکی طرف رسول بنکر تشریف لانا دوسروں کی طرف رسول ہونے کے منافی نہیں اس لئے کہ مکہ معظمہ ام القریٰ ہے تو جو اس کی طرف رسول بن کر تشریف لائے ہیں تو گویا تمام اہل دنیا کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں نص فرمائی ہے وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ اہل وہم کے اوہام دفع ہو جائیں۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں۔ تم پر قیامت میں گواہی دیں گے اس کی جو تمہارے سے دنیا میں کفر و عصیاں صادر ہوا اسی طرح وہ تمہارے غیروں پر بھی گواہی دیں گے جیسے دوسری جگہ یہ فرمایا وجئنا بک علی ھٰؤلاء شھیدا اور تمہیں ہم لائیں گے ان سب پر گواہ۔

کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے۔ موسیٰ علیہ السلام اس لئے

کہ ہارون علیہ السلام تو آپ کے معاون تھے اور تابع ہارون علیہ السلام کا عدم ذکر بوجہ عدم تشبیہ کے ہے۔
اور فرعون کی تخصیص اس لئے کہ یہ دنیا کے عیش اڑانے والوں کا سردار تھا بلکہ تجبر و سرکشی میں بے مثال۔ اس کے اور قریش کے درمیان یہی قدر مشترک اور حال کی مشابہت اور عادات میں گہری مناسبت۔ (۱۶) فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (تو فرعون نے رسول کا حکم نہ مانا یعنی حکم نہ مانا) اس فرعون نے جس کا تکبر اور دنیوی عیش کا حال معلوم ہے اس رسول کی جو اس کی طرف بھیجے گئے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ دراصل اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا تو تم نے اس کی نافرمانی کی۔ جیسے اس معنی کی خبر دیتا ہے۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ ارسالا کائنا کما ارسلنا الی فرعون رسولا فعصاہ یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور ان پر ایمان نہ لایا

نکتہ فرعون و رسول کو مظہر کر کے اعادہ میں انتباہ ہے کہ فرعون بہت زیادہ نافرمان تھا اور وہ اس لئے کہ وہ رسالت کی بے فرمانی تھی نہ بایں حیثیت کہ وہ صرف موسیٰ (علیہ السلام) کے نافرمان تھے اور فرعون کی جماعت کے ترک میں بھی یہی نکتہ ہے کہ اس کا ہر فرد گویا فرعون تھا۔

فَاَخَذْنٰهُ تو اس کی نافرمانی کی وجہ سے ہم نے اسے پکڑا۔ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ سخت گرفت سے کہ جس کی عام طاقت کسی کو نہیں یعنی فرعون کو ہم نے پانی میں غرق کر کے آگ میں دھکیلا۔

حل لغات الوبیل بمعنی ثقیل و غلیظ۔ اسی لئے الوابل بمعنی بڑی بارش (موسلا دھار) اور یہ کلام پہلے تشبیہ سے خارج ہے اسے اس لئے لایا گیا کہ ان کفار مکہ کو وہی عذاب گھیرے گا جو انہیں گھیرا۔

(۱۷) فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ (پھر کیسے بچو گے)۔ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ارسال پھر عصیان پر مرتب ہے ظاہر یہ ہے کہ کما ارسلنا سے مقدم ہو لیکن اسے مؤخر کرنے سے زیادہ تہویل (ہولناکی کا اظہار) ہے یہ فَاَخَذْنٰهُ سے معلوم ہوا یعنی یہ بھی ان کی طرح ماخوذ ہوں گے بلکہ ان سے بھی سخت تر پھر جب اس کے بعد کہا گیا فکیف تتقون تو وہ اس تہویل میں زیادتی کا فائدہ پیدا ہو گیا گویا انہیں یوں کہا گیا ہے دنیا میں بے شک عیش اڑا لو لیکن یہ سمجھ لو کہ تم فرعون کی طرح دنیا میں سخت گرفت سے نہیں پکڑے جاؤ گے تو پھر کیسے خود کو بچا سکو گے اگر وہ بچ گیا یعنی نہ وہ بچ سکا نہ تم بچ سکو گے۔

حل لغات تَتَّقُوْنَ از بمعنی وقی ہے جو دو مفعولوں سے متعدی ہوتا ہے اس پر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول دلالت کرتا ہے جو انہوں نے بیان کیا جیسا کہ لغت میں ہے کہ اتقاء بمعنی ڈرنا اور خود کو بچانا اور افتعل فعل کے معنی میں آتا ہے جیسے زمخشری نے المفصل (کتاب نحو) میں نقل کی ہے اگرچہ امثلہ عرب اس کی موافقت نہیں کرتیں اور نہ ہی وقی واتقی جذب واجتذب وخطف واختطف کی طرح نہیں (زائل کر)۔

اِنْ کَفَرْتُمْ اگر کفر کرو۔ یعنی کفر پر باقی رہو یَوْمًا اس دن (کے عذاب سے) یہ مفعول ہے تتقون کا اور جائز ہے کہ ظرف ہو یعنی پھر تمہارے لئے کیسے ہوگا قیامت میں ایمان و توحید اگر تم نے دنیا میں کفر کیا توحید ایمان کا نہیں کوئی چارہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا وقت نکل گیا۔ اس معنی پر بھی اَتَّقِیْ اپنے حال پر رہا۔ ایسے ہی یومًا کفرتم کی وجہ سے منصوب ہو بمعنی جحدتم اب معنیٰ ہوگا پھر کیسے ڈرو گے اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے جب تم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ اور آخرت کی جزا کا انکار کیا۔ یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ (جو بچوں کو کرے گا) اس دن کی شدت ہول اور اس کے اندر عذاب کے سخت مناظر سے یہ یومًا کی صفت ہے اور جعل کا اسناد یوم کی طرف اس کی شدت میں مبالغہ کی وجہ سے ہے ورنہ یوم میں کسی قسم کی تاثیر نہیں۔

حل لغات ولدان نوزائیدہ بچے ولید کی جمع ہے۔ نوزائیدہ بچے کو کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا اطلاق عام ہے کہ بچہ کی نوزائیدگی کا عہد قریب ہو یا اس کے بعد۔ شِیْبًا بوڑھا یعنی نوزائیدہ بچوں کو بوڑھا بنائے گا اور ان کے بال سفید کرے گا۔

حل لغات شِیْبًا اَشْیَبُ کی جمع ہے شیب بمعنیٰ بالوں کی سفیدی اس کا اصل یہ ہے کہ وہ بضم الشین حُمْرٌ جمع احمر کی طرح لیکن ضمہ واؤ کا مقتضیٰ ہے لیکن یا کے بچاؤ کے لئے اسے مکسر کیا گیا تاکہ فرق ہو درمیان سُود وبیض جیسے اسمائیں۔

بچے بوڑھے کیسے قیامت میں بچے بوڑھے کیسے ہوں گے اس کے چند وجوہ ہیں۔ ① حقیقت پر محمول ہے جیسے اہل تفسیر کا مذہب ہے اس کی تائید کرتی ہے وہ حکایت جو کشاف میں ہے۔

حکایت زمخشری کہتا ہے کہ بعض کتب میں میری نظر سے گذرا کہ ایک شخص کے شام کو کالے سیاہ بال تھے صبح کو اٹھا تو سر اور داڑھی کے بال سفید تھے (ثغامہ (بفتح الثاء المثلثۃ و بالغین المعجمہ گھاس سفید) کہتا ہے کہ مجھے خواب میں قیامت کا منظر دکھایا گیا میں نے دوزخ و بہشت دیکھی اور بعض لوگوں کو دیکھا کہ انہیں زنجیروں سے جکڑ کر دوزخ کی طرف لئے جا رہے ہیں ان کے ہولناک منظر کو دیکھا تو میرا یہی حال ہوگیا جسے تم دیکھ رہے ہو۔

حکایت حضرت احمد دورقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک نوجوان ہمارا ہمسایہ فوت ہوگیا میں نے اس کو خواب میں بوڑھا دیکھا میں نے پوچھا یہ کیا کہا کہ ہمارے قبرستان میں بشر مریسی (معتزلی) مدفون ہوا اس کو دیکھ کر جہنم کی آگ نے جوش کیا تو قبرستان میں جتنے لوگ تھے سب کے بال سفید ہوگئے۔ (فصل الخطاب)

فائدہ مریسی مریس مصر میں ایک بستی ہے اس شخص نے فقہ تو حاصل کی امام ابو یوسف قاضی (تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما) لیکن بعد علم کلام میں لگ کر خلق القرآن کے مسئلہ میں بری طرح پھنسا نہ صرف خود بلکہ بعد میں بے شمار

بندگان خدا کو گمراہ کیا۔ ؎

سوال درد اور ضرر بچوں کے لئے قیامت تو نا جائز ہے بلکہ وہ تو غیر مکلف اور دنیا میں گناہوں سے محفوظ و معصوم تھے بلکہ ہر خطرۂ گناہ سے پاک تھے؟

؎ یہ تو حال اس گمراہ کا ہے جو صرف قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا اس سے ان گمراہوں کا اندازہ لگانا آسان ہوگا جو رسول اکرم امام الانبیا حبیب کبریا شہ ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل (اہلبیت کرام) اور صحابہ عظام اور آپ کی امت کے اولیا و علمائے اہلسنت کے بے ادب اور گستاخ ہیں۔ اس کی تفصیل اور اس جیسے گستاخوں کے انجام برباد لوگوں کے حالات کے لئے فقیر کی درج ذیل تصانیف کا مطالعہ کیجئے:

(۱) گستاخوں کا برا انجام۔ (۲) جزاء الاعمال بمسخ الاشکال۔ (۳) بے ادب بے نصیب۔

محض مریسی بدقسمت کی مناسبت سے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت علامہ تلمسانی فرماتے ہیں کہ شیخ نے بیان کیا کہ میں جامع حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ میں موجود تھا کہ ایک شور سنا۔ پتہ چلا کہ کسی نے ایک دشمن صحابہ کو مار ڈالا ہے اس کے قاتل کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے گئے اس قاتل کو سزا دی گئی اور دشمن صحابہ کی لاش کے متعلق حکم دیا کہ جاؤ اسے دفن کر دو۔ پس جب انہوں نے اس کے لئے قبر کھودی تو اس میں ایک بڑا سانپ ظاہر ہوا پھر انہوں نے دوسری جگہ قبر کھودی۔ وہاں بھی وہی سانپ ظاہر ہوا۔ غرضیکہ جہاں قبر کھودتے وہی سانپ نکل آتا۔ آخر انہوں نے تنگ آکر اسی سانپ کے ساتھ اسے دفن کر دیا (سعادۃ الدارین للنبھانی ص۱۵۲)

حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت حسن مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ وہ میرے یاروں کو گالی دیتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک ایسا جانور مسلط کرے گا جو اس کے گوشت کترے گا قیامت تک اسی کے درد میں مبتلا رہے گا (اخرجہ ابن الدنیا طی الفراسخ ص۳۶)

اُس کا خاتمہ خراب ہوا جس نے حضرت ابو بکر و عمر کو گالی دی ابن عساکر نے عبد الرحمٰن محاربی سے روایت کی کہ ایک شخص پر نزع طاری تھی۔ اسے کہا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو۔ اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھتا تھا جو مجھے حضرت ابو بکر و عمر کو گالی دینا سکھلاتے اور پھر انکی سب برائی کراتے اس وجہ سے میں کلمہ نہیں کہہ سکتا۔ (طی الفراسخ ص۱۰۳)

بغض شیخین گلے میں طوق بن جانا حضرت علامہ تلمسانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مصباح الظلام میں علامہ ابو محمد عبد اللہ فقیہ حنبلی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

جواب ① یہ ہیبت مقام کی وجہ سے ہوگا یہاں تک کہ اس وقت انبیائے علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود گھٹنے ٹیک ہو جائیں گے تو پھر باقی کون ہیں اولیا کرام ہوں یا بوڑھے نوجوان اور بچے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ایک جماعت مکہ شریف کو حج کے لئے روانہ ہوئی ان میں ایک آدمی تھا جو نوافل بہت پڑھتا تھا وہ راستے میں فوت ہوگیا۔ اُس کے دفن کے لئے کوئی کدال وغیرہ نہ تھا جس سے اُس کی قبر کھود کر دفن کریں انہوں نے جنگل میں گھومنا شروع کردیا۔ ایک بڑھیا عورت کی جھونپڑی دیکھی۔ اس کی جھونپڑی میں لوہے کا ایک بڑا سا کدال پڑا ہے انہوں نے اُس سے طلب کیا۔ اس نے کہا کہ تم حلفیہ عہد کرو کہ ہم اُسے ضرور واپس کردیں گے انہوں نے واپس کرنے کا حلف اُٹھایا اور اُس سے کدال لے کر آگئے۔ پس اس کدال سے قبر کھودی اور اُسے دفن کردیا۔ جب فارغ ہوئے تو دیکھا کہ کدال غلطی سے قبر میں رہ گئی ہے اور اُس بڑھیا کا عہد بھی یاد آیا۔ کدال نکالنے کے لئے اُس کی قبر کو کھودا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ کدال اُس مردہ کی گردن میں طوق بنی ہوئی ہے اور ہاتھ بھی اُس میں بند ہیں۔ وہ حیران رہ گئے انہوں نے اُسے ویسے ہی بند کردیا اور اس واقعہ کو بڑھیا کے پاس جاکر بیان کیا۔ بڑھیا نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا اور کہا کہ یہ کدال میرے پاس تھی۔ مجھے خواب میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کدال کو محفوظ رکھنا یہ ایک ایسے شخص کی قبر میں طوق بنے گی جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا ہے (سعادۃ الدارین للنبہانی ص۱۵۲)

نوٹ: یہ حال ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یاروں کے گستاخوں کا کیا حال ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معمولی سی بے ادبی پر ملائکہ کرام جیسی معصوم شخصیات کی بھی سرزنش فرماتا ہے صرف دو حکایتیں ملاحظہ ہوں۔

فرشتہ گستاخی کی زد میں زہرۃ الریاض میں ہے کہ ایک دن جبریل علیہ السلام دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے آج ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "وہ واقعہ کیا ہے؟"

جبریل علیہ السلام نے عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے کوہ قاف جانے کا اتفاق ہوا وہاں مجھے آہ و فغاں رونے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ جدھر سے آوازیں آرہی تھیں میں ادھر کو گیا تو مجھے ایک فرشتہ دکھائی دیا' جس کو میں نے اُس سے پہلے آسمان پر دیکھا تھا جو کہ اُس وقت بڑے اعزاز و اکرام سے رہتا تھا وہ ایک نورانی تخت پر بیٹھا رہتا۔ ستر ہزار فرشتے اُس کے گرد صف بستہ کھڑے رہتے تھے وہ فرشتہ سانس لیتا تو اللہ تعالیٰ اُس سانس کے بدلے ایک فرشتہ پیدا کردیتا تھا' لیکن آج میں نے اُسی فرشتہ کو کوہ قاف کی وادی میں سرگرداں

(باقی اگلے صفحہ پر)

فائدہ آیۃ میں مبالغہ ہے وہ یہ کہ وہ یوم ایسا سخت ہے جو نوزائیدہ بچوں کو بوڑھا کردے گا جبکہ وہ بڑھاپے کے زمانہ سے بہت دور ہیں بوجہ ولادت کے قرب عہد کے تو پھر ان کے علاوہ اس کیفیت کے اور زیادہ

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ

پریشان آہ وزاری کنندہ دیکھا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا "کیا حال ہے؟ اور کیا ہوگیا؟"

اس نے بتایا "معراج کی رات جب میں اپنے نورانی تخت پر بیٹھا تھا میرے قریب سے اللہ تعالیٰ کے حبیب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گذرے تو میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کی پرواہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کو میری یہ ادا، یہ بڑائی پسند نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ذلیل کرکے نکال دیا اور اُس بلندی سے اس پستی میں پھینک دیا۔ پھر اُس نے کہا "اے جبریل ع! اللہ کے دربار میں میری سفارش کردو کہ اللہ تعالیٰ میری اس غلطی کو معاف فرمائے۔ مجھے پھر بحال کردے۔

یارسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کے دربارِ بے نیاز میں نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کی درخواست کی۔ دربار الٰہی سے ارشاد ہوا "اے جبریل! اُس فرشتہ کو بتادو اگر وہ معافی چاہتا ہے تو میرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درُود پاک پڑھے"۔

یارسول اللہ! جب میں نے اُس فرشتہ کو فرمان الٰہی سنایا تو وہ سنتے ہی حضور کی ذات گرامی پر درود پاک پڑھنے میں مشغول ہوگیا اور میرے دیکھتے دیکھتے اس کے بال و پر نکلنا شروع ہوگئے اور پھر وہ اس ذلت و پستی سے اڑکر آسمان کی بلندیوں پر جا پہنچا اور اپنی مسندِ اکرام پر براجمان ہوگیا"۔ (معارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱)

ایک دوسرے فرشتے کو سزا شبِ معراج سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عجائبات دیکھے ان میں سے ایک یہ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فرشتہ کو دیکھا اس کے پر جلے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر فرمایا "اے جبریل! اس فرشتے کو کیا ہوا؟ عرض کی "یارسول اللہ! اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے ایک شہر تباہ کرنے کے لئے بھیجا تھا اس نے وہاں پہنچ کر ایک شیر خوار بچے کو دیکھا تو اسے رحم آگیا یہ اسی طرح واپس آگیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سزا دی ہے"۔

یہ سُن کر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے جبریل! کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: "قرآن پاک میں موجود ہے وانی لغفار لمن تاب یعنی جو توبہ کرے میں اُسے بخش دیتا ہوں"۔

یہ سُن کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربار الٰہی میں عرض کی یا اللہ! اس پر رحمت فرما اس کی توبہ قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اس کی توبہ یہ ہے کہ آپ پر دس بار درود پاک پڑھے آپ نے اُس فرشتے کو حکم سنایا تو

(باقی اگلے صفحہ پر)

لائق ہیں ایسے ہی قصہ سابقہ سے سمجھیئے کہ جو خواب میں عذاب کا منظر دیکھ کر بوڑھا ہوگیا پھر اس کا کیا حال ہوگا جو جاگتے ہوئے وہ منظر دیکھے گا کہ جس سے پہاڑ بھی پگھل جائیں گے ۔

جواب ② یہ تمثیل پر محمول ہے یعنی اس یوم کی شدت ہول کو اس زمانہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو نوجوانوں کو بوڑھا بنائے بوجہ کثرت ہموم و احوال (ہولناکیوں) کے کیونکہ ہموم روح کو قلب کے اندر نچوڑنے کا موجب ہیں اور روح نچوڑا جانا حرارت عزیزیہ کے انطفاً (بجھنا) اور اس کے ضعف کا سبب ہے اور حرارت عزیزیہ انطفاً اجزاً غذائیہ کی بقاً کو غیر نامتہ النضج (غذا کا نہ پکنا) بناتا ہے اور یہ بالوں کی سفیدی کا اور جلد بوڑھے ہوجانے کا سبب ہے یہی اللہ تعالیٰ عزیز کی تقدیر میں ہے جیسے قلب کا تغیر ظاہری بشرہ کے تغیر کا موجب ہے اس لئے ڈر اور خوف سے رنگ زرد اور رسوائی سے رنگ سرخ اور بعض درد و آلام سے رنگ سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ جو جسم پر بال ہیں وہ بدن کے تابع ہیں بدن کا تغیر بالوں کو متغیر کردیتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ کثرت ہموم بڑھاپے کا موجب ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

دھتنا أمور تشیب الوجود
ویخذل فیھا الصدیق الصدیق

ترجمہ : ہمیں ان امور نے گھیرا جو بچوں کو بوڑھا بناتے ہیں اور دن دوست دوست کو رسوا کرتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ)

اس نے دس بار درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ نے اس کو پر بال عطا فرمائے وہ اوپر کو اڑ گیا اور ملائکہ میں یہ شور برپا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے درود پاک کی برکت سے "کروبیین" پر رحم فرمایا ہے ۔ (رونق المجالس ص۱۱)

ہر کہ باشد عامل صلوٰۃ و سلام — آتش دوزخ شود بروے حرام
بر محمد میرسانم صد سلام — آں شفیع مجرماں یوم القیام

ترجمہ : جو ہمیشہ درود شریف کا عامل ہو۔ اس پر آتش دوزخ حرام ہے ۔ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے شمار سلام بھیجتا ہوں وہ قیامت میں مجرموں کے شفیع ہیں ۔

فائدہ درود شریف ایک ایسی محبوب عادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بے پناہ انعامات نصیب ہوتے ہیں۔ اس کے لئے کسی خاص صیغے کی کوئی تخصیص نہیں مثلاً اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم صلی اللہ علی وآلہ وسلم ۔ الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول وعلی آلك واصحابك یا حبیب اللہ جنہوں نے صرف درود ابراہیمی کی تخصیص کی ہے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ آیت صلوا علیہ وسلموا تسلیما صلوٰۃ وسلام ہر دونوں لفظوں کا ہونا ضروری ہے اور درود ابراہیمی میں صلوٰۃ تو ہے لیکن سلام نہیں۔

(تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب فضائل درود شریف دیکھیئے)۔

چونکہ بڑھاپے کا حصول کثرت ہموم کے لوازم سے ہے اسی لئے اسے شدت کنایہ کیا گیا جعل الولدان شیبا سے مراد یہ ہوئی کہ وہ نہایت سخت ہوگا۔

حدیث شریف مع الشرح قیامت میں (اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم) علیہ السلام اس خطاب سے اس لئے مخصوص ہوں گے کہ آپ تمام کے اصل ہیں (آدم علیہ السلام عرض کریں گے لبیک وسعدیک (میں حاضر ہوں اور ہر بھلائی تیرے پاس ہے اللہ تعالیٰ) فرمائے گا اے آدم (ابعث النار کو نکال) جو آگ کی طرف بھیجے جائیں گے اس کے اہل کو علیحدہ کر۔ (آدم علیہ السلام عرض کریں گے یا اللہ بعث النار کیا) اس کی تعداد کتنا ہے (اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ہزار سے نوسو ننانوے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (تو وہ گفتگو اس وقت ہے) جب بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور حاملہ حمل گرلئے گی)۔

فائدہ ابن الملک نے فرمایا کہ یہ بڑھاپا اور وضع حمل اپنے ظاہری معنی پر نہیں کیونکہ وہاں نہ حمل ہوگا اور نہ ہی چھوٹے بچے بلکہ اس سے قیامت کی احوال (ہولناکیاں) کی شدت مراد ہے یعنی اگر وہاں حاملہ اور چھوٹے بچے ہوں تو حاملہ کا حمل گر جائے اور بچہ بوڑھا ہو جائے۔ اس جواب پر نظر ہے۔ اس کا اشارہ جواب ثالث میں آتا ہے (اور دیکھو گے نشہ والوں کو) خوف سے (حالانکہ وہ نشہ والے نہ ہوں گے) شراب سے (لیکن عذاب سخت ہے)۔

جواب ③ یہ بالفرض والتقدیر پر محمول ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ دن ایسا ہے کہ اگر وہاں بچہ ہو تو اس کے سر کے بال سفید ہو جائیں۔ ہیبت و دہشت سے اور وجہ غیر موجہ ہے اگرچہ یہ مذہب ایسے مفسرین کا ہے جسے بہت جلیل القدر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں بالکل نہیں ہوں گے حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ جو بچے بچپن میں فوت ہوئے وہ بچے ہی قبروں سے اُٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے ایسے ہی روایتوں میں ہے کہ حاملہ عورتیں جو حمل میں فوت ہوئیں وہ حاملہ ہی مبعوث ہوں گی ہماری اس دلیل سے ثابت ہوا کہ میدان حشر میں حمل بھی ہوگا اور بچپن بھی ہاں جب بہشت میں داخل ہوں گے اس وقت سب کے سب تیس سالہ ہوں گے۔

جواب ④ اس دن کو ایسے صفت سے اس کا طول مراد ہو بطریق کنایہ یعنی وہ دن اتنا طویل المدۃ ہوگا کہ بچے بڑھاپے کی مدت پہنچ جائیں گے لیکن اس کے باوجود بھی وہ دن ختم ہونے کا نام نہ لے گا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے تو یہ اس کی طوالت مدت سے کنایہ ہے علی سبیل التمثیل نہ یہ کہ وہ تقدیر حقیقی ہے یعنی عرب کی عادت کے مطابق ہے کہ وہ طویل شے کو علی سبیل التمثیل ایسے ہی بیان کرتے ہیں جیسے اسے کبھی تابید اور عدم انقطاع سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ما ناحت حمامہ (جب تک کبوتر آواز دیتا ہے) مالاح کوکب جب تک ستارہ چمکتا رہے (ما تعاقب الایام والشہود) جب تک ایام وشہود آتے جاتے

رہی ران امثلہ میں تابید و عدم انقطاع مطلوب ہے تو آیت میں بھی یہی محاورہ ہے)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں نفس اور اس کی خواہش کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قیامت میں لوگ اپنے نفوس کو اللہ (تعالیٰ) کے سامنے فانی سمجھیں گے وہ ایسی فنا جو ان کے اعمال سیئہ قبیحہ خبیثہ خسیسہ کو مٹا کر رکھ دے۔

تفسیر عالمانہ (۱۸) اَلسَّمَآءُ (آسمان) مبتدا اس کی خبر مُنْفَطِرٌ بِہٖ (اس کے صدمہ سے پھٹ جائے گا) اس دن کی شدت سے آسمان پھٹ جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے تو جائز ہے کہ اس دن کی شدت آسمان کے پھٹنے کا سبب ہو۔

ہولناکی کے ذکر کی وجوہ اس دن کی ہولناکی کے ذکر کی دو وجہیں ہیں:
(۱) یجعل الولدان شیبا۰
(۲) السماء منفطر بہ

اس لئے کہ آسمان کی عظمت و قوت کے باوجود جب وہ اس دن کی شدت سے پھٹ جائے گا تو پھر باقی جملہ مخلوق کا کیا حال ہوگا اس معنیٰ پر بأ سببیہ ہے اور یہی ظاہر ہے خبر کا مذکر لانا اس کے موصوف مذکر پر محمول کرنے سے ہے یعنی شئ منفطر اس طرح سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ آسمان کی حقیقت تبدیل ہوگی اور اس سے اس کا رسم و رسم مٹ جائے گا نہ رہے گا بس اتنا کہ اسے کوئی شے کہا جا سکے۔

فائدہ القاموس میں ہے کہ السماء معروف ہے وہ مذکر بھی ہے مؤنث بھی اور یہ بھی جائز ہے کہ بأ بمعنی فی ہو اسی طرف گئے ہیں حضرت مکی رحمۃ اللہ نے قوت القلوب میں فرمایا کہ حروف عاملہ ایک دوسرے کی بجائے آتے ہیں اس کی مثال یہی آیۃ منفطر بہ دی اور فرمایا کہ یا بمعنی فی ہے یعنی فی ذلک الیوم (اسی دن میں) بعض نے کہا کہ باء آلہ و استعانۃ کی ہے جیسے فطرت العود بالقدوم۰ میں نے کلہاڑا سے لکڑی کاٹی - اب منفطر بہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ آسمان اس دن کی شدت و ہول سے پھٹ جائے گا جیسے کسی شے کو اس کے کاٹنے کی چیز سے کاٹا اور چیرا جاتا ہے۔ بعض نے اس وجہ سے رد کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ وہ آلہ و استعانۃ سے کام لے اور نہ ہی آسمان کے لئے یہ محاورہ مناسب ہے۔

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کر رہتا ہے) یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا ذکر پہلے نہیں لیکن چونکہ وہ ہر وقت ہر ایک کے علم میں ہے اس لئے لفظاً مذکور نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ اسی طرح ہو کر رہے گا جیسے اس نے اسے موصوف فرمایا شدائد سے لازماً اور متحققاً کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی عقلمند اس میں شک کر سکتا ہے یا ضمیر یوم کی طرف راجع ہے اور مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعلہ اللہ تعالیٰ ہے۔

حل لغات الصحاح میں ہے کہ وعدہ وشر ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے جب خیر و شر کا اعتبار ساقط کردیا گیا تو پھر وعد وعدۃ خیر میں اور وعید وایاد شر میں مستعمل ہونے لگے۔

(۲۰) اِنَّ هٰذِهٖ یہ اشارہ ان آیات کی طرف ہے جنمیں زبردست وعیدیں مذکورہ سنائی گئیں اور وہ ان لدینا تا یہی آخری آیت جو ابھی مذکورہ تذکرۃ بے شک یہ پند و نصیحت ہے اس کے لئے جو اپنے لئے خیر و بھلائی کا ارادہ رکھتا اور اپنے رب تعالیٰ کی حاضری کے لئے مستعد (تیار) ہے۔ بعض نے قرآن مجید متقین کے لئے پند و نصیحت اور سالکین کے لئے راہ سلوک اور ہلاکت والوں کے لئے نجات اور راہ حق دیکھنے والوں کے لئے بیاں اور متحیرین کے لئے شفا اور خوف والوں کے لئے اماں اور مریدین کے لئے انس اور عارفین کے قلوب کے لئے نور اور جو رب العالمین کی طرف راہ چاہتا ہے اس کے لئے ہدایت ہے۔ فَمَنْ شَآءَ تو جو چاہے مکلفین میں سے اِتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ اپنے رب (تعالیٰ) کی طرف راہ لے۔ ایمان و طاعت سے اس کا قرب حاصل کرے کیونکہ یہی راہ اس کی رضا تک اور اس کے مقام قرب تک پہنچاتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ
وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا
مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ
يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ڮ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ
مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَ
اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی ۔ اور اللہ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے اسے معلوم ہے کہ اے مسلمانو تم سے رات کا شمار نہ ہو سکے گا تو اس نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو اسے معلوم ہے کہ عنقریب کچھ تم میں سے بیمار ہوں گے اور کچھ زمین میں سفر کریں گے اللہ کا فضل تلاش کرتے اور کچھ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے تو جتنا قرآن میسر ہو پڑھو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دو اور اپنے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس بہتر اور بڑے ثواب کی پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۰﴾

تفسیر عالمانہ ۲۰ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ (بے شک تیرا رب جانتا ہے بیشک تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب) دو تہائی کم ادنیٰ کا اطلاق کم پر مجاز مرسل ہے از قبیل اطلاق الملزوم علی اللازم کیونکہ جب دو چیزوں کے درمیان کی مسافت جب قریب ہو جائے تو احیاز و عدد کے درمیان کا حصہ کم ہو جاتا ہے اور جب بعید ہو تو کثیر ہوتا ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ اللہ نے اول سورۃ ہذا میں قیام اللیل فرض فرمایا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے مکمل ایک سال مشقت کے ساتھ نبھایا یہاں تک کہ قدر واجب کا امتیاز مشکل ہو گیا اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ساری رات قیام میں گذارتے اس خوف سے کہ کہیں قدر کے خلاف نہ ہو جائے یہاں تک کہ قیام سے ان کے قدم سوج گئے اور رنگ زرد ہو گیا اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے آخری حصہ میں روک دیا تو گویا قیام اللیل بمقدار مذکور کا حکم منسوخ ہو گیا لیکن تہجد کی فرضیت باقی رہی جتنا ادا کی جا سکے پھر پانچ نمازوں سے اس کی فرضیت بھی منسوخ ہو گئی جیسا کہ روایت میں ہے کہ پانچ نمازوں کے زائد نماز زیادتی ہے ۔

وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ کبھی آدھی رات کبھی تہائی ، منصوب ہے اس کا عطف ادنیٰ پر ہے اور ثلث تین اجزا کا ایک اس کی جمع اثلاث آتی ہے یعنی تم دو تہائی رات سے کم قیام کرو اور آدھی اور تہائی رات بھی ۔ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی (مرفوع ہے اس کا عطف تقوم کی ضمیر پر ہے اور انتا فصل ان کے درمیان جائز ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اور آپ کے اصحاب میں ایک گروہ بھی آپ کے ساتھ قیام کرے اور من تنبیہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیام اللیل سب پر فرض نہ تھا خلاصہ یہ کہ قیام اللیل میں ایک گروہ آپ کی اتباع کرے اور وہ ہیں آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور اسمیں اللہ نے ان کے ساتھ احسان کا وعدہ فرمایا جیسے تم کسی کو وعدہ کرنے کے وقت کہو کہ میں خوب جانتا ہوں کہ جو تو نے میرے ساتھ کیا۔

فائدہ قوت القلوب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل میں دوسروں کو شامل کیا اور شریک معاملہ وحسن جزاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسمیں اکثر اوقات رسول قلب کو ماسوی اللہ سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور نفس سے اعراض مگر تھوڑے میں کی طرف اشارہ ہے اور یہ تھوڑا وقت بھی حجاب کے لئے حکمت کا تقاضا ہے۔ اس لئے کہ صوفیہ کرام نے فرمایا کہ اگر حجاب نہ ہو تو اللہ کا عرفان حاصل نہ ہوگا وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ الخ سے رسول قلب کے ساتھ دوسرے قوی روحانیہ و اعضاء وجوارح مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور رات اور دن کو اندازہ فرماتا ہے وہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ان کا مقدر فرماتا ہے کہ اس کے سوا ان کی تقدیر اور کوئی نہیں جانتا اور انکی ساعات کی مقدار اور اوقات صرف وہی جانتا ہے اور بس اسم جلیل یعنی اللہ مبتدا ہے اور اس پر یقدّر کی بناء قطعی طور اس کے ساتھ اختصاص کے لئے ہے۔ تقدیر بمعنیٰ اندازہ کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ شب و روز اندازہ کرتا اور اس کی ساعات کی مقدار جانتا ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا التقدیر بمعنیٰ شے کی کمیّت بیان کرنا اور آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹنا اور ایک دوسرے میں داخل کرتا ہے یا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ کسی ایک کو ممکن نہیں کہ وہ دن اور رات کی ساعات معلوم کر سکے اور ان دونوں میں عبادت کا حق ادا کر سکے وقت معلوم میں۔ خلاصہ یہ کہ ساعات اللّیل والنہار کے حقوق کے مطابق کی مقداریں صرف وہی اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم صرف سوچ اور اجتہاد سے جان سکتے ہو جس میں خطاء واقع ہو جاتی ہے اور اس کی اصابت صحیح مقدار میں بارہا خطا واقع ہو چنانچہ تم بسا اوقات مذکورہ مقداروں میں بہت کم رات کا قیام کرتے تھے اسی لئے فرمایا عَلِمَ اللہ کو معلوم ہے۔ اَنْ شان ایات یہ ہے لَّنْ تُحْصُوْهُ اسے ہرگز نہ شمار کر سکوگے، تقدیر اوقات کو ان کے حقائق پر اور نہ ہی ہمیشہ ضبط ساعات کر سکو گے۔ ضمیر مصدر مفہوم کی طرف راجع ہے جو یقدرُ میں ہے۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے الاحصاء بمعنیٰ جاننا۔ گننا بر سبیل استقصاء اور کر سکنا، امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا الاحصاء بمعنی شے کو گنتی سے حاصل کرنا۔

فائدہ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم ہوا کہ کامل رات کو قیام کرو لیکن ہرگز پورا نہ کر سکوگے کیونکہ حق واحد ہے اور باطل کثیر ہیں بلکہ حق بہ نسبت باطل کے ایسے ہے جیسے نقطہ کو دائرہ کے تمام اجزاء سے نسبت ہے اور ایسے ہے جیسے تیر نشان کی طرف پھینکا ہوا لیکن صحیح نشان پر پہنچنا سخت مشکل ہے۔

بعض اہل مذہب (معتزلہ وغیرہ) نے اسی سے تکلیف بالا یطاق کا استدلال اسی آیت سے کیا ہے

فائدہ کیونکہ لَّنْ تُحْصُوْهُ (ہرگز شمار نہ کرسکو گے) حالانکہ تقدیر ساعات اور قم اللیل کا امر بھی فرمایا ہے۔ انکا قال قم اللیل، ممکن ہے اس کا جواب یہ ہو کہ اس سے اس کی ادائیگی مشکل کی طرف اشارہ ہے نہ یہ کہ وہ اسے کرہی نہیں سکتے جیسے کہا جاتا ہے لا اطیق (ان انظر الی فلان) میں اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یعنی اس کا دیکھنا میرے لئے مشکل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ طبیعۃ کی لیل سے حقیقت کے نہار کی طرف سلوک اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے نہ کہ سالک کی اپنی طاقت سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس سلوک کی مدت کا شمار نہیں کرسکتے کہ اللہ (تعالیٰ) تک کس طرح ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محض اس کے فضل اور رحمت پر ہے نہ کہ تمہاری سیر و سلوک سے اس لئے کہ بہت سے سالک راہ سے بھٹک کر واپس آگئے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے اسی لئے کہا جاتا ہے ضروری نہیں کہ جو اس راہ پہ چلے وہ پہنچ بھی جائے اور نہ ہی ضروری ہے کہ پہنچنے پر اسے ایصال بھی نصیب ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ متصل ہو لیکن صاحب فضل بھی ہو۔

تفسیر عالمانہ فَتَابَ عَلَيْكُمْ تو اپنی مہربانی سے۔ تم پر رجوع کی قیام مقدر کے ترک کی رخصت دے کر توبہ کا مطلب ہے تائب سے مطالبہ اٹھا لینا پھر مشبہ بہ مشبہ میں مستعمل ہوا اسی سے مشتق ہوا فتاب یعنی پھر تمہیں رخصت دی تبعہ کا مطلب کسی پر مضرت (ضرر) کا مرتب ہونا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ تو تم پر قرآن جتنا آسان ہو پڑھو۔ یعنی رات کو جتنا تمہیں آسانی سے نماز پڑھی جاسکے پڑھو اب اس کی کوئی مقدار مقدر نہیں کہ وہ تہائی رات ہو یا نصف یا دو تہائی وغیرہ اگرچہ بکری دوہنے کی دیر تک یہ کم از کم چار رکعات ہیں بلکہ کبھی دو رکعات بھی ہیں نماز کو قرأۃ سے تعبیر کرنا ایسے ہے جیسے اس کے دیگر ارکان سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ اطلاق الجزا علی الکل کے قبیل سے مجاز مرسل ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے اختیار مذکور سے تہجد واجب تھی لیکن رات کا قیام انہیں مشکل ہو گیا تو پھر اس آیت سے اس کا وجوب منسوخ ہوا پھر نفس وجوب بھی پانچ نمازوں سے منسوخ ہوا جو اس کے عموم سے سمجھا جاتا تھا جیسے گذرا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ دن کی نفلی نماز سے رات کی نفلی نماز کو فضیلت ہے۔

مسئلہ وہ نفل جو پہلے فرض تھی پھر منسوخ ہو گئی وہ دیگر نفلی عبادت سے افضل ہے جیسے فقہاء نے فرمایا کہ یوم عاشوراء کا روزہ دوسرے عام نفلی روزے سے افضل ہے اس لئے کہ رمضان کی فرضیت سے پہلے یہی فرض تھا۔

حدیث شریف میں ہے رات کو جتنا ہو سکے نفل پڑھو لیکن نیند کا غلبہ ہو تو سو جائے۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھ کر نیند کرنے کو مکروہ کہتے تھے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رات کا قیام (عبادت اور نوافل) لازم پکڑو کیونکہ یہ ان صالحین کا طریقہ ہے جو تمہارے سے پہلے گذرے ہیں اور یہ تمہارے رب کے ساتھ قربت اور گناہوں کا کفارہ اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔

فائدہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ تہجد (قیام اللیل) سابقہ انبیاء و امم پر فرض نہ تھی بلکہ صرف ان کے صالح ہونے کا شعار تھا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کل جعظری جواظ سخاب بالا سواق کو مبغوض رکھتا ہے جو رات کو مردار کی طرح پڑا رہتا ہے دن کو گدھا بنکر بن کر پھرتا ہے دنیا کے امور میں ہوشیار اور آخرت کے امور سے بے خبر ہے۔

شرح الحدیث الجعظری (سخت - بدخلق - تندمزاج) جواظ ہمچوں شداد - تکبر سے چلنے والا جد - اکھڑ - بسیار خورم بتونی مال جمع کرنے روکنے والا، خشک مزاج، سخاب از سخب (محرکہ بفتحتین سخت آواز شور کرنے والا) سخب ہمچو فرح فہو سخاب۔

مسئلہ قیام اللیل کا استحباب کم ازکم رات کا چھٹا حصہ مسلسل ہونا چاہیئے یا کچھ حصہ بیدار ہو کر عبادت کرے پھر سو جائے پھر کھڑا ہو کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی رات ایسی نہ ہوتی جسمیں قیام نہ فرمایا ہو اور کوئی رات ایسی نہیں جسمیں آپ نے آرام نہ فرمایا ہو۔

مسئلہ رات کو جو ورد (عبادت کا طریقہ) کرے وہ شب بیداروں کے حکم میں داخل ہے اسے ان کے حصہ سے حصہ نصیب ہوگا۔

مسئلہ جو رات کے اکثر حصہ یا نصف میں بیدار رہتا ہو وہ تمام رات جاگنے والوں میں شمار ہوگا اور جو باقی حصہ نہیں جاگ سکا اس کے لئے صدقہ وخیرات کرے (قوت القلوب)۔

فائدہ بعض نے فرمایا آیت میں خود قرأۃ القرآن مراد ہے یعنی اس کا حقیقی معنیٰ - اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم پر قیام اللیل دشوار ہے تو تمہیں اس کے ترک کی اجازت ہے لیکن تلاوت قرآن تم سے جتنا آسانی سے ہوسکتی ہے تلاوت کرو ضروری نہیں کہ اسے نماز میں معین کرکے پڑھو کیونکہ رات کو تمہیں صرف تلاوت مشکل نہیں نماز کے بغیر آئی تلاوت قیام اللیل کے قائم مقام ہوگی اس معنی پر یہ امر ندب کا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو رات کو ایک سو آیات تلاوت کرتا ہے قیامت میں قرآن مجید اس پر حجت نہ کرے گا۔

مسئلہ امام طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لم یحاجلہ القرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرأۃ القرآن انسان پر لازم اور واجب ہے اگر نہ پڑھے گا تو قرآن مجید اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھگڑا کرے گا اور حجت قائم کر کے اس پر غلبہ پالے گا۔

فائدہ اس معنی پر حجت لجاحۃ باری کا اسناد قرآن مجید کی طرف مجاز ہے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رات کو ایک سو آیات کی تلاوت قرآن مجید کی حجت بازی سے نجات کے لئے کافی ہے اور رات کو کم از کم ایک سو آیات قرآن کی تلاوت واجب ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو رات کو سورۃ البقرکی دو آیتیں تلاوت کرتا ہے تو وہ اسے کفایت کریں گی۔

فائدہ اس سے آمَنَ الرَّسُولُ الخ مراد ہے اور کفایت سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے قیام اللیل کے قائم مقام ہوں گی یا ہر شر و برائی سے اس کی حفاظت کریں گی۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارا ایک عاجز ہے کہ وہ رات کو تہائی قرآن کی تلاوت کر لیا کرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ تہائی قرآن رات کو کون پڑھ سکتا ہے آپ نے فرمایا قل ھو اللہ احد الخ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہے کہ جو سورۃ اخلاص تین بار پڑھتا ہے اسے پورے ختم قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ طویل تر آیت چھوٹی آیت سے افضل ہے اس لئے کہ طویل آیت میں حروف زیادہ ہیں۔ ہاں اگر کسی جسمانی تکلیف سے چھوٹی آیات پڑھے تو اسے طویل آیات جتنا ثواب مل جائے گا بشرطیکہ ایک سو کی گنتی ہو (قوۃ القلوب)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جمع کرو اور اپنے قلوب صافیہ کی کدورات نفس اور اس کی خواہشات سے حفاظت کرو یعنی ان کدورات و خواہشات سے نے جو تمہارے قلوب پر غلبہ کرتے ہیں تمہارے ہیں حقائق و عوارف و معارف کی استعدادات ہیں اور ان کا افشائہ کرو یعنی غیروں کو نہ بتاؤ کیونکہ وہ تم پر انکار کریں گے بلکہ اپنی نااہلی کی وجہ سے تمہیں کافر زندیق و ملحد اور اتحادی کہیں گے اسی لئے یہ حقائق و دقائق مکنونات (مخفی اسرار و رموز) الٰہیہ سے ہیں۔

تفسیر عالمانہ عَلِمَ اَنْ اسے معلوم ہے۔ شان (بات) یہ ہے کہ سَیَکُوْنَ مِنْکُمْ مَّرْضٰی تم میں سے بیمار ہوں گے جملہ مستالفہ دوسری حکمت کو بیان کرنے والا اور ترخیص (رخصت) و تخفیف کا سبب بتانے والا ہے۔

حل لغات مرضٰی مریض کی جمع ہے المرض بمعنی انسان کا اعتدال خاص سے خارج ہونا۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں مریض قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انانیت اور حب دنیا و شہوات میں مشغول ہیں ان پر قرآن کے اسرار و حقائق کی کوئی شے ظاہر نہ ہوگی۔ چنانچہ شیخ سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

① عجب بنوہ گراز قرآن نصیبت نیست جز حرفے
کہ از خورشید جز گرمی نیابد چشم نابینا

② عروس حضرت قرآن نقاب آنگہ براندازد
کہ دار الملک ایمانرا مجرد یابد از غوغا

ترجمہ ① تعجب نہیں کہ اگر تجھے سوائے حروف قرآن مجید سے کچھ نصیب نہ ہو، جیسے نابینا کی آنکھ سورج کی گرمی کے سوا اسے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

② عروس قرآن کی بارگاہ اس وقت پردہ اٹھائے گی جب ایمان کا دار الخلافہ غوغا سے خالی ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاٰخَرُوْنَ (اور کچھ لوگ) اس کا مرض پر عطف ہے یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ (زمین کا سفر کریں گے) یہ آخرون کی صفت ہے یعنی زمین میں تجارت کے لئے سفر کریں گے۔

حل لغات ضَرَبَ فی الارض بمعنی رزق کی طلب کے لئے زمین میں سفر کیا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الضرب فی الارض زمین میں پیدل سفر کرنا۔ یَبْتَغُوْنَ تلاش کرنے مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اللہ کا فضل منافع۔ جو پہلے بالالتزام معلوم ہوا اسمیں اس کی تصریح ہے اور بیان ہے کہ جو منافع حاصل کرتے ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یبتغون یَضْرِبُوْنَ سے محلاً (مضوب) حال ہے۔

مسئلہ ابتغاء الفضل عام ہے کہ اس میں علم کی تلاش بھی داخل ہے بلکہ یہ تمام مکاسب سے افضل ہے۔

فائدہ اسمیں یہ بھی ہے کہ ان میں معلم الخیر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں موجود تھے بہ وقت نزول آیت تو پھر وہ اس کی تلاش کے لئے کہاں جاتے ہاں اگر اسے سورۃ کا آخری حصہ مدینہ مانا جائے تو پھر تحصیل العلم کے لئے آیت میں عموم کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حضرات مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت تحصیل العلم کے لئے کرتے تھے۔

فائدہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ خطاب خاص کے اعتبار سے ہے اگر اہل قرآن ثانی کے لحاظ سے تو پھر لقاء الحکم انہیں حرج میں واقع کرتا ہے۔

درس و تدریس کی فضیلت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجلس علم کی حاضری ہزار رکعت پڑھنے اور ہزار جنازے کی شمولیت اور ہزار مریض کی عیادت سے افضل ہے عرض کی گئی کیا

قرأة القرآن سے بھی ۔ فرمایا تو کیا قرأة القرآن علم کے بغیر کوئی فائدہ دے سکتی ہے (یعنی تلاوت قرآن سے بھی گویا افضل مجلس علم افضل ہے)۔

وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنوں سے لڑتے ہوں گے اس کا عطف بھی مرضیٰ پر ہے اور یقاتلون آخرین کی صفت ہے اور سبیل اللہ وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے جیسے جہاد

فائدہ اس میں تنبیہ ہے کہ انہیں عنقریب کفار سے لڑنے کی اجازت ملے گی۔

مسئلہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مال حلال کی کمائی جو خود اور اپنے اہل وعیال پر اور ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرے گا کا مرتبہ برابر بتایا ہے اس لئے کہ ان دونوں کا یکجا بیان فرمایا ہے ثابت ہوا کہ حلال تجارت جہاد کے برابر ہے۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمانوں کے شہر میں کوئی سامان لیجاکر بیچے اور اس سفر کی تکلیف پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ ہو اور وہ سامان تجارت صحیح نرخ پر بیچے تو اس کا مرتبہ اللہ کے ہاں شہداء جیسا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (تو جتنا میسر ہو پڑھو) یعنی اگر دیسا ہو جیسے مذکور ہوا اور رخصت کے اسباب قوی ہوں تو جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکو پڑھو اسمیں مشقت اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

سوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قیام اللیل (رات کو اُٹھ کر) کیسے بھاری محسوس ہوا حالانکہ یہ تو بعض تابعین کے لئے نہایت آسان تھا چنانچہ بہت سے تابعین کے متعلق منقول ہے کہ تمام شب قیام (عبادت) میں گذارتے جیسے امام ابوحنیفہ وسعید بن المسیب وفضیل بن فیاض وابوسلیمان دارانی ومالک بن دینار وعلی بن بکار وادیس قرنی (رضی اللہ عنہم وغیرہم)۔

حکایت حضرت علی بن بکار شامی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ چالیس سال تک مجھے سوائے طلوع فجر کے کسی شے نے غمگین نہیں کیا۔ کسی نے کہا آپ کو تھکان وغیرہ نہیں ہوتی تھی فرمایا قدر مفروض کی فکر سے محافظت کے خطرہ کے سوا اور کوئی شے بوجھ نہیں بنی جیسے گذرا۔

جواب صحابہ کرام کے لئے بھی یہ امر بعید نہ تھا اس لئے کہ بوجھ انہیں تعذر سے پہلے محسوس ہوتا تھا ورنہ بعد کو تو ان کے لئے بھی یہ امر ثقیل نہ تھا چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں منقول کہ وہ صرف ایک رکعت میں پورا ختم قرآن مجید کرتے تھے جیسے حضرت عثمان وتمیم داری رضی اللہ عنہما۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور فرض نماز ادا کرو وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ واجب ادا کرو بعض نے کہا اس سے زکوٰۃ الفطر مراد ہے کیونکہ مکہ معظمہ میں زکوٰۃ وغیرہ فرض نہیں ہوئی تھی یہ بعد کو (مدینہ طیبہ) میں واجب ہوئی اور

جس نے اس سے زکوٰۃ فرض مراد لی ہے اس سے سورۃ کے آخری حصہ کو مدنیہ کہا ہے اور اس میں شامل کیا ہے جو نزول سے پہلے ہیں لیکن حکم بعد کو ہوا (غیبی خبر) یہی آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پورا فرمائے گا کہ ان کا دین غالب اور قائم ہوگا یہاں تک کہ زکوٰۃ فرض ہو کر ادا کی جائے۔ (گویا نزول سے پہلے یہ غیبی خبر حضور علیہ السلام کو دیگئی اسے علم ما فی البعد کہا جاتا ہے وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔

حل لغات القرض ایک قسم کا کاٹنا اور انسان کا کسی دوسرے کو کچھ مال دینا اس شرط پر کہ وہ اتنا اسے واپس کرے اسے قرض کہتے ہیں اس لئے کہ مقروض کا مال کاٹا جائے گا۔

مسئلہ اس سے غیر فرضی فی سبیل الخیرات کے اخراجات (خرچ) مراد ہیں کیونکہ وہ بھی قرض کی طرح ہیں کہ ان کی ادائیگی میں کوئی خلاف نہیں۔

فائدہ اس میں نفلی صدقات کی ترغیب ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرض کے علاوہ مال میں احسن وجہ کا حق ہے یعنی اطیب اور فقراء کے لئے نفع کے لحاظ سے اکثر مال اچھی نیت سے اور قلب کی صفائی سے صالحین میں سے زیادہ محتاج پر خرچ کرنا۔

فائدہ اس کی تفسیر یہ وجہ اس لئے ہے کہ وہ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ محض مال دینے کا حکم ہے جس وجہ سے ہوا اور اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا میں یہ بات نہیں بلکہ امر مقید ہے کہ وہ حسن بھی ہو۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنے کا قرض نام رکھنا استعارہ ہے اقراض سے تشبیہ دے کر کیونکہ یہ خرچ کردہ مال اس کی طرف لوٹے گا مع زیادتی کے۔

مسئلہ بعض نے کہا اقرضو اللہ الخ سے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنا مراد ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نیز اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا

حدیث شریف میں ہے کہ جو خود پر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ ہے یعنی حسن نیت سے اس کا اسے اجر نصیب ہوگا۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی ایک تقریر یہاں یہ ایک باریکی ہے وہ مروی ہے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (تعالیٰ) سے فرماتے ہیں قاضی باقلانی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ اس انسان کا عرض سے بالکلیۃ بیزاری کا دعویٰ کفر ہے کیونکہ تنزہ صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس میں اشراک (دوسرے کو شریک کرنا) کا تصور نہیں ہو سکتا۔

سوال صوفیا کرام کہتے ہیں کہ بندہ عمل سے ایک اعلیٰ درجہ تک پہنچ جاتا ہے جب وہ عمل کسی غرض سے نہ کرے بلکہ اس عمل سے اس کی غرض صرف رضائے الٰہی اور اس کے حکم کی تعمیل ہو (اس قول میں غرض کا اثبات ہے تم غرض کی نفی کر رہے ہو۔

جواب صوفیا کرام کی غرض سے مراد اغراض خفی ہے اور ہماری مراد غرض جلی ہے اور غرض خفی غفلت سے ہوتی ہے یعنی عبادت رضائے الٰہی وامر ربانی کی تعمیل کے تصور سے غفلت نہ ہو لیکن یہ مراد بلند قدر ہے (کسی قسمت والے کے نصیب)۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ اعتراض عام اہل ارادہ پر وارد ہوتا ہے رہے اہل فنا ازاداوہ وہ تو منتہی اور کامل ترین ہوتے ہیں ان کی تو غرض ہوتی ہی نہیں ان کا معاملہ تو عجیب و غریب ہوتا ہے انہیں تو وہی جانتے ہیں جو ان جیسے اہل فنا اور کامل ترین رہا جو ان کے ہمراز ہوتے ہیں) یا جنہیں اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے آگاہی بخشے۔ وَمَا شرطیہ ہے) تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ (اپنے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے) وہ بھلائی جو مذکور ہوئی۔ یا جس کا ذکر نہیں ہوا۔ تَجِدُوْهُ (اسے پاؤ گے) شرط کا جواب ہے اسی لئے مجزوم ہے۔ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ط اللہ کے پاس اور بڑا ثواب) اس سے جو پیچھے فوت کے وقت وصیت کرکے چھوڑ آئے ہو۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا ثواب متاع دنیا سے بہتر پاؤ گے اور بڑا اَجْرًا کیونکہ اللہ اپنے بندے کو اجر بے حساب عطا فرماتا ہے۔ خَيْرًا تجدو: کا دوسرا مفعول ہے اور یہ تجدوا کے مفعول کی تاکید ہے اس کے اور مفعول ثانی کے درمیان فاصلہ ہے (کوئی حرج نہیں) اگرچہ دو معرفتوں کے درمیان نہیں کیونکہ افعل کا صیغہ بھی معرفہ کے حکم میں ہے اسی لئے اس پر لام تعریف کا ممتنع ہے۔ اعظم کا اجر لوٹے دنیوی ہو یا اخروی۔

قاعدہ بعض نحویوں نے کہا کہ وجد جب بمعنی صادف ہو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے یہاں وہی ہے عَلِمَ کے معنیٰ میں نہیں اس معنیٰ پر بعید نہیں خیرًا ضمیر سے حال ہے۔

حدیث شریف[1] میں ہے جان لو کہ وہ عمل جو کوئی عمل اپنے لئے آگے بھیجے تو وہ اس سے نادم ہوتا ہے جو پیچھے چھوڑ آئے۔

حدیث شریف[2] جب انسان مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا چھوڑا لیکن فرشتے کہتے ہیں کیا آگے بھیجا۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن (جلتہ) البقیع الغرقد سے گزرے یعنی قبرستان سے جو مدینہ طیبہ میں ہے اسے بقیع الغرقد اس لئے کہتے ہیں کہ

اس وقت یہاں غرقد بہت تھے (غیرقد) علیٰ مجمہ درخت) تو فرمایا اے اہل قبور السلام علیکم ہمارے ہاں تو یہ خبریں ہیں کہ تمہاری عورتیں بیاہی گئیں اور تمہارے مکانات میں لوگ سکونت پذیر ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے آپکو ہاتف غیبی نے جواب دیا اے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) ہماری خبریں یہ ہیں کہ جو ہم نے مقدم کیا اسے ہم نے پایا اور جو ہم نے خرچ کیا اس کا ہم نے نفع پایا اور جو ہم نے چھوڑا اس میں خسارہ پایا۔

قدم لنفسك قبل موتك صالحًا

واعمل فليس الى الخلود سبيل

ترجمہ: موت سے پہلے اپنے لئے نیکی بھیج اور نیک عمل کر کیونکہ یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیس (طعام) تیار فرمایا جس میں کھجور کا دودھ بھی ملایا۔ اس کے بعد ایک مسکین آیا تو آپ نے وہ اسے دیدیا کسی نے کہا آپ کو کیا معلوم کہ یہ مسکین بھی ہے یا نہ۔ آپ نے فرمایا رب المسکین تو جانتا ہے گویا آپ نے وَمَا تقدموا الخ پر عمل فرمایا۔

تو نیکی کن بآب انداز اے شاہ

اگر ماہی نداند داند اللہ

ترجمہ: اے بادشاہ نیکی کر اور دریا میں ڈال اگر اسے مچھلی نہ جانے اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو) تمام اوقات و احوال میں اپنے لئے گناہوں کی مغفرت کا اللہ سے سوال کرو کیونکہ انسان بہت کم خطأ سے خالی ہوتا ہے۔ سلف صالحین رحمہم اللہ طلوع فجر تک نوافل پڑھ کر صبح تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔

مسئلہ استغفار کے وہی کلمات مستحب ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے مثلاً کہے (استغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم ۔ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں بے شک وہ بہت بخشنے والا رحم والا ہے اور) (استغفروا اللہ انہ کان غفارًا میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے اور) واغفر لنا وارحمنا وانت خیر الغافرین اور ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے)۔

ان اللہ غفور بے شک اللہ بخشنے والا ہے شرک کے سوا تمام گناہ بخشتا ہے۔

رحیم (رحم والا ہے) برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے۔

فائدہ یعنی المعانی میں ہے کہ غفور ہے کہ جہل اور کوتاہی والوں کے عیوب چھپاتا ہے رحیم ہے اہل بلا کو تو فیر سے تخفیف فرماتا ہے اور جسے معلوم ہو کہ غفور وہ ہے جس کے آگے کوئی گناہ بڑا ہے اور دہ استغفار سے بڑھ کر معاف فرماتا ہے الاستغفار بمعنی للطلب المغفرۃ اگر وہ انکار سے ہو تو صحیح ہے اگر توبہ سے ہو تو کامل ہے اگران دونوں سے خالی ہے تو باطل ہے۔

تسہیل سکرات کا نسخہ جو استغفار لکھ کر سکرات کی تنگی والے کو پلائے تو اس کی زبان کھل جائے گی اور اس پر موت بھی آسان ہوگی اسے بارہا آزمایا گیا ہے۔

سید الاستغفار سید الاستغفار یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عہدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علیّ وابوءُ بذنبی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت

ترجمہ: اے اللہ تو میرا پروردگار ہے تو نے مجھے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد و وعدہ پر ہوں جتنا میری استطاعت ہے میں پناہ مانگتا ہوں اس شر سے جو میں نے کیا تیری اسی نعمت سے جو مجھ پر ہے اس کے ساتھ تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور اپنے گناہوں سے رجوع کرتا ہوں مجھے بخش دے گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا۔

فراغت صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ: اللہ کی مدد سے سورۃ المزمل کی تفسیر بدھ کے دن ۲۲ ذیقعد ۱۱۱۶ھ کو ختم ہوئی۔ اُویسی غفرلہٗ نے سورۃ مزمل کی تفسیر کے ترجمہ سے شب جمعہ آٹھ بجے ۲۰ جمادی الاول ۱۴۰۹ھ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء کو فراغت پائی۔
الحمد للہ علی ذلک صلی اللہ علی حبیبہ الکریم (بہاولپور پاکستان)

سورة المدثر

اٰیاتها ٥٦	(٧٤) سورة المدثر مكية (٤)	ركوعاتها ٢

بسم الله الرحمن الرحيم ○

يايها المدثر (١) قم فانذر (٢) وربك فكبر (٣) وثيابك فطهر (٤) و
الرجز فاهجر (٥) ولا تمنن تستكثر (٦) ولربك فاصبر (٧) فاذا نقر
في الناقور (٨) فذلك يومئذ يوم عسير (٩) على الكفرين غير يسير (١٠)
ذرني ومن خلقت وحيدا (١١) وجعلت له مالا ممدودا (١٢) وبنين
شهودا (١٣) ومهدت له تمهيدا (١٤) ثم يطمع ان ازيد (١٥) كلا انه كان
لايتنا عنيدا (١٦) سارهقه صعودا (١٧) انه فكر وقدر (١٨) فقتل كيف
قدر (١٩) ثم قتل كيف قدر (٢٠) ثم نظر (٢١) ثم عبس وبسر (٢٢) ثم ادبر
واستكبر (٢٣) فقال ان هذا الا سحر يؤثر (٢٤) ان هذا الا قول البشر (٢٥)
ساصليه سقر (٢٦) وما ادرىك ما سقر (٢٧) لا تبقي ولا تذر (٢٨) لواحة للبشر (٢٩)
عليها تسعة عشر (٣٠) وما جعلنا اصحب النار الا ملئكة وما جعلنا عدتهم
الا فتنة للذين كفروا ليستيقن الذين اوتوا الكتب ويزداد الذين امنوا
ايمانا ولا يرتاب الذين اوتوا الكتب والمؤمنون وليقول الذين في

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ
يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا
هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ (۳۱)

سورۃ المدثر مکیہ ہے اور اس میں چھپن (۵۶) آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا۔

اے بالا پوش اوڑھنے والے (۱) کھڑے

ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ (۲) اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو (۳) اور اپنے کپڑے پاک رکھو (۴) اور بتوں سے دور رہو (۵) اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو (۶) اور اپنے رب کے لئے صبر کئے رہو (۷) پھر جب صور پھونکا جائے گا (۸) تو وہ دن کڑا دن ہے (۹)۔ کافروں پر آسان نہیں (۱۰) اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا (۱۱) اور اسے وسیع مال دیا (۱۲) اور بیٹے دیئے سامنے حاضر رہتے (۱۳) اور میں نے اس کے لئے طرح طرح کی تیاریاں کیں (۱۴) پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں (۱۵) ہرگز نہیں وہ تو میری آیتوں سے عناد رکھتا ہے (۱۶) قریب ہے کہ میں اسے آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں (۱۷) بیشک وہ سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی (۱۸) تو اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی (۱۹) پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی (۲۰) پھر نظر اٹھا کر دیکھا (۲۱) پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا (۲۲) پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا (۲۳) پھر بولا یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا (۲۴) یہ نہیں مگر آدمی کا کلام (۲۵)۔ کوئی دم جاتا ہے کہ میں اُسے دوزخ میں دھنساتا ہوں (۲۶) اور تم نے کیا جانا دوزخ کیا ہے (۲۷) نہ چھوڑے نہ لگی رکھے (۲۸) آدمی کی کھال اتار لیتی ہے (۲۹) اس پر انیس داروغہ ہیں (۳۰) اور ہم نے دوزخ کے داروغہ نہ کئے مگر فرشتے۔ اور ہم نے یہ گنتی نہ رکھی مگر کافروں کی جانچ کو اس لئے کہ کتاب والوں کو یقین آئے اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے اور کتاب والوں اور مسلمانوں کو کوئی شک نہ رہے اور دل کے روگی اور کافر کہیں اس اچنبھے کی بات میں اللہ کا کیا مطلب ہے یونہی اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ تو نہیں مگر آدمی کے لئے نصیحت۔ (۳۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا

تفسیر عالمانہ (۱) يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے بالا پوش اوڑھنے والے۔

حل لغات تبشدیدین دراصل متدثر تھا بالاپوش اوڑھنے والا وہ کپڑا جسم سے مس کرنے والے کپڑے کے اوپر پہنا جائے اسی سے قول سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی جو آپ نے انصار سے فرمایا الانصار شعار والناس دثار اس میں اشارہ ولایت شعار کی طرح ہے کہ اس کا تعلق باطن سے ہے اور نبوت دثار کی طرح ہے کہ اس کا تعلق ظاہر سے ہے اسی لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انذار کے مقام میں مدثر سے خطاب کیا گیا۔

شان نزول حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ (تعالیٰ) علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں کوہ حرا پر تھا کہ مجھے ندا کی گئی یا محمد انك رسول الله میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا اوپر دیکھا ایک شخص آسمان زمین کے درمیان بیٹھا ہے (یعنی وہی فرشتہ جس نے ندا کی تھی - یہ دیکھ کر مجھ پر رعب ہوا اور میں خدیجہ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ مجھے بالا پوش اڑھا دو انہوں نے اُڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ اس وقت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔

فائدہ بالاپوش اس لئے کہ سارا جسم لرز رہا تھا اور کاندھے مبارک بھی اترنے والے فرشتے کے رعب سے کہ اس سے پہلے آپ نے اسے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ابھی اس سے مانوس ہوئے خیال کیا کہ موٹے جنوں میں سے کوئی ہے اسی لئے اس سے خوفزدہ ہوئے۔

شیخ اکبر قدس سرہ کی تقریر حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ بالاپوش اوڑھنا وحی کے نزول کے بعد ٹھنڈک سے اس لئے ہوا تاکہ جب نبی علیہ السلام علم یا حکم وارد ہوتا تو وہ حسب روح انسانی سے ملتا تو اس سے حرارت عزیزیہ شعلہ زن ہوتی اس سے آپ کا چہرہ اقدس متغیر ہو جاتا اور رطوبت سطح بدن کی طرف منتقل ہوتیں اس حرارت کے غلبہ سے اسی لئے آپ نزول وحی کے وقت پسینہ پسینہ ہو جاتے جب فراغت ہوتی تو مزاج اقدس کو سکون ملتا اور وہ حرارت بھی ٹھنڈی اور مسام مبارک کھل جاتے اس کے بعد خارجی ہوا کو جسم مبارک قبول کرتا جب ہوا جسم میں داخل ہوتی تو مزاج اقدس سردی محسوس فرماتا اسے آپ کو کپکپی ہوتی تو آپ پر بالا پوش ڈالا تاکہ سردی کا جوش نرم پڑے۔ اس کے علاوہ علماء و مشائخ نے اور تقریریں بھی بیان فرمائی ہیں جیسا کہ کشف الاسرار و تفسیر الکاشفی میں مذکور ہیں۔

فترت وحی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں فترت وحی کے دوران کہیں جا رہا تھا اچانک آسمان سے آواز سنی اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان میں کرسی ڈالے بیٹھا ہے اس کی سطوت و ہیئت و عظمت اور شکل بارعب سے مجھ پر رعب طاری ہو گیا میں گھر واپس آیا اور کہا مجھ پر کپڑے ڈالو مجھ پر بالاپوش ڈالا گیا اسی حال میں تھا کہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے بالاپوش اوڑھنے والے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

خطاب کا نکتہ حضرت امام سہلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول نزول وحی کے ہول سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالاپوش رہتے تھے اوڑھنے کے لئے گھر والوں سے فرمایا دثرونی، دثرونی (مجھے بالاپوش اوڑھا دو) یا اے فلاں نہیں فرمایا تاکہ آپ کو نرمی ولطف وکرم از خدا تعالیٰ کا تصور ہو جیسے یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ میں گذرا۔ دوسرا فائدہ اسے آنے والی آیت قُمْ فَاَنْذِرْ کی مشاکلت کیوجہ سے اوّل کلام اور قم فانذر کے درمیان مشاکلت خفی (پوشیدہ) ہے لیکن تامل کے بعد معلوم ہوسکتی ہے اور وہ ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی: انا النذیر العریان کی معرفت یعنی میں عریان نذیر ہوں)

عریان نذیر کی تحقیق نذیر عریان کا معنیٰ ہے جدوجہد کرنے والا چادر کو پنڈلی پر کس کر محنت سے کام کرنے والا۔ اور عرب میں نذیر وہ کہلاتا ہے جو جب کام میں جدوجہد کرتا تو زائد از ضرورت کپڑے اتار کر کام کرتا اور اس کے ساتھ آواز کر کے ڈرانے کا اشارہ بھی اسی انذار و تحذیر کی تاکید کے لئے۔

نذیر عریان کی کہانی یہ بھی کہا گیا ہے کہ نذیر عریان ایک مرد تھا خثعم سے خثعم بروزن جعفر ایک پہاڑ ہے اس کے اہل کو خثعمیوں کہا جاتا (ابن انمار دہ قبیلہ کا مورث اعلیٰ سعد کی شاخ ہے (القاموس) اس شخص کو دشمنوں نے پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ کاٹ لئے اور کپڑے اتار کر ننگا گھر کو روانہ کر دیا۔ دشمنوں سے رہا ہو کر اپنی برادری کے قریب پہنچا تو انہیں دشمنوں سے ڈرایا برادری نے دیکھا کہ وہ ننگا ہے۔

فائدہ اس کے بعد انذار و تخویف میں بہت زیادہ زور لگانے والے کو نذیر عریان کہنے لگے جب یہ واقعہ اور محاورہ معلوم ہوا تو اب دونوں کلاموں کی مشاکلت کا سمجھنا آسان ہوگیا اسی لئے مدثر کہہ کر ثیاب کو اس کی طرف منسوب کرتا اسی نذیر عریان کے محاورہ کی وجہ سے ہے اور اسی کے مقابل اور اسی سے مرتبط ہے لفظ بھی اور معنیٰ بھی۔

(۲) قُمْ اپنے بستر یعنی خواب گاہ سے اٹھو۔ فَاَنْذِرْ اور تمام لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ اگرچہ ایمان نہ لائیں۔

مسئلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ملت ایسی نہیں جہاں آپ کی دعوت نہ پہنچی ہو اور ہر جگہ پر آپ کے انذار نے آواز دی (یعنی ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچا۔

سوال یہاں صرف فانذر کا ذکر کیوں حالانکہ آپ بشیر (خوشخبری دینے والے) بھی ہیں۔

جواب تخلیہ (بالخاء المعجمہ) تجلیہ (بالجیم المعجمہ) سے پہلے ہوتا ہے چونکہ کفار لوگ نافرمان اور مستحق تخویف تھے تو ایسے لوگوں کے لئے پہلا امر انذار ہی ہوتا ہے۔

حکایت صاحب روح البیان فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ اللہ تعالیٰ قدیر ہم اس کی فیض کثیر سے مدد فرمائے) کہتا ہے کہ میں حرم نبوی میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے مبارک کی جانب مراقبہ میں تھا کہ مجھے غیبی آواز سنائی دی قُمْ فَاَنْذِرْ اس سے مجھے سخت اضطراب ہوا اور خطاب الٰہی کے دبدبہ سے مجھ پر سخت قسم کی حیرت چھا گئی اس پر مجھے گمان ہوا کہ شاید میں تبلیغ کے لئے مامور ہوا ہوں کہ ان لوگوں کو سمجھاؤں جو حرم محترم میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہوں کیونکہ میں نے انہیں حرم محترم میں بے ادبی کرتے دیکھ کر بوجہ غیرت رویا اور خوب رویا تو مجھے ان کے لئے کہا گیا:

اولٰئِكَ الذین لعنہم اللّٰہ فاصمہم واعمٰی ابصارھم یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی لعنت اور انہیں اللہ تعالیٰ بہرہ کرے اور ان کی آنکھیں اندھی ہوں[1]۔ اس کے بعد مجھے الہام ہوا کہ میں خود اپنے لئے پیغامبر ہوں نہ دوسرں کے لئے کہ اپنے نفس کا تزکیہ اور اس کے قویٰ کی اصلاح کروں (اللہ سے ہی اس کی اعانت ہو) آمین۔

③ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے اور رَبَّكَ کو تکبیر سے اس لئے خاص کیا ہے اعتقاداً وقولاً وعظمۃ کبریائی کا عقیدہ ضروری ہے اور جو اوصاف بت کے پجاری اور دیگر ظالمین اللہ تعالیٰ کے لئے ناشائستہ باتیں کہتے ہیں ان سے بیزاری کا اظہار لازم ہے۔

---

[1] صاحب روح البیان کا دور تو پھر بھی ادب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کچھ کم نہ تھا لیکن اگر آج وہ نجدی کی گنبد خضریٰ کے ارد گرد بے ادبی ملاحظہ فرماتے تو خون کے آنسو بہاتے۔ آج نجدی دور میں ادب پر کنٹرول اور بے ادبی کا راج ہے بلکہ بے ادبی قانونی طور پر کرائی جاتی ہے۔ مثلاً

① جالی مبارک کے سامنے دعا نہیں مانگنے دیتے۔
② جالی مبارک کی طرف پیٹھ کرا کر قبلہ کی سمت دعا مانگنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔
③ جالی مبارک کے سامنے دست بستہ کھڑا نہیں ہونے دیتے۔
④ جالی مبارک کا چومنا اور گنبد خضریٰ کی دیواروں کو مس کرنا تو ان کے نزدیک جرم عظیم ہے بلکہ شرک اور حرام۔ حرام کہہ کر چومنے والے پر غیض و غضب سے پیش آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(اُویسی غفرلہٗ)

فائدہ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اللہ اکبر پھر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اور اس سے بی بی خوش ہوئی اور یقین کیا کہ یہ وحی ربانی ہے کیونکہ شیطان تکبیر وغیرہ کا امر نہیں کرتا۔

مسئلہ اس میں نماز کی تکبیر داخل ہے اگرچہ اوائل النبوۃ میں نماز کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے کہ نماز خاص اوضاع وہیآت کا نام ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے لئے تقلید کا اہم ہونا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جمیع تعینات سے منزہ ہے اسی لئے اس میں تنزیہ اللہ اکبر کہنے سے ضروری ہے کیونکہ نمازی کے چہرہ کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے چہرے کا ذکر صحیح حدیث شریف میں ہے۔

فائدہ فَا شرط کے معنیٰ میں ہے گویا کہا گیا ہو سو ہو تم اللہ (تعالیٰ) کی بڑائی ضرور بیان کرو اسے ہرگز نہ چھوڑ دینا اس دلالت کے لئے ہے حکم الٰہی کو قائم کرنے کے لئے اولین شرط ہے کہ اس کی بڑائی بیان کی جائے اور شرک سے تنزیہ کیونکہ سب سے پہلے صانع کی معرفت پھر اس کی جناب سے ان امور کی تنزیہ جو اس کی شان کے لائق نہیں اس تقریر پر فا تعقیبیہ ہے نہ کہ جزائیہ۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اس کی صفت قائم بنفسہ ہے نہ کہ قائم لغیرہ کہ دوسرے میں کوئی کبریائی والا اس کے لئے بالمقابل ہے اسی لئے یہ اکبر ہے اور وہ اسکی بہ نسبت صحیح ہے بلکہ وہ تو حادث ہیں انہیں اس ذات سے کیا نسبت اس لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج کہا لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک ہم تیری ثنا نہیں کرسکتے جیسے تو نے خود اپنی ثنا کی۔ اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ خود ہی مکبر (کبریائی بیان کرنے والا) اور خود ہی مثنی (ثنا گو) لذاتہ بذاتہ ہے جیسے وہ اپنی تکبیر وثنا جانتا ہے ازازل تا ابد۔

④ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (اور اپنے کپڑے پاک رکھو) ثیاب ثوب کی جمع ہے بمعنیٰ لباس یعنی لباس مبارک باوجودیکہ پاک ہے تب بھی اسے نجاسات سے محفوظ اور بچائے رکھیں اور جب میلے ہو جائیں تو پاک پانی سے دھوئیے کیونکہ پاک مومن کے لئے یہ امر قبیح ہے کہ وہ خبیث اشیاء کا حامل ہو۔ نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور اسے چھوٹا (سادہ) رکھئے کیونکہ لمبے کپڑے کا دامن پلیدیوں پر پڑے گا اور نجاست آلود ہو جائے گا۔

فائدہ تطہیر چھوٹا (سادہ) لباس پہننے سے کنایہ ہے کیونکہ یہ اس کے لوازم سے ہے اور تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی یا گٹوں تھوڑا سا اونچا کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک گٹوں سے تھوڑا سا اوپر ہوتی تھی اور اس سے نیچے چادر وغیرہ کے متعلق نار کی وعید ہے۔

ملفوظ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑا چھوٹا (سادہ) پہنتے تھے کیونکہ یہی زیادہ اور تقویٰ کے قریب تر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے یہی وہ پہلا امر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا کہ مذموم عادات کا ترک لازم ہے اس لئے کہ مشرکین نجاسات سے کپڑوں کو نہیں بچاتے تھے۔

فائدہ اس میں ظاہری تطہیر سے باطنی تطہیر کی طرف انتقال ہے کیونکہ جو اپنے باطن کو صاف رکھنا چاہتا ہے وہ ہر شے میں خبیث (پلیدی) سے اجتناب اور طہارۃ اختیار کرتا ہے اور دین کی تو بنیاد بھی نظافت پر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی لطیف (صفائی والے) عبادتگذار کو پسند فرماتا ہے۔

حدیث شریف ① برتن دھونا گھر کا صحن صاف رکھنا غنا (دولتمندی) پیدا کرتے ہیں۔

حدیث شریف ② مرفوع حدیث شریف میں ہے کہ اپنے منہ صاف ستھرے رکھو کیونکہ یہی قرآن کا راستہ ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ طہارۃ دو ہیں:

① جسم
② نفس

انہی دونوں کی طہارت کا حکم ہے۔ قرآن پاک کی طہارت والی آیات ہیں۔

فائدہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کا معنیٰ ہے اپنے نفس کو پاک کر یعنی اسے عیوب والے امور سے صاف ستھرا رکھ اور اپنے قلوب کو پاک کر (القاموس) یا اپنے اخلاق صاف کر اور انہیں اچھا بنا (قالہ الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

حدیث شریف ③ میں ہے کہ اپنا خلق حسن بنا اگرچہ کفار کے ساتھ اور ابرار کے مجالس میں بیٹھ یا یہ کہ اپنے اعمال اچھے بنا اور ان کی اصلاح کر (الحواشی)۔

حدیث شریف ④ قبر سے انسان اپنے ان کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں اسے موت آئی یعنی عمل طیب پر موت آئی تو طیب (پاک) حالت میں قبر سے اٹھنا ہوگا خبیث عمل پر آئی تو خبیث حالت پر اٹھنا ہوگا۔ (عین المعانی) اور مروی ہے کہ بندہ اپنے کپڑوں میں اٹھایا جائے گا یعنی اعمال میں۔ (القاموس) یا یہ اپنے اہل وعیال کو وعظ و آداب سکھا کر خطاؤں سے پاک رکھ۔ اہل عرب کو تو ثوب لباس سے بھی تعبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا هن لباس لكم وانتم لباس لهن وہ تمہارا لباس ہیں تم ان کا۔ (کشف الاسرار)

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انہیں لباس معصیت اور دھوکہ کا نہ پہن بلکہ پاک لباس پہن (فتح الرحمٰن) شاعر نے کہا ہے

وانی بحمد اللہ لا ثوب فاجر

لبست ولا من غدرۃ اتقنع

ترجمہ: الحمد للہ میں نے نہ تو فسق و فجور کپڑا پہنا اور نہ ہی دھوکے کا میں قناعت پذیر ہوں۔

فائدہ فجور اور دھوکہ والا بھی کپڑے کی غبار آلود کہلاتے ہیں جیسے اہل صدق و وفا کو طاھر الثیاب کہا جاتا ہے۔

ابوالحسن شاذلی کو زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت ابوالحسن شاذلی قدس سرہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا مجھے فرمایا اپنے کپڑے میل کچیل سے صاف کرتا کہ ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے بہرہ مندی حاصل ہو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے کونسے وہ کپڑے ہیں جنہیں میں میل کچیل سے پاک و صاف دکھوں فرمایا اللہ نے تمہیں پانچ خلعتیں پہنائی ہیں:

① خلعت محبت

② خلعت معرفت

③ خلعت توحید

④ خلعت ایمان

⑤ خلعت اسلام

جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اس پر ہر شے آسان ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پہچان لیتا ہے تو ہر شے اس کی نگاہ میں معمولی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے ہر شے سے بے غم ہو جاتا ہے جو اسلام سے موصوف ہوتا ہے وہ خدا کا نافرمان نہ ہوگا اگر کبھی کوئی گناہ اس سے صادر ہوگا تو عذر (توبہ) کرنے پر معاف ہو جائے گا اور اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب مجھے وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ مطلب معلوم ہوا ؎

در تو پوشد لطف یزدانی

خلعتے از صفات روحانی

دارش از لوث خشم و شہوت دور

تا بپاکیزگی شوی مشہور

ترجمہ: تجھے لطف یزدان نے صفات روحانی کی خلعت پہنائی ہے۔

اسے خشم (غصہ) اور شہوت کی آلائش سے دور رکھ تاکہ تو پاکیزگی سے مشہور ہو۔

⑤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (اور بتوں سے دور رہو) روایت حفص میں امام عاصم سے الرجز کو مضموم اور باقیوں نے بکسر الرأ پڑھا ہے لیکن معنًا ہر دونوں کا ایک ہے اس سے بت مراد ہیں۔ اور الہجر کا معنیٰ سورۃ المزمل میں گذرا میں گذرا۔ یعنی بتوں کی عبادت چھوڑ و ان کی عبادت کے قریب نہ بھٹکو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام (مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے دور رکھ)۔

فائدہ رجز بمعنی عذاب بھی ہے یعنی عذاب کو چھوڑ اس ترک پر ثابت قدمی سے جو مآثم (گناہوں) پر لئے جائے عذاب کا موجب ہے یہ تسمیۃ المسبب باسم السبب کے قبیل سے ہے یعنی ایسے ہجر (ترک) پر مداومت کیجئے (یہ معنیٰ اس لئے کیا گیا) کہ حضور سرور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بتوں کی پرستش اور اس جیسے اور امور سے بیزار تھے۔

⑥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو)۔ تستکثر یہ صیغہ مضارع مرفوع کیونکہ تمنن حال ہے یعنی اس نیت سے نہ دو کہ ان سے زیادہ لیں گے یا کثیر کے طالب نہ ہو۔

مسئلہ اسمیں استغزار کی نہی ہے استغزار یہ ہے کہ کسی کو کچھ اس نیت سے ہبہ کرے کہ اس سے دیئے ہوئے ہبہ سے زائد لے گا یہ جائز ہے اسی پر حدیث وارد ہے وہ یہ کہ المستغزر یثاب یعنی زیادتی کی نیت پر ہبہ کرنے والے کو اس کے ہبہ کا عوض دیا جائے۔ الغزارۃ بغین معجمہ وتقدیم الزأ بمعنی الکثرۃ۔

سوال قرآن مجید جب نہی ہے تو پھر وہ جائز کیوں؟

جواب ① یہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص ہے آپ کے حسن اخلاق کے عالی رتبہ کی وجہ سے جیسے کہ زکوٰۃ کا مال آپ کے فقراً امتی کو جائز ہے لیکن نہ وہ آپ کے لئے جائز نہ آپ کی اہلبیت کے لئے بوجہ آپ کی شرافت اور عام اشیائے سے تنزہ کے طور۔

جواب ② بعض نے کہا یہ منت کے قبیل سے ہے اس لئے جو کسی پر احسان کرکے اسے کثیر اور اس پر اعتماد کرتا ہے تو قاعدہ ہے کہ منت لگانا عمل کو ضائع کر دیتا ہے بالخصوص نیکی کر کے اللہ تعالیٰ پر منت سمجھنا ہے مثلاً یہ سمجھے کہ میں نے بہت زیادہ کام کیا بلکہ اسے یہ سمجھنا تھا کہ یہ اس کی منت ہے کہ اس نے اس عمل کی توفیق بخشی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل اللہ یمن علیکم بلکہ اللہ تعالیٰ پر منت لگاتا (احسان کرتا) ہے بلکہ جو شخص زندگی بھر عبادت میں گذارے اور سمجھے کہ میں اس کا شکر ادا کر رہا ہوں وہ صرف اس کی ایجاد (وجود کی نعمت بخشنے) کا شکر بھی نہ ادا کر سکے گا چہ جائیکہ دیگر ان گنت نعمتوں کا جو اس نے جود وکرم سے بندے کو بیشمار نعمتوں سے نوازا ہے۔

⑦ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (اور اپنے رب تعالیٰ کے لئے صبر کئے رہو) یعنی اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر صبر کیجئے اور مشرکین کی اذیتوں سے درد والم محسوس نہ کرو کیونکہ تبلیغ پر مامور کو لوگوں کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر ضروری ہے کیونکہ صبر سے ہر کڑوا میٹھا اور امتحان میں ذوق بڑھتا ہے۔ ؎

تحمل چو زہرت نماید نخست

ولے شہد گردد چو در طبع است

ترجمہ: تحمل (صبر وغیرہ) پہلے زہر محسوس ہوتا ہے لیکن پھر شہد ہو جاتا ہے جب طبع میں رچ جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ اپنے صبر کو جمیع مراتب میں ملاحظہ غیر سے خالی رکھ یعنی معصیت سے صبر اور صبر علی فی البلاء اور نیز اصبر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ یعنی اس بدن کے لباس اوڑھنے والے جو اپنی صورت سے محجوب ہے قُمْ اس سے اٹھ کھڑا ہو جس کی طرف تو نے رجوع کیا اور اسے پہنا اشغال طبیعت سے اور خواب غفلت سے بیدار ہو فَاَنْذِرْ اپنے نفس اور اس کے قوی اور جمیع ماسوا کو یوم عظیم کے عذاب سے ڈرایئے اگر تو کسی کو بیتا ہو عظیم القدر سمجھتا ہے تو ایسی تعظیم و تکبیر صرف اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ خاص کردے اس کے سوا تیری نگاہ میں کوئی معظم نہ ہو بلکہ اس کی کبریائی کے مشاہدہ سے تیرے دل میں ہر شے کہتر ہو باطن کو پاک کرنے سے پہلے اپنے ظاہر کو پاک کرو غبار آلود اخلاق اور افعال اور مذموم عادات سے اور ہیولی کے رجز جو عذاب کی طرف لے جانے والا ہے کو چھوڑ دو یعنی اپنے باطن کو لواحق مادیہ و ہیآت جسمانیہ فاسقہ اور خواشی ظلمانیہ ہیولانیہ سے پاک کرو۔ اس متجرد ہونے کے بعد مال نہ دو اعواضی و ثواب کثیرہ کی طلب میں کیونکہ منعم کی نعمت سے حجاب اور قصور ہمت ہے بلکہ جو کچھ دو اللہ تعالیٰ کی رضا پر دو جو کچھ کرو اس پر صبر کرو اس کی دی ہوئی فضیلت کی وجہ سے اس کے سوا کسی غیر شے سے نہیں۔

تفسیر عالمانہ ⑧ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ پھر جب صور پھونکا جائے گا۔

حل لغات الناقور وہ شے جیسے سوراخ کیا جائے از النقر بمعنی آواز کرنا دراصل وہ کھٹکا جو آواز کا سبب بنتا ہے یعنی شے اس حیثیت میں بنانا کہ کھٹکے سے اس سے آواز ظاہر ہو یعنی النفخ (پھونک) کیونکہ وہ بھی ہو ایک قسم ہے جو حلقوم سے خارج ہوتی ہے اس سے مراد صور ہے یعنی وہ قرن جیسے اسرافیل علیہ السلام ایک بار تمام مخلوق کے بے ہوش کرنے کے لئے پھر دوسری بار زندہ کرنے سے پھونکیں گے فا عوی از نقراب معنا یہ ہوا کہ صور پھونکا جائے گا فا سببیہ ہے ماقبل کے لئے مابعد کا سبب ہونا نہ برعکس تو یہ بمعنی لام

سلبیہ کے ہے گویا کہا گیا کہ ان مشرکین کی اذیتوں پر صبر کیجئے کیونکہ ان کے آگے ایک ہولناک دن ہے اسمیں اذیت دینے کے انجام کو پائیں گے اور آپ اپنے صبر کا نیک انجام اور اذا کا ماقبل وہ معنی ہے جس پر ⑨ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ⑩ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (تو وہ دن سخت دن ہے کا فروں پر) دلالت کرتا ہے یعنی اس دن عذاب اور برُے حساب کی وجہ سے کافروں پر سخت ہوگا اور ذلک کا اشارہ نقر کی طرف ہے وہ مبتدا اور یومئذ اس سے بدل معنی علی الفتح ہے بوجہ اضافۃ غیر متمکن کی طرف کے یعنی اذا کی طرف اصل عبارت یوں ہے اذا نقر فیہ اور خبر یوم عسیر ہے اور علی عسیر کے متعلق ہے جس پر وکان یومًا علی الکفرین عسیرا (اور ہوگا وہ دن کافرین پر سخت) دلالت کرتا ہے، گویا کہا گیا ہے یوم النقر یوم عسیر (صور پھونکنے کا دن کافروں کے لئے سخت ہوگا) غیر یسیر (آسان نہیں) یہ خبر کے بعد خبر ہے کافروں پر اس دن کی سختی کی تاکید ہے کہ ان کے لئے آسانی کا احتمال بھی منقطع ہے کسی وجہ سے بھی ان پر آسانی نہ ہوگی۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ دن اہل ایمان کے لئے آسان ہوگا۔

فائدہ اس نفخ سے نفخ ثانیہ مراد ہے جس سے لوگ زندہ ہوں گے کیونکہ اسی دن تمام کافروں پر تنگی ہوگی اور اور پہلا نفخہ کے وقت تو تنگی ان پر ہوگی جو اس وقت زندہ ہوں گے جو مر گئے تو وہ نہ اس کا وقت پائیں گے نہ اس کی تنگی ہوگی (اگرچہ اس کے علاوہ دوسرے عذاب میں مبتلا ہوں گے)

نفخ صور کا کمال اخبار میں ہے کہ صور میں جملہ ارواح کے برابر سوراخ ہیں تو ہر روح اپنے سوراخ میں جمع ہوگا پھونکنے سے ہر روح اڑ کر اپنے جسم میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر انسان زندہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے اللہ (تعالیٰ) کا کتنا انعام ہے کہ اس وقت اسرافیل علیہ السلام قرن اپنے منہ میں لئے منتظر کھڑا ہے کہ کب اسے پھونکنے کا حکم ہوتا ہے عرض کی گئی ہم (اس کی آسانی کے لئے) کونسا عمل کریں فرمایا کہو حسبنا اللہ ونعم الوکیل (ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اس بدن میں جو اٹھایا جائے گا پھر نکالا جائے گا تو اسمیں تمام نقوش سیئہ جو عذاب کی طرف لے جاتے ہیں منقش ہو جاتے ہیں یا نیکیاں جو نجات دینے والی اور ثواب کی موجب ہیں اور محجوبین پر اس کی سختی کسی سے مخفی نہ رہے گی اگرچہ غیر اہل پر آسانی مخفی ہوگی لیکن وہ بھی اہل کشف وعیاں پر مخفی نہ ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ⑪ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا (اور مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ وحیدًا ذرنی کی یا سے حال ہے یعنی ڈرا نہ کہ میں اس کے لئے اکیلا کافی ہوں۔ آپ کے انتقام

کے لئے میں اسے کفایت کردوں گا۔ یا خلقت کی تا تکلم سے حال ہے یعنی میں نے اسے اکیلا پیدا کیا میرے ساتھ کوئی اور شریک نہ تھا یا علامۂ محذوف سے کہ دراصل ومن خلقته وحیداً فرداً الخ میں نے اسے اکیلا پیدا کیا کہ اس وقت اس کے پاس مال تھا نہ اولاد۔

شانِ نزول یہ ولید بن المغیرہ مخزومی کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی برادری میں وحید کے لقب سے ملقب تھا ان کا گمان تھا کہ یہ بے نظیر ہے اس کی وجاہت اور مال میں اس کا کوئی ثانی نہیں اور خود بھی اس لقب پر نازاں تھا کہتا تھا۔ انا الوحید بن الوحید لیس لی فی العرب نظیر میں وحید کا بیٹا وحید ہوں کہ میں عرب میں بے نظیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے وحید کہا تہکماً فاستہزاءً جیسے دوسری جگہ فرمایا ذق انک انت العزیز الکریم عذاب چکھ تو تو معزز و مکرم ہے اور ان کے ذہن کو پھیرنا ہے کہ جس وجہ سے یعنی مال و اولاد سے تم اسے وحید سمجھ کر اس کی مدح کرتے ہو وہ تو اس کی وجہ سے قابل مذمت ہے کیونکہ مرنے کے بعد نہ اس کے پاس مال ہوگا نہ اولاد یا وحید ہے اپنے باپ اور نسب سے کیونکہ ولد الزناء تھا وہ قوم میں ملحق تھا ان سے نہ تھا جیسے گذرا یا وحید فی الشرارۃ والخیانۃ والدناءۃ (کمینگی اور شرارت اور خیانت میں بے نظیر)۔

(۱۲) وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور میں نے اسے مال دیا وسیع کثیر۔ کیونکہ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان اس جیسا کوئی مال دار نہ تھا۔ حضرت ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے پاس ایک لاکھ دینار تھے ۱۳ وَّ بَنِیْنَ اور بیٹے شُهُوْدًا (سامنے حاضر رہتے)۔

حل لغات شہود شاہد کی جمع ہے جیسے قاعد کی قعود از شہدہ ہمچوں سمعہ بمعنی حضرہ اس کے ساتھ حاضر مکہ معظمہ میں جو اس کے سامنے رہتے تھے کاروبار اور تجارت کی وجہ سے کیونکہ بڑا کاروبار کرتے تھے اور بہت بڑے اسباب کے مالک تھے اور بکثرت نوکر چاکر رکھتے تھے یا اس کے ساتھ رہتے تھے مجالس و محافل میں صاحب وجاہت اور معتبر شخصیات سمجھے جاتے تھے اس کے دس بیٹے تھے تین تو مسلمان ہوگئے تھے (۱) حضرت خالد (۲) حضرت ہشام (۳) عمارہ۔

فائدہ مفسرین فرماتے ہیں کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ ولید بن الولید (حضرت خالد کا بھائی بھی مسلمان ہوگیا تھا لیکن عمارہ کافر تھا بدر میں قتل کر دیا گیا یا حبشہ میں حضرت نجاشی کے ہاتھوں مارا گیا حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو مسلمان ہوگئے تھے وہ یہ ہیں۔ (۱) حضرت ہشام بن الولید (۲) حضرت الولید بن الولید (۳) حضرت خالد بن ولید جن کا لقب سیف اللہ تھا باقی دین جاہلیت میں مرے اسی لئے ہم ان کا نام نہیں لیتے۔

(۱۴) وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا اور بیں نے اس کے لئے طرح طرح کی تیاریاں کیں۔ یعنی اس کے لئے ریاست اور رلمبا چوڑا جاہ و جلال تیار کیا اور اسے کامل نعمت سے نوازا کیونکہ مال و آل اولاد کا اجتماع اہل دنیا کے نزدیک انسان کا بڑا کمال ہے اسی لئے اس کا لقب اہل مکہ کے نزدیک ریحانہ قریش تھا ریحانہ ایک خوشبودار گھاس (پودا) ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولید بن مغیرہ وحید سے نفس کی طرف اشارہ ہے جو شر و ظلم و جور اور جہل اور کثرہ اموال اور اعمال سیئہ مذمومہ اور اخلاق ذمیمہ کی جملہ اجناس میں بے نظیر ہے اس کے بیٹوں میں اس کے اتباع خبیثہ خسیسہ کی طرف اور اس کی کشادگی اور سلطنت و وجاہت ارباب نفوس متمردہ کے نزدیک اس کا اور مرحق اور لواہی سے سرکشی اور حق اور ارباب حق کے ساتھ لڑائی رکھنا مراد ہے اور نفس کے اتباع سے اس کے قوی طبعیہ ظلمانیہ مراد ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے اس کے ساتھ چھوڑ دیجئے میں ہی اسے ابوبکر خفی و عمر روح اور عثمان سر و علی قلب مسلط کر دوں گا یہاں تک کہ وہ اپنے انوار روحانیۃ سے اسکی ظلمات نفسانیہ مٹا دیں گے اور اس کے اعمال کا ستیاناس کر دیں گے اور اس کے بیٹوں یعنی اتباع اور نوکروں چاکروں کو قتل کر ڈالیں گے اور اس کی سلطنت کی بساط لپیٹ دیں گے اور اس کی بالا دستی ختم کر دیں گے۔

تفسیر عالمانہ (۱۵) ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ اس پر جو وہ مال کی وسعت و کثرت دیا گیا ہے مال و اولاد سے یعنی عادۃً اپنے جلیسوں کی طرح تو دیا گیا ہے پھر اس کو اور کیا دوں۔ ثُمَّ اس کے طمع و حرص کے استبعاد و استنکار کے لئے ہے یعنی جتنا دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر اور اسے کیا ملے گا یا یہ معنیٰ ہے کہ یہ چونکہ اس کے منافی ہے کہ یہ کفران نعمت میں بے نظیر اور منعم کی مخالفت میں بے مثل ہے اسی لئے آج کے بعد اسمیں کفر اور نعمتوں کی زیادتی کا اجتماع نہ ہوگا (كَلَّا) ہرگز نہیں یہ اس کے فوائد مال کے طمع سے جھڑک اور زجر و توبیخ اور اس کی بے سود طمع کو قطع کرنا ہے اس معنیٰ پر یہ ماقبل سے متصل ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا بے شک وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔

حل لغات جو جان بوجھ کر حق کو جانتے ہوئے اس کی مخالفت کرے اسے عنید و عائد کہا جاتا ہے یعنی منکر اور لڑائی کرنے والا ہے المعاندۃ بمعنی المفارقۃ والمجانبۃ وخلاف کر کے معاوضہ جیسے عناد عنید یہاں بمعنی معاند ہے جیسے جلیس و اکیل و عشیر بمعنیٰ مجالس و مؤاکل و معاشر۔

فائدہ یہ ماقبل کی تعلیل بر سبیل استیناف تحقیقی ہے کیونکہ منعم کی آیات قرآنیہ باوجودیکہ وہ واضح تر ہیں سے معاندت (معاوضہ) اور باوجود کامل نعمتوں کے حصول کے ناشکری کرنا بالکلیہ محرومی کی موجب ہیں جو کچھ پہلے اسے ملا ہے وہ استدراج (مہلت دینا) ہے۔

فائدہ آیات کی اپنے متعلق (معنید) سے تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔
سوال ولید سے ایسے عناد کی تخصیص کیسی جبکہ اس جیسے معاند (معارض الآیات) مکہ معظمہ اس وقت اس سے کچھ کم نہ تھے جیسے ابوجہل وغیرہ، علاوہ ازیں یہ صرف آیات سے رکھتا ہے باقی امور اسلام کی مخالفت سے اسے چنداں دلچسپی نہ تھی؟۔
جواب اس کے خسران کی غایت کا اظہار مطلوب ہے چنانچہ منقول ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اس کا معاملہ نقصان کی طرف بڑھنے لگا یہاں تک کہ جب مرا تو تنگدست ہو کر مرا ؎

آنکس کہ نصیحت ز عزیزان نکند گوش
بسیار بخاید سر انگشت ندامت

ترجمہ: وہ جو بزرگوں کی نصیحت قبول نہیں کرتا پھر ندامت سے انگلی کا سر بہت چبائے گا۔

(۱۷) سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (میں اسے آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں گا)۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رهقه الامر غشيه لقهر اسے قہر سے ڈھانپ لیا کہا جاتا ہے رهقته وارهقته رد فته وارد فته کی طرح بمعنی میں اسے اپنے ساتھ کیا اسی سے ہے ارهقت الصلوٰة میں نماز کی تاخیر کی یہاں تک کہ دوسرے وقت نے ڈھانپ لیا الصعود بمعنی عقبہ شاقہ پھر ہر مشقت والے امر پر استعارۃً استعمال کیا جاتا ہے یہ اُرهقه کا دوسرا مفعول ہے یہی ظاہر ہے اور اس کی تذکیر یا تو اس لئے ہے کہ وہ طریق کی صفت ہے یا باعتبار اپنے ہم وزنوں کے ہے۔ جیسے کَنُوْدٌ دیا بروزن فعول ہے بمعنی فاعل اسمیں مذکر و مؤنث برابر نہیں جیسے عقبتہ کئود یہ بعض تفاسیر میں ہے تو تسمیۃ المحل باسم الحال کے قبیل سے یا مفعول ہے از صعدہ یہی ظاہر ہے معنی یہ ہے کہ اس کے بجائے کہ زیادتی کے طمع میں ہے میں اسے عقبہ شاقہ المصعد پر چڑھنے پر مجبور کردوں گا یہاں مضاف محذوف اس حیثیت سے کہ اسے ہر جانب سے مشقت ڈھانپ لے گی۔

حل لغات الارهاق بمعنی کسی کو عظیم مشقت کا مکلف بنانا اس حیثیت سے کہ مکلف (تکلیف دیئے ہوئے) کو ہر طرف سے شدت و مشقت گھیر لے۔

فائدہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حالت مراد ہے جب موت کے وقت نزع روح ہوتا ہے اگرچہ اسے موت دیر سے آئے، یہ اس کی مثال ہے جو ایسے عذاب میں مبتلا ہو جس کی طاقت نہ ہو اسے حقیقت پر محمول کرنا بھی جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صعود ایک سے جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس کی چڑھائی ستر سال ہے اسی طرح اس کی

نیچے اترنے کی مسافت ۔

فائدہ یعنی اس کے اوپر چڑھنا مشکل ہے لیکن ولید بن مغیرہ کو آتشی زنجیروں سے کھینچتے ہوئے ستر سال تک چڑھاتے جائیں گے اور پیچھے سے آگ کے چابک مارتے جائیں گے ستر سال مذکورہ پہاڑ کے اوپر پہنچنے کے بعد اسی طرح آتشی زنجیروں سے جکڑ کر آتشیں چابک مارتے ہوئے نیچے اتریں گے جس پر ستر سال گذریں گے اسی طرح اسے ایسے عذاب سے چڑھاتے اتارتے رہیں گے ۔

حل لغات الخریف بمعنی سال یعنی سال کا وہ آخری حصہ جس میں پھل پک جاتے ہیں اور اپنے کمال کو پہنچتے ہیں اس معنی پر گویا سال تمام ہو گیا علۃ صوریہ کو اسی لئے علت تامہ کہا جاتا ہے (کہ وہ اب اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے) ۔ (قاموس) میں ہے الخریف بروزن امیر وہ تین ماہ جو گرمیوں اور سردیوں کے درمیان میں ہوتے ہیں کہ ان میں پھل چنے جاتے ہیں ۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کو نار کے ایک ٹیلے پر چڑھنے کی تکلیف دی جائے گی جب وہ اس پر ہاتھ رکھے گا تو پگھل جائے گا پھر وہ اپنی پہلی حالت پر آجائے گا ۔ ایسے ہی جب اس پر پاؤں رکھے گا تو پگھل جائے گا جب اٹھائیگا تو پہلی حالت پہ آجائے گا

(۱۸) اِنَّہٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ (بے شک وہ سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی) یہ وعید کی تعلیل اور اس کے استحقاق کا بیان ہے ۔

حل لغات التفکیر بمعنی تفکر و تامل (سوچنا) ۔ (تاج المصادر) میں بمعنی التفکیر بمعنی اندیشہ کرنا (سوچنا) التقدیر بمعنی اندازہ و تیاری کرنا ۔ یعنی دل میں سوچا کہ میں قرآن کریم کے حق میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ حال اس کا مبنی بر طعن تھا اور دل میں سوچا اور تیار کی یہ بات کہ میں کہتا ہوں ۔

فقتل کیف قدر (تو اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی) اس کی سوچ اور اندازے پر تعجب دلانا ہے اس سے وہی غرض ہے جو قریش کسی کے لئے کہتے قاتلھم اللہ یا اس پر بطریق استہزاء ثنا ہے اس معنی پر جو اس نے قرآن کریم کے بارہ میں کہا تھا کہ یہ تو جادو ہے اس کا یہ تصور نہایت رکیک اور حد سے گرا ہوا ہے یا عرب کے قول کی حکایت ہے اسے مدح کے طور پر کہا قُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ اس سے بھی ان سے تہکم اور اس کی تقدیر کی تصویب اور اس کی بات کو عظیم سمجھنے پر تعجب دلانا ہے اہل عرب کا قول قتلہ اللہ ما اشجعہ و آخرہ اللہ با اشعرہٗ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتنا بڑا بہادر ہے اور کتنا اچھا شاعر ہے وہ اس لائق ہے کہ لوگ اس سے حسد کریں اور اسے بددعا کریں (جیسے قتلہ اللہ کہیں) اس سے زیادہ تحقیق سورۃ المنافقین میں قاتلھم اللہ کے تحت گذری ہے ۔

شانِ نزول جب حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ یعنی مومن کا ابتدائی حصہ یا سورۃ حٰمٓ کہ بعض تفاسیر میں ہے اور بعض میں حٰمٓ السجدہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئی اور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں تلاوت فرمائی۔ ولید نے سنا اور اس قوم کی مجلس میں آکر اس نے کہا خدا کی قسم میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ابھی ایک کلام سنا نہ وہ آدمی کا نہ جن کا بخدا اس میں عجیب شیرینی اور تازگی اور فوائد و دلکشی ہے وہ کلام سب پر غالب رہے گا۔ اس لئے کہ اس کلام اعلیٰ ثمردار اور نچلا حصہ ثمردار ہے۔

فائدہ ولید نے قرآن پاک کو گھنے دار اور تر و تازہ اور مضبوط اور جڑ والا درخت جس کے نیچے پانی اور آسمان کی جانب اس کی ٹہنیاں پھل سے بھرپور ہوں اور اسے اعلیٰ و اسفل ثابت کر کے کہا کہ اس کا اوپر کا حصہ ثمردار اور نیچے پانی ہی پانی۔ استعارہ تخلیلیہ ہے

فائدہ ولید نے کہا کہ اس کلام (قرآن) میں حلاوت ہے اور عذوبۃ (مٹھاس) ایسی کسی کلام میں نہیں اس کا اعلیٰ نہال ثمردار کہ اس سے سعادت کلی نصیب ہوتی ہے اور اسفل ان درخت طیبہ کی فضائل کی جڑیں اور بلند حکمتیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (نبی علیہ السلام) قریش پر غلبہ پائے گا مغلوب نہ ہوگا قریش کو اس کی باتوں سے بہت غم ہوا اور مشہور ہوگیا کہ ولید اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہوگیا۔ ابوجہل نے ولید کو ہموار کرنے کا ذمہ لیا اس کے پاس آکر غمزدہ صورت بنا کر بیٹھ گیا۔ ولید نے کہا کیا غم ہے ابوجہل نے کہا کہ غم کیسے نہ ہو تو بوڑھا ہوگیا ہے قریش تیرے خرچ کے لئے روپیہ جمع کر دیں گے انہیں خیال ہے کہ تو نے محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی تعریف اس لئے کی ہے کہ تجھے ان کے دسترخوان سے بچا ہوا کھانا مل جائے اس پر اسے طیش آیا اور کہنے لگا کیا قریش کو میرے مال و دولت کا حال معلوم نہیں ہے کیا محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں کھایا ان کے دسترخوان پر کیا بچے گا پھر ابوجہل کے ساتھ اٹھا اور قوم میں آکر کہنے لگا ابھی موسم حج میں آئیں گے ان سے ان کا حال پوچھو کیونکہ تمہارا اور ان کا حال دور تک پھیل گیا ہے لیکن میرا سوال ہے کہ تم کہتے ہو کہ محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجنون ہیں کیا تم نے انہیں کبھی دیوانگی دیکھی ہے سب نے کہا ہرگز نہیں وہ کبھی گلہ نہیں گھونٹا گیا کیونکہ عرب کا عقیدہ تھا کہ مجنون کا شیطان گلا گھونٹتا ہے اور اسے بیہوش کرتا ہے یہ بات انمیں نہیں پھر پوچھا کیا محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کاہن ہے کیا تم نے کبھی کہانت کرتے دیکھا سب نے کہا نہیں تم انہیں شاعر سمجھتے ہو کیا تم نے اسے کبھی شعر کہتے پایا سب نے کہا نہیں پھر کہا تم اسے کذاب کہتے ہو (معاذ اللہ) کیا تمہارے تجربہ میں نہیں کہ انہوں نے کبھی جھوٹ بولا۔ سب نے کہا نہیں بلکہ قریش میں آپ کا صدق و دیانت ایسا مشہور کہ قریش آپ کو امین کہتے تھے یہ سن کر قریش نے کہا پھر بات کیا ہے ولید سوچ کر بولا بات یہ ہے کہ وہ جادوگر ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ

اس کی بدولت رشتہ دار رشتہ دار سے باپ بیٹے سے جدا ہو جاتے ہیں یہی جادوگر کا کام ہے اور جو قرآن وہ پڑھتے ہیں وہ دل میں اثر کر جاتا ہے اس کا باعث یہ ہے کہ وہ جادو ہے (اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا۔ جادو اس لئے کہ وہ سمجھتا تھا کہ آپ اہل باطل سے جادو سیکھتے ہیں اس سے قریش بہت خوش ہوئے اور اسے داد دی جیسے اوپر گزرا۔

۱۹ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی)۔ ثُمَّ تکرار تعجب دلاتے ہیں مبالغہ ہے اس کی شناعت بیان کرنے میں ثُمَّ دلالت کرتا ہے کہ دوسرہ نکرہ پہلے سے تعجب دلانے میں زیادہ بلیغ ہے یعنی یہ تراخی بحسب الرتبہ ہے اور اس کے حال کے لائق بھی یہی ہے کہ اسے بار بار بد دعا ہو اس کے بعد کا ثم اپنے اصل یعنی تراخی زمانی کے لئے ہے ثُمَّ نَظَرَ (پھر نظر اٹھا کر دیکھا) قرآن بار بار اور اس میں سوچا ۲۱ ثُمَّ عَبَسَ (پھر تیوری چڑھائی) تو منہ پھیرا یعنی منہ پھیر کر ترشی ظاہر کی اس لئے کہ اس میں کوئی ایسی وجہ نہ ملی جس سے طعن و تشنیع کر سکے اور نہ ہی کچھ سمجھ میں آیا کہ کچھ کہہ سکے ۲۲ وَبَسَرَ اور منہ بگاڑا عَبَسَ کی اتباع میں سے ہے، حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لیکن عطف الاتباع علے المتبوع غیر معروف ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ ہر دونوں ایک دوسرے کے مغایر ہیں اس لئے کہ عَبَسَ قطب وجہہ (ماتھے پر شکن ڈالا) تیوری چڑھائی اور بَسَرَ بمعنی دونوں آنکھوں کے درمیان کا حصہ سمیٹ کر اسے گندی طرح بنا کر روسیاہ ہو یعنی منہ بگاڑا یہی حلبی نے ذکر کیا اور اسی پر اعتماد ہے (اسی لئے یہی ترجمہ امام اہلسنت شاہ احمد رضا قدس سرہ نے اختیار فرمایا)۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "العبس" وقت سے پہلے شئے میں جلدی کرنا جیسے (البسر الرجل حاجتہ (مرد نے وقت سے پہلے اپنی حاجت چاہی) اور عَبَسَ دلبر کا معنیٰ ہے تیوری چڑھائی وقت سے پہلے اور بے ہنگام۔

۲۳ ثُمَّ أَدْبَرَ پھر حق سے پیٹھ پھیری وَاسْتَكْبَرَ اور اس کی اتباع سے تکبر کیا ۲۴ فَقَالَ حق سے روگردانی کے بعد کہا إِنْ (نہیں) نافیہ ہے بمعنی مَا اسی لئے اس کے بعد اِلَّا آیا ہے هٰذَا وہ جو (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یعنی قرآن إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ مگر جادو دوسروں سے سیکھا ہوا) جسے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غیر سے روایت کرتے اور سیکھتے ہیں اور یہ اس کا اپنا جادو بھی نہیں۔

حل لغات اثرات الحدیث و آثرہ اثرا۔ جب دوسروں کے آثار سے کوئی بات بیان کی جائے یعنی ان کے مرنے کے بعد یہ اس کا اصلی معنیٰ ہے پھر بمعنیٰ روایت از کسے باشد۔ اور حدیث وہ جو خلف از سلف صالحین رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کریں کہا جاتا ہے ادعیہ ماثورہ یعنی وہ دعائیں جو اکابر سے منقول ہوں۔

مسئلہ کسی مقصد کے لئے سحر سیکھنے کی شرعًا رخصت ہے لیکن اس کی حقیقت (حق ہونا) کا اعتقاد کفر ہے جیسے کہا جاتا ہے (الشر لا للشر لکنی لتوقیہ میں نے شر کو شر کے لئے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لئے سیکھا۔

مسئلہ جادو پر عمل کرنا (اسے حق سمجھنا) بھی کفر ہے اس کا معنیٰ اور اس کے متعلق تفصیل اپنے مقام پہ گذری ہے۔

(۲۵) اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یہ نہیں مگر آدمی کا کلام۔ ماقبل کی تاکید ہے اسی لئے اسے عطف سے خالی لایا گیا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے یہ محض سرکشی و عناد سے کہا نہ کہ اعتقاد سے کیونکہ مروی ہے کہ اس نے پہلے اقرار کیا تھا کہ یہ کلام کسی انس و جنس کا نہیں۔ بشر سے اس کی مراد:

(۱) یسار
(۲) جبر
(۳) ابو فکیہہ ہے۔

پہلے دو بلاد فارس کے دو غلام تھے وہ مکہ معظمہ میں رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے ہاں اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا اور ابو فکیہہ رومی غلام تھا وہ مسلیمہ الکذاب یمامہ والے کی طرف سے مکہ معظمہ میں آیا جایا کرتا تھا۔

(۲۶) سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ عنقریب میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا) میں اسے جہنم میں داخل کروں گا۔

فائدہ الصحاح میں ہے کہ سقر دوزخ کے اسمأ سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سقر جہنم کا چھٹا طبقہ ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے سقرته الشمس دھوپ نے اسے اذیت اور درد والم پہنچایا اور دوزخ کو سقر اس کے درد و آلام پہنچانے کی وجہ سے کہا جاتا ہے سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ، سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا سے بدل الاشتمال ہے خواہ اس معنیٰ پر ہے کہ اس میں شدید عذاب ہے خواہ اس معنیٰ پر کہ وہ آگ کا پہاڑ ہے کیونکہ سقر ہر دونوں پر مشتمل ہے۔

(۲۷) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (اور تم نے کیا جانا کہ سقر کیا ہے) پہلا ما مبتدأ اور اَدْرٰىكَ اس کی خبر ہے اور دوسرا ما سقر کی خبر ہے اسی لئے کہ یہ وہی فائدہ دے رہا ہے جو سقر سے چاہیئے یعنی ہولناکی اور گھبراہٹ وغیرہ بخلاف اس کے کہ جو الحاقہ میں گذرا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں سقر کی وصف کس نے بتائی یعنی وہ تو عقول کے ادراک کے دائرہ سے خارج ہے اسمیں اس کے حال کی عظمت کا اظہار ہے۔

(۲۸) لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (نہ چھوڑے نہ لگی رکھے) اس کے حال اور وصف کا بیان اور وما ادراک الخ میں جو ضمناً وعدہ کیا گیا اسے پورا کرنے کی خبر ہے یعنی وہ نہ چھوڑے گی اسے جو شے اسمیں ڈالی جائے گی کہ اسے جلا کر راکھ بنا دیگی اور جب وہ شے ہلاک ہو جائے گی تو بھی وہ ہلاک ہونے والی شے مرٹ جائے گی بلکہ وہ اپنی پہلی اور اصلی حالت

پہ آجائے گی پھر وہ اسے پہلی پہلی طرح جلائے گی ایسے ہی تا ابد جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا (جب ان کے چمڑے جل جائیں گے تو ان کے اور چمڑے بدل دیں گے) یا یہ کہ وہ کسی کو نہ بچائیگی یعنی کسی پر رحم نہ فرمائے گی اور کسی کو ہلاک کرنے میں نہ چھوڑے گی بلکہ اسمیں جو شے ڈالی جائے گی وہ لازماً ہلاک ہوجائے گی کیونکہ وہ غضب الجبار سے پیدا کی گئی ہے۔

حل لغات تہذیب المصادر میں ہے کہ الابقاء بمعنی باقی چھوڑنا اور شفقت کرنا بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نہ کسی زندہ چھوڑے گا نہ مردہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ثم لا یموت فیھا ولا یحییٰ پھر وہ نہ مرے گا نہ جئے گا۔

(۲۹) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ آدمی کی کھال اتار لیتی ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے لاحت النار الشئی، احرق اسود نار نے جلا کر راکھ بنادیا لاحہ اسقرا والعطش سفر یا پیاس نے اس کا حال بدل ڈالا۔ وہ اس لئے کہ جس میں دسومۃ (الیدار شئے) سو جب وہ جل جائے تو وہ سیاہ ہوجاتی ہے البشر بشرہ کی جمع ہے انسان کے چمڑے کا ظاہری حصہ یعنی جہنم کی آگ آدمی (کافر) کے صرف ظاہری چمڑے کو جلا کر سیاہ کر ڈالے گی بعض دوزخ کی فراخی کی وجہ سے چمڑے کو جھلس لے گی پھر اسے اس حال میں چھوڑے گی کہ گویا وہ رات کی تاریکی سے بھی زیادہ سیاہ ہے۔

سوال لا یبقی ولا تذر کے حکم کے مطابق چمڑے کا سیاہ رہنا کیسا؟

جواب آیت میں یہ دلیل کہاں ہے کہ وہ اپنے میں داخل ہونے والے کو بالکل مٹا ڈالے گی بلکہ اس سے تو اس کا ثبوت ہے کہ اگر وہ مٹا بھی ڈالے تب بھی وہ پہلے اسے سیاہ کرے۔

فائدہ بعض نے یہ معنیٰ کیا ہے کہ وہ لوگوں کو نظر آنے والی ہوگی لواحۃ اسم فاعل ہے بمعنی لامحہ از لاح یلوح بمعنی ظہر اور بشر بمعنی لوگ بعض نے کہا کہ وہ دوزخیوں کو پانچ سو سال کی مسافت سے نظر آئے گی جیسے اللہ (تعالیٰ) نے دوسرے مقام پہ فرمایا وبرزت الجحیم لمن یری جو دیکھے گا اس کے لئے دوزخ ظاہر کی جائیگی پھر کافر تک اس کی بو اور گرمی پہنچے گی جیسے مومن کو پانچ سو سال کی مسافت سے بہشت کی ہوا و خوشبو پہنچے گی۔

(۳۰) عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ سقر پر انیس (۱۹) فرشتے ہیں جو اس کے متولی اور اہل سقر پر اسے مسلط کرتے ہیں وہ حضرت مالک اور اس کے ساتھ اٹھارہ فرشتے ہیں (علیہم السلام)۔

دوزخ کے ملائکہ کرام کی مہیب صورتیں دوزخ کے ملائکہ کی آنکھیں چمکدار، ان کی داڑھیں بلند قلعوں کی طرح ان کے بال قدموں کو مس کرتے

...کمر تنے ہوں گے ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکلیں گے ان کے دونوں کاندھوں کی درمیانی مسافت ایک سال کی ہوگی ان سے رحمت و رافت نکال کی گئی ہے ایک فرشتہ ستر ہزار کا فرہاتھ میں لے کر جہنم کی جس جگہ چاہے گا پھینکے گا۔

فائدہ بعض نے کہا یہ انیس (۱۹) دوزخ کے فرشتوں کے رؤسا ونقبا ہیں ورنہ اسمیں کام کرنے والوں کی شمار نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا یَعْلَمُ جنود ربک الا ھو (اور تیرے رب کے لشکر کو وہی خود جانتا ہے) اور یہ بھی جائز ہے ان ہرایک کے تحت ان گنت لشکر ہوں۔

۱۹ عدد کے نکات

ارباب معانی ومعرفت نے ۱۹ کے عدد اور تخصیص کے نکات بیان فرمائے ہیں۔ ① نفس انسانی کی قوت نظریہ وعملیہ کے فساد کا سبب قوائے حیوانیہ طبعیہ ہیں اور قوائے حیوانیہ پانچ ظاہرہ ہیں اور پانچ باطنہ کل دس اور اس کے ساتھ دو، شہوۃ وغضب ملانے سے بارہ ہوئے اور قوائے طبعیہ یعنی جاذبہ وماسکہ وہاضمہ ودافعہ وغاذیہ ونامیہ مولدہ کو ملانے سے کل انیس (۱۹) ہوئے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوائے حیوانیہ سے وہ قویٰ مراد ہیں جو مواد ثلاثہ (حیوان۔ نبات۔ معدن) میں سے حیوان سے مخصوص ہیں اور یہ دو قسم ہیں:

① مدرکہ
② فاعلہ

مدرکہ وہ ہے جسے فعل میں دخل ہے اور باعثہ یا محرکہ یہ بھی دو ہیں:

① شہوت
② غضب اور قوائے طبعیہ

یہ حیوان کے ساتھ نہیں بلکہ یہ نبات (انگوریوں) میں بھی پائی جاتی ہیں وہ سات ہیں تین مخدومہ ہیں۔

① غاذیہ
② نامیہ
③ مولدہ اور چار خوادم (خادمہ کی جمع ہیں۔

① جاذبہ
② ہاضمہ
③ ماسکہ
④ دافعہ

چونکہ آفات کا منشا یہی ۱۹ قوی ہیں اسی لئے زبانیہ دوزخ کے بڑے فرشتے بھی ۱۹ ہوئے

فائدہ حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان قویٰ کے اثبات بمعنیٰ فلسفہ کے اصول ہیں اس سے مختار (اللہ) کی نفی بلازم آتی ہے اس طرح سے تفسیر از فلسفہ لازم آتی ہے اگرچہ یہ تفسیر امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کبیر (تفسیر) میں بیان فرمائی ہے پھر ان کی اتباع میں دوسرے مفسرین بھی وہی تفسیر کرنے لگے اور فرمایا کہ حق یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیا جائے کیونکہ عقول بشریہ اس جیسی حکمتوں کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں۔

فائدہ اس کی تردید ہوتی ہے امام سہیلی رحمہ اللہ کے اس قول سے کہ فرمایا کہ یہ نکتہ بیان کرنا کہ وہ زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) انیس ۱۹ کیوں ہیں اس سے کم و بیش کیوں نہ ہوئے ان کی دلیل (ابجدا) کتاب و سنت میں ہے اور ان میں اس کے اشارات بھی ہیں لیکن وہ پوشیدہ راز کی طرح ہے لیکن لوگوں کی عادت ہے کہ جس شے کی انہیں خبر نہ ہو یا اس سے مانوس نہ ہوں اس کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ اس سے لاعلمی کی وجہ سے اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کا نشر و ذکر سوئا دیل سے خطرہ سے باہر نہیں بوجہ اس کے حفظ و تحصیل میں قصور اکثر افہام اور بوجہ اس بہت بڑے میں گھسنے کی قلت استعداد کے (امالی للسہیلی)

③ دوزخ کے سات ابواب ہیں چھ کافروں کے لئے ایک فاسقوں کے لئے۔ کافر تو دوزخ میں تین امور کی وجہ سے داخل ہوں گے۔

① ترک الاعتقاد۔

② ترک الاقرار۔

③ ترک العمل الصالح۔

دوزخ کے ہر دروازے کو ان تینوں پر ضرب دینے سے اٹھارہ ہوئے اور چونکہ فاسق سے صرف عمل صالح کی کوتاہی ہوئی اسی لئے وہ ایک رہا اس معنیٰ پہ دروازے ۱۹ ہوئے۔

③ شب و روز کے ۲۴ گھنٹے ہیں پانچ صلوٰت خمس میں مشغول ہوئے ان میں سے باقی ۱۹ ایسے وہ عبادت کے بغیر گذرے تو انہیں دوزخ کے ۱۹ زبانیہ کے ذریعے مختلف عذاب میں مبتلا کیا جائے گا یعنی پانچ نمازوں کی تکریم پر اللہ (تعالیٰ) نے ۲۴ گھنٹوں کے مقابلہ میں پانچ زبانیہ (فرشتے) پیدا ہی نہیں کئے تو وہ صرف نمازی لیکن عاصی لوگوں سے مخصوص نہیں (یعنی وہ ویسے ہی پہلے سے پانچ پیدا ہی نہیں ہوئے) (حواشی مفتی سعدی)

④ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی اس گنتی سے حفاظت کی ہے جس گنتی پر زمین کو جبال نے محفوظ رکھا ہوا ہے وہ ہیں (۱۹۱) پہاڑ جن کا اصل ۱۹ ہے۔

⑤ عالم کے مدبرات ۱۹ استارے ہیں سات سیارہ ہیں اور البروج ۱۲ ہیں یہی عالم سفلی کی تدبیر پر متوکل

ہیں اور اسمیں یہی بظاہر مؤثرہ ہیں۔ یہی اپنی تاثیر کے ڈنڈوں سے انہیں اکھیڑیں گے اور ہلاکت گاہوں میں پھینکیں گے۔

(۶) وہ جو حضرت سجاوندی قدس سرہ نے عین المعانی میں بیان فرمایا ہے کہ مفسرین نے اس عدد کی حکمت میں گفتگو کی ہے بہتر ہے کہ اعداد کی حکمت کا مطالبہ ہو اگر کچھ کسی کو طلب ہو تو وہ یہ ہے ۹ احاد کا اکثر عدد ہے اور دس عشرات کا شب سے کم عدد ہے ان دونوں کو جمع کرنے پر ۱۹ ہوئے اسی لئے زبانیہ (دوزخ کے نگران) ۱۹ ہیں۔

(۷) کشف الاسرار میں ہے کہ بسم اللہ شریف کے ۱۹ حروف ہیں اور زبانیہ (فرشتے) بھی ۱۹ ہیں اور مؤمن اس کے ہر حرف دوزخ کے فرشتے کو دفع کرتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کئے ہوئے ہے۔

(۸) فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کو کشف الاسرار کے مطالعہ سے پہلے آگاہی ہوئی وہ یہی کہ بسم اللہ کے ۱۹ حروف جیسے حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نوزدہ حرفست کہ ہژدہ ہزار
عالم ازو یافتہ فیض عمیم

ترجمہ: ۱۹ حروف ہیں اٹھارہ ہزار عالم نے فیض پایا ہے۔

فائدہ بسم اللہ آیۃ الرحمۃ جسے کفار و فساق نے قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک ایک حرف پر ایک ایک غضب کا فرشتہ پیدا فرما کر غضب کی علامت بنا دیا جیسے خازن جنت کو علامت رحمت بنایا جو ہم نے بیان کیا اس پر حدیث دلالت کرتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبر میں ہر کافر پر ننانوے اژدھا (بڑے سانپ) مسلط کئے جائیں گے جن کے مونہوں میں تیروں کے دندانوں کی طرح داڑھیں ہوں گی جو سیدھی لمبی کھجور کی طرح لمبے ہوں ان کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہوں گی جو منہ کھولے ہوئے اور پیٹ چوڑے ہوں گے انسانوں اور حیوانوں کو ہڑپ کر جائیں گے۔

نکتہ ننانوے سانپوں کے تسلط میں یہ نکتہ ہے کہ کافر نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء سے کفر کیا اسی لئے اس کا مستحق ہوا کہ اس پر ان اسما کی گنتی پر ننانوے اژدھا مسلط ہوں، قبر میں جو اس کے لئے جہنم کے گڑھوں میں ایک گڑھا ہے اور ضروری بھی نہیں کہ اس پر دوزخ میں اتنا قدر اژدھا مسلط ہوں اس سے کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں۔

فائدہ ۹ کا عدد قہر و حصر و انقراض کا ہے اس لئے کہ دوزخیوں سے رحمت رحیمیہ ختم کرا دے گا۔
تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے نفوس بشریہ کا اختلال (خلل آجانا) علم و عمل کی وجہ سے ہوگا اور جہنم میں دخول سے بُعد و طرد اور لعنت و حجاب و احتجاب ہے یہ ان کے موجبات پر مرتب ہوئے اور وہ موجبات ۱۹ ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ اور باطنہ کے سوا ہیں وہ ہیں :۔
سات اعضاء جوارح جن کے لئے حدیث شریف وارد ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں سات اعضاء وآداب (جوارح) کے لئے سجدہ کرنے پر مامور ہوں ۲/۱ ہاتھ ۴/۳ پاؤں ۶/۵ گھٹنے (۷) چہرہ - اور طبعیہ بشریہ جو سب پر مشتمل اور بحسب الظاہر والباطن تمام میں موثر ہے اور جائز ہے کہ مذکورہ بالا کے علاوہ دو ادریہ ہوں (۱) قوت غضبیہ (۲) قوت شہویہ قوت طبعیہ کے بجائے یہی ہو - اس تقریر پر ۱۹ ہو جائیں گے (۵) حواس ظاہرہ (۵) حواس باطنہ (۷) اعضاء جوارح (۲) قوت طبعیہ شہویہ کلمیزان (۱۹)۔

تفسیر عالمانہ (۳۱) وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اور ہم نے نہیں کئے دوزخ کے داروغے - یعنی وہ جو دوزخ کے امور کے مدبّر اور دوزخیوں کو عذاب کرنے پر مقرر ہیں یہ اصحاب النار کا لفظ اس اصحاب النار کا غیر ہے جو لَا یَسْتَوِی اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (نہیں برابر دوزخی اور بہشتی) کا غیر ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے اصحاب النار یہ خزنہ (خازن) داروغے) نہیں کئے یعنی مضاف محذوف ہے لیکن یہ معنیٰ بعید از قیاس ہے اس لئے کہ وہ دوزخ کے داروغے ہیں نہ کہ اصحاب النار کے۔

اِلَّا مَلٰٓئِكَةً مگر فرشتے - تاکہ ثقلین (جن وانس) کے معذب لوگ ان سے ڈریں نہ وہ ان کے لئے نرم ہوں گے اور نہ ان کی طرف مائل ہوں گے کیونکہ ہم جنس سے نرمی اور رحمت کا گمان ہو سکتا ہے اس لئے رسل کرام علیہ السلام کو ہماری جنس (بشریت) سے بھیجا تاکہ وہ ہم پر رحم فرمائیں۔

فائدہ نیز فرشتے اس لئے مقرر ہوئے کہ وہ مخلوق میں سے قوی تر اور حق کے ساتھ زیادہ قائم ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی غضب کرتے اور عذاب کے اعتبار سے سخت تر ہیں۔

ملکی قوت کا بیان حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرشتے کی قوت و طاقت ہے ثقلین (جملہ انس وجن) کے برابر اکیلا ہی تمام امت کو دھکیل کر لے جا سکتا ہے اس کے گلے میں پہاڑ ہے جو تمام لوگوں کو جہنم میں پھینک کر وہ پہاڑ اُٹھا کر ان پر ڈال سکتا ہے۔

شانِ نزول جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دوزخ پر ۱۹ داروغے ہیں تو ابوجہل نے قریش کو کہا کیا تمہارے دس دس ملکر ایک ایک (دوزخ کے داروغہ) کو کفایت نہیں کر سکتے ابوالاسود ابن السید بن کلاہ نے کہا (پہلوان تھا) نے کیونکہ وہ سخت گرفت اور قوت کا مالک تھا یہاں تک کہ اس کی قوت کا یہ عالم تھا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہوجاتا اور لوگ اس کے پاؤں سے کھینچتے تو کھینچ سکتے بلکہ وہ گائے کے چمڑے کو ٹکڑے تو کر سکتے لیکن اس کے پاؤں جہاں جمے ہوتے اپنچ بھی نہ ہٹا سکتے) ان دوزخ کے سترہ داروغوں کو میں اکیلا کافی ہوں باقی صرف دو تم سارے قریش سنبھال لو۔ اس پر یہ نازل ہوئی یعنی دوزخ کے داروغے تمہاری کے مرد نہیں کہ جن سے تم طاقت آزمائی کرسکو وہ تو فرشتے ہیں اور ان پر تم میں سے کون ہے جو غلبہ پاسکے ان کا صرف ایک جماعت مخلوق کی ارواح سمیٹ لیتا ہے (جیسے عزرائیل علیہ السلام) ان کا ایک ہی فرشتہ زمین کو اوپر نیچے کرلیتا ہے (جیسے جبریل علیہ السلام) اور تمہارے تمام اس کے ایک فرشتے کو دیکھنے کی طاقت تک نہیں رکھتے اس کا مقابلہ تو بڑی بات ہے۔[1]

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا اور ہم نے یہ گنتی نہیں رکھی مگر کافروں کی جانچ کو، یعنی انکی گنتی صرف کفار کی آزمائش اور ان کے کفر میں و قوع کے لئے مقرر کی گئی ہے یعنی ۱۹ مؤثر یعنی عدد مخصوص ۱۹ اکے بجائے اثر سے تعبیر کیا تاکہ تنبیہ ہو کہ وہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور کلام کو اس پر محمول اسی لئے کیا گیا ہے کہ وہ مبتدا و خبر کے دواخل سے نہیں اسی لئے واجب ہے کہ اس کے مفعول ثانی کو مفعول اول پر محمول کیا جائے اور کفار کے فتنے پر ہی انکو فتنہ کہا گیا ہے ورنہ وہ فی نفسہ کوئی فتنہ (آزمائش) نہیں نیز ان کو صرف کفار کی آزمائش کے لئے عدد معین نہیں بنایا گیا بلکہ قرآن مجید میں بھی ان کے اتنا پر اکتفا کیا کہ وہ واقعی ۱۹ ہیں کیونکہ اتنا کم گنتی ہی کفار کے لئے آزمائش بن سکتی ہے کہ وہ سمجھیں گے کہ وہ کل ۱۹ بہت تھوڑے ہیں اور ہم (کفار قریش وغیرہ) بہت زیادہ پھر وہ تھوڑے ہمارا کیا بگاڑ سکیں گے اسی لئے وہ اس گنتی کو سن کر استہزا کیا اس قاعدہ پر آنے والے مضمون میں اہل کتاب کے استیقان اور اہل اسلام کے ایمان اور تصدیق کا دارومدار ہے۔ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اس لئے کہ ایمان والوں کو یقین آئے۔ یہ جعل کے متعلق ہے اور معنیٰ مذکور ہے سین طلب کے لئے ہے یعنی تاکہ اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر یقین حاصل کرسکیں اور قرآن مجید کی تصدیق کریں جب مشاہدہ کیا اسمیں وہی ہے جو ان کی کتابوں میں ہے۔

---

[1] مسلمانوں کو خوشی ہو بلکہ مبارک ہو کہ وہ جملہ ملائکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی، مرید اور نیاز مند ہیں اور اکثر ملائکہ ہمارے پیر و مرشد محبوب سبحانی قطب ربانی قدس سرہ کے عاشق بھی ہیں اور نیاز مند بھی۔

فائدہ اہل کتاب (یہود) نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوزخ کے داروغوں کی گنتی کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا ۱۹ ہیں۔ یعنی دو بار انگلیوں کا اشارہ کیا لیکن دوسری بار ایک انگوٹھا بند رکھا تھا تاکہ وہ ۱۹ کا اشارہ سمجھ سکیں۔

وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اِيْمَانًا (اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے)۔ ان کے ایمان کی کیفیت بڑھے اس سے جو انہوں نے اہل کتاب کی تسلیم و تصدیق کو دیکھا کہ وہ واقعی ایسے ہے جیسے قرآن نے کہا یا کمیت سے کہ اہل کتاب کا ایمان ان کے ایمان سے مل گیا یعنی ہم متفق ہوئے اسمیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور کتاب والوں اور اہل ایمان کو کوئی شک نہ رہے یہ استیقان و ازدیاد الایمان کی تاکید ہے کیونکہ ضد الشئ کی نفی اس کے وقوع کے اثبات کے بعد اثبات میں زیادہ بلیغ ہوتی ہے اور وہ نفی جو مستیقن و مؤمن کو کسی شبہ سے طاری ہوتی اس کے بعد اسے ایسا یقین جازم حاصل ہوگا کہ اس کے بعد کبھی شک واقع نہ ہوگا۔

سوال ارتیاب میں اہل کتاب کے ساتھ ایمان والوں کو شامل کیوں نہیں کیا مثلاً کہا جاتا وَلَا يَرْتَابُوْا (اہل ایمان)۔

جواب تاکہ تنبیہ ہو کہ حال میں دونوں نفیوں میں فرق ہے اس لئے کہ اہل کتاب کے ارتیاب کی نفی مقارن ہے اس کو کہ وہ انکے انکار کے منافی ہے اور اہل ایمان کے ارتیاب کی نفی ان کے ایمان کی مقتضی ہے تو ان کے درمیان فرقیت از کجا تا کجا۔

نکتہ پہلے انہیں (اہل ایمان) کو موصول جس کا صلہ جملہ فعلیہ جو حدوث کی خبر دیتا ہے پھر اسے صیغۂ اسم فاعل کے ذکر میں آگاہ کرنا ہے انکے ایمان پر ثابت قدمی اور اسمیں راسخ ہونے میں جبکہ پہلے ان کے ایمان ازدیاد (زیادتی) کی خبر دی گئی۔

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (اور کہیں جن کے دل میں روگ ہے)۔ شک یا منافقت ہے کیونکہ یہ دونوں اندرونی بیماریاں ہیں اس معنی پر قبل از وقت وہ خبر دی گئی جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں واقع ہوگی اس لئے کہ منافقت کی بیماری مدینہ طیبہ میں منافقوں میں پیدا ہوئی کیونکہ اہل مکہ میں یا خالص مؤمن تھے یا مکذب (تکذیب کرنے والے) یا شک کرنے والے تھے۔ وَالْكٰفِرُوْنَ اور کافر تکذیب پر اصرار کرنے والے۔

سوال کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ ان کا قول ہذا مقصود الٰہی ہو۔

جواب لام اپنے حقیقی معنیٰ پر نہیں بلکہ عاقبت کی ہے اب کوئی اشکال نہیں۔

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا (اس اچنبے کی بات میں اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے)۔ مثلاً تمیز ہے ہذا کی یا اس

سے حال ہے یعنی مثلاً یہ جیسے اللہ نے فرمایا هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً (یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے آیت ہے) یعنی اللہ کی اس عدد عجیب وغریب کی مثل سے کیا مراد ہے۔ اس عدد پر مثل کا اطلاق برسبیل استعارہ ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے اس کی مثل مضروب کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی قول جو غرابت میں مستعمل ہوتا ہے وہ غریب بایمعنی ہے کہ وہ عقد تام ہو کر نہیں جیسے عشرون وثلاثون اور یہ استفہام انکاری ہے ان کا انکار اس سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں اس لئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا تو عدد ناقص نہ ہوتا۔

فائدہ ان کے اس قول کو تعلیل کے ساتھ لانا باوجودیکہ وہ ان کی آزمائش کے باب سے ہے تاکہ آگاہی ہو کہ یہ انکی شناعۃ میں مستعمل ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ (یونہی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے)۔ ذلك کا اشارہ ماقبل کی طرف ہے۔ معنی ضلال سے یعنی اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرنا چاہے گمراہ کر دے جیسے ابوجہل اور اس کے ساتھی جو جہنم کے ذکر وعول اور ان کی گنتی کے منکر ہیں ان کا گمراہ کرنا اس طرح جو مذکور ہوا نہ کہ اس سے کم کیونکہ انہوں نے آیات الٰہی جو حق پر ناطق ہیں کو دیکھنے کے باوجود گمراہی اختیار کی اس کا اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ضلالت ازلیہ کے موافق ہی گمراہ کرتا ہے کیونکہ گمراہی اور صرف اختیار اس کی جانب ہر دولوں اس کے عین ثابتہ کے مقتضیٰ پر ہے۔

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اور وہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے) اپنی ہدایت جیسے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی وہ اس ہدایت کی مثل جو مذکور ہوئی نہ اس سے ادنیٰ کیونکہ مؤمن نے ان آیات کے مشاہدہ پر اپنے اختیار کو ہدایت اور اس کی حقیقت صرف کیا (پھیرا) اور اللہ تعالیٰ ہدایت ازلیہ کے موجب ہی کرتا ہے اس لئے کہ ہدایت پانا اور صرف اختیار اس کی جانب ہر دونوں اس کے احوال ازلیہ سے ہیں اسی لئے عالم عین میں دائماً اس کے خلاف نہ ہوگا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ (اور تیرے رب کے لشکر کو کوئی نہیں جانتا) اس کی جملہ مخلوق کو منجملہ ان کے ملائکہ بھی مذکور ہیں۔

حل لغات جنود جند (بالضم) کی جمع ہے معنیٰ لشکر اور ہر مجتمع اور ہر مخلوق کی علیحدہ قسم ہے۔

حدیث شریف میں ہے بیشک اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں منجملہ ان کے ایک شہد کی مکھی کا لشکر بھی ہے۔

اِلَّا هُوَ (مگر وہی) اس کی کثرت کی وجہ سے۔

سوال موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اہل سما کی گنتی پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بارہ سبط ہر سبط مٹی کے ذرات کے برابر ہے۔

فائدہ الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ عالم کا کوئی گھر اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جو آباد نہ ہو لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس پر دلیل وہ ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوۃ (تنہائی) میں بھی ستر

چھپانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا مرد و عورت ننگے ہو کر جماع نہ کریں۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ زبانیہ کی گنتی کا اختیار مبنی بر حکمت ہے ورنہ اس کے لشکروں کی گنتی اور ضبط کے دائرہ سے خارج ہے۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جنود کی تعداد اور ان کی کمیۃ و کیفیت اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ اس کا علم ماہیات اور ان کے احوال کو محیط ہے۔

تفسیر صوفیانہ لشکروں کو کوئی نہیں جانتا۔ سوا اس کی ھویۃ کے کہ وہ جمیع جنود تعینات غیر متناہیہ کی جامع ہے بحسب اسماء جزئیہ اور جزئیات اسماء کے۔

ملائکہ کی اقسام بعض عارفین نے فرمایا کہ ملائکہ کی مخلوق کے کئی مراتب ہیں۔

(۱) وہ صرف ارواح ہیں ان میں کوئی عقل نہیں سوائے تعظیم جناب الٰہی کے وہ کچھ نہیں جانتے نہ ہی ان کا کوئی منہ ہو جو عالم یا ان کے نفوس کی طرف مصروف ہو انہیں جلال الٰہی نے حیران کر رکھا ہے وہ صرف اسی میں ہی حیران و مست ہیں۔

(۲) ارواح یہ مدبر ہیں اجسام طبعیہ ارضیہ کے یہ انسانوں اور حیوانوں کی ارواح ہیں جن کے اجسام عنصری طبعی ہیں اور یہ ارواح انہی اجسام کے مدبر ہیں اور وہ اجسام انہی ارواح میں مقصور ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تسخیر میں ہیں جیسے اللہ نے فرمایا لیتخذ بعضھم بعضا سخریا تاکہ بنائے تمہارے بعض کو بعض کے تابع۔

(۳) ارواح ہماری مصلحتوں کے لئے ہمارے مسخر ہیں ان کے کئی طبقات ہیں۔

(۴) بعض وحی لانے پر مقرر ہیں۔

(۵) بعض القائیہ پر مؤکل ہیں۔

(۶) بعض ارزاق پر۔

(۷) بعض قبض ارواح پر۔

(۸) احیاء الموتیٰ پر۔

(۹) اہل ایمان کی استغفار و دعا پر

(۱۰) اعمال کی جزا کے لئے جنت میں باغات تیار کرنے پر وغیرہ وغیرہ

مسئلہ مراتب فضیلت میں بھی متفاوت ہیں مثلاً جبریل علیہ السلام عزرائیل علیہ السلام سے اور میکائیل علیہ السلام جبریل علیہ السلام سے اور اسرافیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام پر فضیلت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے یہ لشکر کسی جنگ کے لئے تیار نہیں بلکہ مملکت ظاہرہ عالم علوی واسفل کی ترتیب کے لئے ہیں۔
فائدہ کیونکہ جب آسمانوں اور زمینوں میں اس کے لشکر ہیں تو جنگ ہو تو کس سے۔ تو لازماً ثابت ہوا کہ وہ تسخیر کے لشکر ہیں کیونکہ تمام اس کا مسخر ہے ان کے بعض دوسرے بعض کے تابع ہیں اور تمام ملائکہ ہمارے لئے مسخر ہیں وہ سب بارہ بادشاہوں کے ماتحت ہیں وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالم خلق کا والی (بادشاہ) بنایا ہے
ان کی قرار گاہ فلک اقصیٰ ہے ان کا ہر والی ایسے برج میں ہے جیسے شہر کی چار دیواری پر ہوتے ہیں ہر والی برج میں تخت پر بیٹھا ہے ان سے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ تک حجابات ہٹا دیئے ہیں وہ اس مسطر کو دیکھتے رہتے ہیں جس میں ان کے اسمآ و مراتب اور جو کچھ عالم خلق میں قیامت تک ان کے ہاتھوں جاری ہونا (ذرہ ذرہ) لکھا ہوا ہے اور وہ ہر ایک اس تمام لکھے ہوئے کو اپنے اندر نفس میں منقش کر لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام علوم ایسے محفوظ ہوتے ہیں کہ تغیر و تبدل کا امکان تک نہیں (جیسے ہم اپنے تمام احوال جانتے ہیں بوجہ ہمارے قلوب کے لوح محفوظ کے بالمقابل ہونے کے یہ اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے) اس ہر والی (بادشہ) کے دو حاجب ہیں جو ان کے احکام ان نائبین پر جاری کرتے ہیں ان کے ہر دونوں حاجبوں کا ایک سفیر ہے جو ان دونوں کے درمیان وہ لے کر چلتا ہے جو ان کے لئے القآ کیا جاتا ہے۔ اور ان کے لئے فلک ثانی میں منازل ہیں جس میں وہ ٹھہرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں انہیں نازل فرمایا اور وہ منازل اٹھائیس ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔
وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر فرمائی ہیں۔ یعنی وہ اپنی سیر سے ان منازل کی ہر منزل کو روزانہ طے کرتا ہے یہاں تک کہ آخری دور تک پہنچکر نیا دورہ شروع کرتا ہے تاکہ چاند اور سورج کی سیر اور پلٹنے سے لوگ سالوں اور حساب کا اندازہ کر سکیں اور ہر شئے کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مفصل بیان فرمایا انہی منازل میں اللہ تعالیٰ نے انہی ملائکہ کو ٹھہرایا یہ فرشتے ان والیوں (بادشاہوں) حُجّاب (حاجبین) ہیں جو فلک اعلیٰ میں ہیں پھر انہیں حکم ہوا کہ وہ ساتوں آسمانوں میں ان کے لئے نُوّاب (نائبین) اور نقبآ (نقیب) مقرر کریں ہر آسمان میں ان کے حجاب کی طرح نقیب ہوتا ہے کہ وہ عالم عنصری کے وہ مصالح دیکھیں جو ان والیوں کی طرف القآ جاتے ہیں اور جو انہیں حکم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واوحی فی کل سماء امرھا اور اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کا امر القاء فرمایا پھر ان نقبآ کو اکب کے اجسام کو نورانی اور گھومنے والا بنایا اور ان میں ارواح پھونکیں اور انہیں ساتوں آسمانوں میں اتارا ان میں ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ آسمان میں ہے اور انہیں فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ تم ان اٹھائیس حُجّاب کے ذریعے ان بارہ والیوں سے وہی حاصل کرو گے جو وہ لوح محفوظ سے حاصل کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان نقبآ سبعہ کے ہر ایک کے لئے مقرر فرمایا جو اسمیں پیر ہے وہ فلک اس کے لئے ایسے ہے جیسے سوار کے لئے گھوڑے (وغیرہ کی سواری)۔ اسی طرح ان تمام

حجاب کے افلاک ہیں جن میں وہ پھیرتے ہیں اسی لئے ان کو حوادث عالم پر تصرف اور ان پر جھانکنے (یعنی نگرانی و آگاہی) کا حکم ہے ان کے لئے خدام و اعوان ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے افلاک سواری کے لئے بخشے ہیں وہ بھی انہی میں سے پھیرتے اور مملکت میں ہر روز ان کے ذریعے گھومتے پھرتے رہتے ہیں آسمان و زمین کے جملہ امور میں سے کوئی شے ان سے فوت نہیں ہوتی سب کچھ ان کی نگرانی اور ان کے تصرف سے ہوتا ہے[۲]۔

خلاصہ یہ کہ تمام ولاۃ اور حجاب و نقباء و خدام انہی بارہ ولاۃ کے ماتحت پھرتے رہتے ہیں اور چودہ طبقات انہی کے مسخر ہیں لیکن یہ سب ہمارے لئے مسخر ہیں کیونکہ ہم ہی (اس عالم کے ظہور کے) مقصود اعظم ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا، و سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا منہ اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اسی سے ہے اللہ نے تمہارے لئے مسخر فرمایا۔

نکتہ روزانہ ان کا دورہ ہمارے اوپر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ والی (۱۲ بادشاہ) دیکھیں کہ مخلوق کو کونسی ضروریات درپیش ہیں تاکہ وہ انہیں پورا اور حکم الٰہی کا اجرا کریں جیسے اس کا اپنی مخلوق کے لئے ارادہ ہو چکا اس کا یہ معنیٰ نہیں اب حکم فرماتا ہے کہ ایسے کرو اور یوں کرو یہی ولاۃ (۱۲ والی) خلق خدا میں مختلف زمانوں اقدار الٰہیہ کا نفاذ کرتے ہیں[۲]

دنیوی سلطنین اللہ تعالیٰ نے اس عالم عنصری (دنیا) میں بھی ان کی جنس سے عالم علوی کی طرح والی مقرر فرمائے ہیں ایسے بعض رسل کرام علیہ السلام ہیں بعض ان کے خلفا بعض سلاطین (بادشاہ) بعض ملوک بعض والی

---

[۱] یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ خدام میں سے ہیں بلکہ آپ کی امت کے اغواث و اقطاب بالخصوص حضور غوث اعظم جیلانی قدس سرہٗ کے ماتحت ہیں لیکن افسوس ہے کہ امتی کہلوا کر پھر کہے کہ ان کو تو تصرف باذن اللہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء کرام کے لئے ماننا شرک ہے پھر میں کیوں نہ کہوں ھٰؤلاء قوم جاھلون والوھابیۃ قوم لا یعقلون سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ھم سفھاء الاحلام - (اویسی غفرلہٗ)

[۲] اگر یہی امور اولیاء اللہ یا خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے منسوب کئے جائیں تو شرک لیکن اہل اسلام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ امور ملائکہ سرانجام دے رہے ہیں بحیثیت خدام کے کہ جب سے اس ڈیوٹی پہ ہیں کبھی اس میں نہ اُن سے کمی واقع ہوئی ہے اور نہ ہوگی اور نہ ہی ان میں تبدیلی اور موت کا ورود ہے الآن کما کان ہیں اور قیامت تک ایسے ہی نظام چلائیں گے لیکن محبوبان خدا کی یہ ڈیوٹی نہیں وہ تو دیدار خداوندی اور استغراق مشاہدہ میں مصروف انہیں کیا ضرورت کہ وہ امور خدمتگزاری میں دخل دیں ہاں اگر وہ چودہ طبقات میں کسی ایک امر کے لئے جو چاہیں باذن اللہ کر سکتے ہیں اس کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں اسلام میں موجود ہیں اور بے شمار دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔

ہیں جمیع امور عالم کے جیسے قاضی اور ان کے ہم مثل (جیسے علمأ و مفتی وغیرہ) ان والیوں یعنی زمین والوں کے قلوب کو ان والیوں کے مناسب بنائے ہیں جو آسمان میں ہیں اور انہیں وہ دقائق ہیں جو انہیں عدل و انصاف کی طرف کھینچ جاتے ہیں (جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) اور ان کے دل شوائب سے پاک مطہر اور عیوب سے مقدس ہوتے ہیں انہی علویوں (آسمانی) ولاۃ کے بالمقابل ہوتے ہیں یہ ارضی ولاۃ اپنی استعداد کے مطابق اگر ان کی استعداد قوی اور حسن ہوتی ہے تو ان کا امر ظاہری صورت میں ظاہر مظہر ہوتا ہے اور والی عادل اور امام فضل ہوتا ہے اگر اس کی استعداد ردی ہوتی ہے تو آسمانی والی کے امر ظاہر ارضی والی کی ردائۃ (ردی ہونے) کی وجہ سے اسمیں ردائۃ وجود قبح ہوتا ہے ایسا والی (ارضی) ظلم اور نائب ظلم وبخل ہوتا ہے اس پر اسے خود کو ملامت کرنی چاہیئے۔

فائدہ احکام العالم کے اصحاب المراتب کے امہات المراتب علے سبیل الاحمال ہیں لیکن رعایا کی گنتی تو اللہ تعالیٰ خود جانتا ہے۔

ملائکہ کے بعض اقسام اللہ تعالیٰ کے بعض ملائکہ وہ ہیں جو ہمیشہ زمین پر رہتے ہیں آسمان پر نہیں جاتے بعض وہ ہیں جو ہمیشہ آسمان پہ رہتے ہیں زمین پر نہیں آتے لیکن ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے الہام سے اپنی صلوٰۃ و تسبیح معلوم ہے۔ (کتاب الجواہر للشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ (اور یہ نہیں مگر آدمی کے لئے نصیحت)۔ وعظ و پند اور برے انجام بر کفر و گمراہی سے ڈرانا۔

سوال آدمی کی تخصیص کیوں حالانکہ یہ جنات کے لئے بھی ہے۔

جواب یہ نصیحت کے بالقصد اصل ہے یا کہ وہ ۱۹ دوزخ کے فرشتے صرف انسانوں کے لئے نہیں اسی لئے ان کے لئے نصیحت ہے تاکہ ڈریں اور نصیحت حاصل کریں اور انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ کثیر اور بے شمار مخلوق کفار ثقلین (انس و جن) اور ان کے فساق کو اس تھوڑی سی جماعت سے عذاب کر سکتا ہے بلکہ وہ تو اعوان و انصار (مددگاروں) کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ تو ابن آدم کو آنکھ کے ایک بال بدلنے اور اس کی رگوں میں سے ایک رگ پر درد و الم مسلط کر کے اسی سے ہی اس کا کام تمام کر سکتا ہے اور دوزخ کے عذاب کے لئے اتنا گنتی (۱۹) اور باقی لشکر کی تخلیق مبنی بر حکمت ہے نہ یہ کہ وہ ان کا محتاج ہے (معاذ اللہ) اور یہ بھی جائز ہے کہ ھِیَ کی ضمیر ان آیات کی طرف راجع ہے جو سقر کے احوال پر ناطق ہیں کیونکہ وہ بھی نصیحت ہیں کیونکہ وہ بھی انذار پر مشتمل ہیں۔

طبقات الملائکہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ان (چودہ طبقات) کے امور کی باگ ملائکہ کے ہاتھ میں رکھی ہے جنہیں ہر برج میں بٹھایا اور ان کا مسکن بنایا اور ان کے لئے تخت بچھایا اور ان کے

لئے حجاب و نقباً مقرر کئے تمام آسمانوں میں ایسے ہی ہر آسمان میں ملائکہ ان کے لئے مسخر کئے اور انہیں چند طبقات پر مقرر فرمائے۔

① رات اور دن میں عروج و نزول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف اور ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور وہ ہمارے حق میں سوائے خیر کے کوئی بات جا کر نہیں سناتے۔

② زمین والوں کے لئے استغفار کرنے والے۔

③ صرف اہل ایمان کے لئے استغفار کرنے والے بوجہ غلبۂ غیرت الٰہیہ کے جیسے کہ اس کی رحمت کا غلبہ ہے ان کے لئے جو زمین میں ہیں۔

④ شرائع کے پہنچانے والے۔

⑤ موت کے مؤکلین

⑥ مؤکلین بالالہام

⑦ علوم کو قلوب تک پہنچانے والے۔

⑧ ارحام میں جو صورت منقش ہو اس کی تصویر پر مؤکل۔

⑨ نفخ ارواح پر

⑩ بارش پر

⑪ وہ ۱۹ ملائکہ جو دوزخیوں کے عذاب پر مؤکل ہیں۔

⑫ ارزاق پر

⑬ صافات (صف بستہ کھڑے ہونے والے)۔

⑭ زاجرات

⑮ تالیات

⑯ مقسمات

⑰ مرسلات

⑱ ناشرات

⑲ نازعات

⑳ ناشطات

㉑ سابقات

(۲۲) سابحات

(۲۳) ملقات

(۲۴) مدبرات (ان سب کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مقامات میں موجود ہے (تفصیل فقیر کی کتاب "فرشتے ہی فرشتے" میں پڑھیئے) اسی لئے فرشتے کہتے ہیں ما منا الا لہ مقام معلوم ہمارے میں ہر ایک کا مقام معلوم ہے

فائدہ عالم میں کوئی حادثہ (واقعہ - کام) نہیں جس کے اجراء کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مقرر نہ فرمایا ہو یعنی اس کا اجراء ملائکہ کے سپرد ہے لیکن انہیں وہی بارہ ولاۃ حکم فرماتے ہیں تمام ملائکہ انہی کے حکم اور ان کی سلطنت میں کام کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے خاص فرشتے ہیں اور عامہ لوگ ملائکہ کی ان منازل کا (جو اجرام کواکب میں ان کے لئے مقرر ہیں) مشاہدہ نہیں کر سکتے نہ ہی اعیان الحجاب والنقباء کا انہیں مشاہدہ کر سکتے ہیں لیکن اہل کشف اولیاء انہیں ان کی منازل میں آنکھوں سے (عیاناً) دیکھتے رہتے ہیں (ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

اَنْ یُّؤْتٰی صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ
تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ
هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ہاں ہاں چاند کی قسم اور رات کی جب پیٹھ پھیرے اور صبح کی جب اجالا ڈالے بے شک دوزخ بہت بڑی چیزوں میں کی ایک ہے آدمیوں کو ڈراؤ اسے جو تم میں چاہے کہ آگے آئے یا پیچھے رہے ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے مگر داہنی طرف والے باغوں میں پوچھتے ہیں مجرموں سے تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے ہم انصاف والے دن کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ہمیں موت آئی تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی، تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں گویا وہ بھڑکے ہوتے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگے ہوں بلکہ ان میں کا ہر شخص چاہتا ہے کہ کھلے صحیفے اس کے ہاتھ میں دیدیئے جائیں ہرگز نہیں بلکہ ان کو آخرت کا ڈر نہیں ہاں ہاں بے شک وہ نصیحت ہے تو جو چاہے اس سے نصیحت لے اور وہ کیا نصیحت مانیں مگر جب اللہ چاہے وہی ہے ڈرنے کے لائق اور اسی کی شان ہے مغفرت فرمانا ﴿۵۶﴾

تفسیر عالمانہ (۳۲) كَلَّا (ہاں ہاں) (لا ردع (از جرد توبیخ) کا ہے اسے جو سقر (دوزخ) کے وجود کا منکر ہے یعنی ان کے انکار سے ہٹ جائے کیونکہ وہ حق ہے یا انکار و نفی ہے اس کا کہ وہ ان کے لئے نصیحت نہیں ہے۔

فائدہ اگر کوئی اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا تو اس کے منافی نہیں گو وہ اس سے اعراض بھی کرتا ہو کیونکہ وہ اس کا سو اختیار رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا ہے فما لھم عن التذکرۃ معرضین۔ تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

وَالْقَمَرِ (قسم ہے چاند کی) مقسم بہ مجرور ہے واؤ قسمیہ سے یعنی چاند کی قسم کہ جس پر اوقات و اجال کی پہچان وابستہ ہے۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے یہ تحقیق تشریف کی ہے اور اس کے عجائبات اور اس کی مختلف حرکات پر قدرت پر نظر کرنے کی تنبیہ ہے کہ باوجود ان کی کثرت اور اختلاف کے ایک ہی نظام پر چل رہا ہے جس میں ذرہ بھر خلل نہیں آتا۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے قمر کے خالق کی یعنی ہلال کا جسے تیسری تاریخ کہا جاتا ہے۔

(۳۳) وَالَّيْلِ اور قسم ہے رات کی۔ ایسے ہی صبح کی یعنی رات کی عزت و احترام کی قسم، اِذْ جب بسکون الذال اور وہ زمانۂ ماضی کی ظرف ہے
اَدْبَرَ پیٹھ پھیرے، بروزن افعل بمعنی الضرف و ذھب پھری اور گئی اس لئے کہ ادبار اقبال کی نقیض ہے

(۳۴) وَالصُّبْحِ قسم ہے صبح کی۔

حل لغات الصبح بمعنی فجر اور (اوّل النہار = دن کا پہلا حصہ) کی جمع اصباح۔ المفردات میں ہے الصبح والصباح بمعنی اول النہار (دن کا پہلا حصہ) وہ وقت جو سورج کے کناروں میں افق سرخ ہو جاتا ہے اِذْ جب زمانۂ مستقبل کے لئے ظرف ہے اور اس پر متفق ہیں کہ اِذْ یہاں پر اس لئے مستقبل کے لئے ہے کہ وہ رات سے تھوڑی سی دیر کے لئے مؤخر ہے۔ اَسْفَرَ اجالا ڈالے، روشن اور منکشف ہو کیونکہ اسفار بمعنی روشن ہونا ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسفر بمعنی پردہ کھولنا اور اعیان سے مخصوص ہے جیسے سفر العمامۃ عن الراس۔ عمامہ سر سے کھل گیا و سفر الخمار عن الوجه (دوپٹہ چہرے سے ہٹ گیا)، الاسفار یہ رنگوں سے مخصوص ہے جیسے والصبح اذا اسفر یعنی صبح کا رنگ اور چہرہ چمکا و اسفروا بالفجر فجر میں داخل ہوئے اس قول سے۔
اسفرت میں صبح میں داخل ہوا اَصْبَحْتُ کی طرح۔

مسئلہ قوت القلوب میں ہے کہ فجر ثانی شفق شمس کا انشقاق (پھٹنا) شفق سے مراد سفیدی کی وہ چمک جو سرخی کے تحت ہوتی ہے اور حمرۃ یہی ثانی شفق ہے وہ غروب شمس کی ضد ہے اس لئے کہ شمس کی اوّل شفق غروب کے بعد عشاءٔ سے پہلے وہ سرخی ہے اس کے بعد سفیدی ہے یہ اوّل اللیل سے پہلے شفق ثانی کہلاتی ہے اور یہی سورج کی شعاع کی سلطنت کی آخری گھڑی ہے کہ اس سفیدی کے بعد مات کی یا ہی اور تاریکی شروع ہو جاتی ہے پھر صبح سے پہلے یہ شفق برعکس ہوتی ہے کہ سورج کے طلوع کی ابتدا شفق اوّل سپیدی سے ہوتی ہے اس کے بعد سرخی اب اسی کا نام شفق ثانی ہے یہ وقت رات کی سلطنت کی آخری گھڑی ہے اس کے بعد ہی سورج کا قرص (ٹکیہ) طلوع کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ الفجر فلک اسفل (نچلا) سے شعاع شمس کے پھٹنے کا نام ہے جب ارض دنیا کے چہرہ پر ظاہر ہو گی۔ پہاڑوں دریاؤں اقالیم عالیہ شرفہ کو اس کی چمک ڈھانپ لے گی اور اس کا شعاع وسط دنیا میں عرضاً پھیلے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قسم ہے چاند یعنی اس قلب کی جو منور صافی اور انذار کے قابل اور نصیحت نذیر اور اللہ (تعالیٰ) کی عظمت کو مدنظر رکھ کر اسکے تذکر (پند و نصیحت)
[illegible]

دور کرے اس پر نور روح کی چمک سے اور اس کے طوالع چمک اٹھیں اور اس کی صبح کے طلوع جب اجالا ڈالے تو مکمل طور اس کی ظلمت (تاریکی) زائل اور قلب منور ہو جائے۔

فائدہ اس سے قمر ولیل صبح کے موقعہ ومحل کے ذکر حسن واضح ہوگیا جب اس سے پہلے سقر اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر تھا اس لئے کہ سقر میں طبیعت اور جہنم نفس کی طرف اشارہ تھا۔

تفسیر عالمانہ (۳۵) اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (بے شک دوزخ بہت بڑی چیزوں کی ایک ہے) جواب قسم ہے الکبر کبریٰ کی جمع ہے الف تانیث کی طرح کرکے اس کے ساتھ لاحق کیا گیا تو جیسے فعلۃ کی جمع فعل پر آتی ہے (جیسے رکبہ کی جمع رکبا) ایسے ہی یہاں فعلی کی جمع فعل آتی ہے ورنہ فعلی کی جمع فعل نہیں فعالی آتی ہے جیسے حبلی کی جمع حبالی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ سقر بہت بڑی بلاؤں میں ایک ہے یا بہت بڑی ان مصیبتوں سے جو اکثر ہیں ایک ہی سقر ہے اور یہ سقر عظیم (بڑائی) میں واحد ہے اس کی کوئی نظیر نہیں جیسے تم کہتے ہو وہ احد الرجال (مردوں میں ایک) ہے یہ اس وقت ہے جب نفس سقر کا معنیٰ عجیب وغریب بیان کیا جائے اگر اس کے خزنہ (نگران فرشتے) کے اعتبار سے ہو تو معنیٰ یوں ہوگا کہ وہ سقر جہنموں میں سے ایک ہے اور وہ ڈرانے کے لحاظ سے بڑی ہے ان مجرموں پر (جو آدم علیہ السلام سے قیام قیامت تک جنول النانوں میں سے ہیں) قہر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سے ایک یہ ہے کہ اتنا کثیر التعداد مخلوق پر صرف چند گنتی کے فرشتے عذاب پر مامور ہیں اگر یہ سقر اس اعتبار سے عجیب وغریب ہے کہ وہ آیات الٰہیہ سے ہے تو معنیٰ یوں ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی آیات میں سے ایک ہی ہے (۳۶) نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ (آدمیوں کو ڈرانے کے لحاظ سے) یا احدی الکبر کی اس نسبت سے تمیز ہے جو اس سے اسم سے ہے اس لئے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ سقر ان بڑی ڈراؤنی چیزوں سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عذاب کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے اس معنیٰ پر تمیز پر اس کا منصوب ہونا صحیح ہے جیسے تم کہتے ہو فلانہ۔ احدی النساء عفافا پاکدامنی کے لحاظ سے عورتوں میں سے ایک ہے۔

حل لغات النذیر نکیر کی طرح مصدر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ (سقر) ڈرانے کے لحاظ سے بڑی چیزوں میں سے ایک ہے اس کی تاویل کی گئی ہے جس پر جملہ دلالت کرتا ہے یعنی اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ کا معنیٰ ہے کہ وہ (سقر) بہت بڑی ڈرانے والی ہے اور تا محذوف ہوئی (اس لئے کہ نذیرا دراصل نذیرۃ تھا) اگرچہ فعیل بمعنی فاعل لیکن تا کو حذف کرنا پڑا تاکہ مذکر مؤنث کے درمیان فرق ہو یہ تا محذوف ہم نے اس لئے تسلیم کی ہے کہ اِنَّهَا میں ضمیر کا مرجع بتاویل العذاب ہے نہ کہ (سقر کی ذات) یا نذیر بمعنی ذات الانذار (انذار والی) اسمیں نسبت کا معنیٰ ہے جیسے کہا جاتا ہے مرأۃ ظاهر یعنی ذات طهارۃ (طہارت والی)۔

(۳۷) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (اس کے لئے ہے جو چاہے تم میں سے آگے بڑھے

یا پیچھے ہٹے)، یہ البشر سے بدل ہے ساتھ اعادہ حرف جارہ کے اور اَنْ یَّتَقَدَّمَ شائکا مفعول ہے اور مِنْکُمْ مَنْ بے حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ یہ سقر اسے ڈرانے والی ہے تم میں سے جو چاہے تو خیر و بھلائی اور جنت وطاعات کی طرف بڑھے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا اگر نہ چاہے اور ان امور بالا سے پیچھے ہٹے یعنی گناہوں کا ارتکاب کرے پھر اسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے گا۔

ردِ معتزلہ اس میں اشارہ ہے کہ مرحومیت ومحرومیت کے حصول میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت زہراکے نور قمر اور طبیعت ظلمانی کی ظلمت لیل اور حقیقت بیضا کی صبح کی قسم یاد فرمائی ہے۔ جب طبیعت کی تاریکی پر جس کا غلبہ ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اس لئے کہ طبائع ان مراتب کلیہ ثلاثہ کا مظہر ہیں پھر وہ یا اہل شریعت ہوتا ہے یا اہل طریقت یا اہل طبیعت اور نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ یعنی مراتب کلیہ ثلاثہ میں ہم نے اس لئے حصر کی ہے تاکہ انسان کو تنبیہ ہو کہ اس سے احتراز کرے کہ وہ کہیں اہل انذار سے نہ ہو جائے یہ اس کے لئے انذار ہے جو مقام شریعت کی طرف بڑھے یا چاہے تو مقام طبیعت کی جانب پیچھے کو ہٹے اور چونکہ مقام حقیقت تمام مراتب میں سے اعلیٰ ہے وہاں صرف نذرآکاملین ہی پہنچ سکتے ہیں اس لئے اس کا ذکر ترک فرمایا۔

فائدہ ممکن ہے اہل الحقیقۃ بھی ان یتقدم میں داخل ہوں اس لئے کہ اہل شریعت واہل حقیقت ہر دونوں آگے بڑھنے والوں میں سے ہیں اگرچہ ان کے تقدم (آگے بڑھنا) میں بہت بڑا تفاوت (فرق) ہے اس لئے کہ ان دونوں کی سیر ومسارعۃ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہل استعداد فضائل وخیرات و کمالات کے عمل سے مقام قلب و روح دسری طرف پہنچتے ہیں اور ان کے غیر خواہشات نفسانی ولذات شہوانی کے عمل سے بدن کی جانب ہٹے تو وہ طبیعت کے گڑھے میں گر پڑے۔

تفسیر عالمانہ (۳۸) کُلُّ نَفْسٍ ہر نفس مکلفین انس وجن کے نفوس میں سے ہر ایک بِمَا کَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ اس سے قیدی ہوگا جو اس نے عمل کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر نفس اپنے اعمال کا قیدی ہوگا بعض تفاسیر میں ہے کہ ہر نفس بسبب اپنے بُرے اعمال کے قیدی ہوگا۔

حل لغات رہن الشیئ معنے ہے یعنی دائماً رہن رہا اور ثابت ہوا وارهنته یعنی میں نے اسے فلاں کے ہاں مقیم وثابت چھوڑا۔ الرہن ہر وہ شے جو تم کسی کے پاس کسی کی حاصل کردہ شے کے بدلے میں چھوڑو۔ المرتہن وہ ہے جو مرہون شے کو لے اور قیامت میں ہر مکلف کا نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں قیدی ہوگا اس کے عوض میں جو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تکالیف اس پر مقرر فرمائیں وہ خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں اگر بندے نے انہیں اسی طرح ادا کیا جیسے اس پر واجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ اسے آزاد فرمادے گا ورنہ وہ اللہ

تعالیٰ کے ہاں ہمیشہ قیدی رہے گا۔

فائدہ بعض نے فرمایا کہ رہینہ رہن کا شتیمہ شتم کی طرح اسم ہے اور تا وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل ہوئی اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ تا مبالغہ کی ہے یا تا نیث صرف لفظ پر ہے الانسان وغیرہ کے معنیٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں اور الرہینۃ صفت نہیں ورنہ کہا جاتا رَھِیْنٌ" اس لئے کہ جہاں فعیل بمعنی مفعول ہو وہاں تا داخل نہیں ہوتی بلکہ اسمیں مذکر و مؤنث برابر ہوتے ہیں ہاں جب اسے بمعنی فاعل محمول ہو تو پھر اس کی مؤنث کے لئے تا لائی جاتی ہے ایسے ہی برعکس۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ رحمۃ اللہ قریب من المحسنین (بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کو قریب ہے) میں ہے۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کل نفس بما کسبت رھینۃ میں رہینۃ بمعنی فاعل ہے یعنی ثابتۃ مقیمۃ بعض نے کہا کہ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی ہر نفس وہاں کھڑا ہوگا اس جزا میں جو اس نے دنیا میں عمل کیا چونکہ رہن سے حبس کا معنیٰ متصور ہوتا ہے اسی لئے اسے محتبس کے لئے استعارہ کیا گیا وہ جو شے بھی ہو۔

(۳۹) اِلَّآ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ (مگر داہنی جانب والے) یہ کل نفس سے استثنا متصل ہے معنیٰ میں کثرت کی وجہ سے اصحاب الیمین وہ مؤمنین مراد ہیں جن کے اعمال صالحہ ہونگے یعنی وہ لوگ اعمال صالحہ کی وجہ سے آزاد ہوں گے جیسے راہن شے کو آزاد کر دیتا ہے جو قرض ادا کر دے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نفس اپنے کسب اعمال سے اللہ تعالیٰ کے ہاں رہن ہوگا اسے کوئی آزادی نہ ہوگی بوجہ ہیآت اعمال و آثار افعال کے غلبہ اور ان کے لزوم کے اسی وجہ سے انہیں چھٹکارا نہ ہوگا سوائے اصحاب الیمین کے یعنی وہ سعادتمند حضرات جو دنیا میں ہیآت جسدانیہ سے مجرد اور مقام فطرت میں خالص رہے اسی لئے ان کی گردنیں رہن سے آزاد ہوں گی۔

تفسیر عالمانہ (۴۰) فِیْ جَنّٰتٍ وہ باغات میں ہوں گے۔ یہ سوال کا جواب ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ اصحاب الیمین کا کیا حال ہوگا تو فرمایا کہ وہ ایسے باغات میں ہونگے جنکی کنہ کو کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی اس کی وسعت بیان کر سکتا ہے جیسے اس کی تنکیر دلالت کرتی ہے مراد یہ ہے کہ ان کا ہر ایک بہشت کے باغات میں ہوگا۔ (۴۱) یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ وہ مجرموں سے پوچھتے ہوں گے۔ تفاعل بمعنی فعل ہے یعنی اصحاب یمین مجرموں سے ان کا حال پوچھیں گے۔ مسئول یہاں محذوف ہے اس لئے وہی سوال مسئول عنہ کا عین ہے اور پھر اس کا مابعد بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ اہل الجنۃ جنت میں سے ہی جھانک کر نیچے دیکھیں گے تو اہل نار کو دیکھیں گے حالانکہ وہ نار میں ہوں گے تو اصحاب الیمین مجرموں سے پوچھیں گے (۴۲) مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ تمہیں دوزخ میں کس

شے نے داخل کیا۔

یہاں قول مقدر ہے اور وہ یتسألون سے حال ہے دراصل عبارت یوں تھی قائلین ای شی الخ درانحالیکہ وہ کہیں گے کہ تمہیں کونسی شے نے دوزخ میں کیا یعنی کونسی شے تمہارے دوزخ کے داخلہ کا سبب بنی۔

حل لغات سلک (سلکت الخیط فی الابرۃ) (میں نے سوئی میں دھاگہ داخل کیا) سے ہے اور وہ سلک سے ہے بمعنی ادخال یہ سلوک سے نہیں بمعنی ذہاب (جانا)۔

سوال وہ ان سے کیوں پوچھیں گے حالانکہ انہیں اس کا علم تو تھا۔

جواب ان پر توبیخ کرنے اور حسرت دلانے کے لئے تاکہ یہ حکایۃ اللہ کتاب میں درج ہو کر سامعین کے لئے نصیحت بنے۔

فائدہ ابوعمرو نے سلکم بادغام الکاف فی الکاف (کاف کو کاف میں ادغام کرکے) پڑھا ہے باقی قرأنے اظہار سے۔

(۴۳) قَالُوْا مجرمین سائلین کو جواباً کہیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ہم نماز نہیں ادا کرتے تھے جبکہ وہ ہم پر فرض تھیں ہم ان کی فرضیت کے عدم اقرار و عدم ادائیگی کی وجہ سے دوزخ میں ہیں۔

فائدہ نَكُ دراصل نکن تھا دوسرے نون کثرت استعمال کی وجہ تخفیفاً حذف کیا گیا۔

(۴۴) وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ اور ہم مسکینوں کو طعام نہیں کھلاتے تھے الاطعام کے معنی استمرار کی نفی ہے۔ استمرالاطعام کی نفی نہیں۔ یہاں بھی اطعام سے وجوب کا انکار مراد ہے ورنہ وہ نماز یا اطعام جو واجب ہی نہیں تو اس کے ترک پر عذاب کیسا۔ اور وہ (کفار) کہا کرتے تھے انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ کیا ہم انہیں کیسے طعام کھلائیں جسے اللہ تعالیٰ نے نہیں کھلایا اسی لئے وہ مساکین پر رحم نہ کرتے کہ انہیں طعام کھلائیں اور نہ ہی اس پر کسی کو ترغیب دلاتے جیسے کہ گذرا۔

مسئلہ اس میں بخل کی مذمت ہے اور یہی آیت دلیل ہے کہ کفار حق مؤاخذہ میں فروع (احکام) کے مخاطب ہیں۔ توضیح (کتاب) میں ہے کہ کفار ایمان کے مخاطب ہیں ایسے ہی عقوبات و معاملات کے۔ اس پر اجماع ہے ہاں عبادات میں بھی باعتبار مؤاخذہ کے آخرت میں بھی بالاتفاق (مخاطب ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ (الآیات)۔

مسئلہ وجوب الاداء میں وہ مخاطب ہیں یا نہ اس میں اختلاف ہے ہمارے عراقی مشائخ کہتے ہیں کہ وہ اس میں مخاطب ہیں اور ہمارے مشائخ ہماری دیار (روم) کے کہتے ہیں مخاطب نہیں۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ حنفی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ یہ جواب میں کہے کہ وہ کسب خیر میں کوتاہی اور محرومی پر اظہار افسوس کریں گے جب دیکھیں گے کہ نمازیوں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے مؤمنوں کو بہت

بڑے درجات وانعامات نصیب ہوں گے (تو کفار افسوس کریں گے)۔

فائدہ یوں کہا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ وہ ایمان سے قبل احکام کے مامور ہوں۔

(۴۵) وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے یعنی ہم باطل باتوں میں شروع ہونے والوں کے ساتھ شروع ہو جاتے تھے۔

فائدہ یہاں باطل سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت و غیبت اور یہ کہنا کہ وہ (نبی علیہ السلام) شاعر و ساحر و کاہن ہے وغیرہ وغیرہ۔

حل لغات الخوض بمعنی الشروع مطلقاً جس شے میں ہو پھر عرف میں شروع فی الباطل والتقبیح اور مالایعنی میں غائب ہوگیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں سب سے بے ہودہ گناہ اس کے ہوں گے جو معصیت الٰہی میں غور و خوض کرتا ہوگا۔

(۴۶) وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یوم الدین سے یوم الجزا مراد ہے۔ یوم کو جزا کی طرف مضاف کیا کیونکہ وہ دن دہشتناکیوں اور ہولناکیوں میں انتہائی دن ہوگا کیونکہ سب سے زیادہ دہشت و ہولناکی یہاں ہوگی اور آج وہ ان چیزوں کو پائیں گے (جن سے انہیں دنیا میں ڈرایا گیا تھا) علاوہ ازیں آج کی دہشت سے پہلے جو انہوں نے دیکھا وہ تو گذر گیا لیکن اس دن میں سخت سزا دینے کے لئے یہ دن ان کے لئے سخت سے سخت تر ہوگا۔

مسئلہ قیامت کی تکذیب و انکار کفر ہے اور دیگر تین امور کا انکار فسق عدم تعمیل فسق ہے اس کے باوجود ترقی من القبیح الی الاقبح (قبیح سے قبیح کی طرف ترقی) کرتے تھے اس میں اس کا بیان بھی ہے کہ ان کی تکذیب مذکور بالا ان کے ساتھ دائماً ان کے مرتے دم تک مقترن رہی جیسا کہ ان کے قول کو یوں بیان کیا گیا۔

(۴۷) حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ یہاں تک کہ ہمیں موت آئی۔ اور اس کے مقدمات حالانکہ وہ امر یقینی ہے اور اس کے آنے میں کسی قسم کا شک نہیں خلاصہ یہ کہ وہ اب اعتراف کریں گے کہ ہم پر موت اور ان کے مقدمات آتے اور اس وقت ہم مر گئے۔

سوال کیا ان کا ہر ایک ان [illegible] امور اربعہ کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا یا کچھ ان کے بعض اور بعض دوسرے سے بعض؟

جواب دونوں امر محتمل ہیں۔ (الکشاف)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ طبیعت کی دوزخ میں انہی رذائل و ذمائم کی وجہ سے داخل ہوئے۔

تفسیر عالمانہ (۴۸) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی انہ انبیا علیہم السلام کی اور نہ ملائکہ کی (کیونکہ کافر کی شفاعت کیسی) اگرچہ وہ سب ملکر اس کے لئے (بفرض محال) سفارش کریں تو بھی ان کا کوئی کام نہ بنے گا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ سفارش تو کریں گے لیکن قبول نہ ہوگی (یہی مطلب ہے ان روایات کا ہے جن میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شفاعت کا انکار فرمایا ہے)۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ گنہگار مؤمن کی شفاعت ہوگی اور اس سے نفع بھی ہوگا ورنہ کافروں کے لئے شفاعت کے نفع کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں۔

رد وہابیہ و خوارج حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کرام و انبیاء عظام علیہم السلام اور شہداء و صالحین (اولیاء کرام) اور جملہ اہل ایمان (نیک لوگ) شفاعت کریں گے دوزخ میں کوئی باقی نہ رہے گا۔ سوائے مذکورہ آیات میں بیان کردہ لوگوں کے اس کے بعد آپ نے یہی آیات یعنی لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ تا بِيَوْمِ الدِّيْنِ تلاوت فرمائی۔

شفاعت کا منظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تین بار شفاعت فرمائیں گے اس کے بعد ملائکہ کرام اس کے بعد انبیاء علیہم السلام اس کے بعد آباء پھر ابناء اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رحمت باقی رہ گئی دوزخ میں کوئی باقی نہ رہے گا سوائے اس کے کہ جس پر میں نے جنت حرام کی۔ اہل نار سے ایک شخص کسی ایک جنتی کو کہے گا کہ اے فلاں تمہیں یاد ہے میں نے پانی کا گھونٹ دیا تھا۔ دوسرا کہے گا میں نے تجھے وضو کا پانی دیا تھا ایک اور کہے گا میں نے تجھے کپڑا پہنایا (ایسے ہی میں نے تجھے سواری پر سوار کیا تھا۔ بس پر بیٹھے تیرے لئے سیٹ چھوڑ دی۔ گاڑی کے ڈبے میں جگہ دیدی وغیرہ وغیرہ)۔ اس کے لئے وہ بندہ شفاعت کر کے اسے بہشت میں داخل کرے گا یہ دخول نار کے بعد ہوگا یا پہلے۔

(۴۹) فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ (تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں) فا سے لغیر سبب کے قرآن سے منہ پھیرنے کے عذاب کو مرتب کرنا ہے ماقبل کے موجبات کی طرف متوجہ ہونے پر کہ اس سے نصیحت حاصل کرتے اسمیں مکذبین کے برے حال کو بیان کرنا ہے مُعْرِضِيْنَ اس جار مجرور سے حال ہے جو ما کی خبر ہے اور عن اسی کے متعلق ہے یعنی جب قرآن کے مکذبین کا یہ حال ہے جو مذکور ہوا پھر انہیں کونسی شے حاصل ہوئی جو

قرآن سے منہ پھیرتے تھے حالانکہ اس کی طرف متوجہ ہونے کے موجبات ان کی قوت کو بڑھانے اور اس پر ایمان لانے کے اسباب کی تائید موجود تھی (کشف الاسرار) میں ہے کہ پھر کونسا سبب انہیں مانع تھا کہ ہر ایسی پند و نصیحت سے منہ پھیرا بعض مشائخ نے فرمایا کہ قرآن سے اعراض کا مطلب ہے اس کا انکار اور اس کی اتباع کا ترک۔ ⑤ کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں۔ یہ بطریق تداخل معرضین کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات حمر حمار (گدھا) کی جمع ہے وہ معروف ہے یہ وحشی بھی ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے مستنفرۃ نفرت الدواب (جانور بھاگے) سے ہے نہ کہ نفر الحاج (حاجی گیا) سے اب معنی یہ ہوا کہ وہ بھڑکے ہوئے گدھوں کی طرح ہیں۔ استنفر بمعنی نفر ہے۔

فائدہ زمخشری نے کہا کہ گویا وہ گدھے ہیں جو بھڑکنا طلب کرتے ہیں اپنے نفوس سے بایں سبب کہ انہوں نے اپنے نفوس کی ہمتوں کو بھڑکنے کے لئے جمع کیا اور اس پر ابھارا اس تقریر پر سین اپنے معنیٰ پر ہے یعنی طلب کے معنیٰ میں باقی ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مستنفرۃ بفتح الفاء والکسرہ ہر دونوں طرح پڑھا گیا ہے اگر بکسر الفاء ہو تو بمعنی نافرہ ہوگا اگر بفتح الفاء ہو تو بمعنی منفرہ (بھڑکائے ہوئے) ہوگا۔

⑤ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (کہ شیر سے بھاگے ہوں) (قسورۃ بمعنی شیر) اس لئے ہے کہ جب وحشی گدھا شیر کو دیکھ لیتا ہے تو خوب تیز دوڑتا ہے۔

حل لغات قسورۃ ہمچون حیدرہ لفظاً و معنیً بروزن فَعْوَلَةٌ از القسر بمعنی القہر والغلبہ اس لئے کہ وہ تمام درندے پر غالب و قاہر ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قسورۃ زبان حبشہ میں اسد (شیر) کو کہا جاتا ہے بعض نے کہا کہ وہ تیر مارنے والی جماعت جو شیر کا شکار کریں۔

فائدہ الکاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بھاگے شیر یا شکاری یا دام کی رسی یا تیر اندازوں یا مختلف آوازوں سے۔

فائدہ انہیں قرآن اور اس کے مواعظ سے روگردانی اور اس سے بدکنے میں ان گدھوں سے تشبیہ دی ہے جو ڈراؤنی چیز سے بھاگنے میں جدوجہد کرے جیسے جنگلی گدھے ڈر کر بھاگتے ہیں یہ بھی قرآن کے سننے سے بھاگتے ہیں اس لئے کہ سننے والے کان اور نصیحت پذیر دل نہیں رکھتے اس کی طرف مثنوی شریف میں اشارہ فرمایا ہے

① از کجا ایں قوم و پیغام از کجا
از جمادی جان کجا باشد زجا

② فہمہائے کج مج کوتہ نظر
صد خیال بد در آرد در نگر

راز جز با رازدان انباز نیست

راز اندر گوش منکر راز نیست

ترجمہ ① کہاں یہ قوم پیغام ربانی کہاں ایسے ڈھیلے جیسے روح سے امید کیسی۔
② ٹیڑھے فہم اور کوتاہ نظر والے سو بُرے خیال لاتا ہے نگاہ ہیں۔
③ راز ہیں سوائے رازداں کے کوئی شریک نہیں۔ بُرے کان میں راز کوئی راز نہیں۔

فائدہ اسمیں ان کی مذمت اور ان کے حال کی شناعت ہے جو کسی سے مخفی نہیں یعنی انہیں گدھوں سے تشبیہ دینا ان کی بے عقلی کی شہادت ہے اور دنیا میں وحشی گدھوں کا بھڑک نا ضرب المثل ہے جیسے وہ دشمن سے بھاگتا ہے کہ اس کا مثال لانا مشکل ہے جب وہ خوفزدہ ہوکر بھاگتا ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کی سخت سے سخت اہانت کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے گدھا سے تشبیہ دیتے ہیں۔

حکایت ایک عالم دین جامع مسجد میں بڑے مجمع میں تقریر (وعظ) کر رہے تھے ایک بے وقوف نے (جس کا گدھا گم ہوگیا تھا) مولانا صاحب سے کہا کہ اس جماعت میں اعلان فرمادیں کہ کسی نے میرا گدھا دیکھا ہو تو مجھے خبر دے۔ مولانا صاحب نے فرمایا بیٹھ جایئے میں تمہیں اس کا پتہ دوں گا جسے تیرے گدھا کا علم ہوگا اچانک مجلس وعظ سے ایک شخص اُٹھ کر جانے لگا مولانا صاحب نے فرمایا اسے پکڑ لے یہی تیرا گدھا ہے۔

فائدہ شاید مولانا صاحب نے اس شخص کی مثال اس آیت سے قائم فرمائی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کلام جلیل سے روگردانی کی۔

(۵۲) بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے صحیفے اس کے ہاتھ میں دیئے جائیں) اس کا عطف مقدر پر ہے جو اس مقام کا تقاضا ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس تذکرہ پر اکتفا نہیں کرتے اور نہ ہی عناد و مکابرہ سے اس سے راضی ہیں بلکہ اُن کا ہر ایک چاہتا ہے کہ ان کے لئے کھلے ، پڑھے جانے کے لائق کاغذات ہاتھ میں دیئے جائیں۔

شانِ نزول ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ اور ان کے ساتھیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم ہرگز آپ کا اتباع نہ کریں گے کہ جب تک ہم میں ہر ایک کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ایک ایک کے نام بنام علیحدہ کتاب آئے جس میں لکھا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے فلاں بن فلاں کے نام ہم اسمیں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف میرے رسول بن کر آئے ہیں جیسے انہوں نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حتی تنزل علینا کتابا نقرأہ ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے (معراج) کی تصدیق نہیں کرتے جبتک کہ تم ہم پر کتاب نہ اتارو جسے ہم پڑھیں۔

حل لغات امرأ کے متعلق القاموس میں ہے کہ المرء امیم کی تینوں حرکات بمعنی انسان یا رجل اس کی اپنے لفظ سے جمع نہیں آتی اور الف وصل کے ساتھ بھی تینوں حرکتیں جائز ہیں لیکن رأ ہمیشہ مفتوح رہے گی اور یہ اسم ہمیشہ معرب رہے گا اور لفظ اِن اپنے جملہ سے ملکر یرید کا مفعول ہے اور صُحُفًا یُؤْتٰی کا مفعول ثانی ہے اس کا مفعول اول لفظ کل کا ضمیر ہے اور منشرۃ صحف کی صفت ہے بمعنی الکتاب۔

فائدہ تاج المصادر میں فرمایا کہ منشّرۃ کو شد دلایا گیا اس کی کثرت کی طرف اشارہ ہے یعنی بہت بہت سی کتابیں کھلی ہوئی۔

(۵۳) كَلَّا ہرگز نہیں۔ انہیں طلب آیات اور غلط ارادے سے روکنا اور زجر و توبیخ ہے کیونکہ ان کی یہ طلب محض سرکشی و عناد پر مبنی تھی نہ کہ ہدایت اور رہبری حاصل کرنے کے لئے۔

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ (بلکہ انہیں آخرت کا ڈر نہیں) بوجہ دنیا کی محبت میں غرق ہونے کے چونکہ انہیں آخرت کا ڈر نہیں اسی لئے وہ پند و نصیحت سے روگردان ہیں نہ اس لئے کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیفے کیوں نہیں آئے۔ (۵۴) كَلَّا (ہاں ہاں) یہ اُن کی قرآنی پند و نصیحت سے روگردانی پر زجر و توبیخ اور روکنا ہے۔ اِنَّهٗ (بے شک وہ) یہ ضمیر تذکرہ کے ذکر کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ تذکرہ بمعنی ذکر یا قرآن ہے جیسے الموعظۃ بمعنی الوعظ اور النصیحۃ بمعنی الصوت ہے۔ تَذْكِرَةٌ نصیحت ہے اس کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی وہ تذکرہ بلیغ ادر کافی ہے۔

فائدہ برہان القرآن میں ہے یعنی حق کی تذکیر اس کی طرف عدول فاصلہ کے لئے ہے۔

(۵۵) فَمَنْ شَآءَ تو جو چاہے قبر میں داخل ہونے سے پہلے نصیحت حاصل کرنا۔ ذَكَرَهٗ اس سے نصیحت لے اسے اپنا نصب العین بنائے اور اس کے سبب سے سعادۃ دارین جمع کرلے کیونکہ وہ اس سے ہی ممکن ہے۔ (۵۶) وَمَا يَذْكُرُوْنَ اور کیا وہ نصیحت مانیں۔ محض اپنی مشیت پر نصیحت حاصل کرنا جیسا کہ فمن شاء کے ظاہر قول سے مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ بندے کی مشیت وارادۃ سے اس کے افعال میں کوئی تاثیر نہیں۔

فائدہ جمع کی ضمیر یا تو کافروں کی طرف راجع ہے کیونکہ گفتگو انہی کی ہو رہی ہے یا جو بھی اس کے عموم المعنیٰ کو دیکھئے کیونکہ یہ تمام مکلفین کو شامل ہے اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (مگر وہ جو اللہ چاہے) اعم العلل یا اعم الاحوال

سے استثناء مفرغ ہے یعنی وہ کیا نصیحت مانیں علل میں سے کسی علت یا احوال میں سے کسی حال میں مگر بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے یا اس حال میں کہ اللہ (تعالیٰ) کی نصیحت چاہے۔

مسئلہ یہ آیت صریح ہے اسمیں کہ بندے کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہیں نہ کہ بندے کے اپنے ذاتی ارادہ پر۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ فمن شاء الخ میں تخییر باعطاء المکنۃ تحقیق العبودیت کے لئے ہے۔

الا ان یشاء اللہ مگر یہ کہ اللہ چاہے تخییر بامضاء القدرۃ الوہیت کی تحقیق کے لئے ہے۔ ھو وہ اللہ تعالیٰ اھل التقوٰی اہل تقویٰ ہے یعنی لائق ہے کہ اس کے عذاب سے خوف کھایا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اور اس پر ایمان لایا جائے پس تقویٰ مصدر مبنی للمفعول کا ہے۔ واھل المغفرۃ اور مغفرت والا ہے۔ لائق ہے کہ وہ اسے بخشے جو اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔ بعض نے کہا التقویٰ بمعنیٰ التبری ہے یعنی اللہ (تعالیٰ) کے سوا ہر شے بیزاری اس معنی پر ثابت ہوا کہ جو تقویٰ میں آداب التزام کرتا ہے وہی اہل مغفرت ہے۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ سورۃ المدثر (کی تفسیر) ۱۱۱۶ھ کے ذی الحجہ کے اوائل میں ختم ہوئی۔

الحمد للہ فقیر اُویسی غفرلہٗ المدثر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲ ج ۲ ۱۴۰۹ھ شب بدھ ۹ بجے کو فارغ ہوا۔
فصلی اللہ (تعالیٰ) علیٰ حبیبہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ
بہاولپور۔ پاکستان
۱۰ر جنوری ۱۹۸۹ء

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ

اٰيَاتُهَا ٤٠	(٧٥) سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ (٣١)	رُكُوْعَاتُهَا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ ؕ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚۖ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۙ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ؕ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ۙ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ ؕ﴿۳۰﴾

(اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

ترجمہ: روز قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں[1] اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے[2] کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم ہرگز اس کی ہڈیاں جمع نہ فرمائیں گے[3] کیوں نہیں ہم قادر ہیں کہ اس کے پور ٹھیک بنا دیں[4] بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کی نگاہ کے سامنے بدی کرے[5] پوچھتا ہے قیامت کا دن کب[6] ہوگا پھر جس دن آنکھ چوندھیائے گی[7] اور چاند گہے گا[8] اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں[9] گے اس دن آدمی کہے گا کدھر بھاگ کر جاؤں[10] ہرگز نہیں کوئی پناہ نہیں[11] اس دن تیرے رب ہی کی طرف جاکر ٹھہرنا ہے[12] اس دن آدمی کو اس کا سب اگلا پچھلا جتا دیا[13] جائے گا بلکہ آدمی خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے[14] اور اگر اس کے پاس جتنے بہانے ہوں[15] سب لا ڈالے جب بھی نہ سنا جائے گا تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ[16] اپنی زبان کو حرکت نہ دو، بے شک اس کا محفوظ[17] کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ تو جب ہم اسے پڑھ چکیں[18] اس وقت اس پڑھے ہوئے کی[19] اتباع کرو پھر بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا[20] ہمارے ذمہ ہے۔ کوئی نہیں بلکہ اے کافرو تم پاؤں[21] تلے کی دوست رکھتے ہو اور آخرت چھوڑ بیٹھے ہو کچھ منہ اس دن تروتازہ[22] ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے اور کچھ منہ اس دن[24] بگڑے ہوئے ہوں گے سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ[25] وہ کی جائے گی جو کمر کو توڑ دے ہاں ہاں جب جان گلے کو پہنچ جائے گی[26] اور کہیں گے کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرے[27] اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ جدائی کی گھڑی[28] ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی اس دن تیرے رب ہی کی طرف ہانکنا ہے[30]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا۔

تفسیر عالمانہ

① لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ روز قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں۔ لا تاکید قسم کا صلہ ہے۔

قاعدہ جو اپنے مدخول کی تاکید کے لئے ہو وہ نفی پر دلالت نہیں کرتا اگرچہ اس کا اصل نفی ہے شاعر نے کہا ہے

تذکرت لیلی فاعترتنی صبابۃ
وکاد ضمیر القلب لا یتقطع (بمعنی یقطع)

ترجمہ مجھے عشق کی وجہ سے جو رات عارض ہوئی یاد ہے وہ تھی دل کے گوشے کاٹتی تھی۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ میں قسم یاد کرتا ہوں قیامت کی بالا نافیہ ہے لیکن نفی نفس اقسام (یاد کرنے کے لئے) نہیں بلکہ اس نفی کے لئے جو مقسم بہ کے اعظام و تفخیم کی خبر دیتا ہے گویا معنیٰ یہ ہے کہ میں ایسے قسم نہیں یاد فرماتا نہ ہی قسم یاد کرکے اس کی عظمت ظاہر کر رہا ہوں کیونکہ وہ تو کہلاتی ہے کہ اس شان سے بھی اور زیادہ ہو یا کلام معمود کی نفی ہے جو قسم سے پہلے ہے اس سے انکار کرنا مطلوب ہے (مثلاً) گویا انہوں نے مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار

کیا تو انہیں (کافروں) کو کہا گیا لآ یعنی امر ایسے نہیں پھر کہا گیا اُقسِمُ الخ (قسم یاد فرماتا ہوں روز قیامت کی) جیسے تم کہتے ہو لا واللہ ان البعث حق جو بھی ہو قسم یاد کرنے کی نفی اس لئے کہ وہ ایسا امر واضح ہے کہ قسم یاد کرنے کی ضرورت نہیں اس تقریر کو مقسم بہ کی تعیین قبول نہیں کرتی اور نہ ہی اس کی قسم کے شان کی عظمت کا تقاضا ہے جو قائل مذکور نے کہا۔

لطیفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں قیامت قیامت۔ ہر بندے کی موت ہی اس کے لئے قیامت ہے۔

حکایت حضرت علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کسی کی نماز جنازہ میں شریک حاضر ہوئے جب اسے دفنایا گیا تو آپ نے فرمایا اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی۔ کسی شاعر نے کہا ؎

خرجت من الدنیا وقامت قیامتی

غداۃ اقل لکاملون جنازتی

ترجمہ: میں دنیا سے رخصت ہوا میرے لئے قیامت قائم ہو گئی اسی صبح کو جب اٹھانے والوں نے میرا جنازہ اٹھایا۔

② وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (اور اس جان کی قسم جو خود کو ملامت کرے)۔ عین المعانی میں ہے کہ جس شے کی قسم ہو اس کی اور جو اس میں ہے اس کی عظمت شان کا اظہار ہے اس کی لطف صنعت اور عظمت نعمت سے اور قسم کے تکرار میں تنبیہ ہے کہ ہر دونوں مقسم بہ مقصود اور مستقل بالقسم ہیں اس لئے کہ انہیں ایک ، قسم کی فضیلت ہے (جو اللہ تعالیٰ سے عطا ہوئی)۔

حل لغات اللوم انسان کا اس نسبت سے علیحدہ ہونا جس میں ملامت ہو۔

نفس لوامہ کیا ہے نفس لوامہ امارہ و مطمئنہ کے درمیان واقع ہے ایک کی دو جہتیں ہیں۔

① ایک جہت نفس امارہ کے متصل ہے وہ جہۃ الاسلام جب اس جہت امارہ کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اسے ترک متابعۃ اور اقدام مخالفت پر ملامت کرتا ہے اور وہ اسے اس پر بھی ملامت کرتا ہے جو اس سے ایام ماضی میں اعمال و طاعت نہ ہو سکے اور وہ اسے حیوانیہ ظلمانیہ چراگاہوں میں چرنے (میلان) سے روکتا ہے۔

② دوسری جہت نفس مطمئنہ کے متصل ہے یہ جہت الایمان ہے جب وہ اس جہت سے مطمئنہ کی طرف دیکھتا ہے تو اس کی نورانیت سے منور اور اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے تو بھی وہ اسے ملامت کرتا ہے ان تقصیرات سے جو اس سے سرزد ہوئیں اور ان عذرات پر جو اس سے صادر ہوئیں وہ ہمیشہ اس پر اسے ملامت کرتا رہتا ہے اور اس ملامت پر قائم رہتا ہے

یہاں تک کہ اسے مقام اطمینان نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اس مستحق ہے کہ اس کی قسم یاد فرمائی جائے اس پر کہ بعث و نشر حشر حق ہے۔

قیامت و نفس لوامہ میں مناسبت حضرت کاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت اور نفس لوامہ دونوں کو قسم میں جمع کرنے کی ایک وجہ تو ان کی تعظیم (عظمت شان) ہے دوسرا ان دونوں کو آپس میں گہری مناسبت ہے وہ اس طرح کہ نفس لوامہ قیامت کے وقوع کی تصدیق اور اقرار کرتا اور اس کے لئے اسباب تیار کرتا ہے اور اس کے اسباب یعنی خیرات (نیکیوں) کی کوتاہی اور سستی پر ملامت کرتا ہے اور نفس کا زیادۃ فی الخیر و اعمال البر میں تحسین کرتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس کی جزا نصیب ہوگی اور کوتاہی پر ملامت کرتا ہے کہ اس طرح سے تو بلند مراتب سے گر جائے گا فلہذا غفلت و نسیان کو دور کر دے وغیرہ وغیرہ (اسے یاد کر لے اور فضول باتوں کو چھوڑ) قسم کا جواب محذوف ہے جس پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ (کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے)۔ وہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد اسے اٹھایا جائے گا الانسان سے جنسی آدمی مراد ہے۔ کل کی طرف اسناد لیکن اس سے بعض مراد ہوں یہ استعمال بکثرت ہے ہمزہ واقع کے انکار اور استقباح (قبیح سمجھنا) کے لئے ہے اور مخففہ از ثقیلہ ہے اور ضمیر شان کی ہے اس کا اسم محذوف ہے۔

حل لغات عظام عظم کی جمع ہے حیوان کلی وہ شے جس پر گوشت ہو یعنی ہڈی یہ عظیم کی جمع بھی ہے جیسے کریم کی کرام اور کبیر کی کبار اسی سے الموالی العظام (عظیم کی جمع)۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ انسان جو بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کے منکر ہیں انہیں گمان ہے یہ شان (بات) کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے یا ان کا گمان باطل ہے ہم ان کے بوسیدہ ہونے اور متفرق ہونے اور چورہ چورہ ہونے اور مٹی میں مل جانے اور انہیں ہوا سے اڑا کرلے جانے اور زمین کے کناروں میں ذرہ ذرہ پھیل جانے اور دریاؤں میں بکھر جانے کے بعد ان اعمال کی جزا و سزا کے لئے ضرور جمع کریں گے جو انہوں نے دنیا میں کئے۔

شان نزول بعض نے کہا کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے داماد عدی بن ربیعہ (یہی وہ دونوں ہیں جن کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اکْفِنِیْ جَارَیِ السُّوْءِ اے میرے اللہ دو مجھے ہمسایوں سے کفایت فرما) کے حق میں نازل ہوئی جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ قیامت کا کوئی حال تو سناؤ کہ کب ہوگی اور اس کا معاملہ کیسا ہے آپ نے اس کی خبر سنائی تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اگر میں قیامت کا دن دیکھ بھی لوں جب بھی نہ مانوں اور آپ پر ایمان نہ لاؤں کیا اللہ تعالیٰ بکھری ہوئی ہڈیاں جمع کر دے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کیا اس کافر کا یہ گمان ہے کہ ہڈیاں بکھرنے اور گلنے

اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد نہیں اُٹھنا (یہ اس کا گمان غلط ہے) اس معنیٰ پر یہ کلام منکر کے منہ سے نکلی ہوئی ہوگی من یحیی العظام وھی رمیم ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں گی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ العظام کہہ کر اس نے اپنی ذات مراد لی کیونکہ ہڈیاں ہی تو انسان کا ڈھانچہ ہیں اس کی صورت انہی ہڈیوں کے استوا پر موقوف ہے یہ ان کا رد دال ہے کہ وہ شک و شبہ سے کہتا تھا اور اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں بہرحال اللہ تعالیٰ ہر مردے کو زندہ کرے گا اس میں کسی عاقل متفکر مستدل (دلیل پکڑنے والا) کو انکار نہیں۔

④ بَلٰی (کیوں نہیں) نفی کے بعد مذکور کے لئے ایجاب ہے یعنی جمع کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہاں ہم جمع کریں گے دراں حالیکہ قٰدِرِیْنَ ہم قادر ہیں۔ یہ ضمیر متکن ہے جو نجمع میں ہے سے حال مؤکدہ ہے اور نجمع بلیٰ کے بعد مقدر ہے عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ اس پر کہ ہم اس کے پور ٹھیک بنا دیں اور پہلے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیں باوجودیکہ وہ چھوٹے اور باریک ہیں جب ہم ان کو جوڑ سکتے ہیں تو پھر بڑی ہڈیوں کا کام کونسا مشکل ہے۔

حل لغات سلامیات سلامیٰ کی جمع ہے حباری کی طرح بمعنی وہ چھوٹی اور باریک ہڈیاں جو ہاتھ اور پاؤں میں ہیں۔

حدیث شریف لوگوں کے ہر جوڑ پر ہر دن جو سورج طلوع کرتا ہے صدقہ ہے یعنی اس کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے جس طرح کا ہو قول سے فعل سے یا مال سے۔

القاموس میں ہے کہ البنان انگلیاں یا ان کے اطراف امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ البنان الاصابع (انگلیاں) بعض نے کہا یہ اس نام سے اس لئے موسوم ہوئیں کہ ان سے انسان کے ان احوال کی اصلاح ہے جن سے وہ اپنے ارادہ کے مطابق قائم رہ سکے۔ بنّ بمعنیٰ یقیم کہا جاتا ہے (بن بالمکان بنّ لذلک) اس لئے ان کا نام لے کر اللہ نے فرمایا بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ اور واضربوا منھم کل بنان (ان کے ہر پور کو مارو) میں ان کی تخصیص اسی لئے ہے کہ انہی کے ذریعے جنگ اور دفاع کیا جا سکتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ان کی انگلیاں یعنی اطراف ٹھیک کریں گے اور اس کا آخری حصہ جس سے وہ مکمل ہوتا ہے کو بھی۔ اس تقریر پر البنان التمر کی طرح مفرد اللفظ اور مجموع المعنیٰ ہے اور اسمیں دو جہتیں ہیں۔

① صغر

② طرف پر ہونا اس کی جس طرف دیکھا جائے بطریق اولیٰ مطلوب ثابت ہوتا ہے اسی لئے اسے خصوصیت سے ذکر فرمایا اور العظام میں بڑے اعمال صالحہ وسیئہ کی طرف اور البنان میں چھوٹی نیکیوں اور برائیوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہماری ہر نیکی و برائی کو جمع کرکے ہمیں جزاؤ سزا دے گا۔

⑤ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کی نگاہ کے سامنے برائی کرے۔

حل لغات الفجر بمعنی شئے کا بہت اور وسیع طور پھٹنا الفجور بمعنی دیانت کا ستر (ڈھانپنا) بعض نے کہا الفجور بمعنی المیل اس معنٰی پر الکاذب المکذب الفاسق فاجر ہیں اس لئے کہ وہ حق سے مائل ہیں اسی سے اعرابی کا قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے اغفر لہ اللّٰھم ان کان فجرای کذب اے اللہ تعالیٰ بخش دے اسے اگر اس نے جھوٹ بولا۔ اور لام تاکید کی ہے جیسے الفیح لکم میں کہ دراصل النصحکم ہونا تھا (ان یفجر) یرید کا مفعول ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کا مفعول محذوف ہے اس پر لیفجر امامہٗ دلالت کرتا ہے مطلب یہ کہ آدمی شہوات و معاصی کا ارادہ کرتا ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں یرید بمنزلہ فعل لازم کے ہے اس کا مفعول مقدر ہے لام استغراق سے بوجہ مقام کے تقاضا کے ہے یہاں انسان کے حال کی قباحت کا اظہار ہے یعنی آدمی اپنے جمیع ارادے اسمیں واقع کرتا ہے کہ وہ بُرائی کرے۔

فائدہ ابوحیان نے بل کو کلام اول سے اعراض کا بنایا ہے یعنی بجمعہا قادرین سے بغیر ابطال مضمون کے اور شروع ہونے اس بیان کے جس پر انسان ہے یعنی فجور کے انہماک میں بغیر عطف ڈالنے کے دوسروں نے اسے عطف کا بنایا ہے اس کا عطف اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ الخ پر ڈالا ہے یا تو اس لئے کہ وہ استفہام سے جیسے اضرب عن التوبیخ بذلک الی التوبیخ بہذا اس وجہ سے اس توبیخ سے منہ پھیرتا ہوں اسی دوسری وجہ سے دوسری توبیخ کی طرف یا یہ ایجاب ہے کہ استفہام سے اس طرف منتقل ہوا ہے یہی بلیغ تر اور اولیٰ ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ بلکہ انسان کا ارادہ ہے کہ وہ ماضی اور مستقبل کے تمام اوقات میں معصیت پر مداومت کرے اس سے کسی بھی وقت نہ ہٹے اس تقریر امام یہاں ہر مکان سے زمان کے لئے مستعار ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی زندگی بھر گناہ میں گذارنا چاہتا ہے۔ بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے گناہ کر لوں کل توبہ کر لوں گا لیکن توبہ نہیں کرتا اسی طرح زندگی بھر گناہوں میں مبتلا رہتا ہے توبہ کا قلبی وعدہ پورا نہیں کرتا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی چاہتا ہے کہ آنے والے بعث وحساب کی تکذیب کرے۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ محجوب کا ارادہ ہے کہ وہ اپنی نگاہ کے سامنے برائی کرے بحسب الاعتقاد والنیۃ کے قبل اس کے کہ وہ معصیت عمل میں لائے لیکن مواخذہ ہوگا۔ عزم (پختہ ارادہ) پر جیسا کہ اپنے مقام پر اس کا بیان گذرا ہے۔

⑥ يَسْئَلُ پوچھتا ہے، یہ سوال استبعادًا و استہزاءً ہے اَيَّانَ (کب ہے) یہ دراصل ای آن تھا۔

خبر مقدم ہے یَوْمُ الْقِيٰمَةِ (قیامت کا دن) مبتدأ موخر ہے یعنی یہ دائم کب ہے جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا کہ جب وہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو کیا کرتا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ استہزا کرتا ہوا کہتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے یا حال ہے الانسان سے جو بل یرید الانسان میں ہے یعنی اسے بعث کا انکار اشتباہ الامر اور صحۃ البعث پر دلیل قائم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا ازالہ ہے کہ وہ ہمیشہ گناہوں میں زندگی بسر کرے اس حال میں ہے کہ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کب ہے۔

فائدہ یہ انکار دلیل ہے اس کی کہ انسان طبعی طور شہوات کی طرف مائل ہے لیکن قیامت کی خبر اور مرنے کے بعد اٹھنے کی منغص کرتا ہے اسی لئے اس کا اظہار کرتا ہے اور اس کے اقرار سے کتراتا ہے۔

فائدہ ایحسب الانسان دلیل ہے ایسے انسان کے شبہ وجہل کی اور بل یرید الانسان اس کی شہوت و تجاہل کی دلیل ہے گویا دونوں آیتیں دو شخصوں کی فطرت کا حال بیان کرتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ محجوب انسان اپنے نفس ظلمانی کے حجاب کی وجہ سے سوال کرتا ہے کہ قیامت کب ہے ہر لحظہ وہر گھڑی انفائی وآفاقی تجلیات کے آگے پیچھے آنے کی وجہ سے اسے قیامت کا مشاہدہ نہیں ہوتا یعنی آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اسے اس کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا جیسے اللہ نے فرمایا بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ من خلق جدید۔ بلکہ

تفسیر عالمانہ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦ (پھر جس دن آنکھ چندھلائے گی) حیران و مضطرب اور ادھر ادھر پھرے گی قیامت کی ہولناکیوں سے گھبرا کر۔

حل لغات برق امر الرجل بمعنی بجلی کی طرف دیکھ کر دہشت میں آگیا پھر ہر حیرت میں مستعمل ہونے لگا اگرچہ بوقت بجلی کی طرف دیکھتا نہ بھی ہو۔ بروق السحاب والمعاتہ بادل کی چمکیں اور روشنائیاں کا واحد ہے۔

⑧ وَخَسَفَ الْقَمَرُ (اور چاند بے نور ہوگا) اس کی روشنی چلی جائے گی۔

حل لغات خسف لازم و متعدی ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے کہا جاتا ہے خسف القمر چاند بے نور ہوگا خَسَفَهُ اللّٰهُ اسے اللہ تعالیٰ نے بے نور کیا یا اسے مٹا دیا خسف المکان سے ہے بمعنی زمین میں دھنس گیا لیکن یہ معنی آنے والی آیت کے مناسب نہیں بعض نے کہا خسف بمعنی نقصان ہے اس کا استعمال وصف و ذات ہر دونوں میں ہوتا ہے۔

چاند کے پجاری اس میں چاند کے پجاریوں کا رد ہے کیونکہ اگر چاند معبود ہوتا تو خود کو بے نوری سے بچالیتا اور نہ ہی اس سے نور چھینا جاتا۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ الخسوف والکسوف ایک شے ہے یعنی سورج و چاند کے کسی ایک سے کل یا البعض کا نور چلا جانا۔

مسئلہ صلاۃ الکسوف سنت مؤکدہ ہے جب سورج یا چاند گرہن ہو تو لوگ نماز کے لئے جمع ہوں سورج گرہن ہو تو دو رکعت نفل پڑھیں امام الجمعہ ہی پڑھائے اس میں طویل قرأت کرے لیکن جہر نہ کرے اور نہ ہی خطبہ پڑھے۔ لیکن چاند گرہن کے لئے نفل کے لئے کوئی اجتماع نہیں ہر ایک اپنے گھر یا جہاں چاہے دوگانہ پڑھے عام نوافل کی طرح۔

⑨ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اور سورج و چاند ملا دیئے جائیں گے روشنی چلے جانے میں۔ یا طلوع از مغرب میں ناریں ڈالنے میں تاکہ بچاریوں کو عبرت ہو اور تکرار القمر جائز ہے کیونکہ جواب خبر دیتی ہے وہ پہلے نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خسف القمر یعنی آنکھ حیران ہوگی اور دہشت کے طور موت کی گھبراہٹ سے ثانی جائے گی اور قلب کا چاند نور عقل سے تاریک ہو جانے گا اور شمس روح و قمر قلب جمع ہو جائیں گے یا بطور دونوں کو مغرب بدن سے اکٹھے طلوع کریں گے اب ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جیسے زندگی میں تھا بلکہ اب وہ روح بن کر متحد ہو جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ ⑩ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ (منکر قیامت انسان کہے گا) یہ يَوْمَئِذٍ کا عامل ہے یعنی اس روز جب یہ امور واقع ہوں گے تو ناامید انسان کہے گا کیونکہ اس وقت بھاگنے کے علامات ممکنہ کہیں سے نظر نہیں آئیں گے جیسے زید کا متلاشی اس کے نہ ملنے کے امکانات ختم ہونے پر کہتا ہے این زید یہ اس وقت کہتا ہے جب زید کے ملنے کی علامات ختم ہوں اَيْنَ الْمَفَرُّ کدھر بھاگ کر جاؤں۔ مفر معنی فرار ہے۔ حضرت سدری المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اپنے حقیقی معنیٰ میں لینے سے کوئی مانع نہیں۔ یہ کلام اس کے تحیر سے ہوگا۔ كَلَّا ہرگز نہیں یہ بھاگنے کی طلب و تمنا سے روکنا اور زجر و توبیخ ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مناسب ہے کہ مایوس کے لئے یہ قول نہ ہو کیونکہ اس وقت اسے کوئی طلب نہ ہوگی۔ ہاں (كَلَّا) اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور جائز ہے کہ یہ مایوس انسان کے اپنے لئے ہو اور پھر وہ اپنے قول کو لوٹے گا کہ ⑪ لَا وَزَرَ کوئی پناہ نہیں۔ کافروں کو کوئی جائے پناہ نہیں یہ الجبل (پہاڑ) سے مستعار ہے اس لئے کہ اَلْوَزَرُ (محرکۃ) بمعنیٰ مضبوط پہاڑ پھر ہر اس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس سے پناہ لی جائے اور اس میں جا کر محفوظ ہو جائے اسی پہاڑ سے تشبیہ دے کر مطلق جائے پناہ کو وَزَر کہا جاتا ہے لَا کی خبر محذوف ہے دراصل لا ملجا ثمہ تھا وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔

فائدہ بلاغات الزمخشری سے ہے (تل على من وزر كلا لا وزر جس نے گناہ کیا اسے پڑھ کر سناؤ۔

لَا وَزَرَ یعنی اس کے سامنے یہی آیت پڑھو۔ پہلے وَزَرَ بمعنی گناہ ہے اس لئے الوزر بالکسر بمعنی الاثم ہے
کسی شاعر نے کہا ؎ لعمرک ما فی الفتٰی من وزر

من الموت ید رکہ والکبر

ترجمہ: تیری بقا کی قسم نوجوان کی کوئی موت اور بڑھاپے سے جا پناہ نہیں۔ یعنی موت اور بڑھاپے سے
کوئی نہیں بھاگ سکتا کیونکہ یہ امر الہٰی اور قضا کا اٹل فیصلہ ہے قضا مبرم کسی کو نہیں چھوڑے گی۔

(۱۲) اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ اس دن تیرے رب کی طرف جا کر ٹھہرنا ہے یعنی صرف اسی کی طرف
ہی بندوں کو ٹھہرنا ہے وہاں کسی طرف متوجہ نہ ہوں گے سوائے اس طرف کے جہاں اس کا حکم ہوگا یعنی حساب کے
مقام پر یا اس کے حکم کی طرف ان کے معاملات کو ٹھہرنا ہے کیونکہ آج کے دن صرف اسی کا حکم ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے
دوسرے مقام پر فرمایا ان الی ربک الرجعی (بے شک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے) اور فرمایا وان
اِلٰی رَبِّکَ المنتہٰی بے شک تیرے رب کی طرف ہے منتہٰی سب کا، اور فرمایا والیہ ترجعون (اور اس کی طرف
لوٹائے جاؤ گے) یعنی کوئی حاکم و مالک نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کی مشیت کی طرف ہے ٹھہرنے کی جگہ جسے
چاہے بہشت میں داخل کرے جسے چاہے دوزخ میں۔ اس تقریر پر المستقر اسم مکان ہے اور مرفوع بالابتدا
ہے اور اِلٰی رَبِّکَ اس کی خبر ہے یَوْمَئِذٍ اِلٰی ربک کا معمول ہے یہ المستقر کا معمول نہیں اس لئے کہ اگر
وہ مصدر بمعنی الاستقرار ہو تو اس پر اس کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا اگر وہ اسم مکان ہے تو سرے سے وہ عامل
نہیں ایسے ہی اِلٰی ربک یومئذٍ المساق کی تقریر ہے (آگے آرہا ہے) وغیرہ وغیرہ۔

(۱۳) یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ (اس دن آدمی کو جتا دیا جائے گا) ہر ایک کو خبر دیجائیگی نیک ہو یا بد۔ اعمال
وزن اور بارگاہ حق کی پیشی اور محاسبہ کے وقت یہ خبر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے یا فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے حکم
سے خبر دے گا یا اس کا اپنا عملنامہ جب کھل کر اس کے سامنے آجائے گا۔ بِمَا قَدَّمَ (جو اس نے آگے کیا) جیسا
عمل بھی نیکی یا برائی۔ نیکی پر جزا برائی پر سزا دیا جائے گا وَ اَخَّرَ اور جو پیچھے چھوڑا یعنی کوئی عمل نیک یا برا نہ
کیا کہ جس پر اسے جزا یا سزا ہو یا بِمَا قَدَّمَ سے نیکی یا برائی اور وَ اَخَّرَ سے بھی نیکی یا برائی مراد ہے یعنی وہ
عمل اس کے بعد کیا گیا۔ یا بِمَا قَدَّمَ سے وہ مال مراد ہے جو اس نے زندگی میں خود کیا وَ بِمَا اَخَّرَ سے وہ جو اس
نے مال چھوڑا یا وقف کیا یا اس کی وصیت کی یا بما قدَّمَ وَ اَخَّرَ سے مراد اس کے اگلے پچھلے اعمال مراد ہیں۔

فائدہ شیخ الاسلام الانصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ گناہ جو تو نے جرأت کر کے آگے بھیجے اور مال جو تو نے
پیچھے چھوڑا تیرے لئے رب کی حسرت توبہ سے گناہ مٹا دے تاکہ تیرا کوئی گناہ نہ رہے اور مال للہ
خدا میں لٹا تاکہ کچھ بھی تیرے پاس نہ رہے ؎

گر مُرستی ز پیش بہ باشد
کہ بحرف ز پس نگاہ کنی

ترجمہ: مرنے سے پہلے جو کچھ مال خرچ کرے گا تیرے لئے بہتر ہے ورنہ پیچھے رہنے والے مال کو حسرت سے دیکھے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے اس کے درمیان کوئی ترجمان اور حجاب نہ ہوگا جو بندے اور اس کے درمیان حائل ہو بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو وہ عمل دیکھے گا جو اس نے پہلے کئے پھر بائیں جانب دیکھے گا تو وہ عمل پائے گا جو اس نے عمل کئے آگے منہ کرے گا سامنے دوزخ دیکھے گا اسی لئے اے میرے امتیو! دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑا سے۔

(۱۴) بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ" بلکہ انسان خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے اَلْاِنْسَان مبتدا بصیرۃ اس کی خبر ہے علٰی نفسہٖ بصیرۃ کے متعلق ہے اعلی اعمال نفسہ یہاں مقدر ہے (یعنی وہ اپنے اعمال پر خود نگاہ رکھتا ہے) موصوف محذوف ہے کہ در اصل بل ھو حجۃ بصیرۃ وبینۃ واضحۃ الخ بل وہ خود حجۃ بصیرہ اور بینہ واضح ہے اپنے اعمال کا اور اپنے اعضاء وغیرہ کا شاہد ہے جو اس سے اعمال سیئہ صادر ہوئے۔

سوال تم نے صرف اعمال سیئہ کی قید کیوں لگائی؟

جواب لفظ علٰی سے یہی مفہوم نکلتا ہے اور آنے والا جملہ بھی اس کی وضاحت کرتا ہے اور بصارۃ کو فعل کے اسناد سے موصوف کرنا مجاز ہے جیسے آیات کو ابصار سے موصوف کیا جاتا ہے تو وہ بھی مجاز ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا جاءتھم آیاتنا مبصرۃ (جب ان کے ہاں ہماری آیات مبصرہ آئیں) یا بصیرۃ بمعنی ذو بصیرۃ ہے یا تا مبالغہ کی ہے جیسے علامۃ انسابہ میں اس معنی پر بل ترقی کا ہوگا یعنی انسان کو اعمال سے باخبر کیا جائے گا بلکہ وہ اس خبر کے لئے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہوگا کیونکہ وہ اس وقت اپنے احوال کی تفاصیل کا خود عالم اور اپنے نفس کا خود شاہد ہوگا کیونکہ اس کے جوارح و اعضاء خود بول پڑیں گے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ انسان خود حجۃ شاہدہ ہے جو اپنے علم سے خود شاہد ہے کیونکہ اس کے اعمال کی ہیئت اس کے نفس میں لکھی ہوئی باقی ہوگی بلکہ اس کی ذات میں راسخ ہوگی اور اس کی صفات اس کے اعضاء کی صورتوں میں ہوں گے اسی لئے اسے خارج سے کسی دوسرے کی خبر کی محتاجی نہ ہوگی ؎

باش تا از صدمۂ صور سرافیلی شوہ

صورت خوبت نہان وسیرت زشت آشکار

ترجمہ: صبر کرتا کہ اسرافیلی صور کے صدمہ سے تیری حسین صورت چھپ جائے گی اور سیرت زشت ظاہر ہو جائے گی۔

تفسیر عالمانہ ⑮ وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (اور اگر اس کے پاس جتنے بہانے ہوں) یہ بصیرۃ کی ضمیر سے حال یا ینبأ سے مرفوع ہے یعنی وہ خود نگاہ رکھنے والا ہے کہ ان کے اعضا اس پر گواہی دیں گے جن کی گواہی قبول ہوگی اگرچہ یہ کتنے بہانے بنائے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اعضا کی گواہی پر عذر داری کرے اور ان سے جھگڑا کرے کہ میں نے یہ فعل کیا ہی نہیں یا کیا تھا تو فلاں وجہ تھی یا یہ عمل میں نے نہیں کیا یا اس کا مانع موجود تھا یا میں فقیر تھا عیالدار تھا یا مجھے فلاں سے خوف تھا یا مجھے اس کی عطا کا طمع تھا وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بے سود بہانے بنائے گا ؎

چہ چندیں عذر انگیزی و چندیں حیلہ ہا سازی
چو میانے کہ میدانم و میدانم کہ میدانی

ترجمہ: کتنا عذر کھڑے کرو کتنا حیلے بناؤ جب میں اس راز کو جانتا ہوں اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ میں جانتا ہوں۔

فائدہ یا یہ معنیٰ ہے کہ اسے اس کے اعمال جتلائے جائیں گے اگرچہ وہ ان کے دفعیہ اور دور ہونے کے کتنے حیلے بنائے وہاں دفع اور دوری کے اظہار کا کوئی رواج نہ ہوگا کیوں کہ اس دن حق نے حقیقت کے ساتھ ظاہر ہونا ہے۔

حل لغات المعاذیر المعذرۃ کی جمع ہے جیسے مناکیر منکر کی بعض نے کہا معذار کی جمع ہے اہل یمن کی لغت میں بمعنی الستر ہے یعنی اگرچہ وہ گناہ پر پردے لٹکائے یعنی دنیا میں گناہ کے ارتکاب پر لوگوں کی نگاہوں سے چھپنا اور پوشیدہ ہونا کوئی کام نہ دے گا کیونکہ اس پر اس کا اپنا نفس خود نگاہ رکھنے والا ہے اور نگران فرشتے بھی شاہد ہیں۔

فائدہ الکشاف میں ہے کہ جیسے ستجب کے دیکھنے سے جیسے وہ خود روکتا ہے ایسے معذرت مذنب کی عقوبت کو روکتی ہے۔

⑯ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ اس کے ساتھ حرکت نہ دو یعنی قرآن کے ساتھ۔ لِسَانَكَ اپنی زبان کو جب جبریل علیہ السلام پڑھنے اور آپ پر القا کرتے رہیں لِتَعْجَلَ بِهٖ (اس کے یاد کرنے کی جلدی میں) اس کے حاصل کرنے کی تاکہ اسے جلدی حاصل کرو اس خوف سے کوئی حرف رہ نہ جائے۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا تمہارے سینہ مبارک میں یہ وعدہ ہے کہ کوئی معنیٰ بھی آپ پر مخفی نہ رہے گا وَقُرْاٰنَهٗ اور اس کا

پڑھنا۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی اس کی قرأۃ کا اثبات آپ کی زبان مبارک سے کہ اسے جب چاہو پڑھو۔

حل لغات القرآن مصدر ہے بمعنی القرأۃ جیسے الغفران بمعنی المغفرۃ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے القرأۃ بمعنی حروف وکلمات کو ایک دوسرے سے ملانا ترتیل ہیں اور یہ ہر جمع کے لئے مستعمل نہیں کہا جاتا۔ قرات القوم جمعتہم ہیں نے انہیں جمع کیا۔ ⑱ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ تو جب ہم پڑھ چکیں۔ یعنی جب قرأۃ قرأۃ کی تکمیل کرلیں بواسطہ جبریل علیہ السلام آپ کی زبان مبارک پر۔

فائدہ نون عظمت یعنی جمع متکلم برائے اللہ تعالیٰ کی طرف فعل (قراءۃ) کا اسناد ایجاب تاخیر یں مبالغہ کے لئے ہے۔

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ تو اس وقت پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ یعنی جبریل علیہ السلام کی فراغت کے بعد بلا تاخیر پڑھنا شروع کر دیجئے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب ہم اسے جمع اور ثابت کرلیں تمہارے سینے میں پھر اس پر عمل کیجئے۔

حضرت ارسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جمع کا تعلق سرّ سے اور قرأۃ کا تعلق علانیہ سے ہے۔

⑲ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان۔ یعنی وہ جو آپ کو اس کے معانی واحکام مشکل محسوس ہوں گے ہم بیان کردیں گے۔ کلام کے مجمل ومبہم کی شرح کا نام بیان اس لے ہے کہ وہ معنیٰ مقصود کشف مکمل طور کھولتا ہے۔

مسئلہ ثُمَّ میں دلیل ہے کہ خطاب کے وقت سے بیان کی تاخیر تو جائز ہے لیکن وقت حاجۃ الی العمل سے تاخیر جائز نہیں کیونکہ پہلی صورت میں تکلیف مالا یطاق ہے (وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز نہیں)۔

فائدہ اہل التفسیر نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب نزول وحی ہوتا تو آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ کے ساتھ پڑھنا شروع فرما دیتے ان کے اتمام کا انتظار نہ فرماتے حفظ میں جلدی کرتے اس خوف سے کہیں کوئی مضمون رہ نہ جائے۔ آپ کو حکم ہوا کہ خاموشی سے سنیں جب تک آپ کے دل میں وحی کا القاء وسمع مکمل نہ ہو آپ جلدیں نہ کریں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیك وحیه آپ قرآن میں جلدیں نہ کریں قبل اس کے کہ آپ پر وحی کا القا پورا نہ ہو جائے پھر آپ اسے پڑھنے جائیے یہاں تک کہ آپ کے دل میں راسخ ہو جائے۔

فلسفہ وہابیہ کا رد بعض عارفین نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ علم کا حصول صحیح ہے یہاں پر گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جبریل علیہ السلام سے قرآن لیجئے ایسے طور کہ گویا آپ نے انہی سے ہی لیا ہے۔

ولاسابق بما عندك منا من غير واسطة برا المحققين يسمون هذه الجهة التى عدم الوسائط الوجه الخاص والفلاسفة ينكرون هذا الوجه ويقولون لاارتباط بين الحق والموجودات الا من جهة الاسباب والوسائط فليس عندهم ان يقول الانسان اخبرنى ربى اى بلا واسطة مخطئون هذا الحكم فانه كان ارتباط كل ممكن بالحق من حيث الممكن من جهتين جهة الواحدة وجهة الكثرة بواسطه وهو الوجه ولما كان نبينا عليه السلام اكمل الخلق تكون احكام كثرته وامكانه مستهلكة بالكلية فى وحدة الحق واحكام وجوبه كان ياخذ عن الله بلا واسطه اى من الوجه الخاص وكان ينصبغ فى قلبه ما يريد الحق ان يخبره فاذا جاءه الكلام من جهة الوسائط اى من الوجه العام لصور الالفاظ والعبارات التى استدعتها احوال المخاطبين كان يبادر اليه بالنطق به لعلمه بمعناه بسبب تلقنيه اياه من حيث اللا واسطة لينفس عن نفسه ما يجد من الكربة والشدة التى يلقاها من التنزل الروحانى فان الطبيعة تنزعج من ذلك للمباينة الثابتة بين المزاج وبين الروح

ترجمہ۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے آپ سے کوئی سبقت کرنے والا نہیں کہ اس نے آپ سے پہلے کسی سے کچھ لیا ہو اور محققین اکا براس عدم وسائط کی جہت کو وجہ خاص سے موسوم کرتے ہیں اور اس وجہ خاص کے فلاسفہ منکر ہیں (ایسے ہی وہابی دیوبندی نجدی بھی) ان کی دلیل یہ ہے کہ موجودات میں اسباب کے بغیر حق کے درمیان میں اور کوئی رابطہ نہیں وہ کہتے ہیں یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی کہے کہ مجھے میرے رب تعالیٰ نے بلا واسطہ ملک خبر دی ہے ان فلاسفہ اور وہابیہ وغیرہ) کی دلیل و دعویٰ غلط ہے کیونکہ ہر ممکن کا رابطہ حق سے دو طرح ہوتا ہے۔ (۱) جہتہ الواحدہ (۲) جہتہ الکثرۃ اور یہ وجہ عوام کے لئے ہے

اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خاص اور تمام مخلوق سے اکمل ہیں۔ اور کثرت کے تمام احکام اور جملہ ممکنات وحدۃ حق میں فنا پانے والی ہے اور حضور علیہ السلام کے جواب کے احکام اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ حاصل ہوتے ہیں بوجہ خاص اور آپ کے قلب اطہر پر اترتا تھا وہ علم جس کی اللہ تعالیٰ خبر دینا چاہتا جب آپ کے ہاں کلام آتا وسائط سے اور جہت عام سے صور الفاظ اور ان عبارات میں جو مخاطبین کے احوال کے داعی ہیں تو آپ ان الفاظ سے گفتگو فرماتے اور انکے معانی کا آپ کو علم بھی ہوتا۔ اس سبب سے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ حاصل تھا تاکہ آپ اس کربت وشدت سے آسانی پاتے جو آپ کے مزاج اقدس

الملکی فظرف الحق نبینا علیہ السلام القرآن وان اخذتہ عنا من حیث معناہ بلا واسطہ فان انزالنا ایاہ مرۃ اخری من جہۃ الوسائط بیضمن فوائد زائدۃ منا مراعاۃ افہام المخاطبین بہ لان الخلق المخاطبین بالقرآن حکم ارتباطہم بالحق انما ھو من جہۃ سلسلۃ الترتیب والوسائط کما ھو الظاہر بالنسبۃ الی اکثرھم فلا یفہمون عن اللہ الامن تلک الجہۃ ومنہا معرفۃ اکتساء تلک المعانی العبارۃ الکاملۃ وتجلی فی مظاہرھا من الحروف فتجمع بین کمالاتہ الباطنۃ والظاہرۃ فیتجلی بہا روحانیتک وجسمانیتک ثم یتعدی الامر منک الی امتک فیاخذ منہم حصۃ منہ علما وعملا (روح البیان ص ۲۴۹ ج ۹)

کو تنزل روحانی کی وجہ سے ہوتی اس لئے کہ آپ کو اس تنزل سے پریشانی لاحق ہوتی اس لئے کہ مزاج اقدس اور روح ملکی کے درمیان مباینت ہے خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کا علم خود عطا فرمایا ہے اور فرمایا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے مجھ سے قرآن من حیث المعنیٰ بلا واسطہ حاصل کیا پھر اگر ہم نے اسے دوبارہ نازل کیا وسائط سے تو اسمیں مزید فوائد ہیں جو مخاطبین کے افہام کی رعایت پر مبنی ہیں اس لئے کہ قرآن کے مخاطبین کے ربط بالحق کے احکام ترتیب وسائط کے سلسلہ سے ہوتا ہے جیسے کہ ان کے اکثر کے لئے ظاہر ہے کیونکہ ان کے اللہ تعالیٰ سے اسی سلسلہ کے بغیر سمجھ نہیں سکتے کہ ان معانی کو عبارت کاملہ کی پوشاک سے سمجھا جاتا ہے اور حروف و کلمات کے مظاہر میں روشن ہو سکتے ہیں اسی لئے آپ میں کمالات باطنہ و ظاہرہ کا اجتماع ہوا اسی وجہ سے آپ کی روحانیت و جسمانیت ہر دونوں متجلی ہوئیں جو متجاوز ہو کر امت میں مؤثر ہوئیں آپ سے امت کا ہر فرد علم و عمل اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔

فائدہ لاتحرک بہ لسانک الخ میں تعلیم وتادیب ہے تعلیم تو یہ ہے کہ اس طرف اشارہ ہے جہۃ الوحدۃ کا باب اکثر لوگوں پر بند ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح سمجھ سکتے ہیں جو ان کے حال کے مناسب ہے یعنی وسائط و کثرت امکانیہ کی جہت سے اور تادیب یہ ہے کہ جب وحی لانے والے جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے وحی لاتے ہیں تو اسمیں جو سبقت کرے گا تو تعجیل سمجھی جائے گی اور ظاہر ہوگا کہ وحی لانے والے کی کوئی ضرورت نہیں الخ یہ یقیناً ادب کے خلاف ہے بالخصوص معلم و مرشد کے سامنے اس سے معلوم ہوا کہ لاتحرک بہ لسانک الخ درمیان میں بطریق استطراد واقع ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعجال طریق اول (وحی) بلا واسطہ کے اعتبار سے ہر نزول وحی کے وقت واقع ہوتا تھا اور چونکہ آپ کو اس سورۃ کے نزول تک روکا نہ گیا تھا اسی لئے

اسی لئے آپ وحی کے ہر نزول کے وقت عجلت کرتے تھے اسی لئے آپ کو روکا گیا لا تحرک الخ یعنی پھر آپکو اسی طرح مامور کیا گیا جیسے لوگوں سے خطاب عام ہوتا ہے[۱] اس کی مثال یہ ہے کہ مدرس و معلم جب شاگرد کو جیسے کوئی مسئلہ سمجھانے شروع ہو لیکن شاگرد ایسے کام میں مشغول ہو جائے جو درس کے لائق نہ ہو تو معلم اسے فرمائے گا کہ اس مشغولی کو چھوڑ اور اس طرف متوجہ ہو جو میں کہہ رہا ہوں جب شاگرد مکمل طور متوجہ ہوگا تو معلم مسئلہ کی تکمیل فرمائے گا۔

ربط آیات فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ مجھے یہاں ایک راز القأ ہوا ہے جو آیات کے ربط میں لطیف وجہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ لا تحرک بہ الخ سے پہلے ہڈیوں اور متفرق عناصر جو ظاہری وجود کے ارکان ہیں کے جمع کرنے کا بیان فرمایا اب جمع القرآن اور اس کے ان اجزأ کے جمع کرنے کا ذکر ہے جو باطن الوجود کے ارکان ہیں اسی لئے ایحسب الانسان الخ کے بعد ان علینا جمعہ الخ اس بیان معنی پر الجمع الظاہر والجمع الباطن کا اجتماع ہوا اس راز کے القأ پر اللہ تعالیٰ کی ہزار حمد۔

تردید روافض از صاحب روح البیان قدس سرہٗ

وقد تحیر طائفۃ من قدماء الروافض (خذلہم اللہ تعالیٰ) حیث لم یجدوا المناسبۃ فزعموا ان ھذا القرآن غیر و بدل و زید فیہ ونقص۔ (روح البیان صفحہ ۲۴۹)

ترجمہ: شیعہ کے قدمأ (اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے) آیت کے درمیان ربط نہ سمجھ سکے گمان کیا کہ یہ قرآن متغیر و متبدل ہے اس میں کمی بیشی کی گئی ہے (معاذاللہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ ہر وہ شیئت کے اطلاق کی استعداد رکھتی ہے اس کا ایک ظاہر ملک ہے اور ایک ملکوت (باطن) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیدہٖ ملکوت کل شیٔ۔

---

[۱] یہ اس قاعدہ کے مطابق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب تک صراحۃً کسی امر سے روکا نہ جاتا آپ اپنے مناسب حال پر عمل فرماتے یہاں بھی ایسے ہوا کہ آپ چونکہ علم لدنی سے قرآن مجید کے پہلے سے عالم تھے اسی لئے آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھ لیتے تھے جسے بظاہر حضور علیہ السلام کے بھول جانے کے خطرہ پر محمول کیا گیا حالانکہ یہ بات نہ تھی جیسے ہم نے تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔

(اُویسی غفرلہٗ)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (قدرت) میں ہے ہر شے کا ملکوت (باطن) اور قرآن اشرف الاشیاء ہے بلکہ سب سے ممکن ترین تو اس کا ملک (ظاہر) بھی ہے اور ملکوت (باطن) بھی۔ اس کا ملک تو احکام و شرائع ظاہرہ ہیں کہ جن سے امت کے مصالح متعلق ہیں جیسے عبادات مالیہ و عبادات بدنیہ اور جنایات و وصایات وغیرہ وغیرہ اور اس کا ملکوت (اسرار الٰہیہ و حقائق لاہوتیہ ہیں جن سے خواص امت اور اس کے اخص الخواص بلکہ خلاصۃ اخص الخواص کے بواطن متعلق ہیں جیسے مکاشفات و مشاہدات سریہ و معانیات روحیہ اور ان ہر دونوں ملک و ملکوت کے مدرکات ہیں جن سے ان کا ادراک کیا جا سکتا ہے ان کے سوا ان کا ادراک مشکل ہے اس لئے کہ وجدانیات و ذوقیات کے لئے فرمان کی عبارات کو گنجائش نہیں کیونکہ وہ منقطع الاشارات ہیں پس لاتحرک الخ میں اس کے لسان ظاہر سے عدم تعبیر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کہ اسرار الباطن و الحقائق تصرف عبارات کو قبول نہیں کرتے ہاں یہ یقین کرنا لازم ہے کہ اس کا جامع مظہر قرآن کے ملک (ظاہر) و ملکوت (باطن) کا جامع ہے وہ ہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ آپ کا ظاہر قرآن کے ملک (ظاہر) کی اتباع کرتا ہے اور آپ کا باطن اس کے ملکوت (باطن) کا ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر لحظہ قرآن مجید کے متبعین سے بنائے (آمین)۔

تفسیر عالمانہ ﴿٢٠﴾ كَلَّا (کوئی نہیں) جس سے کلام کا ابتدا کیا گیا تھا اب اس کی تکمیل کی جا رہی ہے یعنی ایسے نہیں جیسے آدمیوں نے عقبیٰ کے بارے میں گمان کر رکھا ہے بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ (بلکہ تم عجلت والی (دنیا) کو دُرست رکھتے ہو جو جلدی والی ہے (یعنی نقد سودا ہے) ﴿٢١﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ط (اور تم آخرت کو چھوڑتے ہو۔ اس کے لئے عمل نہیں کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم شہوت دنیا کی نعمت کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کی نعمتوں کو چھوڑتے ہو اس معنیٰ پر یہ خطاب امت کو ہے۔

تفسیر عالمانہ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ (کچھ منہ اس دن ترو تازہ ہوں گے)۔

حل لغات النضرہ بمعنی ظاہری جسم اور کا ترو تازہ اور با جمال ہونا اور یہ تنعم (نعمتوں کے حصول) کے اثر سے ہوگا الناضر ترو تازہ اور ہر شے سے نرم یعنی بہت سے چہرے ایسے ہوں گے اور ان سے اہل ایمان مخلصین کے چہرے مراد ہیں اس دن کہ قیامت قائم ہوگی تو ان کے چہرے ترو تازہ۔ چمکدار ہونگے ان پر نعمت کے اثرات کا نظارہ کیا جائے گا اور بارونق چہرے نظر آئیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ان کے چہروں میں نعمتوں کی ترو تازگی محسوس کی جائے گی۔ وجوہ مبتدا ناضرۃ اس کی خبر ہے اور یومئذ ناضرۃ سے منصوب ہے اور یہاں نکرہ کا مبتدا ہونا جائز ہے اس لئے

کہ یہ تفصیل کا مقام ہے۔ (۲۳) اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (اپنے رب کو دیکھتے) ناظرہ مبتدا کی دوسری خبر ہے الیٰ ربہا ناظرہ کے متعلق ہے۔

حل لغات النظر بمعنی شے کے ادراک و رؤیت کے لئے بصر وبصیرت کو پھیرنا وجوہ سے دیکھنے سے آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے ذکر المحل وارادۃ الحال کے قبیل سے ہے یہ اہل قال کے نزدیک ہے اور اہل حال کے نزدیک نظر فی البصر سے منحصر نہیں اسی سے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہوتی ہے اور وہ اس سے منزہ ہے بلکہ اس ذقت باطن ظاہر سے تبدیل ہوگا اور تمام ظاہر بصر بنکہ جمیع اجزا سے دیکھے گا اس طرح سے حق کا مشاہدہ ہوگا جیسے دنیا میں بصیرت سے مشاہدہ (دیدار الٰہی) ہوتا ہے اور آخرت تو ویسے ہی لطافت کا عالم ہے اسی لئے یہاں قالب اور ظاہری جسم کا یہاں کوئی حکم باقی نہ رہے گا بلکہ یہاں قلب و روح کا حکم ہوگا ظاہر یہی ہے کہ آخرت میں اعضا کی صورتیں بھی روح و قلب کی طرح ہوں گی اسے اچھی طرح سمجھ لو (ورنہ وہابی ہوجاؤ گے)۔

فائدہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ

راہ ازکدام جانب است گفت از جانب تونیست

جواز تو گذشتی از ہمہ جانبہا راہست

چوں بصدیقاں بیا کردند وزاں راہ ساختند

جز بدلِ رفتن دراں رہ یک قدم رابار نیست

ترجمہ: (وصال حق کا) راہ کس جانب سے ہے فرمایا تیری جانب سے وہاں کوئی راہ نہیں جب تم توئی سے گذر گئے تو پھر ہر جانب سے راہ ہے جب سے صدیق کھڑے کئے ان سے ہی راہ بنائے دہاں پاؤں سے چلنے کا راہ نہیں دل کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔

فائدہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کچھ منہ اللہ (تعالیٰ) کو عیانا دیکھیں گے اور وہ اس کے جمال کے مطالعہ میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انہیں ماسوائے اللہ تعالیٰ کی بالکل باخبر نہ ہوگی۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بلاکیف اور بلاجہت ہوگا ایسے منہ اس لائق ہیں کہ وہ تروتازہ ہوں کیوں نہ ہو جبکہ وہ اپنے خالق کے دیدار سے سرشار ہوں گے۔

باز کی تربیت مومن کی مثال باز کی ہے کہ باز کو جب پکڑ لیتے ہیں پھر چاہتے ہیں کہ اسے بادشاہ کو ہدیہ پیش کریں تاکہ وہ بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھنے کے لائق ہو تو ایک عرصہ تک اس کی آنکھیں بند رکھتے ہیں اور اس کے پاؤں بیڑیوں میں باندھتے ہیں اور تاریک مکان میں ٹھہراتے ہیں اسے اپنے جوڑے

سے بھی دور اور بھوکا پیاسہ رکھتے ہیں تاکہ ضعیف اور لاغر ہوا اور اپنے وطن کو بھول جائے اور یہاں سے بھاگنے نہ پائے پھر جب اس کی آنکھیں کھولتے ہیں تو اس کے سامنے شمع رکھتے ہیں اور طبلہ کی آواز سنتے اور تھوڑا سا پرندے کا گوشت کھلا کر بادشاہ کے ہاتھ پر بٹھا دیتے ہیں باز اپنے دل میں سوچتا ہے کہ کون جہاں میں میرے جیسا خوش قسمت کون ہوگا کہ شمع میرے آگے اور طبل کی آواز میرے کانوں میں اور کھانے کے لئے پرندے کا گوشت اور میری قرارگاہ بادشاہ کا ہاتھ ہے۔

مومن قبر میں کیوں یہی مومن کا حال ہے جب اسے غلت کی پوشاک پہناتے اور شراب محبت پلاتے ہیں تو اس کے ساتھ بھی باز والا معاملہ کرتے ہیں کہ اسے ایک مدت تک قبر میں مقید رکھتے ہیں گویا ہاتھوں پر بیڑیاں پاؤں پر زنجیر ڈالتے ہیں اور آنکھوں کی بینائی بند کر دیتے ہیں (یہ جسم کے ساتھ ہو رہا ہے کہ وہ کہیں آنے جانے کا نہیں روح کی بات نہیں)۔ ایک عرصہ تک قبر (عالم برزخ) میں گذارتا ہے پھر اسے اچانک قیامت کا طبل (نفخ صور) سنائیں گے اس سے بندہ قبر کی مٹی سے سر اٹھا کر آنکھ کھولے گا تو بہشت کا نور دیکھے گا اس وقت اسے دنیا (پرانا وطن) بھول چکا ہوگا۔ پھر اسے شراب وصال پلاکر جنت کے دسترخوان پر بٹھائیں گے پھر جب آنکھ کھولے گا تو خود کو بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھا ہوا دیکھے گا اور بندہ کامل آنکھ کھولے گا تو خود کو مقعد صدق میں پائے گا ملک کا سلام سنے گا ملک کا دیدار کرے گا طوبیٰ و زلفیٰ وحسنیٰ میں شاداں و فرحاں چل کر بارگاہ حق میں پہنچ کر جلال و جمال حق سے سرشار ہوگا۔ یہی ہے معنیٰ قول وجوہ ناضرة الی ربہا ناظرة۔

فائدہ اور یہ ہر وقت نہ ہوگا کہ کسی دوسری بہت سی اشیاء دیکھنے منافی نہیں اور راولی یہ ہے کہ تقدیم اہتمام اور رعایۃ الفاصلہ کے لئے ہے کیونکہ اسے مقید کرنا بعض احوال کے ساتھ تقیید بلا دلیل اور مقام مدح کے منافی ہے اور مقام مداح عموم الاحوال کا مقتضیٰ ہے اور غیر مناسب ہے۔ وجوہ یومئذ ناظرة۔ یہ احوال میں عموم کے لئے ہے اور اگر مان لیا جائے تو یہ اختصاص ادعائی ہے کہ اس کے سوا دوسروں کے دیکھنا کالعدم ہے کہ اس کی نظر کے بالمقابل وہ کچھ نہیں جیسے کہا جاتا ہے زید الجواد ھکذا زید ہی ہے ایسا سخی ہے (اسمیں دوسروں کی سخاوت کالعدم قرار دی گئی ہے)۔

تفسیر صوفیانہ جو اہل جنت میں تجلی ذاتی ابدی سے فائز ہوگا اس کے لئے اس کے بعد حجاب نہ ہوگا بلکہ کاملین کو اس کے دیدار کے سوا قرار ہی نہ ہوگا اسی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اہل جنت کا ایک گروہ وہ ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کسی وقت مستور و محجوب نہ ہوگا اور آپ خود اپنی دعائیں پڑھتے تھے۔

واسئلك لذة النظر الی وجهك الكريم اے اللہ تجھ سے تیرے وجہ کریم کی نظر کی لذت کا

ابدا دائمًا سرمدا دون ضراء مضرة سوال کرتا ہوں ہمیشہ دائمی سرمدی بغیر ایسے ضرر کے
ولا فتنة مضلة ۔ جو ضرر رساں اور فتنے جو گمراہ کن ہے۔

فائدہ الضراء المضرہ سے تجلی کے بعد حصول حجاب اور وہ تجلی جو حجاب لگنے کو مستلزم ہو اور الفتنۃ المضلہ سے ہر وہ شبہ جو خلل و نقص فی العلم والشہود کا موجب ہو مراد ہے۔

اوتاد کا ورد صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اوتاد کا ورد یہ ہے اللھم انی اسئلك النظرۃ الی وجهك الکریم (اے اللہ تیرے کریم چہرے دیکھنے کا سوال کرتا ہوں۔

فائدہ ہر کس بہشت کی آرزو رکھتا ہے لیکن عاشق کو دیدار الٰہی کے سوا اور کوئی آرزو نہیں اور پیر طریقت نے فرمایا کہ عارف کو بہشت میں تین نصیب ہوں گی

① سماع
② شراب
③ دیدار

سماع کے لئے فرمایا فهم فی روضة یحبرون اور شراب کے لئے فرمایا وسقاهم ربهم شرابًا طهورًا اور دیدار کے لئے فرمایا وجوه یومئذ ناضرة الیٰ ربها ناظرة سماع کان کا اور شراب لب کا دیدار آنکھ کا حصہ ہے۔ سماع واجدان کا شراب عاشقوں کا دیدار مجنون کا حصہ ہے۔ سماع طرب (سرور) بڑھاتا ہے شراب زبان کھولتا ہے دیدار صفت لے جاتا (محویت بخشتا) ہے۔ سماع مطلوب کو کھرا کرتا ہے۔ شراب راز کا ملوہ دکھاتا ہے دیدار عارف کو فرد بناتا ہے۔ سماع کو ہفت اندام چاہئیں لیکن ان کا ساقی کان ہے شراب بہمہ وجوہ نوش اور دیدار ہر موئے تن کو روشن کرتا ہے۔

مسئلہ تمام اہلسنت وجماعت نے اس آیت کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف وتحدید نصیب ہوگا جس نے تاویل کی وہ تاویل حقیقی معنیٰ کو قادح نہیں۔

تاویل المعتزلہ معتزلہ کا علامہ زمخشری کہتا ہے کہ آیت میں توقع و رجا سے کنایہ ہے جس کا مطلب ہے کہ بندے کرامت ونعمت کی توقع اور امید نہ رکھیں گے سوائے اللہ تعالیٰ کے جیسے دنیا میں سوائے اس سے کسی سے ڈرتے نہ امید رکھتے۔

جواب اہلسنت علمائے اہلسنت نے فرمایا کہ کنایہ کی طرف بلاضرورت داعیہ عدول کرنا ہے اور یہاں کوئی ایسی ضرورت نہیں کہ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا ارتکاب کیا جائے بلکہ احادیث صحیحہ ردیت باری تعالیٰ کے حقیقی معنیٰ کا تعین کرتی ہیں۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ چاندی کی دو بہشتیں ہیں اور انمیں جو کچھ ہے اور ان کے برتن بھی چاندی کے ہیں اور سونے کی دو بہشتیں ہیں اور ان میں جو کچھ ہے اور ان کے برتن بھی سونے کے ہیں ان کے بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سوائے کبریائی کے اور کوئی شے حائل نہیں اور وہ ردا اس کے چہرے پر ہے بندے اسی ردا کو دیکھتے ہیں۔

فائدہ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہی ردا ردا والے اور بندوں کے درمیان حجاب ہے فلہذا قیامت میں بھی رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں۔

جواب رِدا والا محجوب نہ ہوگا کیونکہ وجہ (چہرہ) سے اس کی ذات اور رِدا سے مراد وہ عبد کامل المخلوق جو جامع للحقائق الامکانیہ والالہیہ ہے یعنی ردائے کبریا نفس مناہر ہے اور ذات کا مشاہدہ مظہر کے بغیر محال ہے۔

فائدہ رداً وہی خود کبریا ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے الکبریا سے وہ رداً مراد ہے جو عارف باللہ کے عقول کا لباس ہے اور اسے ردا ابہام و تفہیم کے طور کہا گیا ہے ورنہ وہاں درحقیقت کوئی رداً نہیں ہاں رتبہ حجابیہ ہمیشہ باقی رہے گا اور یہ رتبہ حجابیہ مظہر ہے کیونکہ وہ آئینہ کی طرح ہے۔

سوال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا نور انی اراہ وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا یعنی وہ مجرد نور ہے اس کا دیکھنا ناممکن ہے۔

جواب باعتبار تجرد الذات علی الذات عن المظاہر والنسب والاضافات (مظاہر و نسبتوں سے مجرد ذات کا دیکھنا ناممکن و متعذر ہے ہاں مظاہر میں اور حجابیۃ المراتب کے ورأ اس کا ادراک ممکن ہے۔

معتزلہ کی عجیب تفسیر بعض معتزلہ نے ناظرۃ میں نظر سے انتظار مراد لی ہے اور لفظ الیٰ کو اسم مفرد بنا کر معنیٰ نعمت کیا جو رب کی طرف مضاف ہے (اس کی جمع آلأ ہے) اس معنیٰ پر الیٰ (بمعنیٰ نعمت) ناظرہ کا مفعول مقدم اور ناظرہ یعنی منتظر ہے اب عبارت یوں ہوگی یومئذ منتظرۃ نعمۃ ربہا (بعض چہرے اس دن اس کی نعمت کا انتظار کرنے والے ہوں گے)۔

تردید از اہلسنت ① انتظار کا اسناد وجوہ کی طرف نہیں ہوتا خواہ وہ حقیقی معنیٰ میں ہو یا بمعنیٰ نظر کہ محل بولکر حال مراد ہو۔

② وجہ سے ذات اور انسان (شخص) مراد لینا ظاہر کے خلاف ہے۔

③ الانتظار الیٰ کی طرف متعدی نہیں ہوتا اگر اس سے حرف مراد ہو۔

④ یہاں الیٰ بمعنیٰ نعمۃ عقلاً خلاف ہے کیونکہ انتظار تو تکلیف کا اور دکھ کا نام ہے (اسی لئے کہا جاتا

ہے الانتظار اشد من الموت (انتظار موت سے زیادہ سخت ہے) در بہشت میں تو نقد نعمتیں ہیں وہاں انتظار کیسا اور نقلاً بھی خلاف ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ادنیٰ درجہ کا بندہ وہ ہوگا جو جناب الٰہی اور اپنی ازواج (حوران بہشت وغیرہ) اور بہشت کی نعمتوں اور اپنے خدام اور اپنے تخت ہزاروں سال کی مسافت سے دیکھے گا یعنی ہزار سال کی مسافت سے دور سے دیکھے گا اور جو اعلیٰ درجہ کا ہوگا جسے اللہ تعالیٰ اعزاز بخشے گا وہ اس کے چہرے کو روزانہ اسی مقدار پر صبح و شام دیکھے گا اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھا، وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ اس کے بعد آپ نے نظر کو نظر عین اور آنکھ سے دیکھنے سے تفسیر فرمائی۔

فائدہ اس سے ظاہر ہوا کہ مخالف معتزلہ نے اپنی رائے اور خواہش کا اتباع کیا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے رب تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھ رہے ہو۔ کیا چاند کو دیکھنے میں ایک دوسرے کو رکاوٹ محسوس کرتے ہو۔

فائدہ لا تضاموں فی رؤیتہ بفتح التاء وتشدید المیم از الضم در اصل لا تتضامون یعنی تم ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہو گے کہ کہو کہ دکھاؤ یا رو چاند کہاں ہے بلکہ ہر ایک مستقل طور دیکھے گا اور یہ روایت بتخفیف المیم بھی آئی ہے از الضیم بمعنی الظلم اس وقت تا مغموم ہو گی یعنی اس وقت دیکھنے میں کسی پر ظلم نہ ہوگا کہ کوئی دیکھے کوئی نہ دیکھے بلکہ تم سب برابر طور دیکھو گے یہ حدیث مشہور ہے اسے تمام امت نے قبول کیا ہے اور یہاں تشبیہ رویۃ برؤیت ہے واضح ہونے کی وجہ سے نہ مری (دیکھے ہوئے چاند) کی مری (اللہ تعالیٰ) سے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ قیامت میں بندے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے بغیر کیف وکم کے یا کسی اور مثال سے جب بندے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے۔

افسوس بر معتزلہ معتزلہ پر سخت افسوس کہ وہ اس بڑی نعمت کا انکار کر رہے ہیں اور ان کی محرومی پر بھی افسوس۔

فائدہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہما سے آیت الیٰ ربہا ناظرہ کے بارے میں سوال ہوا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے ثواب مراد ہے (دیدار الٰہی مراد نہیں) آپ نے فرمایا وہ لوگ جھوٹے ہیں وہ آیت کلا انہم عن ربہم لمحجوبون خبردار وہ اپنے رب تعالیٰ سے محجوب ہوں گے، سے کیوں غافل ہیں پھر فرمایا کہ اہل جنت اپنے رب تعالیٰ کو قیامت میں آنکھوں سے دیکھیں گے اگر اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان

نہ دیکھیں گے تو اس کا کفار سے حجاب کیا معنیٰ اور یہ حجاب ان کے لئے عذاب کہنے کا کیا مطلب۔

بدعتی کون صاحب العقد الفرید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اس کے خلاف اعتقاد رکھتا ہے وہ بلتدع (بدعتی) اور زندیق ہے حالانکہ اس مطلوب کا شاہد موجود ہے اور اہل بدعت کا رد آسان ہے وہ یہ کہ دیدار الٰہی (نعمت (لذت) کبریٰ تو اہل ایمان ایسی لذت سے کیسے محروم رہیں گے اور جنت تیسے بھی زاد اللذۃ۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ اس کی نعمت کی لذت کا آرزو مند رہے بالخصوص لذت دیدار کا کیونکہ دوسری نعمتیں بہیمیہ اور مشترکہ ہیں لیکن دیدار الٰہی ایک مخصوص نعمت ہے جسیں اشتراک نہیں۔

فائدہ آیت میں دلیل ہے کہ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بحالت سحو وسبط کریں گے اس لئے کہ نضارۃ سبط کی علامات سے ہے کہ اس وقت نہ حیا حائل ہوگا نہ دہشت (ہیبت) ورنہ عیش منغص ہو جائے گا اگر وہ اسے بوصف جلال دیکھیں تو پہلے سطوہ (جلوہ جلال) سے ہلاک ہو جائیں اسی لئے وہ اس کے نور بحالت انس دیکھیں گے بلکہ اسی سے اسے دیکھیں گے۔

فائدہ اس وقت عارف کی وجود کل کا کل آنکھ ہو جائے گا جو اپنے حبیب حقیقی کو اپنے جملہ وجود سے دیکھے گا اور تمام عیون (آنکھیں) تجلی حق سے استفادہ کریں گی۔

فائدہ ایک گروہ اپنے نفس سے اس کے نفس (ذات) کو دیکھے گا اس وقت عاشق و معشوق کے درمیان سر وحدۃ کا راز عیاں ہوگا۔ رؤیت کا تقاضا ہے رائی (دیکھنے والا) کی بقا کیونکہ وہ عالم صفات کے مقتضیات سے ہے اور اور عبد کا وجود حق میں اتم ہے جیسے کہ عالم ذات کا تقاضا ہے۔

فائدہ حضرت نصرآبادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بعض لوگ دیدار کے طالب ہیں بعض مشتاق ہیں بعض عارفین ایسے صرف رؤیت پر اکتفا کئے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا دیدار کافی ہے اور ہمارا اسے دیکھنا علل سے ہے لیکن اس کی نظر رؤیت بلا علۃ ہے اور اس کی برکت اتم اور نفع کے لحاظ اکمل ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں قرب سے قریب مراد یہ ہے کہ مخلوق کو ادراک حق سے منع کیا گیا ہے یعنی اس کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا۔ جیسے حاسۂ بصر کو گھیرے تو وہ بصر دیکھنے کا ادراک نہیں کر سکتی ایسے ہی جب پانی میں غوطہ لگانے والا کچھ نہیں دیکھ سکتا اگرچہ آنکھ کھولے تب بھی پانی کا قرب اسے کچھ دیکھنے نہیں دیتا ایسے ہی حق تعالیٰ تو بندے کو اس کے نفس سے قریب تر ہے لیکن وہ اس کی اقربیت کی وجہ سے اسے نہیں دیکھ سکتا جیسے بندہ اپنے بُعد اور ذات حق کے علو کی وجہ سے ذات حق کو نہیں دیکھ پاتا کیونکہ یہ مٹی کا پتلا کہاں وہ رب الارباب لیکن جب اس کا اپنا ارادہ ہو کہ اس کا بندہ اسے دیکھے تو پھر وہ اپنے علو (اپنی شان کے لائق) سے تنزل (اپنی شان کے لائق) فرماتا ہے اور اپنے بندے کو رؤیت کے لئے رفعت بخشتا ہے تو پھر بندہ اس کے دیدار سے سرشار ہو سکتا ہے۔ اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے رب

تعالیٰ کو ایسے دیکھوگے جیسے سورج اور چاند کو دیکھتے ہو کہ وہ دونوں قرب و بُعد میں متوسط ہیں خلاصہ یہ کہ شے کا انتہائی قرب بھی حجاب ہے تو انتہائی بعد بھی۔

فائدہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو ہر ایک دیکھ رہا ہے لیکن چونکہ بندے کو اس کا عرفان نہیں اسی لئے کہتا ہے کہ میں اسے نہیں دیکھ سکتا اسی لئے عام آدمی اور عارف میں فرق ہے اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ کسی کو کسی کے دیدار کا دل میں بہت زیادہ شوق ہو لیکن اس کی اس کے ساتھ جان پہچان نہیں پھر وہ اسے کہیں ملے اور علیک سلیک ہو لیکن اسے یہ نہ معلوم نہ ہو کہ یہ وہی ہے جس کے دیدار کا اس کے دل میں اشتیاق ہے تو اس کا یہ ملنا اور دیکھنا نہ ملنے اور نہ دیکھنے جیسا ہے دوسری مثال یوں سمجھیئے کہ بادشاہ بھیس بدل کر شہروں میں پھرتے رہتے ہیں لیکن عوام نے چونکہ اسے نہیں دیکھا ہوتا اسی لئے اسے دیکھتے رہتے ہیں لیکن چونکہ پہچانتے نہیں اسی لئے ان کا دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر ہے حالانکہ وہ اسے بار بار دیکھ چکے ہوتے ہیں تب بھی اُن سے کوئی بادشاہ کے متعلق پوچھے گا تو یہی کہیں گے کہ ہم نے بادشاہ کو نہیں دیکھا ایسا آدمی آنکھ کے باوجود بھی بادشاہ کی ذات کے متعلق اندھا ہے تو اس جیسا بڑھ کر اور محجوب کون ہوگا اگرچہ اس کی بادشاہ پر نظر پڑے تب بھی اسے گہرائی سے نہ دیکھے گا کیونکہ اس سے اس کی شناسائی نہیں۔

فائدہ ان دونوں مثالوں سے عارف و غیر عارف کا فرق معلوم ہو گیا ہوگا علاوہ ازیں نظر نظر میں بھی فرق ہے بعض تیز بینائی کے مالک ہوتے ہیں بعض کمزور نگاہ والے اسی لئے صوفیائے کرام نے فرمایا کہ شہود حق والوں میں بھی فرق ہے اگرچہ ان سب کو بساط حق پر رسائی ہے لیکن بعض زیادہ شہود رکھتے ہیں بعض بہت کم یہ فرق بھی حقائق میں شہود کی وجہ سے ہے ورنہ اگر عین ذات کا مشاہدہ کریں تو وہ فضیلت میں سب برابر ہوں۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ مخلوق حق تعالیٰ کے قریب تر اور اس کی ہمسائیگی میں ہے اس طرح سے انہیں بہت بڑی بشارت اور مبارک ہو کیونکہ ہمسایہ کا حق ہوتا ہے لیکن اسے عارف باللہ ہی سمجھتے ہیں

سبق ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس ہمسائیگی کا کم از کم موت کے وقت تو تصور میں لائے پھر حق تعالیٰ سے مطالبہ کرے کہ حضور ہمسایہ کا بھی حق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خود فرمایا رب احکم بالحق اے رب تعالیٰ حق کا فیصلہ فرمایئے یعنی وہ حق جو تونے ہمارے لئے مشروع فرمایا اور ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جس سے ہمارے لئے کوئی انکار نہ ہو یعنی وہ جو تیرے کرم کا تقاضہ ہے اور یہ اختصار اور خشوع و خضوع اور ذلت کی دعا ہے۔

حکایت حجاج بن یوسف ظالم نے ایک شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے کہا وہ کیا عرض کی وہ یہ کہ میرے پنجہ میں پنجہ ملا کر صرف تین قدم میرے ساتھ چلئے حجاج نے ویسے ہی کیا جیسے اس نے کہا جب تین قدم چل کر قتل کا ارادہ کیا تو اس شخص نے عرض کی اس حق صحبت (رفاقت) کے صدقے مجھے

مجھے معاف کر دے حجاج نے اسے معاف کر دیا (اسی طرح ہارون الرشید کا قصہ بھی تفسیر میں مذکور ہے)۔

تفسیر عالمانہ (۲۴) وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ اور بعض منہ اس روز ہوں گے بَاسِرَةٌ (بگڑے ہوئے)۔ یومئذ باسرۃ متعلق ہے باسرۃ بمعنی سخت تیوری والے سیاہ کہ ان پہ سرور (خوشی) کا ہرگز کوئی نشان نہ ہوگا اور یہ کافروں و منافقوں کے منہ ہوں گے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا البسر بمعنی شے کا وقت سے پہلے جلدی آنا۔

سوال وجوہ یومئذ باسرۃ موت سے تو وہ اپنے منہ نہیں بنائیں گے پھر انہیں باسرہ کیسے کہا گیا؟

جواب یہ محاورہ اس کے لئے ہے جو وقت سے پہلے ہو اور یہ ان کے لئے اس لئے کہا گیا ہے کہ نار جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ان کے منہ ایسے ہو جائیں گے اور ان کے لئے لفظ بسر اسی لئے خاص کہا گیا کہ گویا تنبیہ ہے کہ جو کچھ انہیں بعد کو پہنچے گا وہ بمنزلہ تکلف کے ہے اور اس کے قائم مقام ہے کہ ان کے منہ کا ہونا وقت سے پہلے ہے اس پر اگلا مضمون دلالت کرتا ہے۔

(۲۵) تَظُنُّ یقین کرتے ہوں گے۔ وہی سیاہ منہ والے بسبب علامات توقع رکھیں گے اور یہ جملہ خبر ہے بعد خبر کے اور ابو حیان وطسی نے ترجیح دی ہے کہ ظن بمعنی یقین ہے اور ان مصدریہ اس کے منافی نہیں جیسے بعض کا گمان ہے کہ وہ فعل تحقق صرف کے بعد واقع نہیں ہوتا لیکن ظن اور وہ جو علم کا معنیٰ دے اس کے بعد ان مصدریہ اور مشددہ و مخففہ تینوں واقع ہوتے اس پر رضیؒ نے نص کی ہے۔

اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ان کے ساتھ وہ کی جائے گی جو کمر کو توڑے) سخت اور عظیم مصیبت جو کمر توڑ دے گی

حل لغات فاقرہ سے ہی فقیر بمعنی مفقور وہ جس کی فقر کمر توڑ ڈالے گویا وہ سخت شدت میں ہے اور اسے تحمل (بوجھ اٹھانے) کی قدرت نہیں ان مونہوں کی طرح جو ہر خیر و بھلائی کی امید رکھتے ہوں گے کہ انکو فرحت سرور کے امور پیش ہوں گے اور یہ مصیبت و شدت کی توقع میں ہوں گے کیونکہ دو آیتوں کا مقابلہ کا تقاضا یونہی ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ ان کے لئے ہوگا جو رؤیت باری تعالیٰ سے محجوب ہوں گے ؎

فراق بتر در جہاں بلائے نیست

ترجمہ: فراق سے بڑھ کر جہاں میں اور کوئی بلا و مصیبت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا ایسے مسرور چہرے صرف اپنے رب کی طرف دیکھیں گے نہ کہ اس کے غیر کی طرف اعراض از دنیا اور اقبال علی اللہ کے ایام دنیا میں دنیا کی طرف متوجہ اور اللہ تعالیٰ سے روگرداں رہے اسی لئے قیامت میں ہر دونوں کو پوری پوری جزا

ملے گی بعض نے کہا کہ آخرت میں بعض منہ بارونق ہونگے نور قدس سے منور ہونے اور
عالم نور و سرور اور دائمی نعمت سے اتصال کی وجہ سے اور بعض منہ بگڑے ہوئے اور سیاہ ہونگے بوجہ تیوری چڑھانے
اور اس تاریکی سے جو انہیں دوزخ سے پہنچیگی اور وہ میت جو قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کی شدت سے دیکھیں گے۔

تفسیر عالمانہ (۲۶) کَلَّآ (ہاں ہاں)۔ یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح پر زجر و توبیخ ہے یعنی اس سے ہٹ جاؤ اور متنبہ ہو جاؤ
اپنے سے آگے والی موت سے جس سے منقطع ہو جائے گا وہ جو تمہارے اور دنیا کے درمیان تعلق
ہے اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (جب جان گلے کو پہنچ جائے گی)۔ ضمیر نفس کی ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں کیونکہ گفتگو
اس کے بارے میں ہو رہی ہے یہ اس کے وجود کی دلیل کافی ہے مثلاً عرب کہتے ہیں ارسلت ان کا مطلب ہوتا
ہے آئی بارش حالانکہ اس سے قبل آسمان وغیرہ کا ذکر ان سے نہیں سنا جاتا تو ارسلت کی ضمیر السماء کی طرف لوٹاتے
ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفس ناطقہ پہنچ جائے گا اس سے روح مراد ہے سینہ کے اوپر کے حصہ تک اعالی الصدر سے وہ
وہ ہڈیاں مراد ہیں جو سینہ کی سرحد پر دائیں بائیں واقع ہیں جب روح اس مقام تک پہنچتی ہے تو غرغرہ اسکرات کی
آواز شروع ہو جاتا ہے یعنی جب روح سینہ اور گردن کی ہڈیوں تک پہنچتی ہے (کشف الاسرار) میں ہے کہ جب روح
گردن کے چنبر تک پہنچتی ہے۔

حل لغات تراقی ترقوہ کی جمع ہے (ترقوہ) بفتح التّاء والواو وسکون الرّاء وضم القاف) القاموس میں ہے الترقوۃ
کی تا مضمون نہ پڑھی جائے وہ ہڈی جو سینے اور کاندھے کی سرحد کے درمیان واقع ہے العاتق
کاندھے پر چادر ڈالنے کی جگہ۔ بعض نے ان ہر دونوں کو ترقوتان کہا ہے لیکن باعتبار افراد اس کی جمع تراقی ہے
تراقی تک روح کا پہنچنا عدم اشفاء سے کنایہ ہے۔ اشفا معنی اس کے کنارہ تک پہنچنا اور نزدیک ہونا اذا بلغت میں عامل
الیٰ ربک یومئذ المساق کا معنیٰ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب روح حلقوم تک پہنچ جائے گی اور اسے اللہ (تعالیٰ) یعنی جان
اللہ تعالیٰ کا امر ہے کی طرف اٹھایا جائے گا۔

وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ اور کہا جائے ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا۔ اس کا عطف بلغت پر ہے حضرت حفص
(قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے من سانس توڑے بغیر تھوڑا سا وقفہ (سکتہ) کیا ہے بعض نے اس کی وجہ بتائی ہے کہ سکتہ
نہ ہو تو نون ساکن را میں مدغم ہوگا اور را ثقیلہ کے بعد قاف کا آنا مکروہ ہے کہ ادغام میں اس کا تلفظ غلیظ (سخت)
ہو جاتا ہے علاوہ ازیں مبتدا و خبر قطع تام اور استفہام اور مستفہم عنہ فی النفس کے درمیان تام اور قرار اور اظہار کرو
ہے اور سکتہ میں یہ خرابیاں نہیں ہیں اس لئے کہ قراء (مجودین) کے نزدیک اتصال نون ساکن بالرا لحن شمار ہوتا ہے اب
معنیٰ یہ ہوا کہ جو میت کے سرہانے ہو وہ کہتا ہے کوئی ہے جو اس پر جھاڑ پھونک کرے تاکہ اس کی جان بچ جائے
کہ عموماً جھاڑ پھونک تعویذ وغیرہ سے (اگر موت کا وقت نہ پہنچا ہو) شفا مل جاتی ہے جھاڑ پھونک میں کہا جاتا ہے

بسم اللہ ارقیک میں تجھے اللہ تعالیٰ کے نام سے جھاڑ پھونک کرتا ہوں۔ (از باب ضرب، اس معنیٰ پر یہ استفہام طلبی ہے یعنی جو لوگ میت کے سرہانے ہوتے ہیں وہ تلاش میں ہوں کہ کوئی الطبیب، ڈاکٹر، حکیم) ایسا ہے جو اس کا علاج کرے یا جھاڑ پھونک کرے (تاکہ اسے شفا مل جائے) یا یہ استفہام انکاری ہے گویا موت کے وقت ناامید ہو کر کہتے ہیں کہ اسے موت نے دبوچ لیا ہے اب کوئی ہے جو اسے موت کے پنجہ سے بچا لے۔ یہی معنیٰ ظاہر ہے (اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا)۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ من راق میں تنبیہ ہے کہ موت جب دبوچ لے تو پھر اس وقت کسی کی جھاڑ پھونک تعویذ وغیرہ کام نہیں دیتا اسی طرف اشارہ ہے شعر ذیل کا۔ ؎

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا

الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

ترجمہ: جب موت اپنے پنجے گاڑ دے تو تم تمیمہ ڈالو کوئی کام نہ دیں گے۔

تحقیق تمیمہ چند کوڑیاں جنہیں عورتیں اپنے بچوں کے گلے میں ڈالتے تاکہ نظر بد سے حفاظت ہو یہ باطل ہے

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تمیمہ ڈالا اس نے شرک کیا[1]

فائدہ شعر مذکور میں شاعر نے بھی اس قسم کا تمیمہ مراد لیا ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ (من راق) ان فرشتوں کا کلام ہے جو اس کی روح قبض کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اب کون اٹھا کر لے جاتا ہے ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب (کیونکہ ہم تو اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو گئے (یاد رہے کہ روح نکالنے والے ملائکہ اور ہیں اور روح کو آسمان پر لے جانے والے اور) اس وقت راق الراقی سے ہوگا از باب علم۔

سوال تم نے راق سے اٹھا کر لے جانے والے فرشتے مراد لئے ہیں یہ تو آنے والے مضمون سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آنے والا مضمون فلا صدق فلا صلیٰ میں معذب لوگوں کا بیان ہے اور اٹھا کر لے جانے والے

---

[1] ہم بھی اس قسم کے توہمات کو برا سمجھتے ہیں جو عوام نے از خود بنا رکھے ہیں لیکن وہ تعویذات اور جھاڑ پھونک جن کا ثبوت احادیث مبارکہ سے ثابت ہے انہیں بھی شرک کے کھاتہ میں ڈال دینا وہابیوں بخدیوں کا کارنامہ ہے ورنہ اسلام نے مسلمانوں کے غلط طریقوں کے استعمال کو کفر و شرک نہیں کہا گناہ کہا ہے۔ ۱۲۔
(اویسی غفرلہ)

فرشتے عذاب والے ہوں گے تو رحمت والے بھی ؟

جواب ضمیر جنس انسان کی طرف راجع ہے اس میں کوئی فرق نہیں جس پر موت طاری ہے وہ اہل نار ہے یا اہل جنت۔

موت کے فرشتے کتنے ہیں الکلبی نے کہا کہ موت کے وقت سات فرشتے حاضر ہوتے ہیں رحمت کے اور سات عذاب کے انکا افسر ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) بھی ہوتا ہے جب بندے کی روح حلقوم تک لاتے ہیں تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ اب اسے کون لے جائے رحمت کے فرشتے یا عذاب کے اسی معنیٰ پر من راق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ملائکہ کافر کی روح سے کراہت کرتے ہیں کہ اس کے قریب جائیں، تو انہیں حضرت ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ اس کافر کی روح کون اٹھا کر لے جائے گا۔

(۲۸) وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ اور سمجھ لے گا کہ یہ جدائی کی گھڑی ہے ۔ مرنے والا جب موت کے فرشتوں کو دیکھتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تشریف لائے ہیں ۔ اب میرا محبوب دنیا سے جدائی کا وقت آگیا ہے اور اس کی نعمتیں مجھ سے چھوٹنے والی ہیں جس کے خسیس متاع کے حاصل کرنے میں میں نے اپنی نفیس اور قیمتی عمر ضائع کی ۔

سوال اس وقت تو یقینی امر ہوتا ہے قرآن نے اسے الظن سے کیوں تعبیر کیا ؟

جواب چونکہ انسان ظاہری زندگی کے لمحات میں دنیا سے شدید محبت کی وجہ سے آگے بڑھنے کی طمع میں ہوتا ہے اس سے اس کی امید منقطع بھی نہیں ہوتی اسی لئے اسے گویا موت کا یقین ہی نہیں ہوتا بلکہ غالب ہوتا ہے محض لمبی حیاۃ دنیا میں رہنے کی امید کی وجہ سے ۔

نکتہ رد وہابیہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ روح جوہر قائم بنفسہٖ اور باقی رہنے والی ہے موت کے بعد ایک خاص معدن میں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو فراق سے تعبیر کیا ہے اور فراق تب ہو سکتا ہے جب تسلیم کرنا پڑے گا کہ روح باقی رہنے والی ہے کیونکہ فراق و وصال صفت ہیں ان کا موصوف نہ ہو تو یہ صفت نہیں بن سکتیں تو الفراق والوصال کے تقاضا پر روح کو باقی رہنے والا ماننے پڑے گا ۔

حکایت حضرت مزنی نے فرمایا کہ امام شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ کے مرض الموت کے وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی حضرت کیا حال ہے فرمایا میں دنیا سے کوچ کر رہا ہوں دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں (واللہ اعلم) برے اعمال سے ملوں گا (کسر نفسی سے فرمایا) اور موت کے گھونٹ پی رہا ہوں اللہ کے ہاں

ہاں حاضر ہوں گا نامعلوم میری روح جنت میں جائے گی کہ جس پر خوش آمدید کہا جاؤں گا یا دوزخ کی طرف کہ میرے لئے افسوس کہا جائے گا اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ۔

(۱) ولما قسا قلبی وضاقت مذاھبی
جعلت رجائی عفوک سلما

(۲) تعاظمنی ذنبی فلما قرنته
بعفوک ربی کان عفوک اعظما

ترجمہ (۱) میرا دل قساوۃ اور میرے زندگی کے لمحات گناہوں سے تنگ ہیں میں نے اپنی رضا تیری عفو کی طرف سپرد کردی۔
(۲) میرے گناہ بڑے ہیں میں اسے تیری عفو سے ملاتا ہوں تو اے میرے رب معافی و عفو میں عظیم تر ہے ۔
اور بعض نے کہا ؎

فراق لیس یشبہ فراق
قد انقطع الرجاء عن التلاق

ترجمہ: یہ فراق عام فراق جیسا نہیں اب تو ملاقات کی امیدیں بھی منقطع ہوگئیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندے پر سکرات طاری ہوتی ہے کہ اس کے جوڑ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ السلام علیکم یارو! اب ہم ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں اور قیامت میں ملیں گے (خدا حافظ)۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) کوس رحلت بکوفت دست اجل
اے دو چشم وداع سر بکنید

(۲) دست کف ودست وساعد و بازو
ہمہ تودیع یکدگر بکنید

(۳) برمن افتادہ مرگ دشمن کام
آخر اے دوستاں گذر بکنید

(۴) وائے روزگارم بشد بنادانی
من نکردم شما حذر بکنید

ترجمہ (۱) کوچ کا نقارہ بجایا اجل نے اے میری دو آنکھوں سر سے الوداع کرلو۔
(۲) اے ہاتھ اور ہتھیلیو اور کہنیو اور بازو۔ تم سب ایک دوسرے سے الوداع کہو۔

③ مجھ پر موت آئی دشمن کی مراد پوری ہوئی۔ آؤ دوستو آخری بار مجھ سے گذر جاؤ۔

④ افسوس زندگی نادانی میں گذر گئی ہیں نہ کر سکا تم ڈر کرو۔

قبر پر چار فرشتے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبر میں جب بندہ داخل ہوتا ہے تو اس کی قبر کے کنارے پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔

① سر کی جانب

② پاؤں کی جانب

③ دائیں جانب

④ بائیں جانب

جو سر کی جانب ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ اے ابن آدم تیرے اجل متفرق ہوگئے آمال کمزور پڑ گئے اور وہ جو دائیں جانب ہے وہ کہتا ہے تیرے مال گئے تیرے اعمال تیرے ساتھ باقی ہیں اور وہ جو بائیں جانب ہے وہ کہتا ہے اشغل گئے اور وبال باقی رہ گیا اور وہ جو پاؤں کی جانب ہے وہ کہتا ہے تجھے مبارک ہو اگر تیری روزی (کمائی) حلال کی رہی اور تو خدمت (عبادت ذوالجلال) میں رہا۔

㉙ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائیگی۔

حل لغات التفات بمعنی ایک دوسرے پر لپٹنا یعنی ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جائے گی موت کی پریشانی کے وقت۔ الساق عضو مخصوص (پنڈلی) ہے التفات بھی لپٹنا ایک دوسری پر چڑھنا ہے یا اس سے فراق دنیا کی شدت کا آخرت کے آنے کی شدت کا ایک دوسری سے لپٹنا مراد ہے الساق۔ لپٹنے میں شدت کی مثال دی گئی ہے اور مجاز معنیٰ کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب انسان کو کوئی شئے دہشت میں ڈالتی ہے وہ ایک پنڈلی کو دوسری سے ملاتا ہے اور شدید معاملہ کو بھی ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کا امر کا اس کے لئے ظہور لازم ہے اور مزید تفصیل و تحقیق یوم یکشف عن الساق الخ میں گذری ہے۔

فائدہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے میت کی پنڈلیاں مراد ہیں جب اسے کفن میں ان کو آپس میں ملایا جاتا ہے۔

㉚ الی ربک یومئذ المساق تیرے رب کی طرف ہانکنا ہے۔ اس کے حکم کی طرف نہ اس کے غیر کی طرف کیونکہ اس وقت اس کے سوا اور کوئی حکم نہ ہوگا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جزا کی طرف کہ پھر ہر انسان کی واپسی دنیا کی آرزو کرے گا اس معنیٰ پر المساق کا میم مصدری ہے اور یہ بھی السوق ہے بمعنیٰ چلانا ہانکنا اور الف لام مضاف الیہ محذوف کا عوض ہے کہ در اصل کر لسوق الانسان تھا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى
اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾
اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ
يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ
الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ
يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

ترجمہ:- اس نے نہ تو سچ مانا[31] اور نہ نماز پڑھی ہاں جھٹلایا[32] اور پھر اپنے گھر کو اکڑتا چلا[33] تیری خرابی آلگی اب آلگی[34] پھر تیری خرابی آلگی اب آلگی[35] کیا آدمی اس گھمنڈ میں ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا[36] کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے[37] پھر خون کی پھٹک ہوا تو اس نے پیدا فرمایا پھر ٹھیک بنایا[38] تو اس سے دو جوڑ بنائے مرد اور عورت[39] کیا جس نے یہ کچھ کیا وہ مُردے نہ جِلا سکے گا۔﴿۴۰﴾

تفسیر عالمانہ ﴿۳۱﴾ فَلَا صَدَّقَ (اس نے نہ تو سچ مانا)۔ انسان نے اسے جس کی تصدیق اس پر واجب ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی جو آپ نازل ہوا۔ یہاں پر لا صدّق بمعنی لم یصدّق ہے یہ ماضی داخل ہوئی تکرار قوت کی وجہ سے۔

قاعدہ لَا کا اس ماضی پر داخل ہونا حسن ہے جب ماضی کا تکرار ہو جیسے لا قام ولا قعد عرب صرف ماضی پر لَا داخل نہیں کرتے جب تک اس کے بعد لا کا تکرار نہ ہو جیسے لا زید فی الدار ولا عمرو یا اس کا معنیٰ یوں ہے کہ اس نے نہ مال صدقہ کیا یعنی زکوٰۃ نہ دی لیکن یہاں زکوٰۃ کے معنی کی ترجیح تلاش کرنی پڑے گی کہ وہ صلوٰۃ سے مقدم کیوں ورنہ قرآن کا دستور ہے کہ ہر جگہ پہلے نماز کا ذکر کرتا ہے بعد کو زکوٰۃ کا۔ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ کفار مکہ کی عادت تھی کہ مساکین پر خرچ نہ کرنا اور مسکینوں کے طعام پر کسی کو برانگیختہ نہ کرنا شدید اور قوی ضرورت کے بعد کرتے تھے ورنہ عموماً ان کی ایسی عادت نہ تھی نیز یہ بھی ہے کہ صلی کی تاخیر محض فواصل سے ہو جیسا کہ اہل فن پر مخفی نہیں۔

وَلَا صَلّٰی اور نہ [illegible] اپنے اوپر فرض نہ سمجھی۔

مسئلہ اس میں دلالت ہے کہ حق مؤاخذہ میں کفار بھی فروع شرعیہ کے مخاطب ہیں یعنی کفار بھی ایمان کے ترک کی طرح نماز وغیرہ کے ترک پر مذمت اور عقاب کے مستحق ہیں اگرچہ دنیا میں اس پر ادائیگی واجب نہیں۔

(۳۲) وَلٰكِنْ كَذَّبَ (اہاں جھٹلایا) وہ جو مذکور ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کو اور استدراک احتمال شک کے دفع کے لئے ہے کیونکہ تصدیق کی نفی اثبات تکذیب کو مستلزم نہیں۔ اس لئے کہ شک تصدیق و تکذیب کے درمیان ہے اس معنیٰ پر آیت میں تکرار بھی نہیں وَتَوَلّٰى (اور منہ پھیرا) طاعت الٰہی و طاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی کی۔

(۳۳) ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ (پھر اپنے گھر کو چلا) یعنی گھر والوں اور دوستوں کی طرف (۳۴) یَتَمَطّٰى (اکڑتا ہوا فخر و ناز سے اپنے چلنے میں فخر کا تصور کر کے یعنی لوگوں کی طرف چلا تو دل میں فخر کریں ایسا ویسا ہوں اور ایسے کارنامے سرانجام دیئے یعنی تکذیب اور منہ پھیرنا۔

حل لغات المط بمعنی المدّ اس لئے فخر کرنے والا پاؤں دراز کر کے چلتا ہے یعنی قدم بڑھا کر چلنا تبختر (فخر وغیرہ) کے لوازم سے ہے اس چلنے کو فخر و کبر سے کنایہ کیا گیا ہے یتمطّٰی دراصل یتمطّطُ تھا بمعنی یتمدد۔ طاء آخری یا سے تبدیل ہوئی تاکہ دو ہمجنس یکجا نہ آئیں جیسے تقضّی البازی ہیں کہ دراصل تقضّض تھا یا المطاسے ہے (بالمقصور) بمعنی پیٹھ اس لئے کہ ایسا شخص تبختر (فخر و کبر تکبر) میں پیٹھ مروڑ کر چلتا ہے اس کا الف واؤ سے تبدیل ہوا ہے اور یتمطّٰی ذَهَبَ کے فاعل سے حال ہے۔

غیب دانی رسول خدا کی غیبی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میری امت فخر و ناز کی چال چلے گی اور ان کے فارس و روم خادم ہوں گے تو ان کے آپس میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

فائدہ المطیطاً بروز حمیرا بمعنی تبختر (فخر و ناز کی چال اور ہاتھ کھینچ کر چلنا) باس بمعنی سخت قسم کی جنگ۔

(۳۴) اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى اے مکذب انسان (تیری خرابی آ گئی اب آ گئی) (۳۵) ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى (پھر تیری خرابی آ گئی اب آ گئی تکرار تاکید کے لئے ہے۔

حل لغات ویل، لک کی جگہ پر مستعمل ہوا ہے الوَلی سے ہے بمعنی قرب اس سے اس پر بددعا ہے کہ اسے عنقریب خرابی آئے گی دراصل اولاك الله ما تكرهه اللہ تعالیٰ تیرے قریب کر دے وہ خرابی جو تجھے ناگوار ہے اس کی لام زائدہ ہے جیسے ردف لکم میں (لام زائدہ ہے ثلاثی کا باب (افعل) مزید کی طرف نقل کر کے اسے متعدی بدو مفعول بنایا گیا۔ القاموس میں ہے کہ اولیٰ لک تہدید و وعید ہے یعنی اسے قریب ہوئی وہ جو اسے ہلاک کرے گی یا ہلاکت تیرے قریب ہے اس معنیٰ پر اولیٰ اسم ہے بمعنی احری، یعنی تجھے ہلاکت زیادہ لائق ہے ہر شئے سے اس تقریر پر یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے مکذب) تجھے مرگ سخت لائق ہے پھر عذاب دردناک قبر میں پھر ہول قیامت کا پھر دائماً دوزخ میں رہنے کا سخت عذاب تیرے لائق ہے۔

ابوجہل ضدی تھا مروی ہے کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ کی ایک وادی میں ابوجہل کو کپڑوں سے پکڑ کر ایک بار یا دو بار کھینچا اور اس کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی الخ ابوجہل نے کہا اے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم مجھے ڈراتے ہو تم اور تمہارا خدا جو چاہو کر دیں اس وادی (مکہ معظمہ) کا سردار اور معزز ترین شخصیت ہوں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جب بدر کے دن اسے اللہ تعالیٰ نے بری طرح پچھاڑا بلکہ بری طرح اسے قتل کرایا کہ اسے عفراً کے دو چھوٹے بچوں نے ذبح کیا ابھی مکمل طور جان نہ نکلی تھی تو اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چڑھ گئے اور سر کاٹ کر اس کا کام تمام کیا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر امت کا فرعون ہوتا ہے میری امت کا فرعون ابوجہل تھا۔

(۳۶) اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى کیا انسان اس گھمنڈ میں ہے کہ وہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ بیکار زندہ رہے گا اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی اور نہ اس کو سزا ہوگی بعض نے کہا کیا اس کا خیال ہے کہ وہ قبر میں جانے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا۔

حل لغات سدیً بمعنی مہمل (بے کار۔ کہا جاتا ہے اَسْدَيْتُ ابلی اسداءً (میں نے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا) اور کہتے ہیں اسدیتُ حاجتی وسدیتھا میں نے اپنی حاجت کو چھوڑا اسے پورا نہ کیا اور انکار کا تکرار اس کے گمان کو توڑنے کے لئے ہے کہ جیسے وہ حشر کا انکار بار بار کرتا ہے ایسے اس کی سزا کی خبر میں تکرار کیا گیا۔

فائدہ اسی سے مرنے کے بعد اٹھنے (حشر) کا استدلال بھی ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو قدرت و آلہ و فعل کی عطا بغیر کسی عمل کے مکلف بنانے اور بغیر کسی نیک عمل کے امر اور قبائح سے نہی کے تقاضا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) بندے کے قبیح اعمال سے راضی ہے اور وہ اس کی حکمت بالغہ کے لائق نہیں اسی لئے دنیا میں بندوں کا مکلف بنانا ضروری ہوا اور اللہ (تعالیٰ) کی طرف سے بلا وجہ مکلف بنانا بھی نامناسب ہے کیونکہ رحیم و کریم ہے سوائے اس کے کہ اسمیں یہ حکمت ہو کہ اعمال صالحہ سے امتیاز ہو جائے کہ نیک پر منسد کون ہیں اور اس کے بعد واضح ہو کہ متقین کون ہیں اور فجار کون پھر ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق جزاء و سزا ہو اور مکمل جزاء و سزا دنیا میں نامناسب ہے اسی لئے ضروری ہوا کہ بندوں کو مرنے کے بعد اٹھنا ہو اور قیامت برپا کی جائے۔

سوال عالم دنیا کو دار الجزاء کیوں نہ بنایا گیا؟

جواب دار دنیا نہایت تنگ حویلی ہے یہ جزا و سزا کے لائق نہیں ہو سکتی اسی لئے مشائخ کبار نے فرمایا کہ جو اپنے اعمال و احوال کے نتائج اس دار دنیا میں مانگتا ہے وہ بہت بڑا بے ادب اور ایسے کام کو ہاتھ لگا رہا ہے جو حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

(۳۷) اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى (کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے) جملہ مستانفہ ان کے گمان مذکور کے ابطال کے لئے ہے اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے اس آیت سے اس کی ابتدائی تخلیق سے استدلال کیا گیا ہے۔

فائدہ حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت سے مرنے کے بعد اٹھنے کا استدلال صحیح ہے اور یہ دوسری دلیل ہے استفہام بھی توبیخ ہے۔

حل لغات النطفہ بالضم صاف پانی قلیل ہو یا کثیر المنی مرد ہو یا عورت کا وہ پانی جس سے بچے پیدا ہوں اور الحمل (حمل) دونوں سے مل کر ہوتا ہے یُمْنٰی (بالیا) منی کی صفت ہے اور بالتا نطفہ کی معنی نصب (گرائی جائے) رحم میں بہائی جائے منیٰ ہیجوں الیٰ (مکہ معظمہ کے قریب جگہ) کا نام رکھا گیا کہ اسمیں قربانیوں کے خون بہائے جاتے ہیں۔

فائدہ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انسان ایک تھوڑا سا پانی نہ تھا وہ معروف پانی جو نہایت خسیس القدر اور جس سے طبع کو نفرت ہے سے پیدا ہوا اسی لئے ان کو نکرہ لایا گیا اور رحم میں ڈالا جاتا ہے اسمیں پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خستہ قدر اور پھر اپنی کامل قدرت پر متنبہ فرمایا کہ ایک ایسی خسیس شے سے کامل انسان بن گیا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ منی میں اس کے حقیر حال کی طرف اشارہ ہے گویا کہا گیا کہ انسان اس منی سے پیدا ہے جو نجاست کا مخرج ہے پھر اسے کب لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت سے سرکشی کرے کہ جو اسے حکم فرمائے اور اس امر سے روکے تو وہ روگردانی کرے۔

نکتہ اسی معنی علی سبیل الرمز عیسیٰ و مریم (علیہما السلام) کے لئے بیان فرمایا کانَا یاکلانِ الطعام اس سے مراد قضا حاجت ہے۔

(۳۸) ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً (پھر وہ ہوا علقہ) چالیس دن کے بعد وہ نطفہ خون جامد کا لوتھڑا بنا غلیظا در سرخ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعد اس کے وہ سفید پانی تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ثُمَّ خلقنا النطفة علقة (پھر ہم نے نطفہ کو علقہ (خون کی پھٹک) بنایا۔ اس کا عطف الم یک الخ پر ہے اس لئے عدم کون کا انکار کون کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے اصل عبارت یوں ہے کان الانسان نطفة ثم کان علقة انسان نطفہ تھا پھر خون کی پھٹک ہوا۔ فَخَلَقَ پھر اسے مقدر فرمایا یعنی چالیس دن کے بعد وہ ٹکڑا گوشت کا بنا جو تفریق الاعضا اور ایک دوسرے

سے امتیاز کے قابل تھا اس کے بعد اس گوشت کو ہڈیاں بنایئں جن سے اعضا کی تمیز ہو سکے یعنی گوشت کو سخت بنا کر ان ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا تاکہ اس کی تخلیق و تصویر حسین و مکمل ہو کر قویٰ کے افاضہ اور نفخ روح کے لئے مستعد ہو جائے ۔ فَسَوّٰی پھر ٹھیک بنایا یعنی برابر بنا کہ اس کی تخلیق مکمل کی ۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ پھر اس کی صورت اور اعضاً درست کر کے اس میں روح پھونکی ۔

حل لغات جعل بمعنی اسے پیدا کیا اسی طرح جیسے حکمت الٰہیہ کا تقاضا تھا یعنی اسے دُرست بنایا اپنی حکمت کے مقتضٰی پر بعض نے کہا کہ تسویۃ و تعدیل کا معنیٰ ہے ہر عضو کو ایسا جوڑا بنایا جو اپنے دوسرے کے برابر ہے ۔ فَجَعَلَ مِنْہُ (تو اس سے بنائے) انسان سے باعتبار جنس کے یا منی سے جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہے اسی لئے ایک مفعول پر اکتفا کیا گیا اور وہ ہے ؛

الزَّوْجَیْنِ دو جوڑے ۔ دو صنف الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی مرد اور عورت ۔ الزوجین سے بدل ہے اور جائز ہے کہ یہ اَعْنِی سے منصوب ہوں اور سب کو معلوم ہے کہ فاؔ تعقیب کا فائدہ دیتی ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کا ما قبل و مابعد آپس میں تباین ہوں اس معنیٰ پر ممکن ہے خلق فسوّٰی مقدار مقدر پر خلق کے معنیٰ میں محمول ہوں وہ خلق کے جو زوجین کے تفرقہ کی صلاحیت رکھے اور فجعل منہ الزوجین تفرقہ پر محمول ہو۔ ﴿۳۹﴾ اَلَیْسَ ذٰلِکَ (کیا نہیں ہے وہ) عظیم الشان جس نے یہ انشأ بدیع کی ۔ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی قادر کہ وہ مُردے زندہ کرے ۔ حالانکہ یہ ابتدائی تخلیق سے (بہ نسبت تمہارے) زیادہ آسان ہے عقل کے قیاس میں کیونکہ اب مادہ تو ہے یعنی ریڑھ کی ہڈی ۔

سورۃ قیامہ کے اختتام پر پڑھتے ۔ مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہ سورۃ پڑھتے تو اختتام پر

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ بَلٰی تیری پاکی اے اللہ ہاں ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرماتے کہ احیاء پر وہ عدم قدرت سے منزہ و مقدس ہے اور اقرار فرماتے ہیں اس کی قدرت احیاءِ الموتیٰ کے لئے ثابت ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اختتام سورۃ قیامۃ پر فرماتے ۔ بَلٰی واللہ بَلٰی واللہ ہاں بخدا ہاں بخدا ۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے امام ہو یا غیر امام تو چاہیئے کہے سبحان ربی الاعلیٰ اور جو سورۃ قیامۃ پڑھے اور آخر تک پہنچے تو کہے سبحانک اللّٰھم بلیٰ امام ہو یا غیر امام ۔

حدیث شریف میں ہے جو تم میں سورۃ والتین والزیتون پڑھے اور اس کے الیس اللہ باحکم الحاکمین تک پہنچے تو کہے۔ بلٰی وانا علٰی ذٰلک من الشاھدین (ہاں میں اس پر شاہدین سے ہوں) جو سورۃ لا اقسم بیوم القیمۃ پڑھے اور آخر الیس ذٰلک بقٰدر الخ تو کہے سبحانک اللّٰھم بلٰی اور جو سورۃ والمرسلات عرفا پڑھے اور فبای حدیث آخرہ تک پہنچے تو کہے آمنا باللہ (ہم ایمان لے آئے)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اہل دنیا مُردوں کو اعراض از دنیا اور اقبال علی الآخرۃ والمولیٰ سے زندہ کرتا ہے نیز وہی نفوس مُردوں کو اس پر قلوب کے انوار کی چمک سے زندہ کرتا ہے وہی مردہ مردہ قلوب تحت ظلمۃ نفوس کافرہ ظالمہ کو نور روح وسر دخفی سے زندہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرتا ہے وہ اس کے ساتھ کفر کرتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے رحمت اور حسن خاتمہ کا سوال کرتے ہیں۔

تاریخ اختتام سورہ القیامہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سورہ قیامت کی تفسیر سے اس کی مدد سے جسکی رحمت عام ہے ۲۱ ذی الحجہ ۱۱۱۶ھ میں فراغت ہوئی۔

فقیر اُویسی غفرلہٗ نے سورۃ القیامۃ کی تفسیر کے ترجمہ سے شب سوموار مبارک ساڑھے آٹھ بجے ۶ ج ۲ ۱۴۰۶ھ جنوری ۱۹۸۶ء میں فراغت پائی۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ
بہاولپور۔ پاکستان

سُوْرَةُ الدَّهْرِ

اٰيَاتُهَا ۳۱	(۷۶)	سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ	(۹۸)	رُكُوْعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①
اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ
سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③
اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاْ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ
يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۚ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ
اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ
شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ⑦ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا
وَّاَسِيْرًا ⑧ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا
شُكُوْرًا ⑨ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩ فَوَقٰهُمُ
اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪ وَجَزٰهُمْ بِمَا
صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ⑫ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ
فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ
قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ

كَانَتْ قَوَارِيرَا ۝١٥ قَوَارِيرَا مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝١٦ وَيُسْقَوْنَ
فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ۝١٧ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ۝١٨
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ج إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ
لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝١٩ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ۝٢٠
عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ز وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن
فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝٢١ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً
وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ۝٢٢ ع

سورۃ الدھر مکیہ ہے اس کی اکتیس (آیات) اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گذرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا[۱] بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ ہم اسے جانچیں تو اسے سنتا دیکھتا کر دیا[۲] بے شک ہم نے اسے راہ بتائی یا حق مانتا یا ناشکری کرتا[۳] بے شک ہم نے کافروں کے لئے تیار کر رکھی ہیں زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ[۴] بے شک نیک پئیں گے اس جام میں سے جس کی ملونی کافور ہے، وہ کافور کیا ایک چشمہ ہے[۵] جس میں سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے پئیں گے اپنے محلوں میں اسے جہاں چاہیں بہا لے جائیں گے[۶] اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو[۷] ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلا یا شکر گذاری نہیں مانگتے[۸] بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے[۹] تو انہیں اللہ نے اس دن کے شر سے بچا لیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی[۱۰] اور ان کے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے[۱۱] جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ اس میں دھوپ دیکھیں گے نہ ٹھٹھر[۱۲] اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے گئے ہوں گے[۱۳] اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا جو شیشے کے مثل[۱۵]

ہو رہے ہوں گے کیسے شیشے چاندی کے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ پر رکھا ہوگا[16] اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی ملونی[17] ادرک ہوگی ۔ ادرک کیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے[18] جسے سلسبیل کہتے ہیں اور ان کے آس پاس خدمت میں پھریں گے ہمیشہ رہنے والے لڑکے جب تو انہیں دیکھے تو انہیں سمجھے کہ موتی ہیں[19] بکھیرے ہوئے اور جب تو ادھر نظر اُٹھائے ایک چین[20] دیکھے اور بڑی سلطنت اُس کے بدن پر ہیں کریب کے سبز کپڑے اور قناویز کے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی[21] ان سے فرمایا جائے گا یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی ۔ (۲۲)

تفسیر عالمانہ (۱) هَلْ اَتٰى بے شک گزرا ۔ استفہام تقریری و تقریبی ہے کیونکہ هَلْ بمعنی قَدْ ہے یہ دراصل اَهَلْ اَتٰى الخ تھا معنی قَدْ اَتٰى تحقیق آیا (تھا) یعنی گزرا ۔ هَلْ سے پہلے الف چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ استفہام میں ہی واقع ہوتا ہے اور اس کا لزوم استفہام کو ہے ملفوظ ہو یا مقدر جب معنیٰ قد ہوتا کہ ہمزہ سے استفہام سے تقریر تقریب ثابت ہو اس لئے کہ وہ ماضی کو حال کے ماضی کے قریب کرنے کے لئے موضوع ہے اس پر دلیل یہی ہے کہ یہاں معنی مراد نہیں کیونکہ اللہ (تعالیٰ) کے لئے استفہام محال ہے تو ضروری ہوا کہ اسے خبر کے معنی پر محمول کیا جائے جیسے تم کہتے ہو هل وعظتك اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے مخاطب سے اقرار کراؤ کہ واقعی تم نے اُسے نصیحت کی اور یہ کبھی انکار کے لئے بھی آتا ہے مثلاً هل يقدر احد على مثل هذا تو اس سے تمہاری مراد یہی ہے کہ تیرے سوا اور کوئی قادر نہیں ۔ عَلَى الْاِنْسَانِ انسان پر زمانہ قریب ماضی میں اس سے انسان کی جنس مراد ہے نطفہ کے قرینہ سے اس لئے کہ آدم علیہ السلام تو نطفے سے پیدا نہیں ہوتے یا جنس سے مراد بنو آدم ہیں یا عام ہے کہ وہ خود اور ان کی جملہ اولاد بطریق تغلیب کے یا البعض کی حال کی نسبت مجازاً کی طرف ہے ۔ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ ایک وقت دہر سے ۔

حل لغات الحين مطلق وقت اور ایسا مبہم وقت جو تمام زمانوں کی صلاحیت رکھے تھوڑا ہو یا زیادہ ۔ المفردات میں ہے کہ حین شئے کا بلوغ وحصول اور وہ مبہم ہے مضاف الیہ سے مخصوص ہوتا ہے جیسے ولات حين مناص جس نے کہا کہ حین چند معانی میں آتا ہے اجل ۔ موت ۔ ساعۃ ۔ زمانہ مطلق تو اس نے وہ تفسیر کی جو لے معنی ملا اس سے اسے متعلق کر دیا الدهر طویل زمانہ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس پر ممتد زمانے کا ایک حصہ محدود آیا اس سے انسان کا ماں کے پیٹ میں نو ماہ گزارنا مراد ہے کہ اس کے بعد ہی مذکور ہونے لگا (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے) لَمْ يَكُنْ نہ تھا اس میں ۔ یہ حین کی دوسری صفت ہے بحذف الضمیر شَيْئًا مَّذْكُوْرًا کوئی شئے مذکور بلکہ تھا بھولا بسرا اس کا نام و نشان تک نہ تھا انسانیت کا تو اس پر اطلاق تھا ہی نہیں کیونکہ وہ اس وقت اصلاب آباء میں نطفہ تھا تو نطفے اور انسانیت میں شئے مذکور ہونے کے درمیان کی مدت نہایت محدود ہے ۔

سوال عالم ارواح میں تھا پھر اسے کیسے کہا جاسکتا ہے لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔

جواب انسانیت سے اس وقت مذکور شے ہوا جب روح بدن سے ہوا اس سے قبل عالم ارواح میں انسانیت سے کیسے مذکور ہو سکتا تھا انسانیت سے تب مذکور ہوا جب عالم اجسام سے متعلق ہوا۔

حکایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ کسی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہی آیت پڑھی تو آپ رو پڑے اور فرمایا لیتھا تمت آپ نے اس سے یہی شے غیر مذکور مراد لی کہ نہ ہم پیدا ہوتے اور نہ ہی مکلف ہوتے (عیون المعانی) آیت میں استفہام تقریری ہو تو منکر بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کو برانگیختہ کیا جائے کہ وہ اس کا اقرار کرنے ہونے کہے (نعم) ہاں کہ اس پر زمانہ قریب میں اس پر ایک تھوڑا سا وقت گذرا ہے کہ وہ اس وقت مذکور تک نہ تھا پھر اس سے پوچھا جائے کہ پھر اسے کس نے پیدا کیا جبکہ وہ نہ تھا جب وہ اس کا اقرار کرلے تو پھر اسے کہا جائے کہ جس نے تجھے عدم سے پیدا کیا اس پر کونسا امتناع ہے کہ تجھے مرنے کے بعد زندہ اٹھائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے علم میں شے تھا اگرچہ فی نفس الامر مذکور نہ تھا اس لئے روح قدیم الایام شے ہے لیکن وہ عام مذکور نہ تھا کیونکہ وہ عالم غیب میں تھا لیکن عالم شہادت سے لاشعور تھا اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کی ایک صورت علمیہ غیبیہ ہے دوسری صورت عینیہ شہادیہ ہے اور وہ ہر دونوں صورتوں کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی ابدی میں مذکور ہے کیونکہ اس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں اس لئے کہ اشیأ کے ساتھ اس کا علم ایجاد سے پہلے ہی ازلی ابدی ہے ان کے وجود سے پہلے انہیں پیدا کیا حالانکہ وہ معدوم تھے کتم عدم میں اور اس کا علم بنفسہ مستلزم ہے اس کے علم کو اعیان اشیأ سے کیونکہ اشیأ اس کے اسمأ وصفات کی مظاہر ہیں اور اسمأ وصفات عین ذات ہیں (اسے اچھی طرح سمجھ لے) یعنی انسان پر جو وقت گذرا وہ بہ نسبت حق کے بھولا بسرا تھا اور وہ کیوں نہ ہو جب اپنی صورت پر پیدا شد، تھا اور اس کی صورت حق تعالیٰ کے ہاں حاضر و مشہود تھی اور استفہام انکاری ہے بخلاف المحجوبین از علم المعرفۃ والحکمۃ الالٰہیۃ کے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے انسان تجھ پر ایک ایسا وقت آیا جب اسمیں اللہ تعالیٰ تیرا ذکر (نام) تک نہیں کرتا تھا

تفسیر عالمانہ (۲) اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا یعنی اس کے جسم کو ضمیر کے بجائے الانسان کا اظہار زیادہ تقریر کے لئے ہے۔ مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ (منی) سے یہاں تک کہ چالیس دن تک خون کی پھٹک ہو گیا اسی دن تک گوشت کی بوٹی پھر ۲۰ دن بعد اس میں روح پھونکی گئی جیسے ابوالانسان آدم علیہ السلام کو گارے سے بنایا گیا پھر انہیں مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان چالیس سال تک ٹھہرایا گیا تب وہ حمأ مسنون (بودار سیاہ مٹی کی طرح) انکا ڈھانچہ ہوا اس پر بھی آپ کے ڈھانچہ پر چالیس سال گذرے تب بھی بجنی مٹی کی طرح ہوئے اس پر بھی چالیس

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اولاد آدم میں ایک دن کے برابر آدم علیہ السلام پر ایک سال گذرتا تھا۔ ضحاک کی روایت میں ہے جاپیا کہ روح پھونکی گئی تو ڈھانچے کی تکمیل ہوئی سال میں ایک سو بیس سال گذرے

فائدہ بعض نے پہلے لفظ انسان سے آدم علیہ السلام سے اور دوسرے سے آپ کی اولاد مراد لی ہے یہ اس وقت ہے کہ حین زمانہ طویل اور دراز کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو لیکن ہر دونوں میں جنس انسان مراد لینا موزوں اور زیادہ ظاہر بھی یہی ہے اسی لئے اس سے مقصود ہے انسان کو اس کی تخلیق ظاہر کرکے پند و نصیحت کرنا کہ وہ بالکل نہ تھا لیکن اب کیا ہے اس سے جب سنے گا کہ وہ کوئی شے ہی نہ تھا اور نہ کہیں اس کا ذکر تھا۔ پھر وہ مذکور ہوا لیکن پیدا ہوا کہ ایک حقیر و خسیس پانی سے اس طرح سے وہ بعث (مرنے کے بعد اٹھنے) کو بعید نہ سمجھیگا (اور نہ ہی اس کا انکار کرسکے گا)۔

حل لغات اَمْشَاجٍ ملی ہوئی۔
امشاج مشیج کی جمع ہے جیسے سبب کی اسباب یا کتف کی اکتاف دونوں لغتیں ہیں یا یہ مشجت الشئ (خلطتہ) میں نے شئے کو ملایا۔

سوال نطفہ واحد امشاج جمع پھر موصوف وصفت کیسے؟

جواب نطفہ مفرد سے مرد و عورت کے ہر دونوں کا مجموعہ پانی مراد ہیں اور ان کی جمع مختلف اوصاف کی وجہ سے ہے اور رقت غلاظت (گاڑھا ہونا) اور ان کے مختلف خواص کی وجہ سے بھی کہ مرد کی منی سفید غلیظ اور اسمیں عقد کی قوت ہوتی ہے اور عورت کی زرد اور رقیق اور اسمیں انعقاد کی قوت ہوتی ہے انہی دونوں سے بچہ بچی پیدا ہوتے ہیں جس کا پانی اوپر آئے گا بچہ، بچی اس کے مشابہ (ہمشکل) ہوں گے اور بچہ۔ بچی میں جوڑ۔ ہڈی۔ قوت مرد کے پانی سے اور گوشت۔ خون۔ بال عورت کے پانی سے (جیسا کہ حدیث مرفوع میں ہے)۔

اعجوبہ خبر میں ہے کہ ہر انسان نطفہ پر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے ان دونوں کے مختلف پانیوں اور مختلف جگہوں کی مٹی کی ملاوٹ کی وجہ سے نطفہ امشاج سے موصوف ہوا۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نطفہ ملایا ہوا حیض کے خون سے اس لئے کہ جب حمل ٹھہرتا ہے تو حیض اٹھ (ختم ہو) جاتا ہے صاحب قاموس اسی طرح گئے ہیں چنانچہ فرمایا نطفہ امشاج وہ ہے جو عورت کے پانی اور خون سے ملایا ہوا ہے۔ اس تقریر پر امشاج جمع ہے کہ اسمیں دو نطفے (مرد و عورت کے) اور خون عورت کا ہے خلاصہ یہ کہ امشاج کا معنیٰ یہ ہے کہ نطفے کے مختلف الوان و اطوار ہیں ایسے ہی قتادہ نے فرمایا اور امام راغب نے فرمایا کہ امشاج سے مراد وہ قوی مختلف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا فرمایا جن کی طرف اشارہ ہے وَلَقَدْ خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ الآیۃ۔

لہ جس کی تشریح و تفسیر پ ۱۸ ع اول میں گذری ہے ۱۲ اویسی غفرلہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نطفہ سے مراد وہ قوت قابلیہ منجشمہ ہے جو قوت کے فاعلیہ کے نطفہ سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم نے اسے فیض الٰہی کی قوت سے پیدا کیا جو فاعل سے متعلق ہے اور فیض مقدس کی قوت سے جو قابل سے متعلق ہے پس فیض اقدس ذاتی بمنزلہ مرد کے پانی کے ہے اور فیض اسما بمنزلہ عورت کے پانی کے ہے۔

نَّبْتَلِيهِ (کہ ہم اسے جانچیں) فلقنا کے فاعل سے حال مقدرہ ہے کہ دراصل مریدین نبتلیہ تھا در انحالیکہ ہم اس کی آزمائش رکھتے ہیں تاکہ اسے مکلف بنائیں (جس کا بیان آئے گا) تاکہ اس کے حال سے ہمارا تفصیلی علم فی العین بوں کے احوال سے تعلق فی العلم اجمالاً تھا تاکہ اس کے احوال ظاہر ہوں کہ کون قبول کرتا ہے اور کون رد کرتا ہے اور اسمیں سعادتمند کون ہے اور اہل شقادت کون۔

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا پھر ہم نے اسے سمیع وبصیر بنایا تاکہ آیات تنزیلیہ سن سکے اور آیات تکوینیہ کا مشاہدہ کر سکے گویا وہ ابتلاً (آزمائش) کا مسبب ہے اسی لئے اس کا عطف خلق مقیدبہ پر فا کے ساتھ ہے گویا کہا گیا ہے انا خلقناہ مریدین الخ بے شک ہم نے اسے مکلف بنانے کے لئے پیدا کر کے اسے ایسے امور دیئے جن کی وجہ سے اسے مکلف اور اس سے امتحان (آزمائش) لیا جا سکے جیسے سمع وبصر اور جملہ آلات تفہیم وتمیز۔

سوال عقل کا ذکر کیوں نہیں حالانکہ وہ بھی آلات تفہیم وتمیز سے ہے۔

جواب منجملہ اسباب وآلات کا ذکر کو دیا گیا ہے
یہ ضروری نہیں کہ جملہ آلات واسباب یہاں مذکور ہوں ویسے یہاں ان آلات کا ذکر مطلوب ہے جس مخلوق کے سعدا کی تکمیل ہو اور وہ پہلے نمبر پر سمع ہے پھر بصر اس کے بعد ہی عقل کو سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے۔

فائدہ صیغۂ مبالغہ کے اختیار میں اشارہ ہے اس پر کمال احسان واتمام انعام کی طرف اور بصیرًا جعلنا کا مفعول ثانی ہے ثانی کے بعد۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انسان کو جمیع مسموعات کا سمیع اور جمیع مبصرات کا بصیر بنایا جیسے حدیث قدسی میں فرمایا کنت سمعہ وبصرہ الخ میں اس کی سمع وبصر ہو جاتا ہوں مجھ سے سنتا دیکھتا ہے اسی لئے مسموعات اور مبصرات میں دیکھنے سننے میں کوئی شے رہ نہیں جاتی (اے مسکین اسے اچھی طرح سمجھ لے)۔

فائدہ حضرت عثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ملی ہوئی نو اشیاء سے آزمائش فرمائی ہے تین فتان (فتنہ میں ڈالنے والی) ہیں:

① سمع۔

② بصر۔

(۳) لسان۔

تین کافرات ہیں؛

(۴) نفس۔

(۵) خواہشات نفسانی۔

(۶) اس کا دشمن شیطان۔

تین مؤمن ہیں؛

(۷) عقل۔

(۸) روح۔

(۹) قلب۔

جب اللہ تعالیٰ بندے کی مدد فرماتا ہے تو عقل کو قلب پر غلبہ بخشتا ہے تو عقل قلب پر شاہی کرتا ہو۔ نفس اور اس کی خواہشات کو قیدی بنا لیتا ہے اسی لئے اسے کسی قسم کی حرکت کا چارہ نہیں رہتا اس وقت نفس روح سے مانوس اور خواہشات نفسانی عقل کی جنس سے ہو جاتی ہیں اور اس کے لئے کلمۂ الٰہی بلند ہوتا ہے اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا قاتلوهم حتّٰی لا تکون ان سے لڑو یہاں تک فتنہ نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ (۳) اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ بے شک ہم نے اسے راہ بتائی۔ ماقبل پر مرتب ہے یعنی اعطاء الحواس پر تو یہ جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے اسے سمیع و بصیر بنانے میں یعنی اعطاء الحواس الظاہرہ والباطنۃ اور ان سے متحلی ہونا ہدایت پر مقدم ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اسے خیر و شر نجات و ہلاکت دکھائی سمجھائی آیات کے انزال اور نصب دلائل سے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا و ھدینہ النجدین اور ہم نے اسے دو راہوں کی رہبری کی یعنی اسے خیر و شر کا راستہ بیان کیا اس لئے کہ واضح اور اونچے راستہ کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ یہاں ہدایت محض دلالت مراد ہے نہ کہ وہ دلالت جو مطلوب تک پہنچائے (کذا فی بعض التفاسیر)۔

اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا یا حق مانتا یا ناشکر کرتا۔ یہ دونوں ھدینہ کے مفعول سے حال ہیں الارشاد میں ہے کہ ہم نے اسے دونوں حالتوں میں ایسے راہ پر چلنے کی قدرت دی جو مطلوب تک پہنچا دے۔ اِمَّا ذی الحال کی تفصیل کے لئے ہے کیونکہ وہ احوال پر دلالت کے لحاظ سے مجمل ہے مراد معلوم نہ ہوتی تھی کہ یہ دلالت اسے حالت کفر میں ہوئی یا حالت ایمان میں تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اس کا تعلق ہر دو نوں حالتوں سے ہے شاکر موحد (مؤمن سعادتمند) کفور منکر۔ اس لئے شکر منعم کا اقرار اور ناشکری کی جڑ منعم کا انکار ہے اسی لئے اہل عرب کہتے ہیں فلاں شاکر النعمۃ یا کفور النعمۃ ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الکفور کافر النعمۃ اور کافر الدین ہر دونوں کو کہا جاتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ اِمَّا تقسیم کے لئے ہو بایں حیثیت کہ ذو الحال کو مطلق اعتبار کیا جائے یعنی وہ

جو ماہیۃ من حیث ھی ھی پر دال ہے اور اما کے ہر دونوں کو اس کی قید بنایا جائے تو ان ہر دونوں کو مقید کرنے سے ایک قسم حاصل ہوا جو ان دونوں کی تقسیم کردہ شدہ ہے کہ بعض ان میں بالاھتدا اس کے حصول میں شاکر ہیں اور بعض انہیں اھتدا سے روگردانی کرکے کافر ہیں۔

فائدہ کفورًا کو شاکر کے بعد لانے میں فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے یعنی رؤس الآیات کی وجہ سے اور اسمیں آگاہ کرنا ہے کہ بہت قلیل انسان ہیں جو شکر سے نہ ہوں ہاں مواخذہ کفران مفرط (حد سے زائد) پر ہے اور شکر گذار نہایت قلیل ہیں اسی لئے نہیں فرمایا اما شکورًا و اما کفورًا۔ یا اما شاکرًا و اما کافرًا کنایہ ہے کہ شاکرا و مُثاب (ثواب دیا ہوا) اور معاقب (عذاب دیا ہوا) سے کنایہ ہے اور چونکہ صرف کفران مؤاخذہ کو مستلزم نہیں اسی لئے صرف اس سے کنایہ نہیں کیا گیا بخلاف مجرد شکر کے کہ وہ اثابۃ (ثواب دینا) کو مستلزم ہے وعدۂ کریم کے مقتضیٰ کے۔ اسی لئے مطلق شکر پر اثابت دائر ہے اسی لئے اسمیں مبالغہ نہیں کیا گیا لیکن کفران مطلق پر مواخذہ نہیں بلکہ اسمیں افراط (حد سے زائد) میں مواخذہ دائر ہے اسی لئے اسمیں مبالغہ کا صیغہ لایا گیا ہر دونوں میں وسعت رحمت کے تقاضے ہیں اور اشارہ ہے کہ اس کے غضب پر رحمت کو سبقت ہے۔

فائدہ حضرت ابوالسماک نے اما میں بفتح الہمزہ پڑھا ہے اور یہ حسن قرأت ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہر حال جو شاکر ہے تو بھی ہماری توفیق سے اور جو کفور (ناشکرہ) ہے تو اپنے سوٗ اختیار سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انسان کو اھتدا میں اس شکر کے سبیل کی طرف جو دائیں ہاتھ جمالیہ سے متعلق ہے یا سبیل کفر کی طرف جو بائیں ہاتھ جلالیہ سے متعلق ہے بعض نے اپنے مقتضائے حقائق استعدادات ازلیہ سے سبیل شکر اختیار کیا اور بعض نے اپنے مقتضائے حقائق اور قابلیات ازلیہ سے سبیل کفر اختیار کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا کہ یہ اہل جنت ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں اور اہل نار ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں مدح و ذم کی اگر مدح و ذم متعلق ہوں گی تو ان سے نہ کہ مجھ سے۔

ربط جب دونوں گروہوں کے ذکر کے بعد اب ان کے وعد و وعید کا بیان فرمایا چنانچہ فرمایا (۳۹) اِنَّآ اَعْتَدْنَا بے شک ہم نے آخرت میں تیار کی۔

حل لغات اعتداد بمعنی شے کو ایسا تیار کرنا کہ بوقت ضرورت حاضر و موجود ہو لِلْكٰفِرِیْنَ کافروں کے لئے افراد انسان سے جسے ہم نے راہ دکھایا سَلٰسِلَاۡ (زنجیریں) جن سے انہیں جہنم کی طرف کھینچ کر لے جایا جائے گا۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے جہنم میں کافروں کے لئے زنجیریں تیار کی ہیں ستر ہاتھ کی وہ تنوین کے بغیر ہے۔ حضرت حفص (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) کی قرأۃ میں ہاں وقف کو تو کبھی الف سے پڑھا جاتا ہے کبھی الف کے بغیر۔

حل لغات کہا جاتا ہے تسلسل الشئی اضطرب (متحرک ہوا) اسی سے مقصود ہے تسلسل و تردد اس کے لفظی تردد سے اس کے معنوی تردد پر تنبیہ ہے اسی سے ہے سلسلہ۔ القاموس میں ہے بالفتح ایک شے کو دوسرے تک پہنچانا (اسی سے

ہے سلسلہ قادریہ، اولیسیہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ) اور بالکسر دائرہ از حدید (لوہا) وغیرہ۔

وَاَغْلٰلًا اور طوق۔ جن سے انہیں اہانت اور عذاب کے کھینچکر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا یہ طوق حق کو قبول نہ کرنے کی بے فرمانی سے نہیں ہوگا بلکہ ان کی تحقیر کے طور ان کے گلے میں زنجیریں ڈالکر کھینچا جائے گا کہ انہوں نے اللہ کے سامنے طوق نیاز نہ جھکائی تو یہ سزا پا رہے ہیں اس طرح سے انہیں جہنم کی آگ سے جلایا جائے گا کہ وہ دنیا میں خوف خدا کی آگ سے نہ ڈرتے تھے۔

(فائدہ) یاد رہے کہ کافروں کے گلے میں طوق ڈالنا ان کے بھاگنے کے خوف سے بھی نہ ہوگا۔

حل لغات اغلال غل (بالضم) کی جمع ہے وہ شے جو عذاب دینے کے طور کسی کو کوئی شے گلے میں ڈالی جائے۔ وَسَعِيْرًا بھڑکتی آگ۔ وہ آگ جس سے جلائے جائیں گے جسیں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور زنجیروں سے کھینچکر جہنم کی طرف اس لئے لے جلائے جائیں گے کہ وہ حق کے نافرمان رہے (باقی وجوہ اوپر مذکور ہوتی)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ (تعالیٰ) نے حق سے محجوب اور خلق میں مشغول لوگوں کے لئے حُبِّ دنیا اور اس کی طلب میں تعلقات ظاہرہ کی زنجیریں اور ان کے دنیا کی طرف رغبت اور اسمیں رغبت کی وجہ سے عوائق باطنہ کے طوق اور بعد و طرد و لعن کی نار جہنم تیار کی ہے۔

سوال کافروں کی وعید کی تقدیم کیوں حالانکہ وہ مقام اجمال میں مؤخر تھے؟

جواب ① تاکہ ذکر دونوں اکٹھے ہوں۔

جواب ② ان کے لئے انذار اہم و انفع ہے۔

جواب ③ تاکہ جس کا کلام کا آغاز اہل ایمان سے ہوا اس کا اختتام بھی ان کے ذکر سے ہو۔

جواب ④ ان کے اوصاف تفصیل ہے اور تفصیل کا ذکر تقدیم چاہتا ہے۔

جواب ⑤ نظم کریم یعنی عبارات کلام الٰہی کے اطراف کے تجاوب کی وجہ سے کبھی اس کی تقدیم خلل کا سبب بنتی ہے اسی لئے اسے یہاں مؤخر کیا گیا۔

تفسیر عالمانہ ⑤ اِنَّ الْاَبْرَارَ بے شک نیک لوگ۔

ربط شاکرین کے حسن حال کا بیان شروع ہو رہا ہے جبکہ اس سے پہلے کافرین کے سوء الحال کا بیان تھا۔

نکتہ بر کی صفت میں آگاہی بخشی کہ یہ جوان لوگوں کو کرامات و انعامات نصیب ہوئے۔ اس بر (نیکی) کی برکت سے ہے۔

حل لغات ابرار بَرّ کی جمع ہے جیسے بَرّ کی جمع ابرار ہے یا بارّ کی جمع ہے جیسے شاہد کی اشہاد برّ و بار اس لئے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا مطیع ہے کہا جاتا ہے برا تہ ایں نے اس کی اطاعت کی۔ ابرۃ

میں اس کی اطاعت کرتا ہوں جیسے علمتہ وضربتہ (میں نے اسے جانا۔ میں نے اسے مارا)۔

فائدہ حضرت حسن (البصری) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا البر من لا یؤذی الذر ولا یضمر الشر وہ جو چیونٹی تک کسی کو نہ ستائے اور نہ ہی دل میں کسی کے لئے شر چھپائے۔ ؎

لا تؤذ نملا ان اردت کمالکا

فان لہا لنفسہا تطیب کما لکا

ترجمہ: چیونٹی کو اذیت نہ دے اگر تو کمال چاہتا ہے کیونکہ اس کا جی بھی تیری طرح خوش ہوتا ہے۔

المفردات میں ہے البر البحر کی نقیض ہے اس سے وسعت کا تصور ہوتا ہے اسی سے البر (نیکی) مشتق ہے کیونکہ اس سے بندے کا اپنے رب سے خیر کی وسعت کا تصور ہے کہ وہ اس کی بے حد و حساب اطاعت کرے گا یہ اعتقاد و اعمال فرائض و نوافل کو شامل ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ابرار وہ ہیں جن میں عشرہ مبشرہ (جن دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے زندگی میں بہشت کی خوشخبری سُنائی) کے عادات میں سے کوئی عادت رکھتا ہو۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تین سو ساٹھ اخلاق ہیں جو توحید کے عقیدہ کے ساتھ انمیں کسی ایک سے ملقب ہو وہ بہشت میں داخل ہوگا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انمیں کوئی ایک مجھ میں ہے یا نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپ میں وہ تمام ہیں ان سب سے اللہ کو محبوب تر سخاوت ہے۔

یَشْرَبُوْنَ (جنت) میں پیئں گے۔

حل لغات الشرب بمعنی بہنے والی شے کا تناول (منہ میں لینا) پانی ہو یا کوئی شے۔

فائدہ یہ پینا مطیعین کے لئے ابتدائً ہوگا اور معذبین کو (خدا نہ کرے کسی کو دوزخ کے عذاب سے فارغ کرکے بحکم عدل بہشت میں داخلہ کے بعد مِنْ کَاْسٍ اس جام میں سے شیشے کا پیالہ جس میں شراب ہو اور خود شراب پر بھی مستعمل ہوتا ہے علی طریق المحل بارادۃ الحال اکثر کے نزدیک یہی مراد ہے۔

قاعدہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ کاس سے شراب مراد ہے پہلی تقریر پر مِنْ میں مِنْ ابتدائیہ اور دوسری تقریر میں مِنْ تبعیضیہ یا بیانیہ ہے۔

کَانَ ہے اللہ تعالیٰ کی تکوین سے۔ مِزَاجُهَا جس کی ملونی یہ وہ شے جو اس جام میں ملائی جائے گی۔

حل لغات کہا جاتا ہے مزج الشراب خلطہ (شراب ملایا) مزاج العبدان) بدن میں صفرا اور بلغم و خون اور ان ہر ایک کی کیفیات کا ملنا۔
کَافُوْرًا کافور۔ کافور کا پانی۔

فائدہ مقام محمدی میں ایک چشمہ کا نام ہے اسی طرح تمام چشموں کا پانی سفیدی میں کافوری سفیدی کی طرح ہوگا ایسے ہی خوشبو اور ٹھنڈک میں مزہ بن نہیں اسی لئے خود کافور تو نہیں پیا جاتا۔ ایسے ہی اس کے ہم مثل یہاں تک کہ جب اسے آگ جیسا بنائے گا (یعنی اسے کسی دوسری شے میں ملایا جائے۔

تحقیق کافور وہ مشہور خوشبو ہے اس سے اکفان (مردوں کے کفن) کو خوشبوناک کیا جاتا ہے اس کی اچھی خوشبو کی وجہ سے۔

حل لغات کافور کفر سے بمعنی الستر (ڈھانپنا) سے مشتق ہے کیونکہ وہ اپنی خوشبو سے اشیا کو ڈھانپ لیتا ہے القاموس میں ہے کافور ایک مشہور خوشبو ہے درخت سے لیا جاتا ہے بحر الہند اور چین میں ہوتا ہے اس کے سایہ کے نیچے بکثرت لوگ سما سکتے ہیں۔ اس کی لکڑی سفید اور نرم ہوتی ہے اس کے اندر میں کافور ہوتا ہے وہ کئی قسم ہے اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے مٹی ڈالنے سے سفید ہو جاتا ہے اور بہشت میں ایک چشمہ ہے یہ جملہ کاس کی صفت ہے (۶) عَیْنًا (چشمہ) کاس سے بدل ہے یعنی کافور چشمہ ہے۔ العین بمعنی چشمہ پانی کے چشمے کو عین سے تشبیہ محض ہیئت اور اس میں سے پانی بہنے کی وجہ سے ہے۔ یَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ (جسمیں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے)۔ عین کی صفت عِبَادُ اللّٰهِ سے مؤمن ابرار مراد ہیں اس لئے عباد کی اضافت الی اللہ تحریمی اکثر عبد مؤمن کو خاص کرتی ہے ایسے ہی یائے متکلم کی طرف اضافت سے عبد مؤمن مراد ہوتا ہے جیسے یَا عِبَادِیَ کیونکہ یہی حقیقی مؤمن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں کہ اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ گویا عبد ہی نہیں اب معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نہایت خاص مؤمن بندے جام کے ساتھ شراب طہور پئیں گے اس لئے کہ وہ اس میں ملا ہوا ہوگا جیسے تم کہتے ہو شربت الماء بالعسل۔ میں نے پانی کو شہد میں ملا کر پیا اس میں لذت کی قوت کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ مقربین قوت والے ہی کافوری شراب پئیں گے جو خالص شراب طہور ہی ہوگا جسمیں اور کسی شے کی ملاوٹ نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یشرب منہا ہو یعنی با بمعنی من ہے لیکن با لانا جائز ہے اس لئے کہ حروف عاملہ ایک دوسرے کے قائم مقام آتے رہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ (اس سے ہم نے پانی اتارا) اسمیں با بمعنی من ہے۔ یعنی (منزلنا من السحاب الماء) ہم نے بادل سے پانی

آتارا۔ اس کی شیخ (ابو طالب رحمہ اللہ تعالیٰ) مکی نے قوت قلوب میں تصریح فرمائی۔
یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا اپنے ٹھکانوں میں جہاں چاہیں گے لے جائیں گے۔

حل لغات التفجیر والفجر (پانی بہانا) المفردات میں ہے الفجر بمعنی شے کو وسیع کر کے چیرنا جیسے فجر الانسان السکر فلال، انسان نے سکر کو چیرا۔ فجرته الفجر، میں نے اسے چیرا وہ چرگیا۔ فجرته فتفجر، میں نے اسے چیرا وہ چرگیا۔
اب معنی یہ ہوا کہ وہ انہیں اپنے ٹھکانوں میں جہاں بہاکر لے جائیں جیسا کہ تفصیل کی بنا (مصدر) سے معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ تشدید کثرت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ جاری کرنا آسان ہوگا انہیں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی بلکہ وہ اپنی قوت و اندفاع سے جاری ہوں گی اسی لئے کہ انہار واشجار وغیرہ کی طرح اہل جنت کے تابع ہوں گی پس مصدر تفجیرا اس فعل کا مؤکد ہے جو سہولت کے معنیٰ کو متضمن ہے اور یہ جملہ عینًا کی دوسری صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ ① تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ابرار میں ان بندگان خدا کی طرف اشارہ ہے جو مخلصین اور اس اسم اعظم کے فیض سے مخصوص ہیں جو ان جمیع اسما کو شامل ہے یعنی وہ لوگ جنہیں ان کا رب اسم باسط سے متجلی ہو کر پلائے گا محبت کے جام سے شراب طہور عشق جس کا فور یقین کی ٹھنڈک ملائی ہوئی ہے اور وہ جاری ہونے والا ہے ان کے ارواح واسرار وقلوب کی انہار میں نور رحمت و شمول نعمت کے ساتھ۔

تفسیر صوفیانہ ② حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابرار سے وہ سعادتمند لوگ مراد ہیں جو حجاب آثار و افعال سے برونر اور حجب صفات سے محجوب اور وہ ان کے ساتھ واقف نہیں بلکہ عین الذات کی طرف سے بقا عالم الصفات کے متوجہ ہیں اور وہی متوسط فی السلوک ہیں وہ محبت حسن الصفات کے جام پیتے ہیں نہ صرف محبت حسن الصفات بلکہ ان کے شراب محبت ذات کی لذت بھی ملاوٹ ہے اور یہ چشمہ کا فوری لذت برد اٹھنڈک الیقین کی لذت اور بیاض نوری و تفریح قلبی کا فائدہ بخشتا ہے اس قلب کو حرارت شوق اور تقویت سے جلا ہوا ہے اس لئے کہ کافور میں تبرید و تفریح و خاصیت ہے اور کافور ایک چشمہ ہے جس سے صرف وہ بندگان خدا پیتے ہیں جو اس کے خاص ہیں وہ اہل وعدۂ ذاتیہ ہیں جن کی محبت صرف ذات سے ہے نہ کہ اہل صفات سے ان کے نزدیک قہر ولطف اور نرمی وسختی اور نعمت و بلا اور شدۃ و رضا کا کوئی فرق نہیں بلکہ ان کے دلوں میں محبت مع الاضداد قرار پکڑ چکی ہے انہیں نعمتوں اور مصیبتوں اور رحمت و زحمت سے برابر طور لذت محسوس ہوتی ہے ان کے ایک نے فرمایا ؎

هوای لہ فرض تعطف ام جفا
و مشربہ عذب تکدر ام صفا
وکلت الی المحبوب امری کلہ
فان شاء احیانی وان شاء اتلفا

ترجمہ: اس کی محبت میرے لئے فرض ہے لطف فرمائے یا جفا اس کا گھاٹ میٹھا ہے میلا ہو یا صاف میں نے اپنے تمام امور محبوب کو سپرد کر دیئے اس کی مرضی چاہے زندہ رکھے چاہے موت دے۔

فائدہ ہاں ابرار چونکہ منعم و لطیف و رحیم سے محبت کرتے ہیں اسی لئے ان کی محبت قہار و مبتلی و منتقم کی تجلی سے برقرار نہ ہوسکی اور نہ ہی اس سے انہیں لذت محسوس ہوتی ہے بلکہ وہ اس سے کراہت کرتے ہیں اسے بہا کرے جاتے ہیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے چشمے ہیں وہاں نہ دوئی ہے نہ غیریت ورنہ کا نور ظلمت و حجاب انانیت اور دوئی اور سیاہی نہ ملتی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ جیسے دنیا میں ان کے احوال مختلف تھے ایسے ہی آخرت میں ان کے گھاٹ مختلف ہوں گے کہ پھر ہر ایک اپنے حال کی مناسبت سے پئیے گا مثلاً وہاں مختلف چشمے ہوں گے حیا کے صبر کے وفا کے وغیرہ وغیرہ۔

شراب کی اقسام شراب یا نفسانی شیطانی یہ جو دنیا میں اہل فسق پیتے ہیں اور یہ حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے جب بندہ شراب (دنیوی) ہاتھ میں لیتا ہے اسے ایمان قسم دے کر کہتا ہے کہ اسے مجھ میں داخل نہ کر میں اور یہ ایک برتن میں نہ ٹھہر سکیں گے اگر وہ بندہ (منحوس) شراب پی لیتا ہے تو ایمان (اس کا نور) اس سے بھاگ جاتا ہے چالیس دن اس کے ہاں واپس نہیں لوٹتا اگر وہ توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن شراب پینے سے عقل کا تھوڑا سا حصہ اس سے نکل جاتا ہے جو مرتے دم تک اس کے پاس واپس نہ لوٹے گا۔

(۱) جسمانی رحمانی یہ آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

(۲) روحانی ربانی یہ دارین (دنیا و آخرت) میں اہل محبت اور اہل شوق کو نصیب ہوتا ہے یہ تمام شرابوں (دنیوی - اخروی) سے لذیذ تر ہے حضرت مولانا جلال الدین قدس سرہ نے فرمایا ؎

الا یا ساقیا انی لظمان و مشتاق

ادر کاسا ولا تنکر فان القوم قد ذاقوا

خذ الدنیا و ما فیها فان العشق یکفینا

لنا فی العشق ضات و بلدان و اسواق"

ترجمہ: اے ساقی میں پیاسا اور مشتاق ہوں ایک جام پلا اور انکار نہ کر کیونکہ اسے اور لوگوں نے بھی چکھی ہے۔ دنیا و مافیہا مجھ سے لے لے ہمیں عشق کافی ہے کیونکہ عشق میں ہمارے لئے باغات اور شہر اور بازاریں ہیں۔

تفسیر عالمانہ ⑦ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ منتیں پوری کرتی ہیں۔ جملہ مستانفہ ہے گویا کہا گیا ان حضرات کو یہ بلند مرتبہ مل جاتا ہے تو پھر کیا کرتے ہیں اس کے جواب میں کہا گیا یوفون الخ یعنی جب انہوں نے اپنے اوپر جو واجب کیا تھا اسے پورا کیا تو پھر جو ان پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا وہ کیوں نہ پورا کرتے جیسے نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ حج وغیرہ یہ ان کے ادائے واجب کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنے میں مبالغہ ہے۔

حل لغات الیفاء بمعنی شے کو پورا اور مکمل طور ادا کرنا۔ النذر (منت) یہ ہے کہ جو چیز آدمی پر واجب نہیں ہے وہ کسی شرط سے اپنے اوپر واجب کرے مثلاً اگر یہ کہے کہ اگر میرا مریض اچھا ہو یا میرا مسافر بخیر واپس آئے تو میں راہِ خدا میں اس قدر صدقہ دوں گا یا اتنی رکعتیں نماز پڑھوں گا محض اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے پیش نظر۔

مسئلہ اس نذر کی وفا واجب ہوتی ہے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ لوگ طاعت و عبادت اور شرع کے واجبات کے عامل ہیں حتیٰ کہ جو طاعات غیر واجبہ اپنے اوپر نذر سے واجب کر لیتے ہیں اس کو بھی ادا کرتے ہیں۔

مسئلہ اس نذر میں اختلاف ہے جو وجوہ نیکی کو خود پر واجب کر دیتے ہیں مثلاً کہا کہ اگر فلاں دار میں داخل ہوا تو اس پر یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ یمین کی طرح ہے بعض علماء نے اسے نذر میں داخل کیا ہے۔

مسئلہ: کہا گیا ہے کہ نذر وعدہ کی طرح ہے اگر وہ بندے سے ہے تو اس کا نام نذر ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہے تو وہ وعدہ کریمہ ہے۔

مسئلہ نذر (منت) قربت مشروعہ ہے یہ صرف طاعت میں صحیح ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے منت مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو چاہیئے اطاعت کرے (یہ واجب ہے) اگر کہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی کرے گا تو نا فرمانی نہ کرے (بلکہ اس کا کفارہ دے)۔

حکایت حضرت ہارون بن معروف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک نوجوان آیا اور کہا کہ میرے باپ نے قسم کھائی ہے کہ اپنی عورت کو طلاق اگر میں کوئی دوا مع مسکر (نشہ والی شے) پیئوں میں اسے ابی عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس لے گیا کہ اس کا فتویٰ کیا ہے فرمایا انہوں نے اس کی رخصت نہیں اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کل مسکر حرام (ہر نشہ والی شے حرام ہے)۔

مسئلہ جملہ اطباء ملکر کہیں کہ اس مریض کی شفاء شراب پینے میں ہے تو نہ پیئے جب تک اس کے لئے اور دوائی سے علاج ہو سکتا ہے اگر اس کے سوا اور کوئی دوائی نہ ہو تو ایک قول میں ہے کہ پی لے (صحیح یہ ہے

کرنے پڑے۔

فائدہ جو واجب اللہ تعالیٰ کا ہے اس میں زیادہ اہتمام ہونا چاہیئے بہ نسبت اس کے جو بندے نے اپنے اوپر خود کیا ہے لیکن بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب کی تو کوئی پرواہ نہیں کرتے لیکن اپنے اوپر خود کردہ واجب کا خوب اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی پنجوقتہ نماز فرض ہے اس کی پرواہ نہیں لیکن جب منت مانیں کہ فلاں مشکل آسان ہوگئی یا کوئی کام نہ ہوتا تھا منت ماننے پر ہوگیا تو اب اس منت کو پورا کرنے کے لئے جلدی اور خوب اہتمام کرتے ہیں یہ حماقت و جہالت ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابرار وہ ہیں اس عہد کو پورا کرتے ہیں جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں ہے جب صبح ازل میں ہوا کہ جب انہیں آلات و اسباب پر قدرت ملی تو وہ اپنی استعدادات کی کمین گاہوں اور فطرت کے غیوب سے حقائق و معارف و علوم و فضائل ظاہر کریں گے اور تزکیہ و تصفیہ کرکے انہیں قوت سے فعل کی طرف نکالیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَيَخَافُونَ يَوْمًا (اور ڈرتے ہیں اس دن سے) قیامت کے دن سے۔ كَانَ شَرُّهُ (جس کی برائی) شدت اور سختی اور عذاب۔ مُسْتَطِيرًا (پھیلی ہوئی ہے) کھلم کھلا مکمل طور ہر طرف پھیلی ہوئی ہے یعنی ہر کس اس سے متاثر ہوگا۔

حل لغات الاستطار یعنی جلانے والا آگ اور الفجر المنتطیر (پھیلنے والی کناروں میں) القاموس میں ہے المستطیر بمعنی الساطع المنتشر" استطر الفجر (انتشر) فجر پھیل گئی۔ یہ طار سے زیادہ بلیغ ہے جیسے نفر سے استنفر اور قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے شدائد منتشرہ کو شر کہا گیا کہ وہ ایسے خوب پھیلے گا کہ آسمانوں اور زمینوں کو بھر دے گا یہ اس کی عین حکمت و صواب ہے لیکن اس کے لئے ضرر رساں ہوگا جس پر نازل ہوگا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں خیر و بھلائی (پھیلائی ہوئی) نہیں ہوگی کیونکہ قیامت کا دن جیسے ضرر رساں ہے ایسے ہی وہ راحت رساں بھی ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلایا و شدائد آخرت میں عام ہوں گے عوام کے لئے اور ملامت خاص ہوگی خواص کے لئے۔

فائدہ یوفون بالنذر الخ ان کے اعمال اور جمیع واجب کی ادائیگی کا بیان ہے اور یخافون الخ ان کی نیات کا بیان ہے کہ انہیں یوم البعث (مرنے کے بعد اٹھنے) والجزا پر اعتقاد تھا اسی لئے وہ اللہ سے ڈرتے تھے کیونکہ طاعات کا اتمام اعتقادیات پر موقوف ہے جن میں یہ دونوں ہوں گے ان کا نام اللہ نے ابرار رکھا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ ارباب سلوک فی طریق الحق کی طرف اشارہ ہے جو اس کی طلب و سلوک میں اپنے نفسوں پر گوناگوں ریاضت اور قسم قسم کے مجاہدات واجب کرتے ہیں اور آرام و نیند

چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے اجسام کو بھوک کی سزا اور پیاس سے جگر کو جلاتے ہیں اور کلام اغیار کو سننے سے کان کو بند رکھتے اور آنکھوں کو محبوب حقیقی کے سوا کو دیکھنے سے بند رکھتے اور دلوں پر مطلوب ازلی کے محبت کے سوا مہر لگاتے اور اپنے نفسوں کو اس دن سے ڈراتے ہیں جس میں صفت قہر اور غضب کی تجلی کا ظہور ہو جو قلب پر ہیبات مظلمہ سے تسلط کرے اور تمام شرور سے بڑا شر ہے ایسے لوگ ایسے شر سے بچنے کی جدوجہد کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ایسے شر سے خلاص بخشکر اپنے حرم آمن میں داخل فرماتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ

⑧ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ لا اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر، یعنی باوجودیکہ انہیں طعام کی خود بھی خواہش اور ضرورت وغیرہ ہوتی ہے جیسے اللہ نے دوسری جگہ پر فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ نیکی کو ہرگز نہ پہنچو گے یہاں تک وہ خرچ کرو جس سے محبت کرتے ہو یا اطعام (طعام کھلانے) کی محبت میں تو وہ بطیب خاطر طعام کھلاتے ہیں اس معنیٰ پر ضمیر فعل کے مصدر کی طرف راجع ہو گی جیسے اعدلوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى میں اعدلوا کے عدل کی طرف ضمیر هُوَ راجع ہے یا اللہ تعالیٰ کی محبت میں یا اطعام اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے (لوجه الله) کی وجہ سے جس کا بیان آتے گا اس معنی پر مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل متروک ہے کہ دراصل علیٰ حبہم للہ تھا اور جائز ہے کہ فاعل کی طرف مضاف ہو اور مفعول متروک ہو یعنی علیٰ حب اللہ الاطعام ۔

حل لغات

طعام شراب (پینے) کے خلاف اسے کبھی شراب (پینے) پر بھی استعمال کرتے ہیں اس لئے طعم الشئ بمعنی اس کا چکھنا وہ ماکول (کھائی ہوئی) ہو یا مشروب (پی ہوئی) ظاہر یہ ہے کہ یہاں خصوص ہے یعنی کھانا مراد ہے نہ کہ عموم ۔

جملہ طاعات دو قسم

جان اے جان من کہ جملہ طاعات کا مجموعہ دو امروں میں محصور ہے ۔

(۱) طاعات امر اللہ اس کا اشارہ یوفون بالنذر الخ میں ہے ۔

(۲) شفقت علیٰ خلق اللہ اس کا اشارہ ویطعمون الطعام الخ میں ہے اور یہ کنایہ ہے محتاجوں پر احسان اور ان کے ساتھ پیار و محبت جس رنگ میں ہو اگرچہ وہ بعینہ طعام سے بھی نہ ہو اور چونکہ طعام انواع احسان میں اشرف نوع ہے اسی لئے جنس احسان کو اسی نوع سے تعبیر کیا گیا ۔ (حواشی ابن الشیخ)

تفسیر صوفیانہ

بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ وہ لوگ منافع مالیہ سے خالی ہو کر رذائل سے اپنے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں بالخصوص بخل سے اس لئے کہ حب المال کثیف ترین حجابات سے ہے ایسے لوگ ایثار کی فضیلت سے موصوف ہوتے یہ لوگ دوسروں کی محتاجی دور کرنے میں جان کی بازی لگاتے ہیں اور اپنے نفوس جہالت کی رذیل صفت سے پاک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت میں حِکَم و شرائع کا روحانی طعام ان لوگوں کو نوازتے ہیں جن کا ذکر

ابھی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ مِسْكِينًا مسکین کو۔ وہ فقیر جس کی کوئی شے نہ ہو اور کمانے سے عاجز یعنی درویش بے مایہ۔ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مسکین وہ جو تھلب البدن کیجانب دائم السکون ہو وَّيَتِيمًا اور یتیم کو وہ جس کا باپ نہ ہو۔ وَّأَسِيرًا اور قیدی کو۔

حل لغات الاسر بمعنے چمڑے کے لمبے تسمہ سے باندھنا قیدی کو بھی اسی لئے الاسیر کہا جاتا ہے کہ اسے ایسی رسی سے باندھا جاتا ہے پھر ہر گرفتار مقید کو کہا جانے لگا اگرچہ اسی چمڑے کی رسی سے باندھا ہوا بھی نہ ہو اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس قیدی کو جو گرفتار ہے اور کسی کی مدد اور قید سے آزادی کا کوئی حیلہ اور سبب نہ رکھتا ہو خواہ بھی ہو۔ اس لئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کی طرف بعض مسلمانوں کے ذریعے طعام بھیجتے تھے اور فرماتے کہ قیدی کو طعام کھلانا واجب ہے۔ اگرچہ کافر ہو۔

مسئلہ دارالسلام میں اسیر احسان ضروری ہے عام علماء کے نزدیک اگرچہ وہ حاکم وقت کے نزدیک واجب القتل یا منت لگا کر چھوڑنا ہو یا فدیہ لینا ہو یا غلام بنانا ہو کسی حال میں اس کا قتل اس کے دوسرے حال کی وجہ سے اطعام کے وجوب کے منافی نہیں جیسے کہ ایک کو ایک وجہ سے سزا دینی ہے تو اس کے منافی نہیں کہ اسے دوسری وجہ سے سزا دی جائے اسی لئے یہ نامناسب ہے کہ کسی پر قصاص لازم ہے تو قتل کے سوا سے کوئی اور سزا بھی دی جائے۔

فائدہ یا معنیٰ یہ ہے کہ مومن قیدی کو طعام کھلاتے ہیں انہیں مملوک اور عبد اور کنیز اور مسجون داخل ہے یعنی وہ مسجون فقیر جو کسی مسلمان کے حق ادا نہ کرنے پر قیدی کا ہے۔

فائدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرضدار کو بھی اسیر سے موسوم فرمایا چنانچہ فرمایا غریمک اسیرک (تیرا قرضدار تیرا قیدی ہے) فاحسن الی اسیرک (تو اپنے قیدی پر احسان کر) یعنی اسے مہلت دے یا اسے قرض معاف کر دے سالم یا کچھ یہ کامل احسان ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو تنگدست (مقروض) کو مہلت دیتا ہے یا اس سے قرض معاف کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ عرش کے تلے جگہ دے گا کہ جہاں اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا یعنی اسے قیامت کی گرمی سے بچائے گا۔

اعجوبہ بعض نے کہا عورتیں منکوحہ اپنے شوہروں کی قیدی ہیں۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمہارے ہاں قیدی ہیں۔

حل لغات حدیث شریف میں عوانی فرمایا یہ العانی بمعنی الاسیر کی جمع ہے القاموس میں ہے العوانی بمعنی النسا اس لئے کہ ان پر ظلم ہوتا ہے جس کا وہ بدلہ نہیں لے سکتیں۔

صوفی قیدی حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک الاسیر وہ ہے جو طبیعت اور صفات النفس کی قید میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ حضرات حکم الٰہیہ جو ان کے ہاں محبوب ہیں طعام کھلاتے ہیں مسکین سرّ کو جو کہ وہ سرّ روح کے حکم ماتحت اس کی فرمانبرداری کے قرب میں ہے اور اس کی ذلت روح کے حکم کی عزت میں ہے اور یتیم قلب کو کہ وہ اپنے رب روح سے بعد عہد و بعد مکان کی وجہ سے یتیم ہے۔ اور قیدی اعضا کو کہ وہ قیود احکام و شریعت و آثار طریقت کی رسیوں میں مقید ہیں۔

تفسیر عالمانہ (۹) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ (ان سے کہتے ہیں) ہم تمہیں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے کھانا دیتے ہیں۔ یعنی اس کی رضا کے لئے ہم تمہیں طعام کھلاتے ہیں یہ ارادہ قول پر یطعمون کے فاعل سے حال ہے

کہ در اصل قائلین اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ الخ تھا ان کا یہ کہنا زبان قال سے ہو یا حال سے تاکہ اس منت کا وہم جو صدقات و خیرات کو ضائع کر دیتی ہے اور جزا کے بدلہ کی توقع جو اجر کو نقصان پہنچاتی ہے زائل ہو۔

ہر چہ دہی می دہ و منت منہ
و آنچہ بمنت دہی آں خود مدہ
منت و مزدیکہ در احسان بود
وقت جزا موجب نقصان بود

ترجمہ: جتنا جی چاہے راہ خدا میں دے لیکن کسی کو احسان نہ جتلا ورنہ منت جتلانے کے لئے دیتا ہے تو سرے سے دے ہی نہ۔ منت اور مزدوری کا خیال ہو تو وہ جزا کے وقت نقصان کا موجب ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عجیب صدقہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کسی کے گھر میں صدقہ بھیجتیں تو قاصد سے سوال کرتیں کہ صدقہ لے کر گھر والے کیا کہتے قاصد عرض کرتا آپ کو دعائیں دیتے آپ ان کے لئے دعا فرمائیں تاکہ صدقہ کا ثواب ضائع نہ جائے بلکہ خالص ذات الٰہی کے لئے ہو اس میں کسی پر احسان کا اظہار نہ ہو۔

وجہ اللہ کی تحقیق وجہ عضو معروف ہے اسے ذات سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اشرف الاعضا ہے بعض نے کہا کہ وَجْہ سے مجازاً رضائے الٰہی مراد ہے کیونکہ رضا اور غضب کے آثار چہرہ سے

معلوم ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً (تم سے بدلہ نہیں مانگتے)۔ اس پر مال اور نفس کا

جزا و اجر میں فرق اجر وہ جو عمل کا ثواب لوٹایا جائے دنیوی ہو یا اخروی اسمیں کہا جاتا ہے جو عقد سے ہو عقد کے قائم مقام اور اس کا اطلاق صرف نافع (نفع والی شئے) میں ہوتا ہے بخلاف جزا کے کہ اس میں بولی جاتی ہو جو عقد سے ہو یا غیر عقد سے ہو مفید ہو یا ضرر رساں۔

(المجازۃ برابر کا بدلہ دینا یعنی نعمت کا بدلہ نعمت سے دینا۔ وَلَا شُكُوْرًا (اور نہ شکر گذاری) یعنی تم سے زبان کا شکریہ کہنا مدح کرنا۔ دعا دینا نہیں چاہتے وہ مصدر ہے بروزن دخول اور جملہ ماقبل کی تقریر و تاکید ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے ہم بدلہ و ثنا نہیں چاہتے کہ ہم اعراض و اغراض سے محجوب نہیں اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم سے ہم نہیں چاہتے کہ تم دنیا میں ہماری تعریف کرو اور نہ ہی عذاب آخرت کی شکر گذاری دعا کے طور اس لئے کہ جو ثواب آخرت کی نیت پر کوئی عمل کرتا ہے تو وہ لوجہ اللہ نہیں بلکہ حظ نفس کے لئے ہے جیسے اللہ نے فرمایا۔ فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (جو دیدار الٰہی کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے)۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرکا کی شرکت سے مستغنی ہوں جو نیک عمل کرکے میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کر دے میں اسے اور اس کی شرکت کو چھوڑ دیتا ہوں۔

فائدہ خلاصہ یہ کہ عبد مخلص کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کیونکہ غیر اللہ کے پاس تو اس کا حق ہے ہی نہیں تو پھر اس سے کیا وہ طلب کرے گا۔

سبق اسمیں اسے نصیحت ہے جو نصیحت کا خواہاں ہے وہ یہ کہ اطعام (طعام کھلانا) وغیرہ حرام ہے جب اسمیں غیر کا لحاظ اور نفس کا حظ ہو اسی لئے کہ واجب ہے کہ ہر عبادت خالص لوجہ اللہ ہو اسمیں معمولی طور بھی ریا کی ملاوٹ نہ ہو نہ ہی اپنا کوئی ذاتی فائدہ مدنظر ہو۔

ز عمرو اے پسر چشم اجرت مدار

چو در خانۂ زید باشی بکار

ترجمہ: اے عزیز عمرو سے اجر کی امید نہ رکھ جب تو زید کے گھر میں کام میں مشغول ہے۔

تفسیر عالمانہ (۱۰) اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا بے شک ہمیں اپنے رب سے ایسے دن کا ڈر ہے۔ یعنی اس دن کے عذاب سے وہ نخاف کا مفعول ہے اسی تقریر پر من ربنا اس سے حال مقدم ہے اگر اسے

مقدم کیا جائے تو وہ اس کی صفت ہو جائے گا یا اس کا مفعول منْ رَّبِّنَا ہے بواسطہ حرف جر کے جیسا کہ اس کے متعدی ہونے کا قاعدہ ہے کیونکہ کہا جاتا ہے خاف منہ (وہ اس سے ڈرا) اس معنیٰ پر یوْمًا اس سے محلًا بدل ہے یہاں کوئی مقدر نہ ہوگا اس لئے کہ وہ متعدی بنفسہٖ ہے یا یہاں دوسرا انخاف مقدر ہوگا۔ عَبُوْسًا (جو بہت ترش) یہ اسناد الفعل الی زمانہ کے قبیل سے ہے معنیٰ یہ ہے اس دن چہرے ترش ہوں گے ہولناکیوں کی شدت سے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ قیامت کے دن میں کافر اپنا ترش رو ہوگا کہ اس کی دونوں آنکھوں سے گندے بدبودار تیل کی طرح پسینہ بہے گا۔

حل لغات العبوس بمعنی سینے کی تنگی سے چہرے کا سکڑنا یا عبوس کو اسد عبوس سے تشبیہ ہے کہ وہ شدت اور حملہ کے وقت ایسے ہی ہوتا ہے یعنی جب کسی شے کو دیکھتا ہے تو ضرر رسانی کے اقسام کے وقت سختی اور تیزی سے چہرہ ترش کر لیتا ہے تو یہ تشبیہ میں مبالغہ کے قبیل سے ہے العبوس الاسد بمعنی العباس یعنی خوب تیوری چڑھانے والا شیر۔ قَمْطَرِیْرًا (نہایت سخت ہے) سخت تیوری والا۔ الکشاف میں ہے کہ وہ تیوری جو دونوں آنکھوں کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے وجہ قمطریر تیوری کی شدت سے منقبض چہرہ۔

فائدہ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ قمطریر کیا ہے فرمایا کہ وہ کیسا سخت نام ہے سبحان اللہ وہ کیسا سخت نام ہے یعنی قیامت کا دن اور وہ اپنے نام سے بھی زیادہ سخت ہے یہ جملہ معرض تعلیل میں ہے ان کے اطعام کے لئے۔

(۱۱) فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ (تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کے شر سے بچا لیا) ان کے خوف اور اس سے ان کے تحفظ کی وجہ سے یعنی اس روز کی سختی سے انہیں اللہ تعالیٰ نے بچا لیا شر ذلک الیوم وقیٰ کا دوسرا مفعول ہے اس لئے کہ وہ متعدی بدو مفعول ہے۔

حدیث شریف صحیح (بخاری) میں ہے کہ ایک شخص زندگی میں کوئی نیکی نہ کر سکا مرتے وقت گھر والوں کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی راکھ کا ایک حصہ ہوا میں اڑا دینا ایک حصہ دریا میں پھینک دینا کیونکہ بخدا اگر اللہ تعالیٰ اس کے عذاب دینے پر قادر ہوا کہ جیسے اسے عذاب کرے گا ایسے جملہ عالم میں کسی کو نہ کیا ہوگا جب مر گیا گھر والوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا اللہ تعالیٰ نے جنگل کو حکم فرمایا کہ اس کے ذرات جمع کرے اور دریا کو بھی حکم فرمایا کہ اس کے ذرات جمع کرے جب وہ بارگاہ حق میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا۔ عرض کی تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار اور تو خوب جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے سبب سے۔

حل لغات حدیث شریف میں ہے لئن قدر اللہ بتخفیف الدال از قدرت یعنی یوم القیامت اس کی قدرت کا تعلق اس کے جسم سے عذاب کرنے پر ہو لہٰذا اس مسکین نے گمان کیا کہ فناً علی الوجہ المذکور ملحق بالمحال ہے

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت محال سے متعلق نہیں اسی لئے اس پر کفر لازم نہ ہوا اور بڑی وجہ سے اس کے ذرات جمع کرنے سے مراد اس کے اجزاء اصلیہ ہیں جو قیامت میں سب کے جمع کئے جائیں گے یہ بھی جائز ہے کہ یہ برزخ کے حال پر محمول ہو کیونکہ برزخ میں سوال روح و جسد دونوں سے ہوگا جیسا کہ مذہب حق (اہلسنت) کا عقیدہ ہے۔ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا (اور انہیں تازگی اور شادمانی دی) یعنی فجار کے عبوس و حزن کے بجائے ان کے چہروں میں تازگی و خوبروئی اور قلوب میں شاذی و فرحت بخشی یہ دونوں ثانی دو مفعول ہیں۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے کہ التلقیہ بمعنی کسی کے آگے کوئی شے لانا المفردات میں ہے کہ لقیتہ، استقبلتہ میں نے اس کا استقبال کیا (آگے آیا) اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَلَقّٰهُمْ (۱۲) وَجَزٰىهُمْ اور ان کے ہر ایک کو بطریق اجر و عوض کے دیئے۔ بِمَا صَبَرُوْا صلہ ان کے صبر کا۔ ما مصدریہ ہے یعنی طاعات کی مشقات اور اجتناب محرمات میں خواہشات نفسانی اور اموال کے ایثار کے ترک پر۔

صبر کی قسمیں حدیث شریف میں ہے کہ صبر چار قسم ہے۔

(۱) صدمہ اولیٰ پر
(۲) ادائے فرض پر
(۳) محارم کے اجتناب پر
(۴) مصائب پر

جَنَّةً جنت جَزٰىهُمْ کا مفعول ثانی ہے یعنی باغات کہ جو چاہیں کھائیں وَّحَرِيْرًا (اور ریشمی کپڑے) جنہیں پہنیں اور آرائش کریں۔

فائدہ یہاں جنت سے دار السعادۃ جو جمیع عطایا و کرامات پر مشتمل ہے مراد نہیں ورنہ ذکر حریر کی ضرورت نہیں کیونکہ جنت کی نعمتوں میں یہ بھی شامل ہے بلکہ یہاں جنت سے صرف باغ مراد ہے جیسے ہم نے اوپر ذکر کیا اس لئے کہ اس کا ذکر حریر کے لباس کو مانع نہیں علاوہ ازیں باغ اطعام کا صلہ اور قبر جوع (بھوک) کا صلہ اور حریر صبر بر ننگا از لباس کا صلہ ہے اس لئے کہ مال کا ایثار بھوک اور کپڑے سے ننگا ہونے تک پہنچاتا ہے۔

ایثار اہل بیت رضی اللہ عنہم کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی کنیز فضہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے ان حضرات کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر منت مانو تو صاحبزادے شفایاب ہو جائیں گے ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضا جوئی اور صاحبزادوں کی صحت و شکر میں اللہ تعالیٰ نے شہزادگان کو صحت دی نذر کی وفا کا وقت آیا سب

صاحبوں نے روزے رکھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی شمعون خیبری سے تین صاع (صاع ایک پیمانہ ہے) جو لائے۔ صاع چار مد کا ہے ہر مد رطل اور تہائی رطل کا ہے۔ حضرت داؤدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا معیار مرد کے چار چلّوں سے مختلف نہیں لیکن مرد نہ تو بڑی ہتھیلی والا ہو نہ چھوٹی کا درمیانہ ہو اس لئے کہ ہر جگہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاع نہیں ملتا۔ بہر حال خاتون جنت نے ایک صاع ایک دن پکایا جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک سائل آیا عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والو وہیں ایک مسکین مسلمان بھوکا ہوں مجھے طعام کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان عطا فرمائے چونکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پانچ ٹکڑے ہر ایک کے لئے علیحدہ پکا کر ہر ایک کے آگے رکھا تھا اسی لئے سب نے اپنا اپنا حصّہ اٹھا کر مسکین کو دے دیا۔ مروی ہے کہ جب مسکین کی آواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان مبارک میں گونجی تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ؎

فاطم ذات المجد و الیقین

یا بنت خیر الناس اجمعین

اما ترین البائس المسکین

قد قام بالباب له حسنین

یشکو الی الله و یستکین

یشکو الینا جائعا حزین

ترجمہ: اے فاطمہ بزرگی اور یقین والی - اے تمام لوگوں سے بہتر شخصیت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحبزادی۔
کیا کمزور مسکین کو نہیں دیکھ رہی ہو جو ہمارے دروازے پر کھڑا زاریاں کر رہا ہے۔
اللہ تعالیٰ کے ہاں شکایت اور عاجزی کر رہا ہے غمگین ہو کر ہمیں بھوک کا شکوہ سنا رہا ہے۔

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا ؎

امرك يا ابن عم سمع طاعة

ما بی من نوم ولا فزاعه

ارجو اذا اشبعت ذا مجاعه

الحق بالاخيار والجماعه

وادخل الخلد ولی شفاعه

ترجمہ: تیرا حکم اے چچازاد سر آنکھوں پر مجھے اس سے نہ ملامت ہے نہ زاری۔

جب تم بھوک کے کا پیٹ ؟ ... گے تو میں حق کی امید رکھتی ہوں ایسے اخبار میں ہے اور سب کا اتفاق ہے۔
اور بہشت میں داخل ہوگی اور مجھے شفاعت (ابا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نصیب ہوگی۔

تمام طعام اٹھا کر مسکین کو دے دیا اور خود بھوک پر صبر کیا اور رات بسر کی اور صرف پانی پر گذارہ کیا اور دن کو پھر شام کو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا صاع پیس کر پکایا اور افطار کے وقت تمام جمع ہوئے طعام سامنے تھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے کہ باہر سے کسی نے آواز دی السلام علیکم اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے والو میں مہاجرین کا ایک یتیم ہوں میرا باپ یوم العقبہ میں شہید ہوا براہ کرم مجھے طعام کھلاؤ اللہ تمہیں جنت کے دسترخوان عطا فرمائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب یتیم کی آواز سنی تو حضرت خاتون جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ؎

انی لاعطیہ ولا ابالی

واوثر اللہ علی عیالی

جیاعًا وھمو اشبالی

اصغرھم لقتل ی القتال

ترجمہ: میں اپنا طعام یتیم کو دیتا ہوں اور اس کی مجھے پرواہ نہیں اور میں نے بچوں پر یتیم کو ترجیح دیتا ہوں اور وہ بھوکے رہیں لیکن طعام اس بچے کو دوں گا جس کا باپ جنگ میں شہید ہوا۔

چنانچہ تمام صاحبان نے جو تمام طعام آگے رکھا تھا یتیم کو دے دیا اور خود بھوکے سو گئے تیسرے روز حسب سابق بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع جو کا آٹا پیس کر پکایا۔ شام کو افطار کے لئے تمام اکٹھے ہوئے طعام سامنے رکھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے تو باہر سے آواز آئی السلام علیکم اے اہل بیت نبوت! میں قیدی ہوں مجھے طعام کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان سے کھلائے سب نے اپنا طعام اٹھا کر قیدی کو دے دیا۔

بھوک سے نڈھال کنبہ چوتھے روز شہزادے حسنین رضی اللہ عنہما ہاتھ میں ہاتھ ملا کر بارگاہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ شہزادے بھوک سے چوزہ کی طرح ہیں اور کانپ رہے ہیں پوچھا شہزادے یہ کیا ہے شہزادوں نے ماجرا سنایا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ محراب میں بیٹھی ہیں لیکن بھوک کی وجہ سے پیٹ پیٹھ سے لگ چکا ہے اور آنکھیں دھنس گئی ہیں آ... کو یہ معاملہ ناگوار گذرا تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کی اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل بیت کے بارہ میں خوشگوار فرمائے لیجئے یہ سورۃ دہر (ہل اتی) اور یہ انہیں پڑھ کر سنائیے۔

تردید شیعہ ① اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابرار صرف اہل بیت ہیں اور کوئی نہیں کیونکہ قاعدہ تفسیر مسلّم جانا ہے کہ آیت خصوص عموم کے منافی نہیں ہوتی فلہذا مورد خاص ہے تو حکم عام ہے یعنی عموم

لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا اسی لئے اسمیں بسبب اشتراک عمل اہل بیت کے سوا اور حضرات صحابہ وادیا داخــل ہیں ۔

(۲) راوی کے ضعف سے قصہ ضعیف ہوجاتا ہے یہ بھی قصہ ایسا ہی ہے لیکن چونکہ علمائے کرام میں یہ قصہ مشہور ہے اور کتب میں مسطور ہے اس لئے اہل بیت کی فضیلت سے انکار نہیں لیکن عقیدہ کی بنیاد یا کوئی حکم شــرعی اس سے مستنبط نہیں ہوگا۔

(۳) حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے عشاق سے ہیں وہ بھی فرماتے کہ "ہذا حدیث مفتعل" یہ حدیث موضوع مغگھڑت ہے اسے رواج نہیں دے گا سوائے احمق اور جاہل کے اور ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے موضوع کہا ہے اور روایت سے ثابت کیا کہ اس روایت کے موضوع ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

تحقیق صاحب روح البیان صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صحت روایت کا تقاضا یوں ہو سکتا ہے کہ آیت مدنیہ ہو کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے بعد ہی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا اور جمہور مفسرین نے فرمایا کہ سورۃ ہل اتیٰ مکیہ ہے ۔
اللہ تعالیٰ ان سے مسامحت فرمائے۔

تحقیق سورۃ دہر مدنیہ ہونے کی علامہ فناری رحمہ اللہ الباری نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں فرمایا اور بہت بڑے اکابر علماء سے نقل کیا کہ سورۃ ہل اتیٰ علی الانسان (الدہر) مدینہ پاک میں نازل ہوئی ایسے ہی مجاہد و قتادہ (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا سوائے ایک آیت کے وہ ہے وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا کہ یہ مکیہ ہے ۔ ایسے ہی حضرت حسن وعکرمہ (رضی اللہ عنہما) اور الماوروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سورۃ مدنیہ ہے سوائے آیت فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الخ کے یہ مکیہ ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کی حاضری مدینہ پاک میں ہوگی کیونکہ آیۃ قتال کے بعد ہی قیدی کا سوال ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ قتال سے پہلے قیدی کہاں) اور سب کو معلوم ہے کہ جہاد کا حکم مدینہ پاک میں ہوا اور یہ بھی ہے آیات مکیہ کو آیات مدنیہ ملایا جاتا ہے اسی لئے ایسی سورۃ کے لئے تم کہہ سکتے ہو کہ وہ سورۃ مکیہ ہے یا وہ سورۃ مدنیہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سورۃ (دہر) کی آیات زیادہ مدنیہ ہیں اور اہل تفسیر کا قاعدہ ہے کہ جس سورۃ کی آیات جس طرح کی زائدہ ہوں اسی نام سے موسوم ہوتی ہیں اسی لئے یہ سورۃ مدنیہ ہونے کی حقدار ہے نہ کہ مکیہ کی ۔

ایمان افروز فیصلہ صاحبؒ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نحن لا نشك فی صحۃ القصۃ (واللہ اعلم) ہم قصہ کی صحت میں شک نہیں کرتے ۔[1]

---

[1] بنصرہ اویسی غفرلہٗ: قصہ صحیح ہے تو اس سے روافض اہلبیت کرام کی فضیلت سے خلافت بلا فصل یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے کیونکہ اوّل کے لئے نص قطعی ضروری دوسرے کے لئے جزی فضیلت کلی فضیلت پر ترجیح کیوں۔

(۱۳) مُتَّکِئِیْنَ فِیْہَا جنت میں تکیہ لگائے ہوں گے۔ عَلَی الْاَرَآئِکِ آراستہ و پیراستہ تختوں پر۔ جزاہم کی ھُم ضمیر سے متکئین حال ہے اور اس کا عامل جزا ہے اور جزا کو متکئین سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ وہ آسائش و آرائش کے لحاظ سے بہترین حالت ہے اس کے بالمقابل اس کا غیر۔ گویا جزا میں داخل نہیں۔

حل لغات آرائک حجلہ میں تختے جو موتیوں اور یاقوت کے جڑاؤ سے مزین اور اس کی لکڑیاں سونے اور چاندی کی ہونگی اور موتیوں کے مختلف رنگ ہوں گے۔ اریکہ کی جمع ہیچوں سفینہ اور حجلہ میں ہی اریکہ ہوتا ہے حجلہ (بتحریک) حجال کا واحد ہے۔ حجال دلہنوں کی پالکیاں جو کپڑوں اور پردوں سے مزین کی جاتی ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ علی الارائک متکئین کے متعلق ہے اس لئے کہ اتکاء علی سے متعدی ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ ٹھہرے ہوئے اور تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر ہوں گے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا **متکئین علی فرش** فرش پر تکیہ لگائے ہونے اولیٰ یہ بھی جائز ہے مقدر کے متعلق ہو اور وہ متکئین کی ضمیر سے حال ہو یعنی بہشت میں تکیوں وغیرہ پر تکیہ لگا کر تختوں میں قرار پکڑے ہوں گے اس تقدیر پر اتکا بمعنی اعتماد ہوگا لَا یَرَوْنَ فِیْہَا شَمْسًا وَّلَا زَمْہَرِیْرًا اس میں نہ دیکھیں گے دھوپ نہ ٹھٹھر یعنی نہ حرارت نہ برودت جیسے دنیا میں دیکھتے تھے اس لئے کہ حرارت دیار عرب پر غالب ہے اور برودت (ٹھٹھر) دیار عجم اور روم پر یہ ضمیر سے دوسرا حال ہے یعنی ان پر معتدل ہوا گزرے گی اس میں گرمی ہوگی نہ سردی جو کسی کو ایذا دے۔

فائدہ لَا یَرَوْنَ الخ میں کنایہ اسی معنی سے ہے۔

حل لغات الزمہریر، بمعنی سخت سردی مشتق از زمہر الیوم ای اشتد بردہ۔ آج کی سردی سخت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی ہوا ایسی ہے کہ اسمیں سردی نہ گرمی یعنی معتدل گرم نہ سرد القر بالضم بمعنی البرد (سردی)۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ نے اللہ تعالیٰ کو شکایت کی کہ میرے حصے ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں مجھے سانس نکالنے کی اجازت بخشئے اللہ نے سال میں دو سانس نکالنے کی اجازت بخشی ایک موسم سرما میں ایک موسم گرما میں۔ یہ جو تم موسم سرما میں سخت سردی محسوس کرتے ہو اسی جہنم کا سرد سانس ہے اور گرما میں جو گرمی محسوس کرتے ہو اس کا گرم سانس ہے۔

علی و فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نور جنت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہل جنت نے جنت میں ایک روشنی دیکھی جو سورج کی روشنی کی طرح تھی اس سے تمام جلتیں روشن ہوگئیں اہل جنت حضرت رضوان (علی نبینا علیہ السلام) بہشت کے داروغہ سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ بہشت

ہاں دھوپ ہوگی نہ ٹھٹھر اور یہ روشنی کہاں سے آگئی۔ رضوان (علیٰ نبینا علیہ السلام) فرمائیں گے کہ یہ روشنی سورج کی ہے نہ چاند کی بلکہ حضرت فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ہے کہ وہ دونوں ہنسے تو ان کے ہنسنے سے جنتیں روشن ہوگئی ہیں انہیں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ھَلْ اَتٰی علی الانسان۔ الی ان قال کان سعیکم مشکوراً۔

تفسیر صوفیانہ ۱ حضرت قاشانی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ نہ دیکھیں گے جنت الذات میں نہ دھوپ یعنی اس کی طرف حرارۃ الشوق مع الحرمان اور نہ ٹھٹھر یعنی الوقوف مع الاکوان اسی لئے وقوف مع الاکوان کو زمہریر ٹھٹھر سے

تفسیر صوفیانہ ۲ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جنت الوصال شمس مشاہدہ کی وہ گرمی نہ دیکھیں گے جو مشاہدہ کو ایسا مٹادے کہ لذت مشہود نہ پاسکیں کیونکہ مشاہدہ کا حملہ مشاہد (مشاہدہ کرنے والوں کو بالکل ایسا فنا کر دیتی ہے کہ وہ محبوب معبود کے شہود کی لذت کو محسوس ہی نہیں کرتا۔ اسی معنیٰ کی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَرْزُقْنَا مُشَاھدتکَ — اے اللہ ہمیں اپنے مشاہدہ کی لذت نصیب فرما۔

اور نہ دیکھیں گے زمہریر یعنی حجاب اور پردہ کی ٹھٹھر۔

تفسیر عالمانہ ⑭ وَدَانِیَۃً عَلَیْھِمْ ظِلٰلُھَا (اور اس کے سائے اس پر جھکے ہوں گے) اس کا عطف ما قبل پر اور اس کی طرح حال ہے۔

حل لغات ظلال ظل (بالکسر) کی جمع ہے الفتح (کشادگی) کی نقیض ظلالھا دانیۃ کا فاعل ہے از الدنو بمعنی القرب بحسب الجانب یا بحسب السمک (بلندی) ضمیر جنت یا اشجار کی طرف راجع ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جنت میں درختوں کے سائے ان کے ہر حالت سے قریب ہوں گے یہاں تک کہ خود سائے سایہ کرنے والی اشیاء محو ہونگے اگرچہ دھوپ نہ ہوگی تب بھی سائے کا ہونا ان کے لئے زیادتی نعمت کا سبب ہوں گے اور راحت رسانی کا موجب اس لئے کہ دنیا میں سایہ بھی راحت سمجھا جاتا تھا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُھَا تَذْلِیْلًا اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے جائیں گے۔ یعنی میوے لینے والے کے لئے اشجار کے اثمار (پھل) ان کے لئے نیچے کر دیئے جائیں گے تاکہ آسانی سے حاصل کرسکیں بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں یا لیٹے ہوں پورے طریق سے ان کے لئے تابع اور آسان ہوں گے۔

حل لغات ذُلِّلَتْ الذل (بالکسر) سے ہے الصعوبت (سختی) کی نقیض ہے جملہ دانیۃ سے حال ہے یعنی ان کے قریب اور ان کے گچھے ان کے تابع ہوں گے القطوف قطف (بکسر القاف) کی جمع بمعنی العنقود (گچھے) وقطفت العنب (میں نے انگور کا گچھا علیحدہ کیا)۔ عنقود کو قطف اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لینے وقت علیحدہ علیحدہ سے حاصل ہوتا ہے ⑮ وَیُطَافُ (اور دور ہوگا)۔

حل لغات ازطافَ بمعنی دار۔ چکر لگایا الطواف والاطافہ ہر دونوں لازم ہیں بمعنی کسی شے کے ارد گرد چکر لگانا۔ یہاں بانیۃ کی باء سے متعدی ہے عَلَیْھِمْ (ان پر) ابرار پر جب شراب طہور اور اپنے ارد گرد چکر لگنے

والے خدام کو دیکھیں گے (تفصیل آتی ہے)۔ بِاٰنِیَۃٍ (برتنوں کا)

حل لغات انا کی جمع ہے جیسے اکینہ کسا کی۔الاوانی جمع الجمع ہے (المفردات) آنیہ دراصل آنیتہ تھا (دو ہمزوں سے) بروزن افعلۃ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگرچہ اسمین با لتعدیہ کی ہے لیکن فاعل کے قائم مقام ہے کیونکہ یطاف کا معنی مفعول ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ نائب فاعل علیہم ہو۔ مِنْ فِضَّۃٍ چاندی سے (برتن) وَّاَکْوَابٍ (اور کوزوں کا)

حل لغات کوب کی جمع ہے بڑا کوزہ جس کا سر مدور (دائرہ دار) ہو اور اس کا دستہ وغیرہ نہ ہو کیونکہ اس سے پانی وغیرہ پینا آسان اور ہر طرف سے پیا جا سکتا ہے۔ اسے پینے وقت کی طرف پھیرنے کی ضرورت نہیں ہوتی آج بھی وہ بلاد عرب میں مستعمل ہے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے ابرار کے طعام و لباس و مسکن کی وصف بیان فرمائی تو ان کے شراب (پینے) کی وصف بھی بتائی تو اس پر ان برتنوں کی وصف مقدم فرمائی جن سے وہ شراب طہور پئیں گے لیکن اسے لفظ مجہول سے بتایا کیونکہ مقصود مایطاف (وہ شے جو ان کے اردگرد پھیری جائے گی) نہ کہ چکر لگانے والے اس کے بعد چکر لگانے والوں کو وَیُطَافُ عَلَیْہِمْ الخ سے بیان فرمایا (۱۶) کَانَتْ قَوَارِیْرَا۟ قَوَارِیْرَا۟ مثل ہو رہے ہوں گے کیسے شیشے۔

حل لغات قارورہ ہے القاموس میں ہے القارورہ وہ جس میں شراب اور اس کی مثل قرار پکڑے یعنی آبگینہ مِنْ فِضَّۃٍ چاندی کے' ہوں گے ایسے کہ وہ جامع ہوں گے درمیان شیشے کی صفائی اور شفاف ہونے اور چاندی کی نرمی اور اس کی سفیدی کی کہ وہ جو ان کے اندر ہوگا وہ باہر سے نظر آئے گا اس معنی پر کان قائم ہے اور قواریر اوّل کانت کے فاعل سے حال ہے تشبیہ میں مبالغہ کے طور یعنی آبگینے شیشے کے ہونگے نہ کہ چاندی کے اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ آبگینے شیشے کے ہوں گے جو چاندی سے تیار کئے گئے بلکہ ان پر یہی حکم ہے کہ وہ آبگینے ہیں اور وہ چاندی سے یہ بلیغ تشبیہ کے باب سے ہے کیونکہ وہ فی نفسہا شیشے کے نہیں ہوں گے اور نہ ہی چاندی کے۔

فائدہ وہ چیزیں جو بہشت میں ہیں وہ دنیا میں نہیں سوائے ایک نام کے[1]

---

[1] اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بشریت ہے لیکن صرف نام کہ ہماری بشریت کے متعلقات و لوازمات اور ان کی بشریت کے متعلقات و لوازمات کا نام ایک ہے ورنہ فرقیت از کجا تا کجا مثلاً ان کے بال ہمارے بال بیکار لیکن ان کے بالوں میں شفا' ہمارے بالوں میں دائمی بیماری۔ ان کی لب اطہر ہماری تھوک لیکن ان کی لب اطہر میں شفا ہماری تھوک میں بیماری ان کا پسینہ اقدس ہمارا پسینہ' لیکن ان کا پسینہ معطر، ہمارا بدبودار ان کا بول و براز اقدس پاک اور شفا اور ہم سراپا بدبو گندگی کا ڈھیر۔ ان کا خون اقدس پاک اور بہشت کا ٹکٹ دینے والا اور ہمارا خون پلید اُن کی آنکھ دیکھے تو عرش کے پار اور اندھیرے اُجالے میں اور آگے پیچھے دیکھنے میں برابر اور ہم خود سوچ لیں ان کے کان سنیں تو عرش تا تحت الثریٰ کی باتیں اور ہم . . . (فقیر اُویسی غفرلہٗ)

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کے آبگینے کی حقیقت دنیا کے شیشے اور چاندی کے مباین (مخالف مختلف) ہوں گے کہ یہاں کا شیشہ اور چاندی کثیف الجوہر اس میں کسی قسم کی لطافت نہیں اور بہشت کے آبگینے میں کثافت کیا وہاں تو لطافت ہی لطافت ہے کیونکہ دنیا کے آبگینے جلد ٹوٹ اور خراب اور ختم ہوجاتے ہیں۔ لیکن جنت کے آبگینے نہ ٹوٹنے کے نہ خراب ہونے نہ مٹنے کے۔ ثابت ہوا کہ ان دونوں کو صرف اسمی مشارکت ہے بعض اوصاف میں مثلاً چاندی سے سفیدی اور صفائی اور بقا میں اور شیشے سے شفاف وصاف ہونے میں مشابہت ہے ورنہ درحقیقت وہ دنیوی آبگینوں کے مغایر لیکن ان کے اوصاف کے جامع اس معنی پر قارورہ (شیشہ) فضہ چاندی کا ان پر اسمی اطلاق صحت کے لئے کافی ہے[1]

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت کی ارض (زمین) چاندی کی اور اس کی ہر زمین کے برتن اسی کی چاندی سے تیار کئے جائیں گے۔

ایک اور تقریر اس سے ایک اور طریقہ سے تقریر کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ بہشت کے برتن چاندی اور شیشہ کے ہوں گے اور دنیا کے شیشہ کی اصل ریت اور بہشت کے قارورہ (شیشہ) کی اصل جنت کی چاندی ہے تو جیسے وہ اللہ تعالیٰ قادر ریت کثیف کو صاف شیشہ لطیف سے تبدیل کرسکتا ہے ایسے ہی قادر ہے کہ وہ جنت کی چاندی کو شیشہ کی طرح صاف وشفاف بنا دے۔

سبق اس میں تنبیہ ہے کہ جنت کے قارورہ کو دنیا کے قارورہ سے وہی نسبت ہے جو ریت کو چاندی سے یعنی انہیں آپس میں کیا نسبت تو پھر دنیا کے قارورہ کو جنت کے قارورہ سے کیا نسبت (حواشی ابن الشیخ)

فائدہ کان تامہ اختیار کرنے میں ایک نکتہ ہے اگرچہ ناقصہ بھی ہوسکتا ہے وہ یہ کہ قواریرا اوّل تکوین الٰہی کا خبر ہے اس سے آیت کی اہمیت کا اظہار ہے کہ یہ قدرت ایزدی کے نشان کا پتہ دیتا ہے قواریر ثانی پہلے قواریر کا بدل ہے علی سبیل الایضاح والتبیین یعنی وہ آبگینے چاندی سے تیار شدہ ہیں اور جملہ اکواب کی صفت ہے۔

فائدہ قواریر ثانی تنوین ثانی سے پڑھا گیا ہے اور دونوں بغیر تنوین کے پڑھے گئے ہیں اور دوسرا قواریر مرفوع پڑھا گیا ہے اس وقت وہ مبتدا ہی محذوف کی خبر ہے (قال ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

---

[1] سمجھانے کے لئے بشریت کا مسئلہ عرض کردیا ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم معاشر الانبیاء کے خمیر نسیم جنت سے ہیں (خصائص کبریٰ) جب ان کے خمیر اقدس جنت سے ہے تو جنت کی ہر شے نور ہے وہاں ظلمات وکثافت کا تصور کسی ظالم دماغ اور کثیف ذہن کو ہوگا اور یہ کہنا کہ اہلسنت انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے قائل ہی نہیں یہ سراسر بہتان ہے بشریت کے قائل ہی نہیں بشریت کے ہم قائل ہیں لیکن اپنی بشریت کثیف ہے اور ان کی لطیف اور نورانی لیکن جس کا مادہ ہی ضد ہے وہ نہیں مانتا۔ (اویسی غفرلہٗ)

مسئلہ سب نے وقف کے وقت الف پڑھا ہے سوائے حمزہ (قاری) اور ورش قاری رحمہما اللہ تعالیٰ کے۔

فائدہ بعض نے اسے منصرف پڑھا ہے اس لئے کہ مصحف امام میں الف کے ساتھ واقع ہے اور مصحف میں الف کے ساتھ اس لئے مکتوب ہے کہ وہ آیت کا ابتدا ہے گویا وہ قوافی وفواصل کے مشابہ ہے کہ انمیں وقف پر الف کہا جاتا ہے۔

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ساقیوں نے انہیں اندازوں پر رکھا ہوگا۔ یہ قواریر کی صفت ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جن پر خدام شراب پلانے کے لئے چکر لگار ہے ہوں گے ان پینے والوں نے ان برتنوں کو اپنے انداز پر رکھا ہوگا ان کا یہ ارادہ ہوگا کہ وہ مقدار وشکل معین پر ہوں جیسے ان کی خواہش ہوگی تو ان کی خواہش کی مقدار پر آئیں گے اور انسان جسے پیتا ہے اس کا منتہائے مراد یہی ہوتا ہے کہ وہ صاف وشفاف ہو اسے اللہ تعالیٰ نے قواریر میں بیان فرمایا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ستھرا ہو اسے اللہ نے مِنْ فِضَّةٍ میں بیان فرمایا ہے اور مخصوص شکل ومقدار چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے قدروہا تقدیرا میں بیان کیا ہے۔

فائدہ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال حسنہ پر انہیں اندازہ کریں گے تو انہی کے اندازہ پر آئیں گے۔

فائدہ بعض علماء نے فرمایا کہ قدروا کی ضمیر چکر لگانے والے خدام کی طرف راجع ہے جیسا کہ یطاف علیہم سے مفہوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ خدام ان کے پینے کا اندازہ کریں گے یہاں مضاف محذوف ہوگا کہ دراصل قدرا ستروائہم یعنی ان کی پیاس بجھانے اور سیر ہو کر پینے کا اندازہ کہ اس سے کم ہو نہ زائد ہو۔ اور وہی پینے والے کے لئے لذیز تر ہوتا ہے کہ اسے اس کی ضرورت کی مقدار پر ملا۔ اس لئے کہ اعتدال کی دونوں طرفین النقصان و زیادہ) مذموم ہیں جیسا کہ امام مجاہد (مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ لاَ یفیض فیہا ولا یغیض (نہ زائد نہ کم) اور الضحاک (مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ وہ خدام کی ہتھیلیوں کی مقداروں میں ہوں گے۔

⑰ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا اور وہ بہشت میں پلائے جائیں گے۔ انہیں اللہ تعالیٰ پلائے گا یا چکر لگانے والے خدام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پلائیں گے اور اسمیں ان کی زیادہ تعظیم مراد ہے جو یشربون من کاس بصیغہ معلوم میں نہیں كَأْسًا شراب (طہورا) کے جام كَانَ مِزَاجُهَا جس کی ملونی۔ یعنی وہ شے جو دوسری شے میں ملائی جائے۔ زَنْجَبِيْلًا ادرک (وہ ایک جڑ ہے جو زمین میں ہوتی ہے۔ نرکل کی طرح اس کی انگوری اور سرد ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جس میں کافور کی ملونی ہے وہ ادرک کی ملونی کا غیر ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ پینے کی شے ادرک کے مشابہ ہوگی یعنی وہ جس میں ادرک کی ملونی ہو کیونکہ عرب میں وہ پینے کی شے لذیذ سمجھی جاتی ہے جس میں ادرک ملی ہو کیونکہ وہ زبان کو صاف کرتا اور طعام کو ہضم کرتا ہے۔

فائدہ جبکہ اس چشمہ کو ادرک کا نام دیا گیا اس سے وہم پیدا ہوا کہ وہ حلق میں آسانی سے نہ اتر سکے گا نہ ہی اس کے پینے سے سہولت ہوگی جبکہ ملانے والی شئے کا تقاضا ہے اس وہم کو دور کیا کہ

⑱ عَيْنًا یہ زنجبیل سے بدل ہے یعنی وہ ادرک چشمہ ہے فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا بہشت میں اس کا نام ہے سلسبیل۔ ان فرشتوں کے نزدیک جو بہشت کے خازن (علیہ السلام) اور ان کے خدام ہیں کیونکہ حلق میں اترنے میں آسانی سہولت اور اس کے اتارنے میں آسانی ہے تو وہ چشمہ ہے جس کے یہ صفات ہیں۔

تحقیق سلسبیل بعض نے کہا کہ اس پر یہی نام بولا جاتا ہے اور وہ اس صفت سے موصوف ہے یہ نہیں کہ اس چشمہ کا یہی علم نام ہے یعنی سلسبیل صفت ہے علم نہیں ورنہ وہ علمیت و تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا اور قرآء عشرہ میں کسی نے بھی غیر منصرف نہیں پڑھا بعض نے کہا کہ یہ باوجودیکہ غیر منصرف ہے کہ اس میں علم و تانیث معنوی ہے لیکن منصرف پڑھا جاتا ہے رؤس الآیات کی رعایت کی وجہ سے۔

فائدہ الکواشی (تفسیر) میں ہے کہ یہ لفظ مفرد بروزن فعلیل ہمچون دردبیس کہا جاتا ہے شراب مسلسل و سلسال و سلسبیل وہ شراب جو حلق سے آسانی سے اترے خوشگواری اور صفائی کی وجہ سے اسی لئے با پر زائدہ ہونے کا حکم ہے یعنی اس کے ہونے اور نہ ہونے سے معنیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ورنہ با حروف زائدہ سے نہیں (کیونکہ حروف زائدہ کا مجموعہ الیوم تنساہ ہے انمیں با نہیں ہے) بعض نے کہا کہ با زائد لائی گئی سلسال پر تاکہ خاصی ہو کر غایۃ سلاست و حلاوۃ پر دلالت کرے ابن المبارک نے ازراہ اشارہ فرمایا کہ یہ سل من اللہ الیہ سبیلا سے ہے (کھولا اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی طرف راستہ)۔

نکتہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ ابرار کے شراب کی ملونی سے پہلے کافور سے پھر ادرک سے بنائی کہ اہم مقصود ہے (حلق میں دخول کے وقت) برودت محسوس ہو کہ میدان حشر کی گرمی اور پکے صراط سے عبور گوناگوں نعمتوں کے حظ پانے اور کھلنے والی اشیا کھانے والی اشیا کھانے کے بعد پیاس محسوس کریں گے اور انہیں پینے کی چیزوں کی ضرورت ہوگی جو ان کے پینے سے کھانے کی اشیا کی خواہش میں اضافہ کرے پھر انہیں کھانے پر مدد دے اسی لئے ان کے پینے سے لذت محسوس کریں گے اسی لئے ادرک کی ملونی کا ذکر سب سے مؤخر ہے کہ وہ ان کے معقولات و مشروبات کو ہضم کرے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ادرک میں شراب وحدت کی طرف اشارہ ہے جس میں ادرک کی ملونی ہے جو مفہوم توحید سے سمجھی جاتی ہے اور سلسبیل میں اس شراب وحدۃ کی طرف اشارہ ہے جو امتزاج زنجبیل کثرۃ سے صاف ہے اسے سلسبیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آسانی سے حلق میں اترنے والی شراب ہے اپنی بساطت زہر صرافت کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مزاج ادرک ہے لذت اشتیاق کا کیونکہ انہیں شوق نہ تھا تاکہ ان کا شراب ادرک خالص ہو جو کہ وہ نہایت حرارت طلب ہے ان کے وصول کے لئے لیکن انہیں اشتیاق فی الصفات کی سیر کا اور تمام صفات کا حصول ان کے لئے امتناع ہے اسی لئے حرارت طلب کی لذت سے ان کی محبت اس طرح صاف نہ ہوگی جیسے عین جمع ذات میں مستغرقین کی لذت محبت صاف ہے اس لئے ان کا شراب میں کافوریہ صاف مقرر ہوا اور زنجبیل ایک چشمہ ہے جنت میں اس لئے حرارت میں اس محبت کا جو منبع الوحدۃ سے مع الہجران اٹھتی ہے اس کا نام سلسبیل اس لئے ہے کہ وہ حلق سے آسانی سے اترتا ہے اور اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوتا ہے اور عشاق مہجورین طالبین سالکین کا سبیل وصال ذوقی وجہ میں ہے جو انہیں عشق سے وہ حرارت نصیب ہوتی ہے کہ جس کے ذوق کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ ⑲ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ اور ان کے آس پاس پھریں گے۔ ابرار کے وِلْدَانٌ (لڑکے) کیونکہ وہ خدمت میں پھرتیلے ہوتے ہیں ولید کی جمع ہے مدت ولادت کے قریب زمانہ والا مُخَلَّدُونَ ہمیشہ رہنے والے (ہمیشہ ہوں گے اپنی طفولیت اور رونق میں ہمیشہ تک متغیر نہ ہوں گے یعنی وہ بچے جو ابرار کی خدمت میں ہوں گے ان کا سن تبدیل نہ ہوگا۔ الخلد بمعنے میں ہمیشہ۔ التاج میں ہے الخلد از روح یعنی وہ روحانی ہوں گے ان کا کوئی جسم نہ ہوگا۔ اِذَا رَاَيْتَهُمْ (جب تو انہیں دیکھے)۔ یا وہ جس کی شان ہے دیکھنا (یعنی یہ خطاب عام ہے حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا تو انہیں سمجھے کہ موتی ہیں۔ اس کی جمع اللآلی ہے تلالا الشئ (ای لمع المعان اللؤلؤ۔ وہ شئے موتی کی طرح چمکی مَّنْثُورًا بکھرے ہوئے ان کے حسن اور صاف رنگ اور چہروں کی چمک مجلس خدمت میں گوناگوں خدمات میں مشغولی کے وقت اپنے اپنے مخادیمین کے ہاں بکھرے ہوئے موتی محسوس ہوں گے اور خدمت میں جلد باز ہوں گے اگر انہیں ایک صف میں کھڑا کر دیا جائے تو پروئے ہوئے موتیوں کا ہار کا گمان ہوگا اگر وہ متفرق ہو جائیں تو پروئے موتی کے ہار سے زیادہ حسین منظر نظر آئے گا تو ایک دوسرے پر نورانی شعاع پڑنے کی وجہ سے کیونکہ حد درجہ کے سفید اور چمکیلے جسم والے ہیں گویا صف بستگی کی کیفیت سے منتشر ہونے کی کیفیت مختلف ہوں گی اور ان کا یہی منظر خوب ہوگا ظاہر یہ ہے کہ ان کا ایک جگہ مقید ہونے کے بجائے منتشر ہونا جنت میں ان کے لئے منثور و موزوں ہے اور حوروں کے لئے "لؤلؤ مکنون" کہا گیا یعنی پوشیدہ خزانہ وہ ان کے لئے موزوں ہے کیونکہ وہ بچوں کی طرح منتشر (پھیلی ہوئی) نہیں ہوں گی بلکہ وہ خیموں میں پردہ نشین ہوں گی۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ ولدان کے ظواہر سے نفع اٹھانا ہونا بخلاف سفید رنگ کی حوروں کے وہ تمام رنگوں کا جامع ہے لذۃ طعم کے لئے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں لواطت نہ ہوگی جس نے ایسا قول کیا وہ باطل مردود ہے جیسا کہ بارہا اس

کی تحقیق کی ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ایسے ہوں گے جیسے فرش مصفّی پر گوہر آبدار غلطان ہوں۔

حکایت مامون رشید خلیفہ عباسی کا نکاح بوران بنت حسن بن سہل سے ہوا پہلی رات اس کے ہاں بھیجی گئی وہ ایسے فرش پر تھا جو سونے کی تاروں سے بنا ہوا تھا اس پر دارالخلافہ کی عورتوں نے موتی بچھا رکھے تھے

مامون نے اس منظر کو دیکھ کر تحسین کی اور کہا کہ کیا خوب کہا ابو نواس نے گویا اس نے یہ منظر دیکھ کر کہا ہے ؎

کان صغری وکبری من فقاقعہا

حصباء در علی ارض من الذہب

ترجمہ: اس کے میدان کی چھوٹی بڑی کنکریاں ایسے موتی پڑے نظر آتے ہیں جو گویا سونے کی زمین ہے۔

فائدہ بعض نے کہا ان بکھرے موتی سے تشبیہ دی گئی ہے جو صدف سے تازہ نکلے ہوتے ہوں جن میں ابھی سوراخ نہ کیا گیا ہو یعنی گویا وہ صدف کے تازہ مروارید ہوں گے کہ تا حال انہیں کسی کے ہاتھ نے مس نہیں کیا اور نہ کسی کے ہاں رونق کا سبب بن کر انمیں کمی واقع نہیں ہوئی۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ولدان مخلدون ای بچے جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اہل ایمان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا غلمان کو ولدان اس لئے کہا کہ انہیں ان کی شکل وصورت سے مشابہت کے علاوہ جنت میں انہیں اسی طرح خطاب ہوگا جیسے دنیا میں بڑے بچوں کو بھی پیار سے چھوٹے بچوں کی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

ازالۂ وہم ولدان کے لفظ سے وہم نہ ہو کہ ان کی ولادت بہشت میں ہوگی بلکہ یہ خدام بچے کفار کی چھوٹی اولاد ہوگی، جنہیں اہل جنت کی خدمت کے لئے بہشت میں داخل کیا جائے گا انہیں عرفی پیار سے ولدان (بچے) کہا جائے گا۔

ولدان کی تحقیق مزید اللباب میں ہے کہ ولدان کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا کہ انہیں بہشت میں بغیر ولادت کے اہل جنت کے لئے پیدا فرمائے گا کیونکہ بہشت میں سلسلۂ ولادت نہ ہوگا یہی وہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ویطوف علیہم غلمان لہم کانہم لؤلؤ مکنون ان کے آس پاس بچے پھریں گے گویا وہ پوشیدہ موتی ہیں یعنی ایسے چھپے ہوئے جنہیں لوگوں کے ہاتھوں نے نہ چھوا ہوگا

ہزار خدام ایک مخدوم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر ایک بہشتی کے ایک ایک ہزار غلام ہوں گے اس کی خدمت میں ہوں گے جو ان کا مخدوم چاہے گا۔

مخدوم کا حسن وجمال حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت تلاوت کی تو فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کہ یہ حسن وجمال تو خدام کا ہے ایسے مخدوم کا حسن وجمال کیسے ہوگا

آپ نے فرمایا مخدوم خدام میں حسن و جمال کے لحاظ سے ایسے ہوگا جیسے چودھویں کا چاند ستاروں میں۔

ولدان کہاں سے آئیں گے ① حضرت علی و حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ ولدان اُن مسلمانوں کے بچے ہوں گے جو بچپن میں فوت ہوئے جن کے عملنامہ میں نہ نیکیاں ہوں گی نہ بُرائیاں۔

② حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اطفال المشرکین بہشت میں خدام المسلمین ہوں گے۔

③ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ مسلمانوں کے وہ بچے (خدام) ہوں گے کہ جن کی نہ نیکیاں کہ جن پر انہیں جزا نصیب ہوا اور نہ بُرائیاں کہ جن پر انہیں سزا ہو اسی لئے وہ یہاں خدمت کے لئے رکھے جائیں گے۔

فائدہ اللہ (تعالیٰ) قادر ہے اس پر کہ ان اموات کفار کو جو دنیا میں خدمت کے لائق نہ تھے صغیر (بچپن کی وجہ سے) اب انہیں خدمت کے لائق بنا دے اپنی کمال قدرت و تمام رحمت سے۔

فیصلہ از امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ: حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہتر تحقیق وہ ہے جو محققین نے فرمایا کہ اطفال المشرکین اہل بہشت سے ہوں گے۔

فائدہ شرح المشکوٰۃ میں امام طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسمیں توقف بہتر ہے یہ حکم نہ دیا جائے کہ وہ اہل جنت ہیں جیسے بعض کا مذہب ہے اور نہ یہ کہا جائے کہ وہ اپنے آبا کے ساتھ ہوں گے جیسے بعض کا مذہب ہے۔

اطفال المشرکین کے مذاہب اس مسئلہ پر تین مذہب ہیں:

① وہ بہشتی ہیں۔

② وہ دوزخی ہیں۔

③ توقف بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولدان سے مراد تجلیات ذاتیہ ہیں مقرط ہوں گے قرطہ اسماء صفات سے جو ابرار کے آس پاس پھریں گے تو جب اسے دیکھے گا تو سمجھیگا کہ وہ انوار ذات کے شعاعوں اور انوار صفات و اسما کی چمک سے بکھرے موتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ ② وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ اور جب ادھر تو نظر اٹھائے (بہشت میں) الارشاد میں ہے کہ یہاں مفعول ملفوظ نہیں اور نہ مقدر ہے اور نہ منوی بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے جس کا مقصد یہی ہے بہشت میں جدھر دیکھو گے رَأَيْتَ نَعِيمًا نعمتیں ہی نعمتیں دیکھو گے بے شمار۔ جن کا شمار نہیں ہو سکتا نعیم جس سے چین و آرام حاصل کیا جائے۔ وَّمُلْكًا كَبِيرًا اور بڑا ملک۔ وسیع اور خوشگوار

حدیث شریف میں ہے کہ اہل جنت کا ادنیٰ مرتبہ والا وہ ہوگا کہ جب اپنے ملک میں نظر کرے گا تو ہزار برس کی راہ تک ایسے ہی دیکھے گا جیسے اپنے قریب کی جگہ دیکھتا ہو (مشکوٰۃ شریف) وہ یہ ہوگا کہ ملائکہ بے اجازت نہ آئیں گے)۔

فائدہ آیت میں ترقی و تعمیم ہے یعنی وہاں اور امور دیگر اعلیٰ و اعظم ہوں گے قدر مذکور کے علاوہ۔

تفسیر صوفیانہ[1] فصول میں ہے کہ نعیم راحت اشباح (اجسام وغیرہ) ملک کبیر لذت ارواح اور نعیم ملاحظہ دار اور ملک کبیر مشاہدہ دیدار ہے اور دار دیدار کے بغیر بے کار ہے عربی مقولہ مشہور ہے الجار ثم الدار پہلے ہمسایہ پھر دار۔

فائدہ زاہد فردوس کی تلاش میں اور ہم دیدار کی طلب میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ[2] تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب تم کو مقام توحید و حال وحدۃ تحقق ہوگا تو پھر تم نعیم شہود و ملک شہود اور کبیر فی ذاتہ والصفات والاسما والافعال تک پہنچو گے۔ اس معنیٰ پر ملک کبیر سے مراد دنیا میں وہ شہود جو معنوی جنت کو حاصل ہوتا ہے یعنی انبیاء و اولیا کو اور ملک (بالضم) فارسی میں بمعنی پادشاہ اور معرفت و دیدار سے بڑھ کر اور کوئی بادشاہی نہیں (مُلک (بالضم و بالکسر) میں فرق) بعض تفاسیر میں ہے کہ ملک (بالضم) مامورین میں امر و نہی سے تصرف کرنا اسی سے مُلک ہے اور (بالکسر) اعیان المملوکہ اپنی مشیت پر تصرف کرنا اسی سے مالک ہے پہلا دوسرے کو جامع ہے اس لئے ہر مُلک مالک ہے لیکن ہر مالک ملک نہیں۔

تفسیر عالمانہ (۲۱) عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ ان کے بدن پر ہیں کریب (باریک ریشم کے سبز کپڑے) علیہم ظرف خبر مقدم ہے اور ثیاب مبتدأ مؤخر ہے اور جملہ علیہم یطوف علیہم کی ضمیر سے حال ہے یعنی معطوف علیہم کے بدن پر کپڑے ہوں گے الخ عالی بمعنی فوق و ظہر یعنی سر اور جسم پر۔

حل لغات سندس باریک ریشم خوش منظر اور سندس کی اضافت ثیاب خاتم فضہ کی اضافت کی طرح ہے یعنی بہشتیوں کا لباس جسمانی باریک ریشم کا ہوگا۔

حل لغات زجاج عالیہم کی نصب علی الظرفیۃ پر راضی نہیں (پسند نہیں کرتا) بمعنی فوقہم اس لئے کہ ظروف میں یہ اسم معروف نہیں خضر اخضر کی جمع ثیاب صفت ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا ویلبسون ثیابا خضرا وہ سبز لباس پہنیں گے ضمیر معطوف علیہم کے لئے ہے اس لئے کہ یہ ان کی نعمتوں اور کرامتوں کی تعداد کا مقام ہے اس معنیٰ پر ثیاب ان کی صفت ہو نہ کہ ولدان جو ان کے آس پاس پھر یں گے۔

فائدہ امام (رازی) نے فرمایا کہ اس سے ان کے وہ خیمے مراد ہیں جو ان کے اوپر تانے جائیں گے اب معنی یہ ہوگا کہ ان کے آراستہ کمروں کے اوپر ریشم اور باریک کپڑے ہوں گے کیونکہ یہ بادشاہی کی علامات

میں سے ہے ۔

وَّاِسْتَبْرَقٌ اور تنا ویز (موٹے ریشم کے) مرفوع ثیاب پر اس کا عطف ہے بحذف المضاف یعنی کپڑے استبرق کے۔ استبرق استبرہ کا معرب ہے بمعنی الغلیظ (گاڑھا موٹا) اس کی تشریح سورۃ الرحمٰن میں گذری ہے یہ بفتح الہمزہ ہے اس لئے کہ اس دیباج غلیظ (موٹا ریشم) کا اسم ہے جو چمکدار ہے۔ وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اس کا عطف ویطوف علیہم پر ہے یہ لفظاً ماضی اور معنی مستقبل ہے اساور حلوا کا مفعول ثانی ہے بمعنی یحلون (پہنائے جائیں گے) تحلیۃ بمعنی زیوروں سے آراستہ کرنا۔ اسمیں ان کی تعظیم ہے ورنہ کہا جاتا وتحلوا۔ اساور اسورۃ کی اور سوار کی جمع ہے عورت کا کنگن وہ اس لئے کہ سابق زمانہ میں کنگن پہنتے تھے ویسے جس کی تعظیم وتکریم مطلوب ہوتی اسے کنگن پہناتے۔

سوال کہف و حج (سورتوں) میں من (اساور من ذھب (سونے کے کنگن) ہے اور یہاں چاندی کے؟

جواب۱ ممکن ہے کہ انہیں ایک ہاتھ میں سونے کا کنگن پہنایا جائے دوسرے میں چاندی کا جیسے بعض عورتیں دنیا میں قسمیں بدل کر زیورات پہنتی ہیں اور بہترین ہاتھ کے زیورات (کنگن وغیرہ) وہی سمجھے جاتے ہیں جو جنسوں کے ہوں بلکہ اس سے زائد بھی ہوں (جیسے غرباء و مساکین عورتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں میں رنگا رنگ چوڑیاں پہنتی ہیں)، ایسے ہی ان بہشتیوں کا حال ہوگا کہ سونے چاندی۔ موتی۔ جواہرات وغیرہ ہاتھوں میں پہنیں۔

جواب۲ مختلف اوقات میں تبدیلی کریں کہ کبھی چاندی کے پہنیں تو کبھی سونے کے۔

جواب۳ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی کنگن میں دونوں جنسوں کی ملاوٹ ہو کیونکہ اہل جنت کے زیورات ان کے اعمال اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوں گے مثلاً مقربین کے سونے کے ابرار کے چاندی کے

جواب۴ جو جسکی رغبت ہوگی اور طبیعت چاہے گی وہی پہنائے جائیں گے کیونکہ انسان طبائع میں مختلف ہوتے ہیں کوئی سفیدی کو پسند کریں گے تو ان کے کنگن چاندی کے ہوں گے کوئی زرد رنگ پسند کریں گے تو ان کے کنگن سونے کے ہوں گے۔

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی۔

شراب طہور کی قسمیں مذکور سابقاً دو قسموں کے علاوہ ایک قسم شراب طہور کی اور ہے جیسا کہ سقی کا اسناد رب تعالیٰ کی طرف بتاتا ہے اور اسے طہور اس لئے کہتے ہیں کہ وہ باطن کو پاک کرتا ہے اخلاق ذمیمہ اور اشیائے موذیہ جیسے غل وغش اور حسد وغیرہ اور جو پیٹ میں ناپسندیدہ مکروہ اور اذیت والی ہیں پیٹ سے نکالتا ہے اسی سے حاصل ہوتی ہے وہ صفائی جس سے اس کا باطن نور الٰہی کے انعکاس کے لئے تیار ہو سکے یہ صدیقین کے منازل کی انتہائی منزل ہے اسی لئے اسی پر ثواب ابرار کا اختتام فرمایا۔

حل لغات اس معنیٰ پر طہور بمعنی مطہر بصیغۂ اسم فاعل ہے بعض نے کہا یہ طاہر کا مبالغہ ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیوی شراب کی طرح نجس نہیں۔ اور نہ ہی اسے پلید ہاتھ لگے ہیں اور نہ ہی غلیظ پاؤں پہنچے ہیں اور نہ ہی اس کا مآل نجس ہے بلکہ اس سے جو پسینہ آئے گا تو ان کے جسموں سے مشک سی خوشبو بہکے گی۔

چار نہریں حضرت کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حوض کوثر تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخصوص ہے اس کا ذکر خیر سورہ کوثر میں آئے گا (ان شاء اللہ) اس کے علاوہ چار نہریں اور ہیں جو متقیوں کے لئے ہیں۔

① پانی
② دودھ
③ شراب (طہور)
④ شہد

تھوڑا سی جھلک اس کی محمد (شریف) میں مرقوم ہے اس سے دو چشمیں خدا تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے ہیں جو دائما جاری ہیں اس سے دو چشمیں اہل یمین کے ہیں دو چشمیں وہ ہیں جو ہر وقت چھلک رہتے ہیں یہ چار چشمے سورۃ رحمٰن (شریف) میں بیان ہو چکے ہیں۔

فائدہ ایک چشمہ رحیق ہے وہ بھی ابرار کے لئے ہے ایک چشمہ تسنیم ہے وہ مقربین کے لئے ان ہر دونوں کا بیان سورۃ المطففین میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

شان اہلبیت کرام دو چشمے صرف اہلبیت کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہیں وہ ہیں کافور اور زنجبیل ان دونوں کو سلسبیل کہا جاتا ہے شراب طہور بھی انہی سے ہے محققین (صوفیہ کرام) اسے شراب شہود سے تعبیر کرتے ہیں وہ دل کے آئینہ کو انوار قدم کے لمعات سے روشن کر کے اسے نقوش عکوسی ازل و ابد کے لائق بناتا ہے اور اس کے وقت و حال کو ایسے صاف کرتا ہے کہ غیریت کے شوائب وحدۃ کے شوارع میں نہیں رہتے اور دوئی کا رنگ تبدیل ہو کر شراب کے جام بیکرنگ ہو جاتا ہے۔

ہمہ جامست و نیست گوئی می
یامدامست و نیست گوئی جام

ترجمہ: تمام جام ہے اسے نہ کہہ کہ شراب بھی ہے یا وہ تمام شراب ہے تو پھر اسے جام نہ کہو۔

ملفوظ عارف باللہ ایک عارف باللہ نے فرمایا کہ اگر کل (قیامت) میں دار البقاء کے بزم نشینوں کو شراب طہور پلائیں گے تو آج خمخانۂ افضال کے بادہ خواروں (عرفاء) کو اسی شراب طہور

کا کامل حصّہ نقد عطا فرمایا گیا ہے ؎

از سیقاہم ربہم بین جملہ ابرار مست
در جمال لایزالے ہفت و پنج چار مست

ترجمہ: سقاہم ربہم کو دیکھ کہ تمام ابرار مست ہیں لیکن لم یزل کے جمال سے سارے کے سارے عشاق مست ہیں۔

یعنی اے جوانمرد حقیقی شراب تو وہ ہے جو دست غیب سے دل کے جام میں پہنچے اور عارف باللہ اسے نوش فرماتا ہے لیکن کسی کو شراب مست کرتا ہے کسی کو دیدار ؎

واسکر القوم دور کاس
وکان سکری من المدیر

ترجمہ: لوگوں کو تو مَی کا دور بے ہوش کر رہا تھا لیکن میں ساقی کے دیدار سے سرمست تھا۔

حکایت کسی بزرگ نے خواب میں سیدنا معروف کرخی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ عرش معلّٰی کے طواف میں مست ہیں اللہ تعالیٰ ملائکہ سے پوچھا یہ کون ہے عرض کی معلوم نہیں فرمایا یہ معروف کرخی ہے (رضی اللہ عنہ) کہ ہمارے عشق (محبت) میں مست ہے جب تک میرے دیدار سے سرشار نہ ہوگا ہوش میں نہیں آئے گا۔

قاعدہ صوفیانہ جو اس دنیا میں شراب طہور سے محروم ہے وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا۔

حکایت کسی نے حضرت سہل تستری (رضی اللہ عنہ) کے اقتدا میں نماز پڑھی جب آپ نے وسقاھم ربھم شرابًا طھورًا تلاوت فرمائی تو آپ کے ہونٹ متحرک نظر آئے گویا آپ کسی چیز کو چوس رہے رہے ہیں جب آپ نے نماز سے فراغت پائی تو آپ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ قرآن پڑھ رہے تھے یا کچھ پی رہے تھے فرمایا بخدا جب تک میں نے شراب طہور کی لذت محسوس نہیں کی میں نے گویا تلاوت کی ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عالیہم میں اشارہ ہے کہ اہل جنت وہ جو ملابس صفات الٰہیہ و اخلاق ربانیہ سے ملبوس ہیں وہ سبز رنگ کے ہیں یعنی صفات ذاتیہ اور استبرق یعنی صفات اسمائیہ اور ان کے اساور (کنگن) میں اشارہ ہے ان کے اسمائے ذاتیہ و صفاتیہ کے کنگن جو بارونق اور چمکدار ہیں اور وسقاھم ربھم الخ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شراب طہور پلاتا کاسۂ ربوبیت سے اور ان کی تربیت کرتا ہے شراب محبت ذاتیہ سے جو وہ رقبۂ اغیار کی کدورت (میل کچیل) سے پاک ہے۔

تفسیر عالمانہ (۲۱) اِنَّ ھٰذَا (بے شک یہ)۔ یہاں قول مضمر ہے یعنی انہیں کہا جائے گا بے شک وہ جو تم گونا گوں کرامات و انعامات دیکھ رہے ہو۔

فائدہ ممکن ہے یہ خطاب منجانب اللہ ابرار کو دنیا میں ہو کہ وہ جزا انواع عطایا سے مذکور ہوا ہے۔ كَانَ لَكُمْ جَزَاءً تمہارا صلہ ہے بدلہ ہے تمہارے اعمال حسنہ کا۔

سوال اعمال حسنہ کا صلہ کیسے حالانکہ اہلسنت کا مذہب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں (جب بندوں کا اس میں دخل ہی نہیں تو صلہ و بدلہ کیا؟)۔

جواب بندوں کو کسب کا اختیار تھا اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق (اسی کسب کی وجہ سے یہ صلہ و بدلہ نصیب ہوگا) وَكَانَ سَعْيُكُمْ (اور تمہاری محنت) تمہاری دوڑ و دھوپ دنیا میں کار خیر میں۔ مَشْكُورًا (ٹھکانے لگی) اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور مقبول ہوئی۔ ثواب کے لائق ہوئی تمہارے خلوص نیت کی وجہ سے اس سے ان کے سرور و فرحت میں اضافہ ہوگا جیسے سزا یافتہ لوگوں کو غم و حزن میں اضافہ ہوگا جب انہیں کہا جائے گا یہ بدلہ ہے تمہارے ردی اعمال اور برے کردار کا اور شکر یہاں مجازاً اس معنیٰ میں مستعمل ہے اور اس شکر سے تشبیہ دے کر کہ وہ ایک عمل کے بدلہ میں ہے

نکتہ بعض نے کہا کہ قیامت میں بندے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس سے وہ اپنے رب سے راضی ہوا اسی میں اشارہ ہے كَانَ لَكُمْ جَزَاءً کا۔ اور اعلیٰ درجہ ہے کہ اللہ بندے سے راضی ہوا اسی طرف اشارہ ہے وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ تمہاری جزا ہے بوجہ تمہاری استعدادات فطریہ کے وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا یعنی تمہاری جزا ضائع نہیں ہوئی بسبب ریا سمعہ کے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ

اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۳۰﴾ یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ؕ وَالظّٰلِمِیْنَ
اَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے تم پر قرآن بتدریج اتارا[۲۳] تو اپنے رب کے حکم پر صابر رہو اور ان میں کسی گنہگار یا ناشکرے کی بات نہ سنو اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کرو[۲۵] اور کچھ رات میں اسے سجدہ کرو اور بڑی رات تک اس کی پاکی بولو[۲۶] بے شک یہ لوگ پاؤں تلے کی عزیز رکھتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں[۲۷] ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان جیسے اور بدل دیں[۲۸] بے شک یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے[۲۹] اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے بے شک وہ علم و حکمت والا ہے[۳۰] اپنی رحمت میں لیتا ہے جسے چاہے اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۳۱﴾

تفسیر عالمانہ ﴿۲۳﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا۔ (بے شک ہم نے تم پر قرآن بتدریج اتارا) جدا جدا قسطوار اتارا حکم بالغہ سے جیسا اس کا تقاضا تھا نہ اس کے سوا اور کوئی وجہ جیسا کہ ضمیر کا تکرار مع اَنَّ سے ثابت ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ میرا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا قرآن کہانت اور جادو ہے جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ میں ملک حق ہوکر نہایت تاکید فرماتا وہ وحی حق اور تنزیل صدق ہے میری طرف سے ہے فلہذا اے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے طعن سے ملال نہ کیجئے اس لئے کہ آپ برنبی صادق برحق ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ﴿۲۴﴾ فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر و۔ کافرین پر مدد کی تاخیر سے اس لئے کہ اس کا انجام محمود ہے مقابلہ و انتقام کے متعلق عجلت نہ کیجئے کیونکہ جملہ امور اپنے اوقات سے مرہون ہیں اور ہر آنے والا آئے گا۔ وَلَا تُطِعْ مِنْھُمْ (اور ان میں سے نہ سنو) کافروں میں سے ۔ اٰثِمًا اَوْ کَفُوْرًا کسی گنہگار اور ناشکرے کی کوئی بات یا دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات ان کو برابر رہنے دو۔

سوال لفظ اَوْ تخییر کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے جالس الحسن او ابن سیرین حضرت حسن بصری کے پاس بیٹھو یا ابن سیرین کے پاس (رحمہا اللہ) یا انمیں سے کسی ایک ساتھ تو یہاں بھی اَوْ ہے (تو اس کا معنیٰ یہ ہو کہ آثم کی بات سنو یا کفور کی)۔

جواب وہ قاعدہ امر کا ہے یہاں نہی ہے اور نہی میں اختیار نہیں ہوتا مثلاً لاتکلم زیداً او عمراً (زید یا عمرو سے نہ بول) تو اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ کسی سے نہ بول اسی قاعدہ پر آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ تم کسی گناہ کے

مرتکب اور کسی کفر کے غالی کی بات نہ سنو اس لئے کہ مجموعی طور اس کا معنیٰ کل واحد منہا ہوجاتا ہے کیونکہ آیۃ سے انقسام (تقسیم ہونا) کفر کی دعوت کا ہے نہ ان کی ذات کا اور کفر کی دعوت دونوں ایک کہے۔ اثم بھی کفر کی ایک نوع ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کفر اخبث الانواع ہے اور کفر قابل تقسیم نہیں فلہذا یہی مطلب ہوا کہ کسی کی ایک بات نہ سنو۔

امر و نہی کے رد کا فرق در اصل نہی علے الوصفین اس کی علینہ کی آگاہی کرتی ہے تو مطلب یہ ہے کہ یہاں اثم و کفر میں اطاعت کی نہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب اس آیت میں کفر میں اطاعت کی نہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب اس آیت میں کفر میں اطاعت کی نہی مراد ہے تو اس سے وہ مفہوم نہ ہوگا کہ اثم و کفر کی بات نہ سنو اور ان کی وہ سنو جو نہ اثم ہے نہ کفر۔ بلکہ ان کی کسی بات میں اطاعت سے (مطلق) نہی ہے۔

فائدہ اثم سے بھی کفر کی بات مراد ہے اس لئے کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ جب عام خاص کے بالمقابل ہو تو وہ عام خاص کے سوا تمام اقسام مراد ہوتے ہیں پھر کفر کا علیحدہ ذکر کرنا محض اس اخبث الانواع کی وجہ سے تاکہ تنبیہ ہو کہ کفر انتہائی خبیث گناہ ہے اسی معنیٰ پر ہر کفور آثم ہے لیکن ہر آثم کفور نہیں اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آثم تابع ہے اور کفور متبوع۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آثم وہ ہے جو اثم کی دعوت دے جیسے عتبہ بن ربیعہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ اپنی دعوت اسلام ترک کر دیں تو میں آپ سے اپنی لڑکی بیاہ دوں گا ایسے ہی کفور وہ ناشکرا جو کفر کی دعوت دے جیسے ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی آپ دعوت اسلام چھوڑ دیں میں آپ کو دولتمند بنا دوں گا۔

سوال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار و آثمین کی دعوت سے نہی کا کیا معنیٰ جبکہ آپ تو معصوم محض (خالص) ہیں آپ سے ان کی قبولیت دعوت کا تصور نہیں ہو سکتا۔

جواب تاکہ تنبیہ و اشارہ ہے کہ انسان من حیث الانسان شہوات سے مرکب ہے وہ اس کے غلبے سے سہو و غفلت کا شکار ہو سکتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و امداد سے مستغنی ہو اس میں سب سے بڑھ کر رسول معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کو بھی تنبیہ کی گئی۔

سبق ہر مسلم پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور تفرع و زاری کرے تاکہ جمیع امور میں فتنوں اور آفتوں سے وہ اس کی حفاظت فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی بات نہ سنو جو صفات و احوال سے یا اپنی ذات حق سے یا اپنی صفات نفس اور اس کی ہیآت سے محجوب ہے یا افعال و آثار تک ٹھہرا ہوا ہے یا اپنے افعال اور کرتوتوں افعال الٰہی سے محجوب ہے تو تم بھی ان کی موافقت میں محجوب ہو جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کرو، بکرۃ اول النہار اصیلاً آخر النہار۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت مراد ہے جمیع اوقات میں کیونکہ بکرۃ و اصیل سے دوام مراد ہوتا ہے۔

پاس انفاس کا ثبوت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر مامور بہ کو ہر سانس آتے جاتے وقت ادا فرماتے تھے پاس انفاس جو صوفیہ کرام میں مشہور ہے اس کی دلیل حدیث شریف یہی ہے۔

فائدہ اس کا منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ نماز صبح و ظہر و عصر پر مداومت کرو اس لئے کہ اصیل کا اطلاق ما بعد عصر تا مغرب پر ہوتا ہے ایسے ہی ما بعد زوال پر بھی اس معنیٰ پر یہ ظہر و عصر کو شامل ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان نمازوں پر مداومت کا ثبوت اس وقت ہو سکتا ہے جب ثابت ہو جائے کہ یہ آیت فرضیت صلوٰۃ کے بعد نازل ہوئی ہو اور ظاہر یہی ہے کہ اس کا نزول بعد کو ہے اس لئے کہ نماز لیلۃ المعراج میں فرض ہوئی۔

فائدہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ اگرچہ پانچ نمازوں کی فرضیت لیلۃ المعراج میں ہوئی لیکن یہ تو ثابت نہیں ہے کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی اور آیت کا نزول مجہول التاریخ ہے کہ یہ آیت معراج سے پہلے نازل ہوئی یا بعد کو۔ اگر بعد کو نازل ہوئی تو سعدی المفتی رحمہ اللہ کی بات صحیح ہے ورنہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاد کرو اسم اعظم کو اس کے اسماء سے اس کے حقوق قائم اور اس کے کمالات ظاہر کر کے مبدا و منتہیٰ میں صفات فطرت سے ازل میں ان کے ایجاد کے ساتھ طلوع نور الٰہی کے وقت سے ایسے ہی ان میں اس کے کمالات کے ابداع میں اور غروب نور تک ان کے بعض اور ان سے محجوب ہونے اور ان کے اظہار کمالات کے وقت۔

تفسیر عالمانہ ﴿۲۶﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ اور کچھ رات میں اسے سجدے کرو۔ شاید اس سے مغرب و عشاء کی نماز مراد ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ پنجگانہ نماز پر مداومت کرو اور تقدیم الظرف اہمیت کے اظہار کے لئے کیونکہ رات کی نماز میں زیادہ کلفت اور خلوص ہے اور افضل اعمال وہی ہیں جن کلفت و مشقت اور ریا سے خالص ہو اسی لئے اس کے شان میں اظہار اہمیت ضروری ہے اسی لئے وقت میں تقدیم بھی اسے ہے فا افادہ معنیٰ شرط کے ہے گویا فرمایا کہ جب ایسی بات ہے تو اسے کر دو ان اوقات میں اور دوسرے اوقات میں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ معبود مطلق کی عبادت کرو حق عبودیت کا اس میں فنا پا کر اپنی طبیعت رات سے اور اپنی بشریت کی تاریکی سے کیونکہ سجدہ فنا ذاتی کی اور رکوع فنا صفاتی کی اور قیام فنا افعالی

کی صورت ہے اسے سمجھ لے یہ نماز کے لعض اسرار سے ہے۔

تفسیر عالمانہ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا اور لمبی رات تک اس کی پاکی بیان کرو یعنی نماز تہجد پڑھو کیونکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھی کہ آپ رات کے اوقات میں دو تہائی یا ایک تہائی عبادت کریں لیلاً طویلاً منصوب علی الظرفیۃ ہے۔

سوال لیلاً منصوب علی الظرفیۃ اور طویلاً اس کی صفت ہو تو معنی ہوگا کہ طویل رات میں تسبیح بیان کرو لیکن تم نے دو تہائی، نصف تہائی کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا۔

جواب یہ تو تم بھی مانو گے کہ طویلاً کی صفت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ چھوٹی رات میں تسبیح نہ ہو کیونکہ تہجد کا حکم مطلق ہے رات طویل ہو یا قصیر تو ثابت ہوا کہ زمان تسبیح کی تطویل مطلوب ہے خواہ رات طویل ہو یا قصیر۔

سوال تم نے تہجد کا معنیٰ کہاں سے سمجھا؟

جواب تسبیح کے لفظ اور اس کی ظرف کی تاخیر سے یہ دونوں دلالت کرتی ہیں کہ یہ حکم ماقبل سے دوسرا ہے اور وہ تہجد ہے۔

(۲۷) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ بے شک یہ کفار مکہ۔

ربط احوال کفار کی طرف عود فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرح صدر مبارک کے بعد کہ اِنَّا نَحْنُ نزلنا الذکر الخ میں ہے۔

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ جلدی والی کو دوست رکھتے ہیں۔ جلدی والی سرائے کو یعنی دنیا کو اسی لئے اس کی فانی لذات میں منہمک رہتے ہیں اسیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشارہ ہے کہ وہ کفر پر لوٹتے پڑے ہیں اسی لئے وہ کسی حیثیت سے بھی اتباع کے لائق نہیں کیونکہ ان سے حق کا معمولی شائبہ بھی نہیں وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ اور چھوڑتے ہیں اسے جان کے آگے ان کے لئے تیار رہیں ہی نہیں۔ یہ یوماً حال ہے یا اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں اس معنیٰ پر یذرون کی ظرف ہے۔

حل لغات وراء آگے پیچھے ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ دونوں استعمالوں میں یہ جہۃ متواری کا اسم ہے یعنی وہ جہت جو چھپی ہوئی اور تجھ سے پوشیدہ ہے اور جو شئے پیٹھ کے پیچھے ہو اس کا چھپا ہونا تو ظاہر ہے لیکن کبھی منہ سامنے والے شئے بھی چھپی ہوتی ہے وہ مشاہدہ و معائنہ میں نہیں آسکتی اسی معنی پر وہ پیچھے والی جہت کے مشابہ ہوگی اسی لئے اس کے لئے آگے والی جہت کے لئے اسے استعارۃً بولتے ہیں۔

يَوْمًا ثَقِيْلًا بھاری دن کو۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ یوماً یذرون کا مفعول ہے ثقیلاً یوم کی صفت ہے۔

سوال ثقیل تو اعیان جسمیہ کی صفت ہوتی ہے امتدادات وہمیہ کی صفت نہیں ہوتی امتدادات سے ہے تو پھر

ثقیلاً اس کی صفت کیسی ۔

جواب اس کی شدت سے تشبیہ دے کر کہ گویا وہ بھی ایک بوجھل شے ہے اس معنیٰ پر یہ استعارہ تخییلیہ ہوگا۔

سبق آیت میں دنیا دار ول نعمت کے پالوں کو وعید ہے جو دنیا و دولت کے نشہ میں ظلم و رشوت کا بازار گرم رکھتے ہیں۔

(۲۸) نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ صرف ہم نے ہی انہیں نطفہ سے پیدا کیا۔ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ اور ہم نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اعصاب سے تاکہ وہ ان سے اُٹھ بیٹھ۔ پکڑ۔ دفع۔ حرکت کر سکیں۔ پھر خالق منعم کا حق یہ ہے کہ اس کا شکر کیا جائے نہ کہ اس سے کفر کیا جائے۔

سبق اسمیں ترغیب ہے (کہ بندہ اپنے مالک کے آگے سر جھکائے)

حل لغات الاسر بمعنی مضبوط کرنا اسی سے ہے۔ "اسر الرجل ای رونق بالقد" (اس نے رسی سے مضبوط کیا) یہاں مضاف مقدر ہے یعنی المفاصل (جوڑ)

فائدہ کشف الاسرار میں معنیٰ لکھا کہ ہم نے انسان کی تخلیق مضبوط کی کہ وہ اپنی خلقت اور اعضا میں محکم رہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اسے مضبوط پیدا فرمایا۔

فائدہ حضرت امام راغب رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اسمیں ترکیب انسانی کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس کے تامل میں ہم مامور ہیں

چنانچہ فرمایا وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اور کیا اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اس کے مخرج بول و غائط کو مضبوط بنایا کہ جب بول و غائط خارج ہو جاتے ہیں تو وہ مخرج بول و غائط پہلے کی طرح منقبض ہو جاتے ہیں۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مخارج ارادہ سے پہلے ڈھیلے نہیں ہوتے وَاِذَا شِئْنَا اور جب ہم چاہیں ان کی تبدیلی۔ بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ ان جیسے اور بدل دیں۔ یعنی ان کے مرنے کے بعد ان جیسے اور بدل دیں تبدیل اکثر دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات ان کی برائیوں کو نیکیوں سے اللہ تعالیٰ تبدیل کرے گا یعنی برائیاں مٹا کر ان کے بدلے نیکیاں لائے۔ تَبْدِيْلًا عجیب تبدیلی جس میں کوئی شک نہیں یعنی مرنے کے بعد اٹھنا۔ جیسا کہ لفظ اذا اسی کی خبر دیتا ہے۔ اس معنیٰ پر نشاۃ آخری میں مثلیت ہے یعنی شدید مضبوطی میں اور باعتبار اجزاء اصلیہ کے۔

سوال اس تقریر پر امثالہم کا مطلب صحیح نہیں رہتا کہ اس میں غیریت ضروری ہے اور بعث میں انسان کے اجزاء اصلیہ میں غیریت کیسی؟

جواب یہاں غیریت کثافت ولطافت کے اعتبار سے ہے یعنی دنیا میں کثیف تھے تو اعبث پر اجزا لطیف ہونگے تو غیریت بحیثیت عوارض کے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب ہم چاہیں تو ہم امثال سے انہیں تبدیل کریں نماقت میں یعنی انہیں موت دے کر دوسری نشاۃ میں اسی طرح کی صورت وہیئت میں زندہ کریں پہلی تقریر پر معنیٰ ہوا کہ جب ہم چاہیں تو ان کے غیر پیدا کریں جو کہ وہ ہماری اطاعت کریں جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا یستبدل قوما غیرکم تبدیل کرے دوسری قوم جو تمہاری غیر ہو۔

فائدہ اس میں ترہیب ہے اس معنیٰ پر مثلیت باعتبار صورت کے ہے لیکن ان کے اعمال وطاعت کی غیریت اس کے منافی نہیں اور لفظ اذا تحقق قدرت وقوت داعیہ کی دلالت کے لئے ہے ورنہ لفظ ان مناسب تھا کیونکہ اسمیں تبدیل کے لئے تحقق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انکی تعیین استعدادات کے ساتھ پیدا فرمایا اور میثاق ازلی واتصال حقیقی سے قوت بخشی۔ ہم چاہیں ان جیسے اور بدلیں کہ ان سے اپنے افعال سے ان کے افعال سلب کرلیں اور اپنی صفات سے ان کی صفات محو کردیں اور ان کی ذوات اپنی ذات میں فانی کردیں تو وہ ابدال بن جائیں۔

تفسیر عالمانہ (۲۹) اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ "بے شک یہ نصیحت ہے" یہ اشارہ سورۃ یا آیات قریبہ کی طرف ہے یعنی نصیحت ہے یاد دلانے والی جو ضروری ہے تحصیل سعادۃ ابدیہ میں اسے نصیحت کا عین بنانے میں مبالغہ ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ یہ نصیحتیں ہیں جن سے عقول غافل ہیں۔

شان اہلبیت رضی اللہ عنہم حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا معاملہ ایثار اہل ایمان کو نصیحت ہے تاکہ ان جیسا عمل کرکے ان جیسی جزا پائیں۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا "تو جو چاہے اپنے رب (تعالیٰ) کی طرف راہ لے" وہ وسیلہ بنائے جو اس کے ثواب تک اسے پہنچاوے یعنی عمل صالح کے ساتھ اس کا قرب پائے دوگنے اجر وثواب پاکر۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ جو اس دن کے بھار اور شدت سے نجات چاہے تو وہ راستہ اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے قریب کرنے والا ہو یعنی طاعت (اختیار کرے)۔

(۳۰) وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ "اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے" یہ تحقیق حق اور بیان ہے کہ بندوں کو اپنی مشیت غیر کافی ہے اس کی طرف راہ اختیار کرنے میں جیسا کہ حرف شرط کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اپنے فعل مدخول کو مصدر صریح کے معنیٰ میں لاکر ظرف کے قائمقام ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا اپنا راستہ اختیار کرنا کچھ نہیں اور نہ تم کسی وقت اس کی تحصیل میں قدرت پا سکتے ہو جب تک تمہارے لئے اللہ کی مشیت نہ ہو کیونکہ بندے کی مشیت صرف کسب تک محدود ہے ورنہ تاثیر وتخلیق مشیت الٰہی پر موقوف ہے کیونکہ علم کلام کا قانون ہے۔

کہ مشیت بندے کے لئے افعال اختیاریہ سے نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور یہ اس کے منافی نہیں کہ بندے کے فعل کا اس سے تعلق ہو وہ مشیت بندے کے اختیاری ہے اور فعل اس کی اس مشیت اختیاری سے واقع ہو اگرچہ مشیت مستقلہ اسمیں نہیں ایسے جبر متوسط کہا جاتا ہے۔ یہ جبر متوسط اہلسنت کے نزدیک صحیح ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اہلسنت کا امر قدر و جبر کے مابین ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ فَمَنْ شَآءَ الخ تکلیف العبودیت کی حجت ہے اور وَمَا تَشَآءُونَ الخ قہر الوہیت کا اظہار ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (بے شک اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے)۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا بیان ہے جو اساس علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت میں بڑا ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی اہلیت کے مطابق کرتا ہے ان کے لئے وہی چاہتا ہے جو اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم وہی چاہتے ہو جو میں چاہتا ہوں کہ میرے ارادہ پر تمہارا ارادہ ہوتا ہے اس لئے کہ تمہارے ارادہ سے میرا ارادہ فائق ہے بلکہ میرے ارادے کا عین ہے کیونکہ میرے ارادے کے تمہارے ارادے مظاہر ہیں بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے ساتھ اس کے جو انہیں علوم ودیعت فرمائے اور حکیم ہے ان کی ابداع کی کیفیت کا اور ان کا انمیں ظاہر کرنے کا ساتھ انکے کمال کے اظہار کے۔

تفسیر عالمانہ (۳۱) يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط اپنی رحمت میں لیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اپنی اس کی اس مشیت کے احکام کا بیان ہے جو اس کے علم و حکمت پر مرتب ہے یعنی اپنی رحمت میں اسے داخل کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے کہ وہ اسمیں داخل ہو اس سے وہ مراد ہے جو اپنی مشیت کو اللہ تعالیٰ کے راستہ اختیار کرنے میں صرف کرتا ہے یعنی اسے ان اعمال کی توفیق دیتا ہے جو دخول جنت کا موجب ہیں یعنی ایمان و طاعت وَالظّٰلِمِيْنَ اور ظالمین کے لئے یعنی ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنی مشیت کو مذکورہ مشیت کے خلاف پھیرا۔ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (درد پہنچانے میں اور انتہائی دردناک ہے۔

فائدہ زجاج نے کہا ظالمین منصوب ہے ماقبل کی وجہ سے اصل میں یوں ہے يدخل من يشآء في رحمته ويعذب الظّٰلمين اس معنیٰ پر اَعَدَّ لَهُمْ اس مضمیر فعل کی تفسیر ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو اپنی رحمت معرفت میں داخل کرتا ہے لیکن اس کے بعض بندے ظالم ہیں کہ ہدایت کی جگہ ضلالت اور مغفرت کی جگہ پر جہالت رکھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حجاب کا عذاب تیار کر رکھا ہے جو کہ وہ روح و جسم دونوں کو درد پہنچائیگا نیز انہیں یہ عذاب بھی ہوگا کہ وہ اپنے رب

تعالیٰ کے سامنے غیر کے ساتھ کھڑے کئے جائیں گے اپنے آثار کے ساتھ۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کو اس عذاب پر ختم کیا جو یوم البعث والحشر میں تیار کر رکھا ہے سورۃ کا حسن الفاتحہ (آغاز) کی طرح حسن الخاتمہ (اختتام) ہے جیسا کہ اہل نظر و اہل فہم سے مخفی نہیں۔

اختتام از صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس سورۃ انسان کی تفسیر ذوالاحسان کی مدد سے منگل کے دن ۴ محرم ۱۱۱۷ھ کو ختم ہوئی۔

فقیر اُویسی غفرلہٗ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مہربانی سے تفسیر انسان (دہر) کے ترجمہ سے آج ۲۱ جمادی ۱۴۰۹ھ ۲۶ جنوری ۱۹۸۹ء بروز اتوار قبل صلوٰۃ العصر فارغ ہوا۔

محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور۔ پاکستان

سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ

ایاتہا ٥٠	(٧٧) سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ مَکِّیَّۃٌ (٣٣)	رکوعاتہا ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ ﴿١﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ ﴿٢﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ ﴿٣﴾ فَا
لْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ ﴿٤﴾ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا ۙ ﴿٥﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ ﴿٦﴾ اِنَّمَا
تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ ﴿٧﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿٨﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ ﴿٩﴾
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ ﴿١٠﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؕ ﴿١١﴾ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ؕ ﴿١٢﴾
لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۚ ﴿١٣﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ؕ ﴿١٤﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿١٥﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ؕ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ﴿١٧﴾
كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿١٨﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿١٩﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ
مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۙ ﴿٢١﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا ۖ
فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ
كِفَاتًا ۙ ﴿٢٥﴾ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا ۙ ﴿٢٦﴾ وَّجَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ
مَّآءً فُرَاتًا ؕ ﴿٢٧﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ
تُكَذِّبُوْنَ ۚ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ
مِنَ اللَّهَبِ ؕ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۚ ﴿٣٢﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ؕ ﴿٣٣﴾
وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿٣٤﴾ هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ۙ ﴿٣٥﴾ وَلَا یُؤْذَنُ

لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ
الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

سورۃ المرسلات کی پچاس آیات ہیں اور دو رکوع ہیں (سوائے آیت وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا) باقی آیات مکیہ ہیں۔

ترجمہ، قسم اس کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار[۱] پھر زور سے جھونکا دینے والیاں[۲] پھر ابھار کر اٹھانے والیاں[۳] پھر حق ناحق کو خوب[۴] جدا کرنے والیاں پھر ان کی قسم جو ذکر کا[۵] القا کرتی ہیں۔ حجت تمام کرنے یا ڈرانے[۶] کو بے شک جس بات کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ضرور[۷] ہونی ہے پھر جب تارے محو کر دیئے[۸] جائیں اور جب آسمان میں رخنے[۹] پڑیں اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں[۱۰] اور جب رسولوں کا وقت آئے[۱۱] کس دن کے لئے ٹھہرائے[۱۲] گئے تھے روز فیصلہ[۱۳] کے لئے اور تو کیا جانے کہ وہ روز فیصلہ کیا[۱۴] ہے۔ جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی[۱۵] ہے کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک[۱۶] نہ فرمایا پھر پچھلوں کو ان کے پیچھے پہنچائیں گے[۱۷] مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے[۱۸] ہیں اس دن جھٹلانے والوں[۱۹] کی خرابی ہے کیا ہم نے تمہیں بے قدر پانی سے پیدا نہ[۲۰] فرمایا پھر اسے ایک محفوظ جگہ[۲۱] میں رکھا ایک معلوم[۲۲] اندازہ تک پھر ہم نے اندازہ فرمایا تو ہم کیا ہی اچھے قادر[۲۳] اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی[۲۴] ہے کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والی نہ کیا[۲۵] تمہارے زندوں اور مردوں کی[۲۶] اور ہم نے اس میں اونچے اونچے لنگر ڈالے اور ہم نے تمہیں خوب میٹھا پانی پلایا[۲۷]۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی[۲۸] ہے چلو اس کی طرف جسے جھٹلاتے تھے[۲۹] چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں[۳۰] نہ سایہ دے نہ لپٹ[۳۱] سے بچائے بے شک دوزخ چنگاریاں اڑاتی ہے[۳۲] جیسے اونچے محل گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں[۳۳] اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے[۳۴] یہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں[۳۵] گے اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں[۳۶] اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے[۳۷] یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تمہیں جمع کیا اور سب اگلوں کو[۳۸] اب اگر تمہارا داؤں ہو تو مجھ پر چل لو[۳۹] اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے[۴۰]۔

تفسیر عالمانہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

① وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ

⑤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ قسم ان کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار پھر زور سے جھونکا دینے والیاں پھر ابھار کر اٹھانے والیاں پھر حق ناحق کو خوب جدا کرنے والیاں پھر ان کی قسم جو ذکر کا القا کرتی ہیں) واؤ قسمیہ ہے المرسلات بمعنی الطوائف المرسلہ کی جمع ہے بمعنی ایک گروہ بھیجا ہوا اس لئے کہ ملائکہ کرام ہر دن یا ہر سال یا ہر حادثہ میں ایک گروہ کی صورت میں بھیجے جاتے ہیں عرفاً بمعنی متابعۃ از عرف الفرس گھوڑے کے وہ بال جو گردن کے اوپر متابع ہوتے ہیں یہ تشبیہ بلیغ ہے کہ ملائکہ مرسلہ کو ان کے تتابع میں گھوڑے کے بالوں سے تشبیہ دی گئی ہے عرفاً منصوب علی الحالیۃ ہے یعنی وہ ملائکہ ایک دوسرے کے پیچھے گھوڑے کے بالوں کی طرح آتے ہیں یا عرف بمعنی معروف نُکُر یعنی (غیر معروف) بمعنی المنکر یعنی الشئی القبیح) کی نقیض وہ اس لئے کہ ملائکہ کرام اگر رحمت کے بھیجے جاتے ہیں تو ظاہر ہے اگر عذاب لے کر آتے ہیں تب بھی انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے نزدیک معروف ہوتے ہیں اور وہ اس لئے کہ اعداء پر عذاب اہل ایمان اولیاء پر احسان ہے اس معنی پر اس کی نصب علی العلیۃ (مفعول لہ) ہے۔

حل لغات عصفت الریح سے ہے بمعنی سخت ہوئی عصفاً مصدر مؤکد (مفعول مطلق) ہے ایسے ہی نشراً و فرقاً اور فاء دلالت کرتی ہے کہ وہ نزول کے وقت بڑی تیزی سے آتے ہیں کہ حکم ہوتے ہی بلا تاخیر زمین پر پہنچ جاتے ہیں یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے کیونکہ سب کا موصوف ایک ہے النشر بمعنی البسط الناشرات میں واؤ کی طرف عدول اس لئے ہے کہ وہ مرسلات نہیں قسم اول کو اللہ تعالیٰ نے انہیں دو صفتوں سے موصوف فرمایا ایک دوسری کے آگے پیچھے وارد ہوتی ہیں۔ قسم ثانی کو تین اوصاف سے موصوف فرمایا الفرق بمعنی الفصل الالقاء یہاں بمعنی للایصال والانزال نہ کہ بمعنی الطرح (پھینکنا) ذکراً بمعنی الوحی الملقیات کا مفعول ہے القاء کو ماقبل سے فاء کے ساتھ مرتب کرنے میں لائق ہے اسکی بارادۂ نشر و فرق تاویل کی جائے اس کی مکمل بحث آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

دنیوی امور پر مامور ملائکہ کرام یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کرام کی قسم یاد فرمائی جو اس کے اوامر کی تعمیل کے لئے بھیجے جاتے ہیں مثلاً تدبیر اور ایصال ارزاق ہوا ذل اور بارشوں میں تصرف کرنے کے اور بندوں کے دن رات کے اعمال کی کتابت وقبض الارواح انکی صفت عصف ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے ہے عصف الریاح کی طرح کہ تعمیل حکم میں اور دوسرے گروہوں کے پہنچنے سے بہت تیز ہیں وحی لے کر نیچے اترتے ہوئے اپنے پر پھیلاتے ہیں یا زمین کے کونے کونے میں شرائع پھیلاتے ہیں یا مُردے نفوس کے کفر و جہل کو پھیلاتے ہیں یعنی وحی لاکر انہیں زندہ کرتے ہیں کہ حق و باطل کا فرق کرتے ہیں کہ ذکر وحی الٰہی انبیاء علیہم السلام کی طرف لاتے ہیں۔

⑥ عُذْرًا حجت تمام کرنے کو اہل حق کے لئے دنیا و آخرت میں ان سے معذرت کرتے ہوئے ان کی اتباع حق کی وجہ سے۔ اَوْ نُذْرًا یا ڈرانے کو اہل باطل کے لئے۔

حل لغات عذر مصدر ہے از عذر بمعنی محاالاساءۃ، برائی مٹائی۔ نذر اسم مصدر ہے اور انذر بمعنی خوف ڈرایا یہ مصدر ہے کیونکہ کوئی ایسا مصدر مجرد مسموع نہیں جس کا وزن فعل ہوا اور اس کی ماضی افعل مزید ہو اس کی نصب علی سبیل البدلیۃ از ذکرا ہے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مبدل منہ بمعنی جمیع الوحی ہو تو عذرًا او نذرًا بدل البعض من الکل ہونگے اس لئے کہ مطیعین کی مغفرت اور معاندین کی تخویف کے متعلق جملہ الوحی کا بعض ہے اگر ذکر مبدل منہ سے صرف وہ مراد ہو جو مؤمن کی سعادۃ و کافر کی شقاوۃ سے خاص ہے تو پھر بدل الکل من الکل ہوگا اس لئے کہ القاسعادۃ المؤمن کے متعلق مع القاال رومحاالاساءۃ کا متعلق متحد بالذات ہیں ایسے القاشقاوۃ الکافر کا متعلق مع القاء انذار الکافر متحد بالذات ہیں یا انکی نصب صفات مذکورہ کی علیتہ (مفعول) کی وجہ سے ہے یہ صرف صفت اخیرہ کی علیتہ کی وجہ سے ہے یہی اولیٰ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ملائکہ کرام وحی القا کرتے ہیں تاکہ معتذرین الی اللہ بالتوبہ والاستغفار کے گناہ مٹ جائیں تاکہ باطل والوں اور گناہ پر اصرار کرنے والوں کو ڈرائیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے تاکہ اعذار منجانب اللہ کے لئے مخلوق کی طرف سے کسی کو حجت بازی کا موقعہ نہ ہو مثلاً کہے کہ میرے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا اور کافروں کو عذاب الٰہی کے ڈرانے کے لئے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عذرًا او نذرًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو میں تمہیں بیدار کرتا ہوں تاکہ میں تمہیں یاد کروں اور تمہارے گناہ معاف کروں اور تمہاری خطائیں مٹاؤں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل ورب المرسلات الخ المرسلات کے رب کی قسم۔

سوال الارشاد میں ہے کہ نشر الشرائع ونشر النفوس والفرق کو القا کی تقدیم کیوں حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ فرق بین الحق والباطل نشر کے ساتھ ہو نہ کہ بعد کو علاوہ ازیں القا الذکر (وحی وغیرہ) علی الانبیاء نشر الشرائع فی الارض واحیاء النفوس الموتی اور فرق بین الحق والباطل مقدم ہوتا ہے پھر بھی تقدیم۔

جواب تاکہ معلوم ہو کہ القا کی اصلی غایتہ یہی ہے اور اسی کی سب سے زیادہ اہمیت ہے یا اس لئے تاکہ معلوم ہو کہ ہر اوصاف مذکورہ مستقل بالدلالۃ ہیں اس پر کہ ملائکہ کا ہر گروہ اپنی اسی صفت کا تفخیم کا استحقاق رکھتا ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے اگر انہیں ان کے وقوع پر ترتیب وار ذکر کیا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ سب ملکر ہی تفخیم اور قسم کے لائق ہیں۔

فائدہ ان آیات میں ملائکہ کرام کے علاوہ اور اشیاء بھی مراد لی گئی ہیں لیکن محققین کے نزدیک مستند یہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور ہم نے سورۃ المدثر کی تفسیر میں کہا کہ المرسلات ناشرات ملقیات ملائکہ وغیرہ ہیں۔

وہابی دیوبندی مار حکایت کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صبیغ نامی نے عراق سے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیات ذاریات و مرسلات کا مطلب پوچھا اس کی ویسے بھی عادت تھی کہ وہ لوگوں سے مشکل آیات کے مطالب پوچھتا تاکہ اس کی علمی دھاک عوام کے ذہنوں میں بیٹھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے درہ مار کر فرمایا لو وجدتک محلوق الراس لضربت الذی عینال (روح البیان صـ۲۳۱) اگر تو سر کے بال منڈوانا (سرمنڈا) ہوتا تو میں تیرا سر اڑا دیتا (قتل کر دیتا)۔

نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ عالم دین اور قرآن مجید کے مفسر اور قاری کو کیوں قتل کرتے اس کی وجہ بھی روح البیان رحمہ اللہ سے سنیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عالم دین کو اس لئے قتل کی دھمکی کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ خوارج کی یہ نشانی ہے سیماھم التحلیق وہ سرمنڈے (گنجے) ہوں گے کہ میری امت میں پیدا ہوں گے خوارج کی یہی نشانی ہے کہ وہ سر کے بال منڈوائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت کاروائی سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا اس وقت آپ ہی عراق کے گورنر تھے کہ ایک سال تک اس سے دور رہو اسے قریب نہ بھٹکنے دو بلکہ بات تک نہ کرو۔ سال کے بعد اس صبیغ نامی (مولوی) نے توبہ کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں معذرت کی کہ وہ ایسا ہرگز نہ کرے گا۔

مسئلہ تشدد از زبان حضرت امام شافعی حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب بھی اہل کلام (بدمذہب) کا وہی حکم ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ کے لئے فرمایا[1]

بدمذہب کی شہر بدری کا حکم قاموس میں ہے الصبیغ بر وزن امیر بن عسل یہ شخص لوگوں کو آیات مشکلہ کے سوالات میں پریشان کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق سے بصرہ

---

[1] اگر دن زدنی) لیکن یہ کام حکومت وقت کا ہے عوام کے لئے نہیں لیکن اس سے صلح کلیوں کے منہ پر طمانچہ ہے کہ وہ بدمذاہب کے ساتھ رواداری اور مروت کا درس دیتے ہیں انشاء اللہ قیامت میں یہ بھی سزا میں اپنے یاروں (بدمذاہب) کے ساتھ نتھی کئے جائیں گے یاد رہے کہ دور حاضرہ میں بدمذاہب سے صلح کلی قسم کے لوگ زیادہ خطرناک ہیں اس لئے کہ دور حاضرہ جمہوریت کا ڈھنڈورہ پیٹتا ہے اور بدمذاہب عیار و چالاک ہوتے ہیں وہ عوام کو پھنسانے کے استاد ہیں عوام بے چارے جب اپنے مسلک اہلسنت کے سرکردہ مولویوں و پیروں اور لیڈروں کو بدمذاہب کے ساتھ رواداری اور مروت دیکھتے ہیں تو آسانی سے ان کے دام تزویر سے پھنس کر اپنا دین و ایمان گنوا بیٹھتے ہیں ان کے دین و ایمان کا بربادی کا موجب یہی صلح کلی بنے اسی لئے بہ نسبت اصلی بدمذاہب کے انہیں زیادہ سزا ملے گی۔

کی طرف ایک سال تک شہر بدر کر دیا[1] ۔

⑦ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ بے شک وہ جو تم وعدے دیئے جاتے ہو واقع ہوگا ۔ یہ قسم کا جواب ہے یعنی جس قیامت کے آنے کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ ضرور واقع ہوگی کیونکہ انما حصر یہ نہیں بلکہ اس کا ما موصولہ اگرچہ انما کے ساتھ متصل ہو کر لکھا گیا ہے اسی طرح مصحف میں ہے وعدہ دی ہوئی وہی قیامت کا آنا ہے اس لئے کہ اس کے بعد جو علامات مذکور ہیں وہ قیامت کی ہیں لیکن کلبی نے اس کا معنیٰ کیا ہے کہ تم جو وعدہ دیئے جاتے ہو خیر و شر سے وہ ضرور بالضرور واقع ہوں گے اس نے موصول کے عموم لفظ کا اعتبار کیا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اِنَّمَا توعدون الخ وہ جو تم کلی فنا فی اللہ کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ واقع ہوگا یعنی اہل معرفت و شہود اور ارباب ذوق و وجود کو حاصل ہوگا اور اہل حجاب و احتجاب کے لئے بھی اگر رفع الحجاب وکشف النقاب کے لئے مستعد ہوں گے تو اسی وقوع محقق کی طرف اشارہ ہے ۔

کل شئ ھالکٌ اِلاّ وجہہٗ ہر شے ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ۔ یعنی ابھی اور آیت کُلٌّ من علیھا فان میں یعنی ہر شے عین بقا میں فنا پائے گی کیونکہ ہر مقید مطلق کے اطلاق میں ایسے گم ہوگا جیسے ستاروں کا نور سورج کے نور میں اور جیسے تثنیہ (دو ہونا) ثلیثہ (تین) میں اور رابعیتہ (چار ہونا) کے اعتبارات کا دو تین چار میں ۔

تفسیر عالمانہ ربط : اس کے بعد آثار قیامت کے ظہور اور اس کے دلائل کے حصول کی اہل شقاوت کو یوں خبر دی کہ ⑧ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ اور جب ستارے محو کر دیئے جائیں گے یعنی ختم کئے جائیں گے ۔

حل لغات طمس بمعنی شئے کے وہ آثار مٹانا جو اس کی ذات پر دلالت کریں یہ واذا الکواکب انتثرت کے موافق ہے (اور جب ستارے جھڑ پڑیں) یا ان کا نور ختم ہو جائے گا لیکن پہلا معنیٰ اولیٰ ہے کیونکہ اس میں اضمار کی حاجت نہیں النجوم مرفوع ہے محذوف کا جس کی تفسیر ما بعد کرتا ہے یا مرفوع بالابتدأ ہے اور طمست اس کی خبر ہے لیکن پہلا اولیٰ ہے کیونکہ اذا شرط کا معنیٰ ہے اور شرط بالفعل اولیٰ ہوتی ہے اور دونوں جملے محلاً مجرور ہیں جارہ اذا ہے اس کا جواب محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے فاذا طمست النجوم وقع مایوعدون او جوزیتم علی اعمالکم جب ستارے محو کئے جائیں گے تو واقع ہوگی وہ جو وعدہ دیئے

---

[1] اللہ تعالیٰ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا اسلام کا عاشق پیدا فرمائے تاکہ تمام بد مذاہب کو شہر بدر کر دے کم از کم پاکستان میں تو کوئی ایسی سبیل ہو کہ وہابی دیوبندی کانگرسی گاندھی کے دیس کو، شیعہ کو ایران مرزائیوں کو لندن ۔ ہماری جان چھوٹے ۔ (آمین) (فقیر اویسی غفرلہٗ)

جاتے ہو یا اپنے اعمال کی جزا دیئے جاؤ گے اور محذوف پر ما توعدون لواقع دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں حواس عشرہ ظاہرہ و باطنہ کے ادراک الحقائق سے طلوع شمس حقیقت کے وقت مٹائے جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ⑨ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ اور جب آسمان میں رخنے پڑیں گے خوف رحمٰن سے اسمیں رخنے پڑجائیں گے اور پھٹ جائیں گے جس کی وما لها من فروج اس کے لئے کوئی سوراخ (رخنہ) نہیں کی نفی تھی آسمان کے پھٹنے سے دروازے کھل جائیں گے الفرج بمعنی الشق (پھٹنا) کیونکہ ہر مشقوق کو فرج (کھلنا) کہہ سکتے ہیں یعنی وہ وقت جب آسمان میں سوراخ ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ارواح کے آسمان کے پھٹنے کی طرف اشارہ ہے جب ان پر تجلیات جلالیہ کے نورانی شعلے پڑیں گے۔

تفسیر عالمانہ ⑩ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔ دانوں کی طرح ریزہ ریزہ جیسے نسف سے دانے ریزہ ریزہ کئے جاتے ہیں منسف وہ آلہ جس سے دانے چھلکوں سے توڑے اور صاف کئے جائیں۔ ایسے ہی دوسرے مقام پہ فرمایا وبست الجبال لبًا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

حل لغات نسف وبسّ بمعنی پراگندہ کرنا اور بکھیرنا۔

تفسیر عالمانہ اسمیں خیالات فاسدہ اور اوہام کاسدہ کے پہاڑوں کا مشاہدات و حوادثی المعانیات کے وقت لاشئے ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ⑪ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جب رسولوں کا وقت آئے گا۔ ان کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے تاکہ وہ تشریف لاکر اپنی امتوں کی گواہی دیں گے اور یہ قیامت کے آنے پر ہوگا اس کے وقوع سے پہلے رُسل کرام علیہم السلام تشریف نہیں لائیں گے اور اس کا علم ان کی طرف مسلم ہے یعنی رسل کرام علیہم السلام کا ، (ان کی گواہی کے لئے تشریف لانا علامات قیامت سے ہے اور وہ تعیین وتبیین دنیا میں حاصل نہ تھی اس لئے کہ اس کا وقت آخرت ہے جب قیامت آئے گی تو انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ گواہی کے لئے تشریف لاؤ کہ اب گواہی کا وقت آگیا ہے۔

فائدہ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جب رُسل کرام علیہم السلام اس وقت پہنچیں گے جس کے وہ منتظر تھے یعنی یوم القیمۃ کے اس لئے کہ جیسے توقیت بمعنی تحدید الشیٔ و تعیین الوقت کے لئے آتا ہے ایسے ہی کسی شے کو کسی کے لئے ایک وقت محدود میں مقصد مقرر کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے پہلا معنی ذوات میں مستعمل نہیں ہوتا جب تک اضمار نہ ہو اس لئے کہ موقت احداث ہیں جثث (جثے) نہیں زید مؤقت نہیں جا سکتا جب تک

اس میں کوئی شے مضمر نہ ہو۔ زید موقت حضورہ (زید کی حاضری کا وقت مقرر ہے) تو رسل کرام کے لئے بھی یہی ہے کہ ان کی تشریف آوری مقرر ہے نہ کہ ان کی ذوات مقدسہ موقت و مقرب ہیں اس لئے ذوات خود قارہ ہیں ان میں تعیین کا کیا اعتبار ہاں زمانیات متجدّدہ (نت نیا) ہیں (اسی لئے ان میں تعیین کا اعتبار ضروری ہے) ایسے ہی مفسرین نے فرمایا۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے وقوع معنی ثانی میں جنث پر بلا اضمار الشی میں بحث ظاہر ہے تو اس قول کی طرف صاحب کشف وغیرہ گئے ہیں (انہوں نے مجاز کا اعتبار کیا ہوگا)۔

فائدہ ابو عمر (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) نے وقتت اصل پر پڑھا ہے کیونکہ اس کا مادہ وقت ہے باقی قرأ (رحمہم اللہ) نے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر کے پڑھا ہے اس لئے کہ ضمہ واؤ کی جنس سے ہے ان دونوں کو جمع کرنا دو مثلوں کے جمع کرنے کے مترادف ہے اور وہ ثقیل ہے اسی لئے تو کسرہ یا پر ثقیل ہے اسی لئے تو ولا تنسوا الفضل میں واؤ کو الف سے تبدیل نہیں کیا گیا کیونکہ واؤ کا ضمہ اس کو لازم نہیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ الف واؤ دو لغتیں ہیں اسی لئے عرب واؤ کو الف سے تبدیل کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں وسادۃ سے اسادۃ اور کتاب مؤرخ سے مورخ اور قوس موتر سے مؤتر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں رسل قلب وسر کی طرف اشارہ ہے اور ان کی گواہی کی تعیین امت اعضاء وجوارح کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ (۱۲) لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ اسی دن کے لئے ٹھہرائے گئے تھے۔ یہاں فعل مقدر ہے یعنی انہیں کہا جائے گا واذا الرسل الخ کا جواب ہے یعنی کہا جائے گا کہ اس دن کے لئے وہ امور مؤخر ہوئے جو رسل کرام علیہم السلام کے متعلق تھے۔ یعنی ان کا جمع ہونا اور تشریف لانا جیسے دوسرے مقام پر فرمایا یوم یجمع اللہ الرسل الخ اس سے اس دن کی عظمت اور اسی سے تعجّب دلانا مطلوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حسب رسل یعنی ثواب و عقاب کے ملائکہ مقرر ہوں گے اور اس میقات پر پہنچیں گے جو ان کے لئے مقرر ہے یا خوشخبری سنانا راحت و فرحت سنانا یا کفار کو عذاب و عقاب اور کرب و ذلت پہنچانا اس دن کے لئے جو بہت بڑا ہے جسے مؤخر کیا گیا ہے اعمال کے وقت ثواب و عقاب کی عجلت سے اور رسل بشر علیہم السلام بھی یعنی انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے ان کے لئے وقت مقرر ہے اور میقات میں بھی تشریف لا کر مطیع و عاصی اور سعید و شقی کے درمیان فرق بتائیں گے کیونکہ وہ اپنی امتوں کو انکی علامات سے پہچانیں گے۔

(۱۳) لِیَوْمِ الْفَصْلِ روز فیصلہ کے لئے۔ یوم تاجیل کا بیان ہے یعنی وہ دن جس دن مخلوق کے درمیان فیصلہ

ہوگا اور ہر ایک حقوق پورے کئے جائیں گے نیک اور بُرے کے لئے حکم کیا جائے گا ارباب شہود الوحدۃ الذاتیہ
اور اصحاب شہود کثرۃ اسمائیہ وصفاتیہ کے درمیان امتیاز ہوگا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اس دن محبوب کو محبوب سے جدا کیا جائے گا سوائے اس کے کہ جس کا معاملہ للہ فی اللہ ہوگا اور درمیان رسولوں علیہم السلام اور ان کی امتوں کے اور درمیان بندے کے اور اس کے ماں باپ اور بھائی کے مگر یہ کہ وہ حق وعدل میں متفق ہوں تو پھر نہیں۔

(۱۴) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ اور تو کیا جانے وہ روز فیصلہ کیا ہے ۔ ما مبتدا اور اک اس کی خبر ہے یعنی تجھے کس نے عالم اور راز خود جاننے والا بنایا کہ وہ کیا ہے اور اس کی کنہ ایسی ہے کہ اس کی مثل نہ دیکھی گئی اور اس جیسی شدت پہلے کسی نے دیکھی نہ سنی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں کونسی شے نے جاننے والا بنایا کہ وہ کیا دن ہے فیصلہ کا کیونکہ اس کی کنہ کو کوئی نہیں جانتا ضمیر کے بجائے اسم مظہر یعنی یوم الفصل لایا گیا اس کی زیادہ گھبراہٹ اور ہولناکی کے اظہار کے لئے۔

سوال ما کو مبتدا اور یوم الفصل کو خبر کیوں بنایا جاتا ہے اس کے برعکس کیوں نہیں جیسے سیبویہ نے اختیار کیا ہے۔

جواب یہاں اہم مقصد ہے یوم الفصل کو امر بدیع اور اس کی ہولناکی کا اظہار کہ اس کا نہ کسی کو اندازہ ہوسکتا ہے اور نہ اس کی کنہ معلوم ہوسکتی ہے جیسے ما کی خبریت سے معلوم ہوتا ہے نہ یہ کہ یہ بھی امور بدلعہ سے ایک یوم لفصل بھی ہے جیسے اس کے برعکس کرنے سے ہوتا ہے۔

(۱۵) وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ اس ہولناک دن میں خرابی ہے لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کی، کیونکہ اسی دن رب رحمان مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اسی دن خرابی ان (کا فروں بکذبون) کے لئے ثابت ہے۔

حل لغات دراصل الویل مصدر منصوب فعل کے قائم مقام ہے دراصل اھلکہ اللہ اھلاکًا یا ھلک ہو ہلاکًا تھا۔ (اسے اللہ تعالیٰ خوب ہلاک کرے یا وہ خوب ہلاک ہوا)۔ اس سے عدول کر کے مرفوع کیا گیا تاکہ ہلاکت کے ثبات و دوام پر دلالت ہو کہ جس پر خرابی ہے وہ دائمی ہے یومئذ ظرف یا صفت ہے ویل اہلاک یا ہلاک کے قائم مقام ہے اسی لئے اس کا فرفوع واقع ہونا جائز ہے ورنہ نکرہ مبتدا واقع نہیں ہوسکتا اور وہ چونکہ مصدر اس فعل کے قائم مقام ہے جو فاعل معین سے مخصوص سے صادر ہوگا اسی لئے وہ نکرہ بھی اس فاعل متخصص کی وجہ سے مبتدا بننے کے لائق ہے جیسے نحویوں نے سلام علیك میں سلام نکرہ کو مبتدا مانا ہے تو اسی تخصیص فاعل کی وجہ سے۔

فائدہ بعض نے کہا الویل جہنم میں ایک وادی ہے کہ اگر اسمیں پہاڑ ڈالے جائیں تو پگھل جائیں۔

ملفوظ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس دن اس شخص کے لئے بہت بڑی خرابی ہے جس نے دنیا میں باطل دعوے بلند کر رکھے تھے۔

(۱۶) اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں فرمایا جیسے قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہم وہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے ہلاک ہوئے اور ان کی ہلاکت یوم الفصل کی تکذیب کی وجہ سے تھی یہ جملہ مستانفہ : انکار ہے عدم اہلاک کے انکار میں اس کا اثبات وتقریر ہے کیونکہ نفی کی نفی میں اثبات اور تحقق ہوتا ہے گویا کہا گیا کہ عدم اہلاک نہ ہوا بلکہ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا (۱۷) ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ پھر پچھلوں کو ان کے پیچھے لگائیں گے ان سے وہ کفار مراد ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد تھے یہ مرفوع ہے اس کا عطف ثم کے ساتھ نحن محذوف پر ہے یعنی پھر ہم ان کے پیچھے لگائیں گے انہیں جو ان کی طرح کفر و تکذیب میں ان کے طریقے پر چلتے ہیں۔ یعنی اہلاک میں ہم انہیں اولین کے پیچھے لگا دیں گے اس معنیٰ پر یہ کلام ماقبل معطوف پر نہیں اس لئے کہ عطف واجب کرتا ہے کہ معنیٰ یوں ہو اهلكنا الاولين ثم اتبعناهم الآخرين في الاهلاك کیونکہ اولین کا اہلاک تو واقع ہو چکا اور آخرین کا ابھی نہیں ہوا اسی لئے ماننا پڑے گا کہ نتبع مرفوع ہے لیکن ماقبل سے مقطوع ہے بلکہ جملہ مستانفہ ہے علیٰ وجہ الاخبار از وقوع زمانہ مستقبل میں مبتدا کو محذوف مان کہ دراصل ثم نحن نتبعهم الآخرين تھا۔

فائدہ اس میں کفار مکہ کو وعید ہے۔

(۱۸) كَذٰلِكَ ایسا ہی۔ اس کام کی طرح جس کی خبر اوپر مذکور ہوئی کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ مصدر موصوف محذوف کی کہ دراصل فعلاً ذلك الفعل الخ تھا۔

نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم مجرمین کے ساتھ کرتے ہیں۔ یعنی ہمارا طریقہ ایسے ہی جاری ہے کہ مجرم کو یونہی سزا دیتے ہیں اس میں جرم کے انجام اور اس کے برے اثر کے ترتب سے ڈرانا ہے (۱۹) وَيْلٌ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن کے جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے یعنی جب آیات الٰہی و انبیاء علیہم السلام کی انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ہلاک کیا تو ان کے لئے خرابی ہے۔

جواب ۱ اس میں تکرار نہیں اس لئے کہ پہلا ویل آخرت کے عذاب کا ہے اور یہ دنیا کے عذاب کا۔
۲ برہان القرآن میں ہے کہ اس سورۃ میں ویل کا دس بار تکرار ہے لیکن کمال یہ ہے کہ ہر ایک اپنے

؎ یہ سوال مقدر کے جوابات ہیں۔ سوال مشہور ہے جسے منکرین بار بار دہراتے ہیں کہ قرآن میں تکرار فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ صرف اس اعتراض کے جواب میں فقیر نے ایک کتاب لکھی ہے "قہر الدیان علی منکر تکرار القرآن"۔
اویسی غفرلہٗ

دوسرے کا غیر ہے اسی لئے یہ تکرار مستہجن (مکروہ) نہیں بلکہ مستحسن ہے کیونکہ اگر دیل کا تکرار نہ ہو تو معنی یہ ہوتا

ہے کہ ان کے بعض امور سے تو ڈرایا جا رہا ہے اور بعض سے نہیں۔

جواب ۳ بعض نے کہا کہ عرب کی عادت ہے کہ وہ جس طرح اختصار و ایجاز کو مستحسن سمجھتے ہیں ایسے ہی تکرار و اطناب کو بعض مواقع میں مستحسن سمجھتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ترغیب و ترہیب میں بجائے ایجاز کے کلام کی

طوالت مطلب کے ادراک میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

جواب ۴ کبھی تکرار میں بھی وہ ذوق حاصل ہوتا ہے جو صاحب ذوق کو معلوم ہے اور یہ امر کوئی مخفی نہیں

(۲۰) اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ کیا ہم نے تمہیں پیدا نہیں کیا۔

قاعدہ تجوید تمام قرآنے قاف کو کاف میں ادغام کیا ہے اور نقاش رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن کثیر (قاری صاحب تجوید نہ کہ یہ ابن کثیر جو صاحب تفسیر ہے) اور نافع کی قرأت میں بروایت قالون و قاسم (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ

میں اسی طرح ہے اور ایک روایت حفص (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) میں اظہار ہے (الایضاح)

مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ایک بے قدر پانی سے یعنی نطفے گندے ذلیل سے یعنی خوار و بے مقدار میم اصلی ہے از مہانۃ بمعنی قلت اور خست۔ اور ہر وہ شے جس کی قدر نہ ہو کہ اس کی پرواہ کی جائے بلکہ اسے بے کار سمجھ کر پھینک دیا جائے

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا" تو اہم نے تمہیں ایسے پانی سے پیدا کیا۔ اسی لئے آنے والے جملہ کو اس پر عطف ڈالا فَجَعَلْنٰهُ تو ہم نے اسے رکھا' اس کی پانی کو فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ایک محفوظ جگہ ہیں۔ رحم میں بکسر الحا المہملہ بچہ دانی جو ماں کے پیٹ

میں ہوتی ہے قرار بمعنی استقرار (نطفہ) کی جگہ المکین بمعنی الحصین (محفوظ) یعنی ہم نے پانی کی قدرت پاگیا اور ہر طرح کے تعرض سے صحیح سالم اور محفوظ رہا۔

حل لغات المکین از مکانۃ ہے بمعنی التمکن یہ بمعنی منزل و مرتبہ از کون سے نہیں مثلاً کہا جاتا ہے اہل مکین فی مکہ۔ یعنی وہ مکہ معظمہ میں متمکن ہے اور کہا جاتا ہے مکین عند الامیر فلاں امیر کے ہاں دو مرتبہ

اور ذو منزلۃ ہے تو اس وقت یہ فعیل ہوگا نہ کہ مفعل۔

(۲۲) اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ایک معلوم اندازہ تک۔ ایک مقرر وقت تک جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ولادت کے لئے جو کہ نو ماہ مشہور ہیں یا اس سے کم و بیش یہ فجعلنا کی ضمیر سے محلاً منصوب حال ہے یعنی مؤخر الی مقدار معلوم من الزمان یعنی زمانہ کی ایک مقدار معلوم مؤخر کر کے (۲۳) فَقَدَرْنَا پھر ہم نے اندازہ فرمایا یہاں اندازہ سے

تقدیر الخلق مراد ہے یعنی اس کی خلقت اور اس کے جوارح و اعضا اور الوان (رنگ) اور مدت حمل و حیات کا اندازہ

(تقدیرا جیسا کہ قدر مخفف (لغۃ) اسی پر دلالت کرتا ہے بمعنی قدر (مشدد) مخفف نافع (قاری رحمہ اللہ) کی قراۃ ہے

اور مشدد کسائی کی۔ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ تو ہم کیا ہی اچھے قادر ہیں۔ اور قادرین بمعنی المقدرون بھی ہے اسی

المعنیٰ کی طرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور جائز ہے کہ یہ فقدرنا از قدرۃ ہو یعنی ہم اس پر قادر ہیں اس کی تخلیق و تصویر میں جیسے ہم چاہیں اور ارادہ کریں ایسے ہی حقیر و ذلیل مادہ سے اور قدرت سے مراد وہ ہے جو وجود مقدور سے بالفعل مقارن ہے اس کی تائید و تقویت فنعم القادرون سے ہوتی ہے کہ ہم نے اسے پیدا کیا اور اسے احسن صور و ہیات میں بنایا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (۲۴) خرابی ہے اس دن کے جھٹلانے والوں کے لئے، ہماری قدرت کو اس پر یا اعادہ پر۔

فائدہ امام ابواللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شدت عذاب سے اس کے لئے جو خلق اوّل کو ماننے کے باوجود خلق ثانی یعنی اعادہ کا منکر ہے۔

(۲۵) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا کیا ہم نے زمین کو نہیں بنایا جمع کرنے والی۔

ربط پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ نعمتیں جتلائیں جو انفسی تھیں کیونکہ وہ اصل کی مانند ہیں اب وہ نعمتیں جتلاتا ہے جو آفاقی ہیں۔

حل لغات کفاتٌ از کفت جمع کرنا کفات اسم ہے جو جمع کرے یکفت ملائے جمع کرے از کفت الشیٔ، ضمہ وجمعہٗ اسے ملایا۔ جمع کیا ضمام و جماع کی طرح وہ شے جو ملائے اور جمع کرے جیسے تقویٰ جماع کل خیر یعنی تقویٰ ہر خیر و بھلائی کو جمع کرنے والا ہے۔ الخمر جماع کل شرٍ شراب ہر گناہ اور برائی کو جمع کرنے والا ہے۔ کفاتا نجعل کا مفعول ثانی ہے اس لئے کہ وہ الم نصیّر ہا کفاتا کے معنیٰ میں ہے وہ جمع کرتی ہے (۲۶) اَحْيَآءً بہت سے زندوں کو اپنی پیٹھ پر یہ منصوب فعل مضمر سے جس پر کفاتاً دلالت کرتا ہے وہ تکفت بمعنی تجمع ہے ورنہ اسمائے جامدہ ایسے ہی اسم مکان و اسم زمان غیر عاملہ ہیں اگرچہ مشتقہ ہوں اور اسم مصدر میں اختلاف ہے ہاں مصدر اور اسم فاعل اسمائے عاملہ ہیں جو اسے من یکفت (وہ جو جمع کرے) کا اسم بناتا ہے یا کفت کی جمع بمعنی الواؤ (برتن) سمجھتا ہے تو وہ (سوائے زمخشری کے) اس کے عمل سے منع کرتا ہے اور زمخشری نے کہا کہ کفات اسم ہے اور عامل ہے اسی لئے اس غلطی کی وجہ سے اس پر طعن و تشنیع کی گئی ہے۔ وَّاَمْوَاتًا اور مُردوں بے شمار کو ماں پیٹ میں اسی لئے زمین کو ماں سے تشبیہ دیتے ہیں کہ جیسے وہ اولاد کو گلے لگاتی ہے اور بھینچتی ہے ایسے ہی زمین زندوں اور مُردوں کو جمع کرتی اور گلے لگاتی ہے۔ یا اس لئے کہ لوگ زمین میں جمع ہوتے ہیں نیز اس لئے کہ لوگوں کو باہمی جمع کرتی ہے کہ وہ اس میں سکونت رکھتے ہیں ایسے ہی زمین زندوں کے لئے وہ چیزیں اپنے اندر جمع کر لیتی یعنی چھپا لیتی ہے جو ان سے گندگیاں خارج ہوتی ہیں احیاء و اموات کی تنکیر تعریف استغراقی کے معنی میں ہے کہ تعریف افرادی و نوعی نہیں۔

فائدہ یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ زمین تمام مردہ و زندہ انسانوں کو جمع کرتی ہے لیکن سب زندہ مُردے اسی میں منحصر نہیں بلکہ بعض حیوان کو ہوا جمع کرتی ہے بعض اور ہیں جو پانی میں ہیں اس معنیٰ پر یہ سب کے لئے کفات جمع کرنے

کرنے والی نہ ہوئی بلکہ لبعض کی ہے اس تقریر پر احیا اموات کی تنکیر اپنے معنی پر ہے ۔

مسئلہ قفال (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ نباش کی قطع ید (ہاتھ کاٹنا) واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کفات بنایا اور وہ میت کے لئے محافظ ہوئی اور سارق وہی ہے جو مال محفوظ کو چرائے نباش (کفن چور) نے بھی گویا محفوظ کو چرایا اس لئے اس لئے اس کی قطع ید ضروری ہوئی (اس پہ فتویٰ نہیں یہ صرف حضرت قفال رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا اجتہاد ہے)۔

(۲۷) وَّجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ (اور ہم نے ہیں لنگر ڈالے) پہاڑ ایک جگہ ثابت کھڑے ہونے والے اور بلند میں جبلنا کا مفعول مقدر ہے اور رواسی اس کی صفت ہے (اور وہ محذوف (جبالًا) ہے)۔

حل لغات رَوَاسِيَ ، رسا الشئی یرسو (وہ شے ثابت ہے)۔ اور پہاڑ بھی زمین پر ثابت ہیں کہ کبھی زائل نہیں ہوتے ۔

شٰمِخٰتٍ (اونچے اونچے) یہ صفت کے بعد صفت ہے ۔

حل لغات الشامخ بمعنی عالی ۔ مرتفع یعنی اونچے بہت اونچے اسی سے ہے ۔ شمخ انفہ (اس کی ناک اونچی ہے) اس کے لئے بولتے ہیں کہ جبیں کبر (تکبر) ہو عین المعانی میں ہے کہ شامخات ثوابت الاصول در واسخ العرق اور شامخات بمعنی مرتفع الفروع ۔

فائدہ نحویہ غیر ذوی العقول کی جمع مذکر یعنی شامخات لانا عام اور مطرد ہے جیسے اشہر معلومات وغیرہ وغیرہ اور تنکیر تفخیم کی ہے یا خبر دینا ہے کہ وہ جو زمین پر پہاڑ نظر آتے ہیں یہ اس کے لبعض ہیں ورنہ پہاڑوں کی گنتی غیر معروف اور نامعلوم ہے اور نہ ہی دیکھے جا سکتے ہیں اس لئے کہ آسمان میں بھی پہاڑ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من جبال فیہا مبرد آسمان میں لبعض ٹھنڈے پہاڑ ہیں ۔

وَاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا اور ہم نے تمہیں خوب میٹھا پانی پلایا ۔ کہ زمین میں نہریں اور چشمیں پیدا کئے یا یہ کہ ہم نے انہیں پینے کے لئے پیدا کئے اور ان سے پانی پینے کی قدرت بھی دی ایسے ان سے تمہارے جانور اور کھیتیاں پانی پیتی ہیں اور کوفہ کی نہر (دریا) کا نام فرات ہے کہ اس کا پانی لذیذ ہے ۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میٹھا پانی زمین اور آسمان سے ہے ۔

فائدہ فرات واحد و جمع ہر دونوں کے لئے آتا ہے اس کی تا اصلی ہے اور تنکیر تفخیم کی ہے یا تبعیض پر دال ہے اس لئے کہ آسمان پر بھی میٹھا پانی بلکہ آسمان میں ہی زمین کا پانی جمع اور وہاں سے ہی زمین پر آتا ہے ۔

(۲۸) وَيْلٌ خرابی ہے (وادی ہے جہنم میں) يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی، کہ ایسی عظیم نعمتوں

کو جھٹلاتا ہے (۲۹) اِنْطَلِقُوْٓا اس دن مکذبین کو کہا جائے گا تو بطریق توبیخ وزجر کے چلو یا جاؤ اور قائل جہنم کے خازن (داروغے) ہوں گے اور جہنم کے نگران اِلٰی مَا کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ اس کی طرف جسے تم جھٹلاتے تھے دنیا میں عذاب سے اور بہ تکذبون کے متعلق ہے اسے نظم رعایت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

(۳۰) اِنْطَلِقُوْٓا بالخصوص چلو اِلٰی ظِلٍّ سایہ کی طرف جہنم کی آگ کے دھوئیں کی طرف جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وظل من یحموم یعنی دھواں غلیظ۔ سیاہ۔ ذی ثلاث شعب تین شاخوں والا موٹے پن کی وجہ سے اس کی تین شاخیں ہوں گی جیسے تم بڑے دھوئیں کو دیکھتے ہو کہ وہ شاخیں بن کر اٹھتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ بہت بڑا دھواں ہوگا تو اس سے شاخوں کا متفرق ہونا لازمی امر ہے۔

اعجوبہ بعض نے کہا کہ جہنم کی آگ سے ایک زبان ظاہر ہوگی جو کفار کو خیموں کی طرح گھیر لے گی۔ سرداق وہ خیمہ جو گھر کے صحن میں تانا جاتا ہے اس جہنم کی نار کی زبان سے تین شاخیں پھیلیں گی جو کفار پہ سایہ کریں گی حساب سے فراغت تک وہ دھواں کافروں پر سایہ کی طرح رہے گا لیکن اہل ایمان پر عرش کا سایہ ہوگا۔ (الحمد علی ذالک)

نکتہ (۱) قاضی (بیضاوی) تفسیر کبیر سے اخذ کر کے لکھتے ہیں کہ اس دھوئیں کی تین خصوصیت اس لئے کہ انوار القدس سے نفس کو حجاب (۱) حس (۲) خیال (۳) وہم سے ہوتا ہے اسی لئے اس دھوئیں کی شاخیں تین ہوں گی۔

(۲) اس عذاب تک انسان کو تین چیزوں نے پہنچایا۔

(۱) قوت وہمیہ شیطانیہ جو دماغ میں حلول کرتی ہے جو نفس کو مشوش کر کے اسے ادراک حقائق سے دفع کرتی ہے۔

(۲) قوت شہویہ بہیمیہ جو قلب کے بائیں جانب ہے جو نفس کو اوصاف الٰہیہ سے موصوف نہیں ہونے دیتی۔

(۳) قوت غضبیہ سبعیہ یہ قلب کے دائیں جانب ہے جو نفس کو حق اعتدال کو قائم کرنے سے دفع کرتی ہے اسی لئے قیامت میں اس دھوئیں کا ایک ٹکڑا کافروں کے سروں پر ہوگا اور دوسرا دائیں جانب تیسرا بائیں جانب۔ اور یہ صحیح ہے کہ انسان عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ اپنی قویٰ ثلاثہ (واہمہ وغضبیہ وشہویہ) سے صادر ہوتے ہیں چونکہ یہ تینوں قویٰ ان جملہ آفات کا سرچشمہ ہیں جو انسان سے صادر ہوتے ہیں اس لئے دھوئیں کی تین شاخیں ہو جائیں گی۔

سبق جو چاہتا ہے کہ کل قیامت میں اس سیاہ عذاب رساں دھوئیں سے محفوظ رہے اسے چاہیئے کہ نور عقل سے تمسک کر کے صفت شیطانی وطبعی وہمی کی تاریکی سے گذر جائے ؂

تاریکی خشم وشہوت حذر کت
کہ از دود آں چشم دل تیرہ گردد

غضب چوں در آمد رود عقل بیروں
ہوی چوں شود چیرہ جان خیرہ گردد

ترجمہ: غصہ شہوت کی تاریکی سے خطرہ کر۔ اس لئے کہ دھوئیں سے دل کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔
جب غصہ آتا ہے تو عقل باہر آجاتی ہے خواہش نفسانی جب پیدا ہوتی تو مضبوط جان بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

فائدہ ممکن ہے کہ انہیں ایسے دھوئیں سے عذاب دینے کا موجب یہ ہوا کہ انہوں نے قوی ثلاثہ۔

(۱) سمع

(۲) بصر

(۳) فواد کو ضائع کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجعل لکم السمع والابصار والافئدہ قلیلا ما تشکرون اور تمہارے لئے سمع ابصار اور افئدہ (دل) بنائے تم میں بہت تھوڑے ہیں جو شکر گزار ہوں کیونکہ ان کا شکر اور رعایت تمام سعادات کا سرچشمہ ہے اور ان کی تضیع تمام بدبختیوں کا سرچشمہ۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک ایک اور وجہ ہے وہ یہ کہ ایمان تین امور کا نام ہے۔

(۱) تصدیق۔

(۲) اقرار۔

(۳) عمل صالح۔

ان تینوں کے ضائع کرنے پر تین شاخیں مسلط کی گئیں اس کی دلیل آیات مذکورہ میں مثلاً انطلقوا الی ما کنتم بہ تکذبون اس آیت میں تکذیب کو سبب بتایا تو تکذیب قلب کی صفت ہے اور قلب پر تمام قویٰ و اعضا کا دارومدار ہے یہ فاسد تو زبان بلکہ تمام ارکان فاسد تو زبان بلکہ تمام ارکان فاسد۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکذیب قلب کے لئے ظلمت باطنہ ہے ترک الاقرار و ترک عمل صالح سے اس کی ظلمت دوگنی ہو جاتی ہے تو دنیا میں جتنا ظلمات باطنہ دوگنی ہوں گی اتنا ہی آخرت میں وہ ظلمات ظاہر ہو کر دوگنی ہوں گی اس لئے کہ ہر عمل کی آخرت میں صورۃ شخصیہ جسدانیہ (جسمانی) ہوگی (۳۱) لا ظلیل نہ سایہ دے اخذ از ظل تاکید کے لئے جیسے نوم نائم یعنی وہ دھواں کافر کو گرمی دوزخ سے سایہ کر کے فائدہ نہ دے گا ظل کو ظلیل سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس دن دوزخ کی گرمی سے بچاؤ کا کوئی سایہ نہ ہوگا بلکہ وہ دھواں خود جہنم کی گرمی ہوگی اور اسے سایہ سے تعبیر کرنا کفار سے استہزا ہے کیونکہ سایہ کا کام تو یہ ہونا ہے کہ جس پر پڑے اسے گرمی سے بچائے یہاں الٹا اس کے لئے عذاب بنے گا اسی لئے اسے ظلیل نہ سایہ کہہ کر کفار سے استہزا کیا گیا۔

نکتہ سایہ کی طرف چلنے کے حکم میں ان کے عذاب کو دوہرا کرنے کے لئے ہوگا کہ پہلے بھی وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر انہیں دھوئیں کے سایہ میں مزید عذاب ہوگا کہ اس سے بجائے اس کے کہ راحت پاتے عذاب پاکر مزید دکھ اور تکلیف پائیں گے ورنہ بظاہر وہ سایہ کو دیکھ کر پہلے تو خوش ہوں گے کہ سایہ سے کچھ تو سکون ملے گا لیکن اس کے برعکس سایہ سے عذاب میں اضافہ پائیں گے جیسے سورۃ الواقعہ میں گذرا۔

وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ اور نہ ہی آگ کی لپیٹ سے بچائے یعنی جیسے دنیا میں سایہ دھوپ کی گرمی سے بچاتا ہے وہ دھوئیں کا سایہ انہیں جہنم کی گرمی سے نہ بچائے گا۔

فائدہ لا ظلیل مجرور (محلاً) ظل کی صفت ہے اور غیر لفظ اس کے موصوف ہونے سے مانع نہیں اب معنیٰ ہوا ظل غیر ظلیل وغیر مغن ہوگا اور یُغنی کا مفعول محذوف ہے اور وہ شیئاً ہے اور من بیانیہ ہے یعنی از اغنیٰ وعنیّٰ وجہہ اس نے مجھ سے اپنا چہرہ دور کیا اس لئے کہ کسی شے سے غنا اس سے بُعد (دوری) ہی ہے جیسا کہ اس کا محتاج اس کی قربت کی کوشش کرتا ہے اسی لئے اغناء سے اس کا الغاء مراد ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ سایہ دھوپ کی گرمی سے ٹھنڈک نہ دے گا اور نہ ہی آگ کی لپیٹ سے بچائے گا۔

حل لغات اللھب ہر وہ شے جو آگ کے اوپر ہو سرخ ہو یا زرد یا سبز جب آگ بھڑکے (یعنی شعلہ)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ظل رُوح وظل قلب ایسے سائے ہیں کہ ان کے منافع واثرات دراز ہیں اور نفس وہویٰ کے کوئی سائے نہیں بعض نے کہا کہ خبیثہ کا شجر نور وحدت سے منقطع ہے بوجہ اس کی ذاتی ظلمت کے وہ سایہ طوبیٰ کے شجر کی طرح سایہ دار نہیں اسی لئے وہ راحت وفرحت کا فائدہ نہیں دیتا بخلاف اس نفس طیبہ کے شجرہ کے جو نور وحدت سے منور ہے لیکن وہ شعب (شاخیں) مختلفہ متضادم جیسے شیطانیہ۔ سبعیہ، بہیمیہ سے غیر منشعبہ ہے۔

تفسیر عالمانہ (۳۲) اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ بے شک وہ چنگاریاں اڑاتی ہے اس لئے وہ شاخیں ایسی ہیں کہ یوم قیامت میں چنگاریاں اڑجائیں گی اس کی ہر ایک چنگاری كَالْقَصْرِ اونچے محل کی طرح ہوگی یعنی وہ اپنے عظم میں اونچے محل کی طرح ہوگی جیسا کہ اسپر كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ کی تفسیر دلالت کرتی ہے۔

حل لغات شرر شرارۃ کی جمع ہے وہ شے جو آگ سے متفرق ہو کر ستاروں کی طرح اُڑے جیسا کہ قاموس میں ہے کہ الشرار والشرر ہمچوں کتاب وجبل وہ جو آگ سے اُڑے اس کا واحد تا سے ہے یعنی شرارۃ" کالقصر صفت کی جمع ہے شرر کے لئے القصر مفرد ہے بمعنی بلند مکان اسے جمع کی صفت اس لئے لایا کہ اس کا ہر ایک گویا ایک علیحدہ مکان ہے بعض نے کہا کہ بمعنی بڑی بڑی لکڑیاں اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا بمعنی الخشب العظام المقطعہ بڑی بڑی لکڑیاں جو ٹکڑے ٹکڑے ہوں اور فرماتے ہیں کہ ہم موٹی اور بڑی لکڑی

کو تین تین ہاتھ یا اس سے چھوٹی بڑی کاٹ کر سردیوں میں آگ جلانے کے لئے رکھ چھوڑتے تھے انکو ہم القصر کہا کرتے تھے اس لئے کہ ممدود (دراز) سے کٹ کر مقصورہ (چھوٹی) کردی گئیں۔

سبق غور کیجئے کہ یہ تو دھوپئں کے انگاروں کا حال ہے پھر جہنم کی آگ کے انگارے جیسے ہوں گے (خدا نہ کرے) اسمیں داخل ہونا پڑا تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا۔

(۳۳) كَاَنَّهٗ گویا وہ چنگاریاں۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ گویا وہ آگ اس کے بعد ضمیر لفظ نار کی طرف لوٹائی گئی ہے نہ کہ اس کے معنیٰ کی طرف اسی لئے فرمایا كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

حل لغات جمل کی جمع ہے جیسے حجارۃ حجر کی جمع تا جمع کی تانیث کی ہے اسم جمع ہے الجمل نر اونٹ ناقہ (اونٹنی (مادہ) جب اونٹوں میں اونٹنی نہ ہو تو انہیں جمالۃ (بالکسر کہتے ہیں الصفر اصفر کی جمع ہے الصفرۃ اس رنگ کا نام ہے جو سواد و بیاض کے درمیان ہو اور یہ ابیض کو قریب تر ہے اسی (سواد) کی ملاوٹ کی وجہ سے کبھی اسے سواد (سیاہ) سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ گویا ہر شرارہ زرد رنگ کے اونٹ ہوں گے یا سیاہ اونٹوں کی طرح ہوں گے۔ اس لئے کہ اونٹ کی سیاہی کو زرد سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے ہرنی کو آدم سے تشبیہ دی جاتی ہے اس لئے کہ اس کی سفیدی موتی کی طرح اس کے اوپر ہوتی ہے یا اُن لئے اونٹ کی زردی بالوں کے سروں میں ملکر سیاہ بن جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کی چنگاریاں قیر (تارکول، تیل) کی طرح سیاہ ہوں گی پہلے اسے قصر سے تشبیہ ہے عظم میں پھر اونٹ سے تشبیہ رنگ اور کثرت ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے اور رل ملکر آنے اور حرکت میں۔

المفردات میں ہے کہ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ میں صفر سے مراد وہ زرد جو معادن (کان) سے نکلتا ہے اس لئے تانبہ کو صفر کہا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر وہ صفت جو اوصاف بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ بحسب غلظۃ و شدۃ کے اونچے محلات و بروج مضبوط کی طرح ہیں یا گویا وہ عظیم الہیکل زرد اونٹوں کی طرح ہیں۔ اور وہ طویل شرارے ہیں انمیں نار کی قوت کی شدت ہے یعنی قوت غضبیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ (۳۴) وَيْلٌ بڑی مشقت ہے يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کو قیامت کی ہولناکیوں اور گنہگاروں کے احوال کی وجہ سے۔

اور کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویل ہے مکذبین کو جو مشقت دوزخ اور اس کے شراروں کا یقین نہیں کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ (۳۵) هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ یہ وہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں گے۔ یہ ان کے جہنم میں داخلے کے وقت اشارہ ہے یوم مرفوع خبر ہے ہذا مبتدا کی یہ وہ دن جس میں مکذبین کوئی بات نہ کر سکیں گے اس لئے کہ سوال و جواب اور حساب اس سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں قیامت کا دن طویل ہوگا اس کے کئی موطن و مورقیت ہیں بعض موطن و مورقیت میں بولیں گے۔ بعض میں نہیں ان ہر ایک کو یوم سے تعبیر کیا گیا ہے یا کوئی ایسی بات نہ کریں گے جو انہیں فائدہ دے ایسا بولنا بھی نہ بولنے کے برابر ہے۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ بولیں گے بوجہ فقدان آلات نطق اور عدم اجازت کے کہ ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی بعض نے کہا کہ تحیر کی شدت اور دہشت کی قوت کی وجہ سے نہ بولیں گے حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں ربوبیت کی ہیبت اور گناہوں کا حیا نہ بولنے دے گا حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ۔

سر از جیب غفلت برآور کنوں
کہ فردا نماند بخجلت نگوں

ترجمہ: سر غفلت کے گریبان سے باہر لا تاکہ کل قیامت میں شرمساری سے تیرا سر نگوں نہ ہو۔

(۳۶) وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ اور نہ انہیں اجازت ملے گی۔ یعنی انہیں عذر کرنے کی اجازت نہ ملے گی فَيَعْتَذِرُوْنَ کہ اس کا عذر کریں۔ اس کا عطف یؤذن پر ہے یہ بھی نفی کے سلک میں منتظم ہے یعنی نہ انہیں اجازت ہوگی نہ اس کے بعد عذر اسے اذن کا سبب نہیں بنایا جا سکتا ورنہ یہ منصوب ہوتا اور منصوب ہوتا تو وہم گذرتا کہ انہیں عذر کی گنجائش ہے حالانکہ اس سے وہ ممنوع ہوں گے کہ اس کا ذکر کر سکیں اور یہ واقع کے خلاف ہوتا کہ اگر انہیں عذر کی گنجائش ہوتی تو پھر انہیں روکا کیوں گیا یعنی اسے کوئی عذر کی گنجائش نہ ہوگی جس نے منعم سے منہ موڑا اور اس کی نعمتوں اور احسانات سے کفر کیا۔ (۳۷) وَيْلٌ خرابی اور غم يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کی۔ ان اخبار کو اور اسے جو حق واقع ہونے والے کو لایا (۳۸) هٰذَا یہ وہ دن ہے جس کے احوال (ہولناکیاں) اور احوال کا مشاہدہ آنکھوں سے دیکھا يَوْمُ الْفَصْلِ فیصلہ کا دن ہے کہ اس میں حق و باطل کا فیصلہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ نفس و شیطان کی عارف کے قلب کے جوار سے جدائی اور ہر محب کا غیر محبوب سے علیحدگی کا دن ہے۔ اس میں عارف و محب محبوب کے جود و شہود و وجود میں کلی طور مستغرق ہوگا۔

تفسیر عالمانہ جَمَعْنٰكُمْ اے امت محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نے تمہیں جمع کیا وَالْاَوَّلِيْنَ اور تمام اگلوں کو امتوں میں سے یہ فیصلے کی تقریر و بیان ہے اس لئے حق و باطل اور حق و باطل والے

کے درمیان فیصلہ نہیں ہوسکتا جب تک سب ایک جگہ پر نہ ہوں اس لئے ان کا جمع کرنا ضروری ہوا بالخصوص اس مذہب کے قاعدہ پر کہ غائب پر کوئی فیصلہ قائم نہیں ہوتا (۳۹) فَاِنْ کَانَ لَکُمْ کَیْدٌ فَکِیْدُوْنِ اگر تمہارا کوئی داؤ ہے۔ حیلہ وغیرہ کہ جس سے تم اپنے سے عذاب دفع کرسکو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب منجانب اللہ کفار کو ہے فَکِیْدُوْنِ تو مجھ پر چلاؤ۔ دراصل فکیدونی تھا یا متکلم محذوف ہوئی کسرہ دنون کا یہ پر اکتفا کیا گیا ہے وہ امر ہے یکید بمعنی مکر و حیلہ اور دھوکہ کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے لئے کوئی حیلہ بناؤ میرے عذاب سے چھٹکارا پاؤ اگر تمہیں امکان ہے کیونکہ جن کی تم دنیا میں تقلید و اقتدا کرتے تھے اور تم سب یہاں حاضر و موجود ہو یعنی اللہ کے سامنے کونسا حیلہ یا مکر چل سکے گا اسی لئے وہ اپنے سے عذاب دفع نہ کرسکیں گے۔ ع

بمکر و حیلہ عذابِ خدا رد نہ شود

نیاز باید و اخلاص و نالۂ سحری

تواں خرید بیک آہ ملک ہر دو جہاں

ازاں معاملہ غافل مشو کہ حیف خوری

ترجمہ: مکر و حیلہ سے عذابِ خدا رد نہ ہوگا۔ نیاز و اخلاص اور نالہ سحری چاہیئے۔
ایک ہی آہ سے دونوں جہاں خریدے جاسکتے ہیں اس معاملہ سے غافل نہ ہو ورنہ افسوس کرے گا۔

فائدہ یہ اہانت کا امر ہے اور خطاب تعجیز و تقریع کا ہے ورنہ ان کا مکر و فریب اہل ایمان کے ساتھ صرف دنیا تک تھا۔ اس سے کفار کو شرمسار کرنا مطلوب ہے کیونکہ دنیا میں وہ لوگوں کے حقوق کھاتے اور ان سے مال بٹورتے تو کئی حیلے و فریب کرکے دنیا میں ایسے چکر و مکر اور دھوکے ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا تب اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا کہ اب تمہارے حیلے مکر و فریب دیکھے سب جواب دے گئے یہاں مکر و فریب ممکن ہی نہیں تو گویا ان کی عاجزی کا اظہار اور زجر و توبیخ اور رسوا کرنا مطلوب ہے کیونکہ ایسا خطاب ان سے ہوتا ہے جہاں مخاطب کا عجز یقینی ہے۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگر مکر و فریب موجود ہے تو تمہیں نفع نہ دے گا۔ لَکُمْ کَانَ کے متعلق ہے یا عبارت یوں ہو فان وجد نافعا لکم تو اس وقت نافعا حال ہوگا۔

(۴۰) وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی کہ یہاں ظاہر ہوگیا ہے کہ عذاب سے چھٹکارا کا ان کے پاس کوئی حیلہ نہیں۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا
وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾
وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾
وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾
وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: بے شک ڈر والے سایوں اور چشموں میں ہیں[۴۱] اور میووں میں جو ان کا جی چاہے[۴۲] کھاؤ اور پیو رچتا ہوا اپنے اعمال کا صلہ[۴۳] بے شک نیکوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں[۴۴] اور اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے[۴۵] کچھ دن کھالو اور برت لو ضرور تم مجرم ہو[۴۶] اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے[۴۷] اور جب ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو نہیں پڑھتے[۴۸] اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے[۴۹] پھر اس کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔ ﴿۵۰﴾

تفسیر عالمانہ ﴿۴۱﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ بے شک اکفر و تکذیب سے ڈر والے اس لئے کہ یہی مکذبین کے بالمقابل ہیں۔ اس میں معتزلہ کا رد ہے فِي ظِلَالٍ سایوں میں جمع ظل جیسے شعاب شعب یا ظلۃ کی جیسے قباب قبتہ کی یعنی وہ لمبے چوڑے حقیقی سایوں کے تلے ہوں گے جیسے جملہ کا اطلاق دلالت کرتا ہے نہ کہ مکذبین کے ظلال سائے کہ وہاں مجاز تھا۔

یعنی متقین بہشت میں سایہ دار درختوں کے نیچے ہوں گے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی خبر دیتی ہے کہ وہ باغات میں پھلدار درختوں کے سایوں تلے ہوں گے۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس سے ان کی راحت عظمیٰ سے کنایہ ہے اس لئے کہ ظل راحت کے لئے بھی آتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے قول وندخلہم ظلاً ظلیلاً وغیرہ میں۔

نکتہ ظل اس لئے ذکر فرمایا تاکہ قلوب کو اس کا شوق ہو کیونکہ بعض بلاد سخت گرم اور قلیل الماء والاشجار والظلال ہوتے ہیں ان کو ایسے سایہ دار درختوں میں جانے کا قلبی شوق ہوتا ہے۔

وَعُيُونٍ اور چشموں میں ہیں۔ میٹھے پانی کے کہ ان سے پیاس دور ہو ﴿۴۲﴾ وَفَوَاكِهَ اور میووں میں یعنی رنگا رنگ میووں کے درمیان مِمَّا يَشْتَهُونَ جو ان کا جی چاہے یعنی تمنا آرزو کریں انہیں حاصل کریں نہ کہ بھوک اور پیٹ بھرنے

کے لئے بلکہ شہوت وتلذذ کے لئے خلاصہ یہ کہ وہ گوناں گوں نعمتوں اور قسم وقسم تنعم میں ہوں گے اپنے مخالفین کے
برعکس (۴۳) كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ کھاؤ پیو رچتا پچتا صلہ اپنے اعمال کا۔ یہاں یہ قول مقدر
ہے اور وہ متقین سے حال ہے یعنی انہیں کہا جائے گا جنت کی نعمتیں اور اس کے ثمرات کھاؤ اور اس کا پانی اور شراباً
طہوراً پیو رچتا پچتا عام بغیر بیماری اور بدنظمی کے اس کا صلہ ہے جو تم دنیا میں اعمال صالحہ کرتے تھے بالخصوص روزہ جیسا
کہ سورہ الحاقہ میں گذرا یہ امر اکرام ہے ان سے رضا و رغبت اور محبت کا اظہار ہے یہاں سے ان قائلین سے تمسک پکڑا
ہے جو کہتے ہیں عمل صالحہ کی جزا واجب ہے جیسا کہ باسببیہ سے ظاہر ہے ہم انہیں جواب میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ
کے فضل اور اس وعدہ سے جسکا خلاف نہیں ہوتا نہ بالذات کہ اس کا عدم ممتنع یا نقص ظلم کا موجب ہو۔
(۴۴) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ایسے ہی یہ بڑی جزا ہم محسنین کو دیتے ہیں کہ جن کے عقائد اور اعمال اچھے
ہیں نہ کہ معمولی جزا۔
(۴۵) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ خرابی اس دن مکذبین کو۔ کہ ان کے مخالفین تو ایسے جیسے بڑے ثواب کو پہنچے
اور وہ رہے دردناک شدید عذاب دائمی میں ہاتھ ملتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین باللہ ماسوا سے یعنی نور وحدۃ کے ساتھ ظلمت کثرۃ سے اور
نور معرفت کے ساتھ ظلمۃ النکرۃ سے ڈرو والے ظلال اوصاف الٰہیہ و اخلاق ربانیہ میں اور میاہ
العلوم والحکم کے چشموں میں اور وہ میوے جو ان کا جی چاہے تجلیات روحانیہ و تنزلات نورانیہ سے انہیں کہا جائے گا
کھاؤ مواہب ھنیہ (خوشگوار) کے طعام اور پیو مشارب توحیدیہ کا شراب رچتا پچتا صلہ ہے اس کا جو تم اعمال صالحہ و افعال حسنہ
کرتے ہو ہم اسی طرح محسنین یعنی ہمارے حال مطلق کے مشاہدین کو جزا دیتے ہیں احسان الجزاء وجزاء الاحسان کے مکذبین کو
خرابی ہے۔

تفسیر عالمانہ (۴۶) كُلُوا کھاؤ، دنیا کی فانی نعمتوں سے وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا نفع اٹھاؤ تھوڑا یا تھوڑے زمانہ میں
یعنی اپنے آجال کے انتہا تک تھوڑا سا نفع اٹھالو کیونکہ دنیا کا زمانہ اس کے متاع کی طرح تھوڑا ہے۔
إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ بے شک تم مجرم ہو، کافر ہو عذاب کے مستحق ہو بالآخر تمہارے لئے دائمی عذاب ہے۔

فائدہ فعل مقدر قول سے متعلق ہے اور مکذبین سے حال ہے اسی لئے کواشی میں ہے کہ یہیں مکذبین پر وقف اچھا نہیں
سمجھتا اگر اس سے کلوا منصوب ہو یعنی مقول سے حال ہونے کی حیثیت سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ خرابی ان کے لئے
ثابت ہے جنہیں کہا جائے گا ان کو نصیحت دے کر کہ دنیا کے اسباب کچھ نہیں جنہیں تم گناہ کر رہے ہو اور اس کی اتباع
کو دائمی نعمت والی پر ترجیح دے رہے ہو یہاں یہ سوال وارد نہ ہو کہ انہیں یہ کیسے کہا جائے گا جبکہ وہاں آخرت
میں تمتع کیسا اس لئے کہ آخرت میں انہیں طلب اکل وتمتع بہ نعیم "دنیا کا امر حقیقۃً نہ ہوگا کیونکہ وہاں دنیا کی نعمتیں ممکن

ہی نہیں بلکہ یہ امر تذکیر مذکور (دنیا) کے لئے ہوگا اس معنیٰ پر یہ توبیخ و تحسیر و حسرت دلانا) تحصرین (حزن میں ڈالنا) امر ہوگا۔

فائدہ ان کے اجرام (جرم کرنا) کو علت بنانے میں دلیل ہے کہ مجرم کا انجام یہی ہے کہ اس کا دنیا میں کھانا اور نفع اٹھانا تھوڑے دنوں کے لئے پھر دائمی ہلاکت میں رہنا ہوگا (معاذ اللہ)

(۴۷) وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ خرابی ہے اس دن میں مکذبین کو کہ دنیا کے تھوڑے سے اسباب سے نفع اٹھا کر خود کو عذاب دائمی کے آگے لگا دیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم مجرم ہو کہ ہیآت ردیہ و ملکات غیر مرضیہ (ناپسندیدہ) کو عمل میں لاتے ہو خرابی ہے اس دن مکذبین کے لئے کہ انہوں نے اخلاق ذمیمہ کو افضل سمجھ کر اوصاف حمیدہ کی تکذیب کی۔

تفسیر عالمانہ (۴۸) وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اور جب مکذبین کو کہا جائے کہ اِرْکَعُوْا نماز پڑھو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس سے ڈرو اس کے وحی کو قبول کر کے اور دین کی اتباع کر کے سر جھکاؤ اور اس تکبر و نخوت کو چھوڑ دو اس لئے رکوع اور کسی کے سامنے سر جھکانا اس کی تعظیم و تواضع ہے اور سجدہ سب سے بڑھ کر تعظیم و تواضع میں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ غیر اللہ کے سجدہ کفر ہے اگر عبادۃ کا ہو اگر تعظیم کا ہو تو خطرۂ عظیم سے خالی نہیں[1]۔

فائدہ حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ رکوع لغۃً میں حقیقۃً مطلق انحناء حسّی کو کہا جاتا ہے اور نماز کا رکوع بھی منجملہ اس کے افراد کے ہے اس کی اطاعت و خضوع سے تعبیر کرنا مجاز لغوی ہے اسے انحناء حسّی سے تشبیہ کی وجہ سے۔

لَا یَرْکَعُوْنَ تو نہیں پڑھتے نہ ڈرتے اور نہ اسے قبول کرتے بلکہ جس عادت پر تھے اپنے تکبر پر ڈٹ جاتے بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب انہیں نماز کا حکم کیا جائے یا رکوع کا تو نہ کرتے۔

شانِ نزول مروی ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثقیف والوں کو نماز کا حکم فرمایا تو کہا ہم نہ گرتے ہیں نہ ہی کبڑے ہوتے ہیں یعنی رکوع والے کی طرح کھڑے نہیں ہوتے کیونکہ ہمارے لئے ذلت ہے اس لئے کہ رکوع کی حالت میں پیٹھ سیدھی کر کے دبر کو پیچھے کی طرف کھڑا کرنا پڑتا ہے اور یہ ہمارے لئے عیب اور عار ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس دین میں خیر و بھلائی نہیں جس میں رکوع و سجود نہ ہو۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ جاہلیت میں بتوں کو سجدہ تو کرتے لیکن رکوع نہیں کرتے تھے اسی لئے رکوع اہل اسلام کی نماز کا علامت بن گیا۔

---

[1] اسی لئے ہم اہلسنت کے نزدیک سجدہ تعظیم حرام (مکروہ تحریمی)۔

فائدہ اسمیں دلیل ہے کہ کفار بھی فروع کے مخاطب ہیں آخرت میں مواخذہ کے حق میں (جیسے بار بار گذرا)

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ کفار مسلمان نہیں ہوں گے اس لئے کہ اسلام کا رکن اعظم نماز ہے شہادتین کے بعد۔

تارک نماز کی مذمت : اس میں تارک نماز کی مذمت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرتا جبکہ مؤذن پانچ وقت اسے اللہ تعالیٰ کے گھر اور نماز قائم کرنے کے لئے بلاتا ہے ایسے ہی تمام داعین الی اللہ تعالیٰ کا قیاس کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب اُن سے کہا جاتا ارکعو یعنی لذاتیہ حیوانیہ سے فنا پاکر لذاتیہ روحانیہ میں بقا پاؤ اس لئے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ روح وسر کی مناجات ہے اور اس مناجات سے بڑھ کر اور کوئی شے لذیذ تر نہیں۔

تفسیر عالمانہ (۴۹) وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ خرابی ہے اس دن مکذبین کی۔ لعنت ہے اس دن ان لوگوں پر جو نماز کے رکوع و سجود کی تکذیب کرتا ہے اور شرف اسلام کو نہیں پاتا۔

(۵۰) فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ (پھر کونسی بات پر) یہ اس خبر پر جو حق کی خبر دیتی ہے اور ماکان و مایکون کے صدق کو بیان کرتی ہے۔ بَعْدَهٗ اس کے بعد یعنی قرآن مجید جو دارین کی باتیں بولتا اور دونوں جہانوں کی خبریں عجیب طریقے اور معجزے کے طور پر بتاتا ہے۔ اور حجج قاطعہ و براہین ساطعہ پر اس کی مضبوط بنیاد ہے يُؤْمِنُوْنَ (ایمان لائیں گے) جب قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے جو کہ یہ جمیع احادیث (باتوں) کا جامع ہے

فائدہ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ الخ شرط محذوف کا جواب اور کلمہ بعد بمنزلہ ثُمَّ کے ہے افادۂ تراخی رتبی کا یعنی جب وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ وہ مذکورہ امور سے موصوف ہے تو پھر کونسی کتاب پر ایمان لائیں گے۔

نکتہ سورۃ کو کفار پر تعجب دلانے پر ختم فرمایا کیونکہ استفہام تعجیب کے لئے آتا ہے اس سے واضح فرمایا کہ یہ کفار مکہ انتہائی درجہ کے تمرد و عناد میں ہیں کہ وہ ایسے برہان روشن اور دلیل قاطع پر ایمان نہیں لاتے اور دین مضبوط کی حقیقت (حق ہونا) کو نہیں مانتے کہ یہ قرآن انتہائی درجہ کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز انتہائی طبقہ میں ہے۔

فائدہ خبر میں ہے کہ ان آیات کے پڑھنے کے بعد کہا (آمَنَّا) ہم ایمان لائے۔

استدلال معتزلہ بعض معتزلہ نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ قرآن قدیم نہیں کیونکہ آیت لفظ حدیث ہے اور وہ قدیم کی نقیض ہے اس لئے کہ قدم و حدوث ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتے۔

جواب از اہلسنت ہم کہتے ہیں کہ لفظ حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن حادث ہے کیونکہ یہاں حدیث بمعنی خبر ہے نہ کہ محدث (نو پیدا شدہ)

جواب ۲ اگر مان لیں کہ حدیث بمعنی محدث ہے تو بھی ان کا دعویٰ صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ عبارت قرآن میں کوئی ایسی تصریح نہیں جس میں ہو کہ قرآن محدث ہے صرف حدیث سے محدوث سمجھنا جہالت ہے اس لئے کہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ بعد قدیم کلام کے کونسی بات پر ایمان لاؤ گے۔

جواب مان لیا کہ حدیث سے حدوث کی دلیل ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ جو الفاظ ہم پڑھتے ہیں وہ معانی پر دلالت کرتے ہیں وہ حادث ہیں اور اسمیں تو ہمارا بھی اختلاف نہیں خلاف اس معنیٰ پہ ہے جو بذاتہ اللہ تعالیٰ ہے وہ ہمارے نزدیک قدیم ہے۔

شان نزول حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ والمرسلات شب جن میں نازل ہوئی ہم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رکاب سعادت میں تھے جب منیٰ کی غار (جو مسجد خیف کے ملحقہ ہے) میں پہنچے والمرسلات نازل ہوئی ہم حضور سے اس کو پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تلاوت فرماتے تھے اچانک ایک سانپ نے جست کی ہم اس کو مارنے کے لئے لپکے وہ بھاگ گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس کی برائی سے بچائے گئے وہ تمہاری برائی سے یہ غار منیٰ میں غار والمرسلات کے نام سے مشہور ہے۔

غار جن کی زیارت فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میں نے اس غار مبارک کی زیارت کی اور اسمیں سورۃ والمرسلات بھی تلاوت کی اور وہ غار ایک اونچی پہاڑی کے اندر کے حصہ میں ہے اس غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کا نشان پاک ہے یتبرك بہ الآن اب بھی اس سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اس کے فضل کرنے اور کثرۃ انعامات دینے اور زیارت حرم خود اور حرم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی توفیق بخشنے پر وہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اس کے نور جمال و کمال کے مظہر (اتم) ہیں۔

فراغت از صاحب روح البیان سورۃ والمرسلات کی تفسیر خالق کائنات کی مدد سے عاشورہ محرم کی عصر ۱۱۱۷ھ یعنی پارہ ۲۹ کی تفسیر اسی تاریخ کو ختم ہوئی

اور فقیر اویسی غفرلہ پارہ ۲۹ کی تفسیر سے ۱۵ ج ۲ ۱۴۰۹ھ ۲۳ جنوری ۱۹۸۹ء شب بدھ ساڑھے آٹھ بجے کو فارغ ہوا۔ بہاولپور (پاکستان)۔

فہرست مضامین تفسیر فیوض الرحمٰن پارہ نمبر ۲۹